چونکا دینے والی خوفناک کہانیاں
ماہنامہ
ڈر
ڈائجسٹ
کراچی
اپریل 2013
PDFBOOKSFREE.PK

ڈائری
شعیب شیرازی — 16
شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے ایک بہت ہی دلفریب اور دل موہ لینے والی کہانی

خاموش موت
شائستہ سحر — 41
خودغرضی اور مفاد پرستی کی رونگٹے کھڑے کرتی بہت ہی عبرتناک اور تحیر انگیز کہانی

جناتی دنیا
ساجدہ راجا — 47
دوماورائی مخلوق کی لرزادینے والی خوفناک اور ڈراؤنی نا قابل یقین......خونی روداد

رولوکا
اے وحید — 56
وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کردیں گی

خوبصورت
راشد نذیر طاہر — 81
ایک ماورائی مخلوق کی دلکش اور دلفریب دیدہ دلیری جو کہ پڑھنے والوں کو اچنبھے میں ڈال دیگی

انوکھا کیس
مدثر بخاری — 89
عشق ومحبت میں سرشار ایک ماورائی مخلوق کی عجیب وغریب اور دلکش روداد۔ایک شاہکار کہانی

خونی عمل
ایس حبیب خان — 103
کیا یہ حقیقت ہے کہ جادوسر چڑھ کر بولتا ہے۔ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ایک انہونی کہانی

خونی اسپتال
ثاقب بشیر — 113
خوفناک دہشت ناک اور دل کو دہلا دینے والی رات کے اندھیرے میں جنم لیتی کہانی

سنہری تابوت
ایم اے راحت — 122
شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے اچنبھے میں ڈالتی حیرت انگیز اور تحیر انگیز کہانی

مسکن
علی صباء — 146
حدود سے تجاوز انسان کے لئے کبھی کبھار جان لیوا ثابت ہوتا ہے، کہانی پڑھ کر تو دیکھئے

راج دلاری
ایس امتیاز احمد — 153
صدیوں پر محیط عجیب وغریب سوچ کی حامل ناقابل فراموش ......دل کو موہتی کہانی

ناگ منی
سیما امیر — 169
خوف کے لبادے میں لپٹی خونی وادی کی طرف محو پرواز ذہن پر سکتہ طاری کرتی انوکھی کہانی

مہمان
عبیرہ فاطمہ — 177
کیا برسوں پہلے مرے ہوئے لوگوں کی روحیں اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہتی ہیں

بلیک ٹائیگر
ایم الیاس — 184
تجسس اور سسپنس سے بھرپور واقعات جو پڑھنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیں گے

قوس قزح
ادارہ — 209
قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں......

مافوق الفطرت
عمران قریشی — 214
کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی اور جاندار، اشرف المخلوقات انسان پر سبقت لے سکتا ہے

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیوار دوبازار کراچی: 32744391

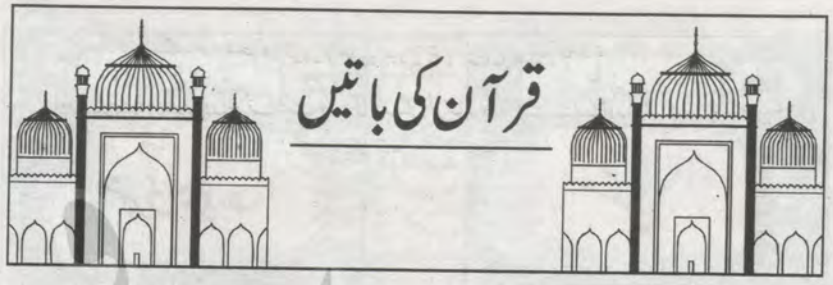

قرآن کی باتیں

☆ بہت سے اہل کتاب اپنے دلی کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنادیں، حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے تو تم معاف کردو اور درگزر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا دوسرا حکم بھیجے۔ بے شک اللہ ہر بات پر قادر ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 109)

☆ کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے دونوں کے درمیان یکساں تسلیم کی گئی ہے، اس کی طرف آؤ وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔ اور ہم میں کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو ان سے کہہ دو کہ تم گواہ ہو کہ ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد اتری ہیں اور وہ پہلے ہو چکے، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے میں کچھ لوگ حکم اللہ پر قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے اور اس کے آگے سجدے کرتے ہیں۔ اور اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے اور نیکیوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکار ہیں۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 113 سے 114)

☆ اے کتاب والوں قبل اس کے کہ ہم لوگوں کے مونہوں کو بگاڑ کر ان کی پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح پہلے والوں پر کی تھی۔ ہماری نازل فرمائی ہوئی کتاب پر جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے ایمان لے آؤ۔ اور اللہ نے جو حکم فرمایا سو سمجھ لو کہ ہو چکا۔ (سورۃ نساء 4 آیت 47)

☆ کہو کہ اے اہل کتاب جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو اور کتابیں تمہارے رب کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوئیں، ان کو قائم نہ رکھو گے کچھ بھی راہ پر نہیں ہو سکتے اور یہ قرآن جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اس سے ان میں سے اکثر سرکشی اور کفر اور بڑھے گا تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔ (سورۃ مائدہ 5 آیت 68)

☆ اور تم اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کئے رہو تم تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو اور جب اٹھا کرو تو اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیا کرو اور رات کے بعض واقعات میں بھی اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی اس کی حمد کیا کرو۔ (سورۃ طور 52 آیت 48 سے 49)

☆ اور زمین پر اکڑ کر (اور تن کر) مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا۔ (سورۃ بنی اسرائیل 17 آیت 37)

☆ اور از راہ غرور لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا۔ کہ اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں اعتدال کئے رہنا اور بولتے وقت آواز نیچی رکھنا۔ کیونکہ اونچی آواز گدھوں کی سی ہے اور کچھ شک نہیں کہ سب سے بری آواز گدھوں کی ہے۔ (سورۃ انبیاء 21 آیت 18 سے 19)

☆ اور بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو۔ (سورۃ مومنون 23 آیت 96)

☆ مومنوں تمہارے ملازم، کنیزیں اور جو بچے تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے، تین دفعہ یعنی تین اوقات میں تم سے اجازت لیا کریں ایک تو نماز صبح سے پہلے اور دوسرے گرمی کی دوپہر کو جب تم کپڑے اتار دیتے ہو اور تیسرے عشاء کی نماز کے بعد تین وقت تمہارے پردے کے ہیں ان کے آگے پیچھے (یعنی دوسرے وقتوں میں) نہ تم پر کچھ گناہ ہے اور نہ ان پر کہ کام کاج کے لئے ایک دوسرے کے پاس آتے رہتے ہو۔ اس طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ بڑا علم والا اور بڑا حکمت والا ہے۔ (سورۃ نور 24 آیت 58)

☆ اور اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔ (سورۃ فرقان 25 آیت 63)

☆ اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال۔ تم کو سلام۔ ہم جاہلوں کے خواستگار نہیں ہیں۔ (سورۃ قصص 28 آیت 55)

☆ اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتا۔ تو (سخت کلامی کا) ایسے طریقے سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔ (سورۃ حٰمٓ سجدہ 41 آیت 34)

☆ اور اگر معاف کردو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۃ تغابن 64 آیت 14)

☆ اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 85)

☆ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔ (سورۃ آل عمران 3 آیت 19)

(کتاب کا نام "قرآن مجید کے روشن موتی"، بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

خطوط

نورین اعظم راولپنڈی سے، السلام علیکم، میری طرف سے تمام رائٹرز، پوری ڈریم اور قارئین کو میرا بھرپور سلام قبول ہو، اس دفعہ ڈر تھوڑا لیٹ ملا۔ قرآن کی باتیں زبردست تھیں۔ پھر خطوط میں اپنا نام دیکھ کر اتنی خوشی ملی کہ میں بتا نہیں سکتی۔ بہت شکریہ اپنا نام دیکھ کر لکھنے کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ پہلے میں دوسرے رسائل پڑھتی تھی۔ اس وقت میرا دل کرتا تھا کہ اتنے رسالے چھپتے ہیں۔ کوئی ہارر رسالہ بھی ہونا چاہئے اس وقت مجھے ڈر کے بارے میں پتہ نہیں تھا پھر ایک دن یونہی مارکیٹ میں کچھ خریدتے ہوئے ڈر پر نظر پڑی بس یوں سمجھئے کہ میں پاگل ہوگئی اور میں ہارر کہانیوں کی دیوانی جھٹ پٹ خرید لیا۔ بس اس وقت سے ڈر کی مستقل قاری ہوں اب تو ڈر میں چلو خط میں سہی میرا نام چھپتا تو ہے میرے لئے یہی بہت اعزاز کی بات ہے۔ اب بات کرتے ہیں کہانیوں کی، سب بہت اچھی تھیں، سب رائٹر بہت محنت کرتے ہیں، جن کی محنت کہانیوں میں نظر آتی ہے۔ پلیز اب آپ میری کہانی شائع کردیں جو ''انوکھا تعلق'' بھیجی تھی۔ اس کا ہی بتا دیں کیسی تھی۔ کہانی شائع ہوجائے گی تو سمجھو میری بہت بڑی خواہش پوری ہوجائے گی۔ اس دن پتہ نہیں میری خوشی کا عالم کیا ہوگا۔ پورا فروری کا مہینہ میں نے پتہ نہیں کس طرح گزارہ ہے یہ میں جانتی ہوں پھر بھی میری کہانی نہیں شائع ہوئی چلئے کوئی بات نہیں آپ نے اگلے ماہ کا کہا ہے پلیز شائع کردیں۔ میں نے ایک اور کہانی شروع کی ہے وہ جلد ہی آپ کو مل جائے گی۔ شکریہ۔

☆☆ نورین صاحبہ: آپ کی کہانی انوکھا تعلق حقیقت پر مبنی ہے مگر اس قدر حقیقت ہے کہ پڑھنے والوں کے مزاج پر بوجھ محسوس ہوگا، بہت سی باتیں ہم محسوس کرتے ہیں مگر زبان خاموش رہتی ہے، لہٰذا پلیز آپ دوسری کہانی ارسال کریں، امید ہے شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

ساحل دعا بخاری بصیر پور اوکاڑہ سے، ڈر آج یعنی 2 مارچ کو سنہری دوپہر کو ملا سب سے پہلے لیٹرز دیکھے، اپنا لیٹر ڈھونڈا مگر..... ہم تو آخری بار ''آس'' کا دامن تھامے آپ کے در پہ آئے تھے مگر یہ ''آس'' بھی کبھی کبھی کتنا ''بے آس'' کر دیتی ہے نا! یہ آس ہی ہوتی ہے جو مایوسیوں کی اتھاہ تاریکیوں میں جگنو بن کر ٹمٹماتی رہتی ہے۔ اس کا دامن تھام کر انسان دکھوں کے پہاڑ سر کر لیتا ہے۔ یہ واحد چیز ہے جو ''ضبط'' کا حوصلہ بڑھاتی ہے۔ جب یہ دامن چھڑا لے تو پھر باقی کچھ نہیں رہتا۔ اور یہ ہم سے اپنی آنکھوں میں ہزاروں حسرتیں لئے دامن چھڑا کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئی ہے، آس کے ہالے میں لپیٹ کر، امید کی خوشبو چھڑک کر خوش فہمی کے لبادے میں پیک کر کے ''درتوبہ'' بھیجی تھی۔ یقین تھا آپ کے معیار پر پوری اترے گی مگر..... آس کا ہالہ چاک ہوگیا، امید کافور ہوگئی، خوش فہمی نے ہمیشہ کی طرح منہ کی کھائی اور ''یقین'' کو گمان نے نگل لیا..... آپ نے اسے شائع کرنا تو دور، اس کی بابت بتایا تک نہیں..... خط تک شائع نہیں کیا۔ بعض مرتبہ ہم ذرہ خاک ہو کر بھی چاند کو پانے کی تمنا کر بیٹھتے ہیں۔ عالم دیوانگی میں اسے تکتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یکلخت ایک ٹھوکر لگتی ہے اور سب کچھ ختم ہوجاتا ہے اور پھر خالی آنکھوں سے سب کچھ ''ختم'' ہوتا دیکھتے رہتے ہیں۔ پھر سب کچھ خالی ہوجاتا ہے۔ خالی دل، خالی دامن، خالی روح اور خالی آنکھیں..... مگر خالی دل میں کیسی اذیت انگاروں پہ لوٹتی ہے، خالی دامن میں شکست کا کیسا بوجھ ہوتا ہے، خالی روح اپنے ''خالی پن'' پہ کس طور چلتی ہے اور خالی آنکھوں میں کرب کا کیسا میل رواں ہوتا ہے، یہ کوئی بھی نہیں جان پاتا۔ زمین قدموں تلے رہتی ہے، نہ سر پہ آسمان اور ہم بس خلاء میں معلق ہو کر رہ جاتے ہیں اور یہ تو ہونا ہی ہوتا ہے کیونکہ یہ ''ٹھوکر'' معمولی نہیں ہوتی۔ یہ ٹھوکر ''تقدیر'' کی ٹھوکر ہوتی ہے اور ہمیں بھی یہی ''ٹھوکر'' لگی ہے۔ ویسے جب تقدیر گرانے پہ آجائے، تو منہ کے بل گرنے کے لئے کسی ٹھوکر کی ضرورت نہیں رہتی..... گزشتہ دنوں ہمارے ایک انکل ''شاہ حسین بخاری'' بالکل اچانک دنیا چھوڑ گئے۔ موت برحق ہے مگر کچھ لوگ مرتے ہوئے اپنے ساتھ سب خوشیاں بھی لے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ دنیا میں صرف محبتیں بانٹنے کے لئے آتے ہیں اور وہ انہی میں سے تھے۔ اکثر لوگوں سے سنا تھا کہ فلاں شخص کا چہرہ مرنے کے بعد بھی تروتازہ تھا اور ہم سوچتے تھے کہ ایسا کیونکر ممکن ہے؟ اس کا جواب ہمیں ان کی ڈیتھ پہ ملا۔ ان کا چہرہ اگلے دن بھی روشن اور مسکراتا محسوس ہوتا تھا بلکہ دوسرے روز مزید پرنور اور پرشعاع ہوگیا تھا۔ زندگی کتنی مختصر ہے اور ہم اسے فضول کاموں میں ضائع کر رہے ہیں۔ اللہ ہمیں زندگی اپنے اور اپنے محبوبؐ کے پسندیدہ طریقے کے مطابق گزارنے کی توفیق دے۔ آمین! وارث آصف کی کمی محسوس ہوئی

ڈر میں اپنی دے! ''درتوبہ'' اور ہماری دیگر نگارشات ''ردی'' کی نوکری کی نذر ہوگئی ہوں گی۔

☆☆: ساحل دعا صاحبہ: حقیقت پر مبنی خلوص نامہ ملا پڑھ کر دل افسردہ ہوا، اور ساتھ ہی ہم معذرت خواہ ہیں لیکن یہ کہنے میں ہم حق بجانب ہیں کہ درتوبہ اور خط ہمیں ملا نہیں اور آپ نے یک طرفہ طور پر بہت کچھ سوچ لیا۔ یہ تو وہی بات ہے ناں کہ ''ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار'' امید ہے آپ سنجیدگی سے غور فرمائیں گی اور شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔ قارئین کی اور ہماری دعا ہے کہ آپ کے انکل حسین بخاری کو اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم، آداب عرض ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ڈر ڈائجسٹ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے، آمین، ماہ مارچ کا ڈر ڈائجسٹ 21 فروری کو ملا، ٹائٹل کچھ خاص تاثر نہ دے سکا۔ مگر ٹائٹل پر موجود حسینہ انگلش فلموں کی ولن لڑکی ضرور دکھائی دے رہی تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ ڈائجسٹ کھولا۔ مگر اپنی کہانی کو نہ پا کر تھوڑی ناامیدی سی چھا گئی دل پر، خیر سب سے پہلے میں ایک بہت اہم بات گزارش کرنا چاہوں گی۔ ماہ مارچ کا 23 تاریخ ہم سب کے لئے بہت ہی زیادہ اہم ہے۔ مگر میرے لئے یہ تاریخ سب سے زیادہ اہمیت کی حامل رہی ہے۔ کیونکہ 23 مارچ کو میری سالگرہ ہے اور میں اپنی سالگرہ میں ڈر اور تمام قارئین کو شریک کرنا چاہتی ہوں۔ سو پلیز، میرے لئے اس دن پر ڈھیر ساری دعاؤں میں ضرور یاد رکھئے گا۔ ڈر میں سب سے پہلے قرآن پاک کی روشن باتوں سے دل کو نور کی روشنی سے منور کیا۔ اس کے بعد خطوط پڑھے، سب دوستوں کا بہت بہت شکریہ! خاص کر نوشین خان، افشاں رمضان ہاشم، صبا رمضان، نورین اعظم، فاریہ تبسم، انوری رمضان اور تمام دوستوں کا، اپنا خط شامل دیکھ کر دلی خوشی ہوئی، قسط وار تحریر میں رولو کا زبردست رہی، روشاک اپنے انجام کو پہنچا، اور خوشبو اس شیطان سے محفوظ رہی۔ سنہری تابوت الجھی رہی، ان میں ابھی مزید سلجھنے میں وقت لگے گا۔ بے چین روح، شہزادہ چاند زیب عباسی کی تحریر، اس بار کچھ خاص تاثر نہیں دے سکی۔ پاگل بیتی عمران قریشی کی تحریر نے واقعی پاگل خانہ کا ریکارڈ توڑ ڈالا، بدروحوں کا مسکن صفدر شاہین کی زبردست تحریر رہی۔ سب کہانیاں بہت زبردست انوکھی و اچھوتی رہیں، قوس قزح، غزلیں و نظمیں بھی اچھی رہیں۔ عثمان غنی کا شعر اچھا لگا، جبکہ سنگل اسٹوریز میں نمبر ون تحریر صبا رمضان کی نیلی کوٹھی رہی، ویلڈن صبا، رمضان، ڈر اور خوف کہانی میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا.....

☆☆ بلقیس صاحبہ: خلوصہ نامہ بمعہ کہانیوں کی تعریف کے ارسال کرنے کے لئے ویری ویری تھینکس، آپ کی کہانی اس ماہ شائع نہ ہوسکی، اگلے ماہ کے لئے وعدہ اور قوی امید ہے کہ اگلے ماہ بھی نوازش نامہ ارسال کرنا بھولیں گی نہیں۔ Thanks۔

عصمت اقبال منگلا ڈیم سے، السلام علیکم، امید کرتی ہوں آپ اور ڈر کا پورا اسٹاف بالکل خیریت سے ہوں گے۔ میں پچھلے چند ماہ سے ڈر کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ یہ ہم سب گھر والوں کا پسندیدہ رسالہ ہے اور دعا ہے کہ یہ اسی طرح سے اپنی پسندیدگی اور دلچسپی قائم رکھے۔ میں اس بزم میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں اور اپنی ایک غزل بھی بھیج رہی ہوں۔ اگر حوصلہ افزائی ہوئی تو انشاء اللہ آئندہ بھی شرکت کرتی رہوں گی۔ ڈر کے تمام لکھنے والوں اور پڑھنے والوں کو میری طرف سے سلام قبول ہو۔

☆☆ عصمت صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ اور آپ کے گھر والوں کا بہت بہت شکریہ کہ آپ لوگوں کو ڈر ڈائجسٹ کی کہانیاں اچھی لگتی ہیں، چلئے حوصلہ افزائی ہوگئی، امید ہے آپ آئندہ بھی خط لکھ کر ڈر ڈائجسٹ کو یاد رکھیں گی۔ شکریہ۔

ساجدہ راجا ہندواں سرگودھا سے، میری طرف سے تمام ڈر رائٹرز اور ریڈرز کو السلام علیکم، ہر ماہ ڈر کا ٹائٹل چونکا دینے والا ہوتا ہے جو بہت زبردست بات ہے، کہانیاں بھی بہت اچھی ہوتی ہیں، قسط وار میں بلیک ٹائیگر کافی سے زیادہ بولڈ ہو چکی ہے۔ اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ ڈر ڈائجسٹ کو ہر عمر کے لوگ پڑھتے ہیں۔ پلیز توجہ فرمائیں۔ میری کہانیاں یقیناً آپ کو مل گئی ہوں گی۔ کیا اپریل کے شمارے میں میری کوئی کہانی شامل اشاعت ہے۔ آئندہ تک کے لئے اللہ حافظ۔

☆☆ ساجدہ صاحبہ: خط لکھنے، کہانیاں ارسال کرنے اور کہانیوں پر قلمی لگاؤ سے تبصرہ کے لئے تھینکس، آئندہ ماہ نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔ نئی کہانی کے ساتھ۔

فاریہ تبسم ٹھینگ موڑ قصور سے، آداب! سب سے پہلے ڈر کے تمام رائٹرز قارئین اسٹاف کو میری طرف سے سلام دعا! ڈر مارچ 2013ء کا شمارہ ملا تو دل بلیوں اچھلنے لگا۔ قرآن کی باتیں زبردست تھیں۔ خطوط میں غلام نبی نوری، نوشین خان، بلقیس خان، سنبل طٰہٰ، افشاں رمضان، انوری رمضان اور نورین اعظم کے خطوط زبردست تھے۔ ویری گڈ، کہانیوں میں رولو کا میں روشاک کا خاتمہ ٹھیک

ہوا، سنہری تابوت اور بلیک ٹائیگر بھی زبردست تھیں۔ پاگل بیتی ایک منفرد کہانی تھی۔ بے چین روح، بدروحوں کا مسکن، آسیب، نیلی کوٹھی، موکل کا کرشمہ اور قوم جنات ہولناک کہانیاں تھیں۔ قوس قزح میں افشاں رمضان، انوری رمضان، اقصیٰ رباب، غلام نبی نوری، نوشین خان اور عاصمہ رمضان کے کلام دل کو موہ لینے والے تھے۔ ویری گڈ۔ امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی ہمارے خط کو جگہ دی جائے گی۔ اللہ حافظ۔

☆☆ فاریہ صاحبہ: آپ کا بہت بہت شکریہ کہ زیادہ مصروفیات کے باوجود بھی آپ ڈرڈائجسٹ کو یاد کرنے کے لئے وقت نکال لیتی ہیں اور قوی امید ہے کہ خط بھیج کر شکریہ کا موقع دیتی رہیں گی۔

شفق شیکی سیالکوٹ سے، السلام علیکم، خیریت مطلوب ہے..... ''ڈر'' کا مطالبہ کیا، اسے بہت بہتر اور اچھا پایا ہے..... ''ڈر'' کا معیار، مواد، کاغذ اور حوصلہ افزائی کا طریقہ بہت بھایا..... ''ڈر'' ڈائجسٹ کے لئے بالکل تازہ کہانی ارسال کررہی ہوں..... ''ڈر'' کے لئے یہ جو ''کہانی'' میں نے ارسال کی ہے، یہ بے حد دلچسپ، ڈراور سسپنس بھی اس میں شامل ہے، ڈر، تجسس، خوف کو اس میں بہتر مواد کے ساتھ پیش کرنے کی پوری کوشش کی ہے..... امید ہے میری یہ کاوش ضرور پسند آئے گی..... اور امید ہے کہ ضرور حوصلہ افزائی ہوگی۔ ڈر کے تمام لکھاری بہت اچھا لکھ رہے ہیں..... سب کے لئے بہت سی خیر، کی دعائیں..... 'سوہنے کراچی' کے لئے بہت سی دعائیں.....

☆☆ شفق صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، شاعری شامل اشاعت ہے، کہانی کے لئے اچھی امید رکھیں، امید ہے آئندہ ماہ بھی ڈر کی محفل میں شامل ہونا بھولیں گی نہیں۔ Thanks۔

مریم ماہ منیر لاہور سے، السلام علیکم، نیک تمناؤں کے ساتھ یہ امید لئے کہ ڈرڈائجسٹ کا تمام اسٹاف اپنے لکھاری اور قاری سمیت خیریت سے ہوگا اور مارچ کے شمارے کی تیاری میں زور وشور سے لگا ہوگا۔ ٹائٹل انفرادیت لئے ہوئے فیروزی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ عابد علی کا انتخاب ''خلا سے واپسی'' بہت اچھا رہا۔ جادو گرنے کافی سحر طاری کئے رکھا۔ سنہری تابوت کی قسط نے ہمیشہ کی طرح اپنے حصار میں شروع سے آخر تک جکڑے رکھا۔ ہیروئن ایس حبیب خان کی اچھی کاوش رہی۔ ''کلون'' کا انداز تحریر دل کو بھایا۔ احسان سحر کی ''خونی پاؤں'' لاجواب تھی۔ شاعری میں شرف الدین جیلانی، عثمان غنی، منیر احمد ساغر، واجد نگینوی کا کلام اثر انگیز تھا۔ میرے کلام کی اشاعت پر شکریہ، اس کے ساتھ اگلے ماہ تک کے لئے اجازت، ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو۔

☆☆ مریم صاحبہ: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے Thanks۔ غزل شامل اشاعت ہے اور یہ بھی امید ہے کہ آپ آئندہ ماہ بھی اپنی رائے کا اظہار کرنا بھولیں گی نہیں۔

ایس امتیاز احمد کراچی سے، امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ ماہ رواں کا شمارہ سامنے ہے۔ دلفریب ٹائٹل کے ساتھ تمام ترسلسلے خوب رہے۔ آرٹیکل لگانے کا شکریہ، ہماری ''راج دلاری'' آپ کے پاس ہے پلیز دیکھئے گا۔ مزید Ad میٹر میں۔ شعلے کی موت، زندگی اور موت، حمد، ارسال خدمت ہے، پلیز قریبی اشاعت میں جگہ دیں، آپ کو اور دیگر اسٹاف اور ''ڈرڈائجسٹ'' کے تمام خوب صورت لکھنے والے رائٹرز اور تمام خوب صورت پڑھنے والے دو یورز کو دعا سلام۔

☆☆ امتیاز صاحب: نیک تمناؤں کے ساتھ ویری ویری تھینکس، آپ کی والہانہ چاہت ڈرائجسٹ سے قابل تحسین ہے، آپ کی صحت یابی کے لئے دعا گو۔ آپ کی راج دلاری ہمارے پاس ہے اب منظر عام پر آگئی۔

نائیک محمد اعظم رضوی کھاریاں کینٹ سے، سب سے پہلے تو میری طرف سے ادارہ ڈرڈائجسٹ کے تمام ورکرز کو السلام علیکم قبول ہو۔ فروری 2013ء کا شمارہ جلدی مل گیا۔ سرورق بہت ہی خوب صورت تھا۔ اس کے بعد قرآن کی باتیں پڑھیں، دلی سکون ملا اور سب کہانیوں میں پہلے رولو کا پڑھی بہت شاندار جارہی ہے۔ اس کے علاوہ دل کے رشتے، قاتل، ہیروئن، زندگی، خونی پاؤں، دعا کی طاقت، موت کا پیچھا سب بہت اچھی رہی، برائے مہربانی Request کرتا ہوں کہ قسط وار کہانی زیادہ شائع کیا کریں، کیوں کہ ایک تو ٹائم نہیں ملتا اور جب ٹائم ملے تو آگے 18 صفحات پر مشتمل قسط وار کہانی ختم ہوتی ہے پھر مہینے بھر انتظار، اف اللہ کہاں جائیں؟

☆☆ عظیم صاحب: ڈرڈائجسٹ میں ویلکم، خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، آئندہ ماہ بھی آپ کے تجزیہ کا انتظار رہے گا اور امید ہے آپ ضرور شکریہ کا موقع دیں گے۔

باسط مظہر حامد جھنگی، راولپنڈی سے، السلام علیکم! امید ہے ڈر کا اسٹاف خیر وعافیت سے ہوگا، مارچ کا شمارہ ہاتھ میں ہے، خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ تمام ترسلسلے بہتر رہے۔ خطوط میں اپنا خط نہ پا کر دکھ ہوا، پچھلے ماہ دو بعد آرٹیکل ارسال کئے تھے۔ مگر دونوں میں سے ایک بھی شامل اشاعت نہ تھا۔ شائستہ سحر کی کہانی ''آسیب'' بہت پسند آئی۔ ان کی کہانی فروری کے شمارے میں ''قاتل'' بھی کافی پسند آئی تھی۔ قسط وار کہانیاں زبردست جارہی ہیں۔ باقی تمام کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ شاعری تقریباً ٹھیک ہی تھی۔ کچھ کہہ نہیں سکتا کیونکہ شاعری کا بس جائزہ ہی لیا ہے۔ ایڈیٹر صاحب آپ نے جنوری کے شمارے میں خط کے جواب میں کہا تھا کہ آپ کی بھیجی ہوئی کہانی شائع ہوگی مگر ابھی تک نہ شائع ہوسکی۔ اس کے علاوہ میں نے پچھلے ماہ ایک اور کہانی ''پریت آتما'' بھیجی تھی وہ کب شائع ہوگی۔ اس کے علاوہ خط کے ہمراہ میں ایک اور کہانی ''سمندری سفر'' بھیج رہا ہوں۔ ساتھ غزل، شعر اور آرٹیکل بھی ہیں۔ میں مسلسل تین ماہ سے آپ سے درخواست کررہا ہوں کہ مجھے ''ماہ نومبر 2012ء کا شمارہ ارسال کیا جائے مگر آپ جواب نہیں دے رہے اور وجہ میں اپنے پچھلے خطوط میں لکھتا رہا ہوں امید کرتا ہوں اس بار آپ جواب دیں گے، اب آئندہ ماہ تک کے لئے اجازت دیں۔ خدا حافظ۔

☆☆ باسط صاحب: قسط وار کہانیوں کے علاوہ دیگر کہانیاں لائن میں لگی ہوتی ہیں، آپ گھبرائیں نہیں آپ کی کہانی بھی شائع ہوگی، سمندری سفر مل گئی ہے نومبر کا شمارہ حاضر اسٹاک نہیں، اس لئے معذرت، آئندہ ماہ بھی نیک دعاؤں کا انتظار رہے گا۔

ثاقب بشیر لاہور سے، ڈرڈائجسٹ کے سارے اسٹاف کو اور آپ کو میرا بہت بہت سلام، معذرت کہ میں اتنا عرصہ محفل سے دور رہا۔ مصروفیات بڑھ گئی تھیں مگر مطالعہ جاری تھا۔ قلبی رشتہ بنا ہے ڈرڈائجسٹ سے، میں پہلے بھی لکھتا رہا ہوں اس بار بھی ایک کہانی ارسال کررہا ہوں، امید ہے قریبی شمارے میں شامل اشاعت کرکے شکریہ کا موقع دیں گے خونی اسپتال کے نام سے ہے۔

☆☆ ثاقب صاحب: عوام کو روزمرہ کے حالات میں ناقابل حد تک الجھا دیا گیا ہے جو تو میں اپنا لوہا منواتی ہیں وہ خوش وخرم رہتی ہیں اور جو دوسروں پر انحصار کرتی ہیں وہ دال روٹی کے چکر میں سرگرداں ہی رہتی ہیں، جیسے کہ ہم عوام، آج کل ہر شخص مصروف ترین وقت گزار رہا ہے، امید ہے اب آپ ہر ماہ شکریہ کا موقع دیتے رہیں گے۔

محسن علی جٹ ساہیوال سے، جناب میں اپنی دوسری کاوش یعنی کہانی دیپائر کی محبت اور دنیا بھیج رہا ہوں امید ہے آپ کو پسند آئے گی اور حوصلہ افزائی کریں گے، کہانی شائع ہونے کا شدت سے انتظار رہے گا۔ اب بات کریں مارچ 2013ء کے شمارے کی تو یہ شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ تمام کہانیاں بیسٹ تھیں مگر جو مجھے اچھی لگیں ان میں رولو کا، بلیک ٹائیگر، پاگل بیتی اور بددعا ہیں تمام رائٹرز اچھا لکھ رہے ہیں۔ اس مرتبہ غزلیں بھی اچھی تھیں۔ قرآن کی باتیں والا صفحہ میرا پسندیدہ صفحہ ہے۔ وہ باقاعدہ شروع میں پڑھتا ہوں اور اس پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ اجازت چاہوں گا اللہ پاک ڈرڈائجسٹ کو دن رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔ بشرط زندگی اگلے ماہ پھر ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔

☆☆ محسن صاحب: کہانی مل گئی ہے مگر مصروفیات کی بنا پر ابھی پڑھی نہیں، اچھی ہوئی تو عنقریب شائع ہوگی۔ اپنا خیال رکھئے گا اور ساتھ میں ڈرڈائجسٹ میں شمولیت بھولئے گا نہیں۔

پروفیسر واجد نگینوی کراچی سے، ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کا شمارہ مارچ 2013ء قارئین کے ہاتھوں کی زینت بن چکا ہے، اس میں شائع ہونے والی دلچسپ حیرت انگیز سنسنی خیز کہانیاں قارئین کے دن اور رات کا چین حرام کردیتی ہیں۔ ہر ماہ ایک نئی سج دھج کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہیں۔ غزلیں، چٹکلے نہایت اعلیٰ معیاری اور نئی سوچ کا پیغام دیتے ہیں۔ یہ مہینہ سردی اور گرمی کا سنگم ہوتا ہے۔

☆☆ واجد صاحب: ویری ویری تھینکس، اپنی رائے اور خط بھیجنے کے لئے، امید ہے آئندہ ماہ بھی اپنا قلبی لگاؤ ارسال کرکے شکریہ کا موقع ضرور دیں گے۔

غلام نبی نوری کھڈیاں خاص سے، ڈر کا شمارہ مارچ 2013ء کا بہت لیٹ ملا۔ سرورق پر پراسرار دوشیزہ کی تصویر دلکش تھی۔ قرآن کی باتیں دل افروز تھیں، خطوط کی محفل میں پہلے اپنا خط دیکھ کر خوشی ہوئی۔ کہانیوں میں سب سے پہلے رولو کا میں روشاک کا حال پڑھا۔ گڈ، سنہری تابوت اور بلیک ٹائیگر سپر ہٹ تھیں، اس کے بعد آسیب شائستہ سحر، ویری گڈ، نیلی کوٹھی صبا رمضان بہت خوب تھی۔ پاگل بیتی، عمران قریشی زبردست۔ ڈسٹھ ہاؤس منفرد تھی۔ بے چین روح، گمشدہ جزیرہ اور خون جگر بھی خوب صورت تھیں۔ میں ایک عدد کہانی بنام ''خوفناک دنیا'' بھیج رہا ہوں امید ہے کہ پسند آئے گی۔

☆☆ غلام نبی صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ، بلکہ بہت بہت شکریہ، آپ کے خلوص نامہ کا اگلے ماہ بھی شدت سے انتظار رہے گا۔

شرف الدین جیلانی ٹنڈوالہ یار سے، ٹھنڈی اور گرم ہواؤں میں رسالے سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، ہر کہانی کو گہری نظر سے پرکھ رہے ہیں..... شائستہ سحر..... ساجدہ راجا بہت مختصر کہانی لکھ رہی ہیں..... جبکہ ہم پڑھنے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ کم از کم دس بارہ صفحات کی کہانی ہونی چاہئے۔ راحیلہ مشتاق کی قسط وار کہانی کا انتظار ہے آج کل ڈر سے غائب ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی امان میں رکھے۔ کچھ تبصروں سے ہم اتفاق کرتے ہیں، رائٹر صاحبان قلموں سے ملتی جلتی کہانیاں نہ لکھیں۔

☆☆ شرف الدین صاحب: آپ اپنے تمام میٹر ایک ہی لفافے میں ارسال کر دیا کریں۔ ہم آپ کی چاہت وخلوص کی قدر کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے تمام قلبی رشتوں پر اپنا فضل وکرم رکھے۔ (آمین)۔

اسلم جاوید فیصل آباد سے، السلام علیکم! آپ خیریت سے ہوں گے اور میں خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں بکسٹال پر ماہ مارچ کا ڈرڈائجسٹ دیکھ کر میرا دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ پرچے نے پہلے سے کافی ترقی کی ہے اور سرورق بھی اب معیاری اور خوب صورت ہے۔ تمام تحریریں پہلے سے زیادہ بہتر ہیں یہ ایک دلکش اور معیاری جریدہ ہے یاد آوری کا بہت بہت شکریہ! غزل شائع کرنے پر میں آپ کا بے حد ممنون ہوں، آپ کا خلوص اور محبت ہی ہمارے لئے کافی ہے ہر ماہ کی مقررہ تاریخ پر پرچے کا بڑی بے تابی سے انتظار ہوتا ہے۔ موسم بھی آہستہ آہستہ بدل رہا ہے اور کاروباری حالات بھی آہستہ آہستہ تبدیل ہو رہے ہیں، مصروفیات میں سے وقت نکال کر یہ خط تحریر کر رہا ہوں تمام عنوان مثلاً قرآن کی باتیں، خطوط، قوس قزح غزلیں اور دیگر کہانیاں انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ ہیں۔ آسیب، موت کا گھر، بددعا اچھی کہانیاں تھیں ان قلمکاروں کو میری طرف سے مبارکباد، چند غزل ارسال خدمت ہے۔ قرعہ شمارے میں جگہ دے دیں۔ ہر لحہ ہمیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت رہتی ہے خدا آپ کو اپنی امان میں رکھے اس کے ساتھ ہی اجازت چاہتا ہوں، زندگی نے وفا کی تو پھر ملاقات ہوگی۔

☆☆ جاوید صاحب: خلوص نامہ ارسال کرنے کے لئے شکریہ، ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کے تمام اہل خانہ پر اپنا رحم وکرم کرے، کاروبار میں ترقی اور خوشیوں سے نوازے، آئندہ ماہ پھر ملیں گے، قلبی لگاؤ کے ساتھ۔ اللہ حافظ۔

قدیر رانا راولپنڈی سے، آداب عرض: آپ کی خیریت کا طالب ہوں، دو غزلیں ارسال خدمت ہیں، کسی بھی آنے والی اشاعت میں جگہ دیکر مشکور فرمائیں۔ ادارے کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں۔

☆☆ قدیر صاحب: غزل شامل اشاعت ہے۔ آپ کی خوشی کیلئے دعا گو ہیں، اللہ تعالیٰ آپکو مزید خوشیوں سے نوازے، غزل بھیجنے کا شکریہ۔

بشیر احمد بھٹی فوجی بستی بہاولپور سے، السلام علیکم جناب! مارچ 2013ء کے شمارے کی تمام کہانیاں خوب ہیں، پہلی کہانی پاگل بیتی نرالے انداز میں لکھی گئی، دیسی ادب کی ایک شاہکار کہانی ہے۔ فرار، موکل کا کرشمہ، گمشدہ جزیرہ، خون جگر، موت کا گھر، سنہری بھوت، آسیب، نیلی کوٹھی، بددعوں کا مسکن، قوم جنات، بددعا، بے چین روح یہ تمام کہانیاں اپنے عنوان کی طرح حسین امتزاج کا پیکر رہیں۔ ڈیٹھ ہاؤس اس عنوان سے پہلے بھی ایک ایک کہانی نظروں سے گزر چکی ہے۔ ڈر کے لئے شب دروز دعا گو ہوں۔

☆☆ بشیر صاحب: آپ کی یادداشت قابل دید اور قابل تحسین ہے۔ قلبی لگاؤ سے تجزیہ کا آئندہ ماہ بھی شدت سے انتظار رہے گا۔ شکریہ۔

عثمان غنی پشاور سے، السلام علیکم، میری طرف سے تمام اسٹاف کو دل کی گہرائیوں سے سلام قبول ہو، ماہنامہ ڈرڈائجسٹ، ماہ مارچ 2013ء کا تیسرا سارہ جلد نمبر 14 سارہ نمبر 6، 26 تاریخ کو مل گیا، سب سے پہلے کہانیوں کی ٹائٹل کو سرسری سا دیکھا۔ اپنی کوئی کہانی شامل اشاعت نہ دیکھ کر صبر ہی کر سکتے ہیں۔ پیر نوید ہاشمی، عبدالقادر کو موسٹ ویلکم ان ڈر، اس ماہ میرا خط شامل نہیں تھا۔ اتنی چاہ سے بھجوایا تھا۔ بس افسوس ہی کر سکتے ہیں۔ بلقیس خان کا خط تھا نہ بردست، کہانیوں میں الجھاؤ زیادہ نظر آیا، بے چین روح میں مار دھاڑ بہت زیادہ تھا، اور کہانی کے کئی سین فلمی تھے، پاگل بیتی، پاگل خانہ کا پارٹ ٹو معلوم ہوئی، ویلڈن زبردست، رولوکا میں روشاک کی موت پر خوشی ہوئی، موت کا گھر، سب سے انوکھی کہانی رہی۔ سنہری تابوت، میں بے شمار الجھنیں ہیں جو کہ سلجھانی ہے۔ نیلی کوٹھی زبردست تحریر رہی۔ بددعوں کا مسکن صفدر شاہین نے اچھا لکھا۔ بلیک ٹائیگر اپنی ڈگر سے ہٹ کر لگی۔ عطیہ آگے کیا کرتی ہے۔ ڈیٹھ ہاؤس بھی بس ٹھیک تھی۔ غزلیں بھی ٹھیک ہیں۔ پلیز ضرور میری کوئی اسٹوری لگا دیں۔

☆☆ عثمان صاحب: آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ ہر ماہ اپنی کاوش ارسال کرتے ہیں، پچھلے ماہ آپ کا خط پروف ریڈنگ کی غلطی کی وجہ سے رہ گیا، سو معذرت، کہانی اگلے ماہ متوقع ہے، امید ہے آئندہ ماہ بھی خلوص نامہ بھیجنا بھولیں گے نہیں۔ Thanks۔

احسان سحر زادے خیلانوالہ میانوالی سے، السلام علیکم، امید کرتا ہوں ڈر کے پڑھنے والے اور ڈر کو تخلیق کرنے والے خیریت سے ہوں گے اور بات آگے بڑھانے سے پہلے ایک خاص بات آپ سب سے شیئر کرتا ہوں اور کچھ عرصہ پہلے مجھے کالج میں ایک دوست نے مشورہ دیا تھا کہ احسان میں چاہتا ہوں کہ آپ کچھ نیا لکھیں۔ اس طرز پر کہ جو آج تک بہت کم لکھا گیا ہو سو فیصد حقیقت پر مبنی بھی ہو اور آج کل کے دور کی عکاسی بھی کرتا ہو۔ یہ جنوں بھوتوں والے قصے لکھنا کوئی بڑی بات نہیں ہے، اس دن سے میں نے سوچنا شروع کیا کہ ایسا کیا ہو جس میں نیا پن ملے۔ جو پڑھنے والوں کو نہ صرف چونکا دینے بلکہ ان کی آنکھیں بھی کھول دے اور اس حقیقت کو وہ مان بھی لیں۔ ایسا پلاٹ تخلیق کروں جو سبق آموز اور حقیقت پر مبنی ہو، تو ایک ایسا ہی خیال اور پلاٹ میرے ذہن میں آ ہی گیا جس پر میں نے کافی سخت محنت کی ہے، پڑھنے والوں کے لئے جو ایک ہی موضوع پر پڑھ پڑھ کر بور ہو رہے ہیں۔ پچھلے ماہ جو میں نے آپ کو محبت کے موضوع میں اسٹوری بھیجی تھی وہ تو آپ نے تلف کر دی تھی مجھے صدمہ ہے کہ کیا محبت کا کوئی موضوع نہیں۔ خیر یہ تو بعد میں بات ہوگی، اس دفعہ جو اسٹوری بھیج رہا ہوں اسے جلد از جلد قرعہ شمارے میں جگہ عنایت فرمائیں۔ آپ کی نوازش ہوگی۔ اللہ پاک ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

☆☆ احسان صاحب: کوئی کہانی تلف نہیں ہوتی، موقع مناسبت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہانی شائع ضرور ہوتی ہے۔ امید ہے قلبی لگاؤ کے ساتھ آپ آئندہ بھی نئی سوچ کو قارئین کی خدمت کے لئے ارسال کرتے رہیں گے۔ Thaks۔

عامر ملک راولپنڈی سے، آداب! امن سکھ اور سلامتی کی دعائیں..... آپ سب اور قارئین کے نام مارچ کا "ڈرڈائجسٹ" شاندار سرورق اور عمدہ تحریروں سے مزین ہے..... اتنا اچھا شمارہ نکالنے پر مبارکباد قبول کریں میری تحریر کی اشاعت کا شکریہ۔ ایک تحریر ارسال کر رہا ہوں..... اگلے ماہ دو تحریریں ارسال کر دوں گا کیونکہ گزشتہ ہفتے میری نانی صاحبہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ میں ادھر مصروف رہا ہوں۔ تمام اسٹاف کو آداب وسلام۔

☆☆ عامر صاحب ہماری اور قارئین کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی نانی کی مغفرت فرما کر اپنی رحمت کے طفیل جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے اور خوشیوں سے ہمکنار کرے۔ کہانی بہت لیٹ موصول ہوئی، لہٰذا اشاعت سے رہ گئی۔ معذرت مزید نئی کہانی کا شدت سے انتظار رہے گا۔ Thanks۔

محمد کامران حیدرآباد سے، السلام علیکم! ماہنامہ ڈرڈائجسٹ مارچ کا شمارہ میرے سامنے ہے، میں نے کچھ کہانیاں پڑھ لی ہیں جو کہ میری خواہش کے عین مطابق ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو کافی عرصہ سے پاکستان میں بھی مختلف چینلز پر ہارر ڈرامے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جا رہے ہیں۔ ورنہ پہلے صرف چند انڈین چینلز پر ہی ہارر ڈرامے دکھائے جاتے تھے۔ شروع میں ایک دو ڈائجسٹ میں ہارر کہانیاں چھپتی تھیں مگر اب تو ہر ڈائجسٹ اپنے شمارے میں ایک ہارر کہانی ضرور شائع کرتا ہے، ہارر کہانیوں کی ڈیمانڈ کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے جہاں تک میرا اپنا خیال ہے کہ ڈرڈائجسٹ پاکستان کا وہ واحد ڈائجسٹ ہے جو پچانوے فیصد صرف ہارر کہانیاں چھاپ رہا ہے اور اس سے ہارر کہانیاں پڑھنے والوں کی دل کی تسکین ہو رہی ہے۔ میں کوئی دو سال سے ڈرڈائجسٹ کا مطالعہ کر رہا ہوں مگر فرسٹ ٹائم خط ارسال کر رہا ہوں، وجہ یہ کہ اب ڈرڈائجسٹ کی مشہور ومعروف کہانی "رولوکا" جس نے مجھے خط لکھنے پر مجبور کیا، یہ ایسی کہانی ہے جو کہ اپنے پڑھنے والوں کو جکڑ رکھا ہے اس کی ہر قسط میں ایک نیا پن، اچھوتے طریقے سے نظر آتا ہے، کوئی بھی قسط اپنے سابقہ قسط سے ملتی جلتی نہیں بلکہ ہر ماہ نیا واقعہ قاری کو پڑھنے کے لئے ملتا ہے، اس کے علاوہ سنہری تابوت ہر قسط میں الجھن کا شکار نظر آتی ہے اور پھر بلیک ٹائیگر جس کے لئے صرف اتنا کہوں گا کہ بس چل رہی ہے۔ ویسے مجموعی طور پر ڈر سے منسلک تمام رائٹر خوب سے خوب تر لکھ رہے ہیں۔ ان لوگوں کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ میری دعا ہے کہ ڈرڈائجسٹ بام عروج حاصل کرے، دن دگنی رات چوگنی، اگر میرے خط کی حوصلہ افزائی ہوئی تو آئندہ ماہ بھی اپنی رائے بھیجنے کی ہمت کروں گا ورنہ.....

☆☆: کامران صاحب: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، چلے حوصلہ افزائی ہوگئی اور اب امید ہے کہ آپ آئندہ ماہ بھی اپنی رائے بھیج کر شکریہ کا موقع دیں گے۔ Thanks۔

ڈائری

شعیب شیرازی-اسلام آباد

ایک روح کا عجیب و غریب طریقہ اپنے قاتل سے بدلہ لینے کا، ایسا انوکھا طریقہ کہ کوئی اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ قاتل واردات پر واردات کرتا رہتا تھا اور پھر جب وہ روح سامنے آئی تو.....

شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے ایک بہت ہی دلفریب اور دل موہ لینے والی کہانی

ڈائری لکھنے کا شوق مجھے ہمیشہ سے رہا ہے، میرا روزانہ کا معمول ہے کہ اپنی زندگی کے شب و روز اپنی پرسنل ڈائری میں لکھا کرتا ہوں تب جا کے کہیں مجھے نیند آتی ہے ورنہ تو ایسا لگتا ہے کہ نیند کی دیوی مجھ سے روٹھ گئی ہے گویا کہ ڈائری لکھنا میرے لئے نیند کی گولی سے مترادف ہے۔ اپنے حالات کا احاطہ کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں۔ پرمسرت واقعات، دل بہار زندگی کے حسین شب و روز، دوست احباب کی کرم نوازیاں، محبتوں کے صلے، وفاؤں کی داستان، اپنے خیالات کا محور، جو روزمرہ زندگی کے ساتھ جڑے ہیں، انہیں قلم کی زباں دے کر صفحۂ قرطاس پر بکھیرتا ہوں یہ سب میرا شوق ہے۔

آج بھی میں سارا دن بازاروں میں پھرتا رہا مگر میری مطلوبہ چیز مجھے نہیں مل رہی تھی ڈائری۔ نئے سال کی آمد آمد تھی۔ جس طرح کی ڈائری مجھے چاہئے تھی اس کی تلاش میں میں سارا دن سرگرداں رہا۔ میں ناکام واپس لوٹ آیا یہی کچھ سوچ کر ہاسٹل چلا آیا، ہاسٹل پہنچا تو ایسا لگا کہ میرا بدن تھکن سے چور ہے، بوجھل قدموں کے ساتھ بستر پر دراز ہو گیا۔ شام بھی ہونے کو تھی۔ خاص بھوک کی شکایت بھی نہیں تھی اس لئے سونے میں بھی عافیت جانی اب کھانے کا تکلف کون اٹھائے گا۔ انہی خیالوں میں مستغرق نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

مجھے ایسا لگا کہ میں سویا نہیں بلکہ جاگ رہا ہوں۔ سامنے کھلے ہوئے دروازے پر نظر پڑی تو میں دنگ رہ گیا ایک خوبصورت سی دوشیزہ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے پیار بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی ہنسی مسلسل اس کے چہرے پر رقصاں تھی۔ کتنی ہی دیر وہ دروازے سے لگی مجھے دیکھتی رہی اور میں بھی آنکھیں جھپک جھپک کر اسے گھورتا رہا۔ میں اس دوشیزہ کا سواگت کرنا چاہتا تھا۔ جو ایک ناکام عاشق کے دروازے پر آن وارد ہوئی تھی اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی میں اٹھ بیٹھا۔ حالانکہ میرا تھکا ہوا پورا جسم اجازت نہیں دیتا تھا کہ میں اٹھ کر کسی اجنبی کا خیر مقدم کروں پھر بھی مجھے جانچ پڑتال کرنی تھی کہ وہ حسینہ کون ہے؟

ابھی میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ وہ ہرنی کی سی چال چلتی ہوئی میرے قریب آنے لگی۔ میں اپنی زندگی میں ایسی دلکش دلفریب اور خوبصورت دوشیزہ شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔ گھنی اور کالی زلفیں شانوں پر پھسل رہی تھیں۔ نیلے رنگ میں ڈوبی گہری آنکھیں

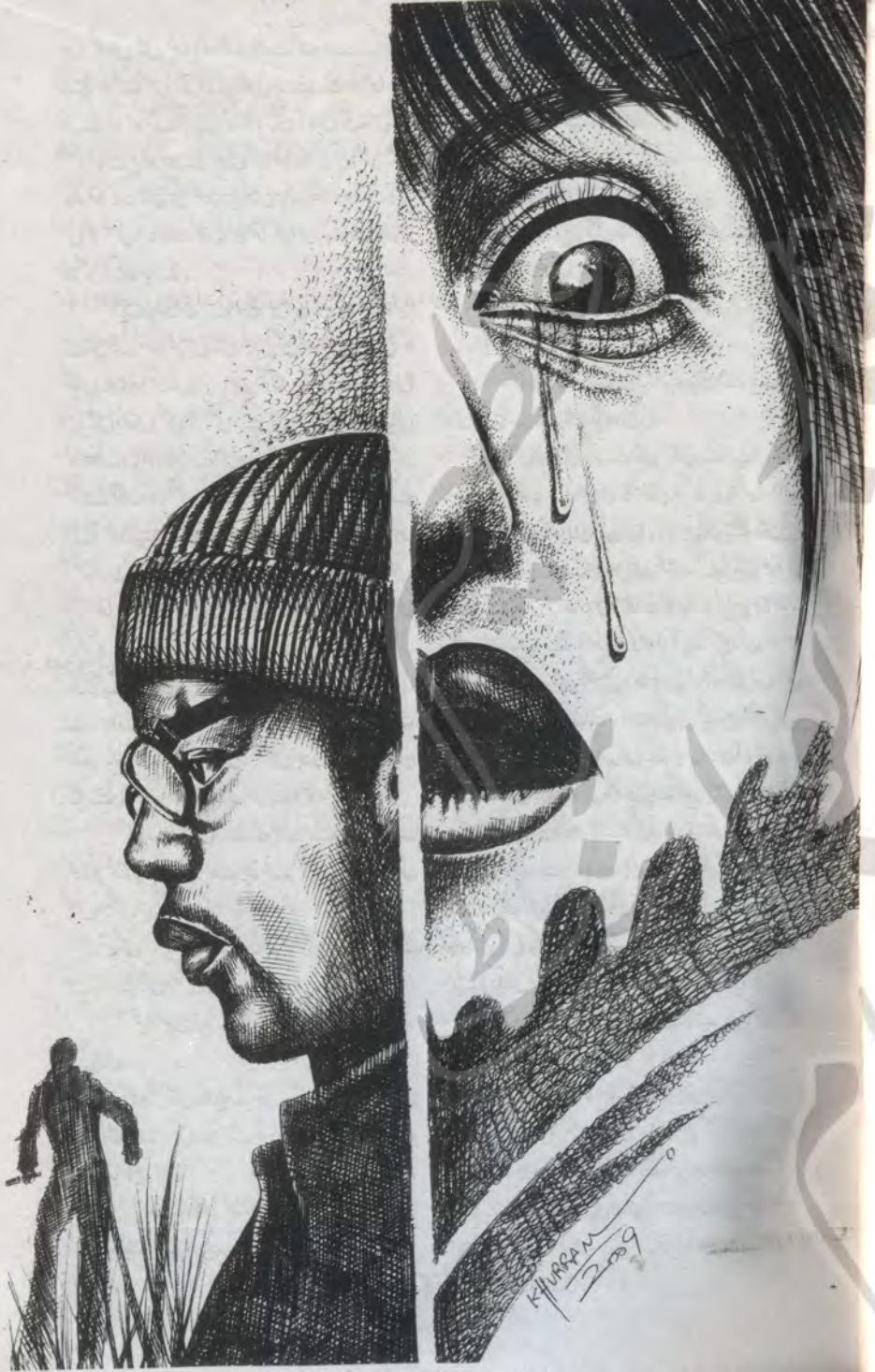

اور آنکھوں میں چھایا ہوا خمار دعوت گناہ دے رہا تھا۔ رسیلے ہونٹ من میں رس گھول رہے تھے، مسکراتے ہوئے وہ میرے قریب بڑھتی چلی آرہی تھی اس کی مسکراہٹ پر فدا ہونے کو دل کرتا تھا۔ اس کی بغل میں کچھ تھا جسے میں صحیح طور دیکھ نہیں پارہا تھا اور ویسے بھی اس کا حسن اجازت نہیں دیتا تھا کہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی دیکھا جائے۔

ایک بات میرے لئے حیران کن تھی کہ وہ سر سے پیر تک سفید لباس میں ملبوس تھی اور اس پر روح کا گماں ہوتا تھا مگر میں ان باتوں کو نہیں مانتا کہ ایک روح دنیا میں واپس بھی آسکتی ہے اس لئے اپنے خیال کو جھٹک دیا اور پھر سے اس کے مجسم سراپا کا بغور معائنہ کرنے لگا۔ وہ بالکل میرے قریب آگئی تھی اور میرے پاس آکر ایسے بیٹھ گئی کہ ہماری برسوں سے شناسائی ہو، مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھی بھی تیر رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ پرانی یادیں لے کر ہمارے ماضی کو کریدنے لگے گی۔ وہ جس چاؤ سے میرے قریب آئی تھی اس سے تو ایسا لگتا تھا کہ وہ مجھے برسوں سے جانتی ہے۔ ہماری دیرپا شناسائی ہے۔ ہم نے بہت سا وقت ساتھ میں گزارا ہے، میں مسلسل منہ کھولے حیران سا اسے دیکھ رہا تھا جسے مجھے اس کے وجود پر شبہ ہو۔

''اوے!'' اس نے میرے کھلے ہوئے منہ کو بند کردیا۔ وہ مجھ سے مخاطب تھی۔ ''پہلے لڑکی نہیں دیکھی کیا۔''

میں دل میں سوچنے لگا۔ ''دیکھی تو ہے مگر اتنے قریب سے نہیں دیکھی۔''

''کیا سوچ رہا ہے؟'' ایک بار پھر اس کی آواز سنائی دی۔

''وہ!'' میں ہکلایا۔ ''یہی کہ آپ کون ہیں اور میرے کمرے میں.....؟'' میں نے بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔

''اوئے یہ چھوڑ کہ میں کون ہوں؟ تو نے آج مجھے دیکھ لیا نا، اب ہر روز دیکھتا رہے گا۔'' وہ ایسے بات کرتی تھی کہ اسے ذرا بھی خوف نہ ہو کہ میں کدھر اور کس کے پاس ہوں۔

''کیا مطلب میں سمجھا نہیں؟'' اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''چل چھوڑ! یہ لے تجھے یہ چاہئے تھی ناں۔'' اس نے اپنی بغل سے ایک خوبصورت ڈائری میری طرف بڑھادی۔

میں نے جھٹ سے اس کے مرمریں ہاتھوں سے ڈائری اچک لی۔

''اوئے آرام سے پکڑ! اب یہ تیرے پاس ہی رہے گی جب تک میں چاہوں گی۔''

واقعی ڈائری پکڑنے میں، میں نے بے صبری کا مظاہرہ کیا تھا۔ بے صبری کا مظاہرہ کیوں نا کرتا جس کے لئے میں سارا دن خجل ہوتا رہا، وہ مجھے تحفے میں مل رہی تھی، میرے لئے تو وہ ایک خزانہ تھی۔ میں جلدی سے اسے کھول کر اندرونی صفحات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ جیسے ہی میں نے ڈائری کو کھولا ایک مسحور کن خوشبو سارے کمرے میں بکھر گئی، خوشبو کی موجودگی میں اس حسینہ کے قرب کی لذت اور بڑھ گئی۔ مجھے ایسا لگا کہ یہ خوشبو ڈائری سے نہیں بلکہ اس کے بدن سے آرہی ہے۔ فوراً ڈائری کے اوراق الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ بالکل ویسی ہی تھی جیسی مجھے چاہئے تھی۔ میں نے ڈائری کو بند کرکے سینے سے لگایا اور اس حسینہ کو تشکر بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔ ''شکریہ جی آپ کا، مگر آپ نے اپنے بارے میں کچھ بتایا نہیں؟'' اس کے بارے میں جان لینے کا تجسس ابھی بھی میرے اندر بیدار تھا۔

''اوئے تیرا کام ہوگیا ناں۔ اب میرا بھی تجھے کام کرنا ہے۔''

''کام کیسا کام؟'' میں حیران تھا۔ ''تم کہانی لکھتے ہو ناں۔ مگر، بس میری کہانی بھی لکھنی ہے۔ اب میں چلتی ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مگر تم نے اپنی کہانی تو سنائی نہیں۔'' میں نے اسے روکنا چاہا۔

اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا۔ ''پتہ چل جائے گی۔'' وہ اتنا کہہ کر جانے ہی والی تھی۔

''آپ رہتی کہاں ہیں؟'' میں نے دوسرا سوال کر ڈالا اس دفعہ اس نے ناک بھنوں چڑھائی اور جل بھن کر کہا۔ ''قبرستان میں چلو گے میرے ساتھ۔'' میں ابھی کچھ کہہ پاتا کہ وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔

میں اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا اس کا عکس اندھیرے میں دھندلا ہوتا جارہا تھا پھر میں آنکھیں مل مل کر اسے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا مگر فاصلے کی دوری سے اندھیرا ہمارے درمیان حائل ہوگیا۔ اور مجھے ایسا لگا کہ وہ بھی اندھیرا کا ایک حصہ بن گئی ہو۔ آنکھوں کو ملتے ملتے میری آنکھ کھل گئی میں اپنے بستر پر دراز ابھی بھی اپنی آنکھیں مل رہا تھا۔ جیسے کے اسے دروازے کے پار دیکھنے کی کوشش کررہا ہوں، میں نے اپنے ہاتھ، آنکھوں پر سے ہٹالئے اور آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھول دیں میں بستر پر لیٹا رہا۔ تھوڑی دیر کیلئے میں بھول چکا تھا کہ میں نے کیا سپنا دیکھا ہے مگر اچانک ہی میں اٹھ بیٹھا کیونکہ رات کا دھندلکا چھٹنے لگا تھا اور صبح کی سفیدی نمودار ہونے لگی تھی۔ میں بستر پر بیٹھا اپنے گردونواح کا جائزہ لینے لگا کہ اچانک میری نظر ٹیبل پر رکھی ڈائری پر پڑی تو میرے اوسان خطا ہوگئے، میں کتنی ہی دیر ٹیبل پر رکھی ڈائری کو تکتا رہا، میں ہمت نہیں کر پارہا تھا کہ خواب کی مانند ڈائری کو اچک لوں۔ مجھے سب کچھ یاد آنے لگا کہ کس طرح سپنے میں وہ حسینہ مجھے یہ ڈائری تھما گئی تھی۔

میں نے اپنے اندر ہمت جمع کی اور اپنا ہاتھ ڈائری کی طرف بڑھادیا۔ ڈائری میرے ہاتھوں میں تھی اور اس کے بیرونی حصے کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ ڈائری کو کھولتے ہی وہی مسحور کن خوشبو میری ناک سے ٹکرائی۔ مجھے اپنا سپنا حقیقت لگنے لگا۔ کتنی ہی دیر میں ڈائری کی ورق گردانی میں لگا رہا۔ بالکل ویسی ہی تھی جیسی مجھے چاہئے تھی ایک بار پھر میں خود سے کہنے لگا۔ میں نے ڈائری کو واپس ٹیبل پر رکھا اور بستر سے نکل کر کھڑکی کے پاس آکر باہر کا نظارا کرنے لگا۔ سورج نئے دن کی نوید لے کر نکل پڑا تھا اور اپنی کرنیں زمین پر بکھیر رہا تھا ابھی تو میں سویا تھا پھر یہ اتنی جلدی رات کیسے بیت گئی۔ صرف ایک سپنا دیکھا تھا وہ بھی پل بھر کا شاید، خوابوں کی دنیا آہستہ چلتی ہے انسان رات بھر میں ایک ہی سپنا دیکھ پاتا ہے۔ اور رات گزر جاتی ہے انہی باتوں کو سوچتا ہوا میں واش روم چلا گیا روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہوکر ناشتہ کیا اور کالج کے لئے روانہ ہوگیا۔

ڈائری کا اسرار ابھی بھی میرے سر پر سوار تھا کہ کس طرح وہ میرے کمرے میں آن وارد ہوئی تھی۔ انہی باتوں میں الجھا میں کالج کے لئے رواں دواں تھا۔ کالج پہنچا تو میرا دوست کاشف پہلے ہی سے میرا منتظر تھا۔ مجھے دیکھ کر کے میری طرف لپکا۔ ''ہلو کیسے ہو؟'' اس نے میری طرف آتے ہوئے کہا۔

''فائن! تم سناؤ تم کیسے ہو؟'' وہ آتے ہی مجھ سے بغلگیر ہوگیا۔ ''آج تو بڑی اچھی پرفیوم لگا کر آئے ہو۔'' اس نے مجھ سے جدا ہوتے ہوئے کہا۔

شاید یہ وہی خوشبو تھی جو میرے پاس موجود ڈائری سے پھوٹ رہی تھی۔ ڈائری پر نظر پڑتے ہی جھٹ سے اس نے ڈائری پکڑ لی واہ! ''یہ ڈائری تو بڑی خوبصورت ہے کہاں سے لی ہے۔'' کاشف ڈائری کو نظرانداز کرکے میری طرف دیکھنے لگا۔

''کہاں سے کتنی کی بازار سے اور کہاں سے۔''

''اوہ! میں سمجھا کسی لڑکی وغیرہ نے دی ہوگی۔'' اس نے اپنی عاشقانہ طبیعت کا ثبوت پیش کیا اور ڈائری مجھے پکڑادی۔

''یار کینٹین چل کر چائے وائے پیتے ہیں۔'' اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کینٹین کی طرف لے جانے لگا۔ کینٹین میں آکر ہم ایک ٹیبل پر بیٹھ گئے اتفاق سے دوسرے ٹیبل پر شائلہ اور ثوبیہ بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ ثوبیہ کو دیکھ کر تو کاشف آہیں بھرنے لگا۔ اور زور زور سے ویٹر کو آواز دینے لگا۔ ''اوئے چائے

لے آ۔"

وہ شاید ثوبیہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا مگر وہ دونوں نظریں جھکائے چائے پینے میں مصروف رہیں۔

"یار منیر یہ ثوبیہ بھی نا کیا بتاؤں دیکھنی بھی نہیں، کسی دن اپنا دل چیر کے دکھانا پڑے گا۔ تب جا کے یہ محبت کا یقین کرے گی۔" یہ بات وہ بڑے سریس ہو کر کہہ گیا تھا اتنے میں چائے آ گئی اور ہم چائے کی چسکی لینے لگے، کافی دیر تک ہم دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

کاشف تھوڑا اداس لگنے لگا تھا۔ اور سر جھکائے میز کو گھور رہا تھا میں نے اسے دلاسہ دینا چاہا۔ "صبر کر کبھی تو تیری زندگی میں بھی بہار آئے گی مجھے دیکھ کوئی لڑکی پیار نہیں کرتی پھر بھی خوش ہوں۔ شاید ہماری زندگی میں یہی سب کچھ لکھا ہے۔"

"نہیں منیر! اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا، ایگزام ہوتے ہی میں کالج چھوڑ کر چلا جاؤں گا اب اور مجھ سے سنگدلوں کی نظروں میں نہیں رہا جاتا۔" وہ یہ بات بڑے ایموشنل طریقے سے کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھی چھلکنے لگی تھیں اس سے پہلے کہ اسے میں دلاسہ دیتا میں نے خود کو روک لیا شاید وہ اپنے دل کا درد نکال باہر کرنا چاہتا تھا۔ اور میں بھی غم میں ڈوبی اس کی باتیں سننے لگا۔ "منیر!" وہ اچانک سے گویا ہوا۔

میں ہمہ تن گوش اسے دیکھنے لگا۔ وہ کہنے لگا "منیر! یہ دنیا ہے یہاں سب کچھ چلتا ہے یہاں پر انسان کچھ خواب لے کر آتا ہے۔ کچھ خواہشیں ہوتی ہیں ہر انسان کی۔ منیر! میں جاگتے میں بھی خواب دیکھنے کا عادی ہوں۔ اور خیالوں کی دنیا میں بہت آگے نکل جاتا ہوں۔" اتنا کہہ کر اس نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا اور اپنی سائیڈ پر دیکھنے لگا۔ جیسے وہ مزید کچھ کہنا چاہتا ہو اور الفاظ کا چناؤ کر رہا ہو۔ دوبارہ مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

"منیر! کبھی کبھی میں چاہتا ہوں ایک پیارا سا دیس ہو، جہاں ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہو۔ پیارا سا موسم اور خوشنما پھول آنکھوں کا مرکز بن رہے ہوں۔ ان پھولوں کے بیچ میں اور ثوبیہ ایک دوسرے کو پیار بھری نظروں سے تک رہے ہیں اچانک سے مجھے شرارت سوجھتی ہے اور میں ایک پھول توڑ کر ثوبیہ کو مار دیتا ہوں۔ ثوبیہ بھی جواب میں مجھے ایک پھول توڑ کر مار دیتی ہے۔ یہ سلسلہ چل نکلتا ہے، پھولوں کے تبادلے ہم ایک دوسرے کو پھول مار رہے ہیں اسی اثناء میں ثوبیہ پھول توڑنے کے لئے ٹہنی کو حرکت دیتی ہے تو گملا بھی ساتھ آ جاتا ہے۔ پھول کے ساتھ وہ مجھے گملا بھی مار دیتی ہے۔ تو میں خیالات کی دنیا سے باہر نکل جاتا ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور میں گملے والی بات پر ہنسنے لگا۔ کاشف چائے کے دوران مجھے دیکھ رہا تھا جیسے اسے میرا ہنسنا پسند نہ ہو۔

"یہ تم ہنس کیوں رہے ہو تمہیں پتہ ہے میرے پر کیا بیت رہی ہے؟"

"یار تم نے بات ہی ایسی سنائی ہے، اپنے آپ میری ہنسی نکل رہی ہے۔ آؤ کلاس روم میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" میں نے قدرے ہنسی روکتے ہوئے کہا، پھر ہم دونوں اٹھ کر کلاس روم کی طرف بڑھ گئے۔ تب تک شائلہ اور ثوبیہ بھی جا چکی تھیں۔ کلاس روم میں آ کر کاشف تو کتاب کھولے اس کی ورق گردانی کرنے لگا قدرے غمگین بھی تھا۔

جبکہ میں ابھی تک کاشف کے غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ "محبت بھی عجیب شے ہے۔ ہنستے مسکراتے چہروں کو رلا دیتی ہے، محبت میں انسان یہ بھی بھول جاتا ہے کہ وہ خود کیا ہے، اپنے مشن سے ناآشنا ہو جاتا ہے اب کاشف کو بھی دیکھ لو۔ اچھا بھلا ہنسائے رکھتا تھا۔ آج خود مجنوں بنا بیٹھا ہے۔"

کاشف میرا سب سے اچھا دوست ہے میں نہیں چاہتا کہ وہ اداس ہو۔ لیکن اس وقت میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اتنا ضرور تھا کہ میں نے یہ عہد کر لیا کہ اسے اس کی محبت دلوا کر رہوں گا۔ واپسی پر بھی کاشف

کا غمگین چہرہ میری نظروں کے سامنے گھومتا رہا کسی پل مجھے آرام نہیں تھا۔ میں کچھ کر گزرنا چاہتا تھا کاشف کے لئے۔

میرا روز کا معمول تھا کہ کسی پارک یا کوئی خوبصورت سی جگہ میں چہل قدمی کر کے دن بھر کی تھکن دور کر لیتا تھا مگر آج میں ہر چیز سے دلبرداشتہ ہو کر ہاسٹل آ پہنچا ہاسٹل آ کر میں اس ڈائری کو دیکھنے لگا جسے میں فراموش ہی کر چکا تھا کہ کس پراسرار طریقے سے وہ میرے پاس موجود تھی۔ ڈائری کھولتے ہی وہی مسحور کن خوشبو میری ناک سے ٹکرائی۔ میں بھی سانس لے لے کر اس خوشبو کو اپنے اندر سمونے لگا میں ڈائری کی ورق گردانی کرنے لگا، دیدہ زیب کاغذ اور عمدہ جلد سازی کا نمونہ تھی۔

ایک چیز میرے لئے حیران کن تھی۔ ڈائری کے ہر پیج پر کونے میں ایک انسانی کھوپڑی اور اس پر کراس کا نشان تھا۔ جو شاید خطرے کی علامت تھی مگر یہ تصویر چند ایک صفحہ پر ہی تھی آگے کے صفحات الٹے تو بڑی حیران کن تصویر میرے سامنے تھی۔ ایک لڑکی لڑکے کو گلاب کا پھول پکڑا رہی تھی ایک دو صفحات پر یہی تصویر تھی مگر آگے چل کر منظر بدل گیا۔ دل دہلا دینے والی تصویر میری منتظر تھی میں نے دیکھا ایک لڑکی جو سفید لباس میں ملبوس ہے۔ ایک نسان کے سینے پر چڑھ کر بیٹھی ہے اس کے ہاتھ میں خنجر چمک رہا ہے اس کا خنجر والا ہاتھ فضا میں بلند ہے۔ شاید وہ اس انسان کو مار دینا چاہتی تھی۔ کافی صفحات پر یہ تصویر نمایاں تھی تصویر بھی نہیں کہا جا سکتا بس ایک شبیہ تھی، آگے کے صفحات پر بھی بہت سی تصویریں تھی۔ مگر وہ میرے لئے اتنی اہم نہیں تھیں۔

میں واپس صفحات پلٹنے لگا اور اس تصویر پر آ کر ٹھہر گیا جہاں وہ لڑکی لڑکے کو پھول پکڑ رہی تھی ایک بار پھر مجھے کاشف کی باتیں یاد آنے لگیں۔ یہ دنیا ہے یہاں پر سب کچھ ہوتا ہے۔ ہر انسان ڈھیروں خواب لے کر کے اس دنیا میں آتا ہے اور ضروری نہیں کہ اس کے خواب پورے ہوں۔ حسرتیں باقی رہ جایا کرتی ہیں۔ پھولوں کی وادی ہو۔ جہاں پر میں اور ثوبیہ ہوں۔" یہ کاشف کی وہ باتیں تھی جن سے میرا دل بھر آیا تھا۔

میں اپنے دوست کے خیال کو حقیقت کا رنگ دینا چاہتا تھا اسے یادگار کے طور پر لکھ لینا چاہتا تھا ممکن ہے یہی سب کچھ حقیقت کا روپ دھار لے۔ اور وہ سارے منظر میری ڈائری کی زینت بن جائیں۔ میں نے قلم اٹھا لیا اور ایک ایسی کہانی لکھنے لگا جس میں کاشف کو اس کی محبت مل جاتی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو میری کہانی ہٹ کہلائے گی۔ لڑکی والا پیج میرے سامنے تھا اور اس کی محبت کو کامیابی کا ڈنگ دے کر کچھ اس طرح لکھا۔

ہماری کلاس کا گروپ پکنک پر جاتا ہے اور پکنک کیلئے ہمیشہ ایسی جگہوں کا انتخاب کیا جاتا ہے، جو خوبصورت ہوں۔ جہاں پر سکون ہی سکون ہو، ہر طرف خاموشی کا راج، جہاں پر انسانوں اور گاڑیوں کا شور نا ہو، سرسبز علاقہ اونچی نیچی پہاڑیاں، ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے باریک سے راستے جن پر چلنے سے انسان کا من خوش ہوتا ہے ہماری بس بھی ہمیں لے کر کے ایسی ہی جگہ پہنچتی ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں دل و دماغ کو فرحت بخش رہی تھیں۔ پرندوں کی ملی جلی آواز میں مجھے ایک آواز سنائی دیتی ہے۔

کاشف ثوبیہ سے مخاطب تھا۔ "ثوبیہ آئی لو یو۔" ثوبیہ نے پلٹ کر کاشف کو دیکھا۔ چلتے ہوئے اس کے قریب آئی اور ایک زوردار تھپڑ کاشف کے منہ پر مار دیا۔ یو باسٹرڈ تمہاری یہ مجال! شکل دیکھی ہے اپنی، چلا ہے آئی لو یو بولنے، بات تیرے دماغ میں نہیں اترتی کیا۔ تجھے کتنی بار بولا ہے کہ اپنی منحوس شکل میرے سامنے لے کر نہ آیا کر۔ اگر آئندہ یہ حرکت کی تو دانت توڑ دوں گی تیرے۔ ثوبیہ آئی لو یو مجنوں بنتا ہے سالا!" ثوبیہ یہ سب کچھ سنا کر ایک طرف کو چل دی۔

کاشف اس کی جلی کٹی باتیں سن کر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ

لئے شاید رونا چاہتا تھا مگر نہیں۔ اس نے اپنا منہ زمین کی طرف کر کے زور سے کہا۔ ''ثوبیہ آئی لو یو۔!'' ہاں اب وہ رونے لگا تھا۔ اس کے بلکنے کی آواز مجھے سنائی دینے لگی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ہر روز کی طرح اسے آج بھی دلاسہ دینے لگا مگر کاشف تھا کہ روئے جا رہا تھا۔

مجھے ثوبیہ پر سخت غصہ آنے لگا۔ ''پاگل کی بچی محبت کا مطلب نہیں سمجھتی۔''

کافی دیر کاشف اسی طرح روتا رہا شاید رو کر اپنا غم ہلکا کرنا چاہ رہا تھا یہی کچھ سوچ کر میں نے اسے رونے دیا اور ثوبیہ کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس کی سسکیاں بند ہو گئیں تو میں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ لائق بچے کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اسے لے کر اس طرف چل دیا۔ جہاں پر ہمارا گروپ شرارتوں میں مگن دنیا جہاں سے بے خبر تھا کہ کسی کے دل پر کیا بیتی ہے مگر ان لوگوں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو دوسروں کے لئے درد دل رکھتا تھا شائلہ۔

میں کاشف کو لے کر آگے بڑھ رہا تھا مگر کاشف نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ اور وہیں پر ایک بڑے سے پتھر پر جا بیٹھا۔ میں جانتا تھا کہ ایسی سچویشن میں آدمی تنہائی پسند بن جاتا ہے اس لئے اسے اکیلا چھوڑ کر اپنے گروپ کی طرف بڑھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ شائلہ اور ثوبیہ ایک طرف کو سب سے الگ تھلگ کھڑی کچھ باتیں کر رہی تھیں۔ میں سننا چاہتا تھا کہ کیا باتیں چل رہی ہیں جب میں نے غور کیا تو مجھے کاشف کا نام سنائی دیا، میں سمجھ گیا اور پھر آہستہ سے ان کے قریب ہوتا ہوا ایک پتھر سے ٹیک لگا کر ان کی باتیں سننے لگا۔

شائلہ کچھ کہہ رہی تھی۔ ''ثوبیہ یہ تو نے اچھا نہیں کیا۔''

''کیا اچھا نہیں کیا۔''

''یہی کہ کاشف کو تھپڑ مار کر اچھا نہیں کیا اور کتنا رسوا کرو گی اسے۔''

''نہیں شائلہ میں نے اسے رسوا نہیں کیا بلکہ وہ مجھے رسوا کرنا چاہتا تھا۔ بھلا اس طرح بھی کوئی آئی لو یو بولتا ہے اگر کوئی اور سن لیتا تو۔

''دیکھو ثوبیہ اس کی محبت میں سچائی ہے اس لئے وہ کسی سے بھی نہیں ڈرا اس نے سرعام کہہ ڈالا وہ بے چارا کب سے تمہاری راہ تک رہا ہے تمہارے منہ سے اپنے لئے دو بول سننے کے لئے بے تاب ہے۔ مگر تم ہو کہ پتہ نہیں کیا سمجھتی ہو اپنے آپ کو، کتنی بھی بار تم نے اسے ٹھکرایا ہے۔ مگر وہ آس لے کر پھر چلا آتا ہے۔ ثوبیہ یہ دنیا مکافات عمل ہے یہاں پر جیسا کرو گی ویسا ہی پاؤ گی۔''

''اگر یہ سب تمہارے ساتھ ہوا نا، تب میں تم سے پوچھوں گی۔''

''اور اگر تمہاری جگہ میں ہوتی ناں تو کب سے محبت کا جواب محبت سے دے چکی ہوتی۔ دکھ ہوتا ہے تم پر، اچھے بھلے انسان کو ٹھوکر مار دیتی ہو۔ ایسا محبت کرنے والا تمہیں پھر نہیں ملے گا۔ کبھی کبھی مجھے افسوس سا ہونے لگتا ہے کہ میں تمہاری دوست کیوں ہوں اور تمہارے ساتھ برابر کی شریک ہوں۔'' یہ سب سنا کر شائلہ ایک طرف کو چل دی مگر ثوبیہ کو گہری سوچوں میں ڈال گئی تھی۔

مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ ثوبیہ کے مردہ ضمیر میں جان پڑ گئی ہے وہ تنہا کھڑی اپنے ماضی کی غلطیوں کو دہرا رہی ہے اپنے کئے پر شرمندہ تھی وہ انہی سوچوں میں ڈوبی اس طرف کو چل دی جہاں پر کاشف تنہا بیٹھا تھا۔ شاید وہ اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتی تھی پھر میں نے دیکھا کہ وہ کاشف کے پاس جا پہنچی ہے۔ میں ان کی باتیں تو نہیں سن سکتا تھا۔ مگر پھر بھی مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنے کئے پر کاشف سے معافی مانگ رہی ہے۔

اور ایسا ہی لگا کہ اس نے کاشف کی محبت کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا کیونکہ مجھے کاشف کی آواز سنائی دی تھی جو پکار پکار کر یا ہو کا نعرہ لگا رہا تھا اور پھر میری آنکھوں نے حیران کن منظر دیکھا ثوبیہ کاشف کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے شاید اسے سب سے الگ لے جانا

چاہتی ہے تاکہ کچھ راز و نیاز کی باتیں ہو سکیں۔

اور پھر میں نے دیکھا کہ ثوبیہ نے اپنا سر کاشف کے کاندھے پر ٹکایا ہوا ہے اور وہ دونوں ایک طرف کو جا رہے تھے میں کتنی ہی دیر انہیں اس طرح دیکھتا رہا جیسے محبت اسی کا نام ہے دو لوگ ایک دوسرے میں اس طرح سما جاتے ہیں جیسے وہ ایک ہوں، میرا من خوشی سے جھومنے لگا کیونکہ میرے دوست کاشف کو اس کی محبت مل گئی تھی۔ کاش ایسا ہی ہو یہ سب کچھ، لکھ کر ایک سرسری نظر کہانی پر ڈالی اور ڈائری ایک طرف کو ٹیبل پر رکھ دی خود آنکھیں بند کر کے بستر پر دراز ہو گیا اور جلد ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

اچانک سے مجھے ایسا لگا کہ ٹھک ٹھک کی آواز کے ساتھ میری آنکھ کھل گئی ہے میں نے چہرے سے کمبل ہٹایا شاید دروازے پر کوئی تھا۔ اس سے پہلے کہ میں دروازہ کھولنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ایک دم سے دروازہ کھل گیا باہر وہی دوشیزہ سفید لباس میں ملبوس کھڑی میری طرف دیکھ رہی تھی میں کہنیوں کے بل تھوڑا اوپر کو اٹھا اسے دیکھ رہا تھا وہ بغیر اجازت ہائے کرتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ اور میرے قریب آ کر بیٹھ گئی میں اٹھ کر بیٹھنا چاہتا تھا مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے لیٹے رہنے دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی اس کی نظر ٹیبل پر رکھی ڈائری پر پڑ گئی۔ آگے بڑھ کر اس نے ڈائری کو اٹھا لیا۔ اور وہ سب کچھ دھیمی آواز میں پڑھنے لگی جو میں لکھ کر سویا تھا۔ ''اوئے!'' اس نے اپنا مخصوص انداز اپنایا۔ اس کے بولنے کا اسٹائل بڑا عجیب تھا۔ کسی لڑکے کی مانند اوئے کہہ کر مخاطب ہوتی تھی۔

''تیری یہ کہانی ہٹ ہو جائے گی۔ بلکہ حقیقت کا روپ دھار لے گی تو فکر نہ کر میں تو بس تجھے دیکھنے آئی تھی میں نے کہا تھا ناں کہ اب ہم روز ملتے رہیں گے چل اب سو جا۔'' اس سے پہلے کہ میں کچھ کہہ پاتا اس نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر رکھ دیا اور پھر اچانک سے میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور میں حقیقی معنوں میں نیند کے مزے لینے لگا۔

صبح کو میں یہ بھول چکا تھا کہ رات کو میرے ساتھ کیا بیتی ہے۔ کالج پہنچا اور اپنے دوست کاشف کو تلاش کرنے لگا، تلاش بسیار کے بعد بھی کاشف مجھے نظر نہ آیا۔ کچھ سوچ کر کے میں کنٹین کی طرف بڑھ گیا۔ اور میرا اندازہ درست نکلا کاشف کینٹین میں بیٹھا چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔ ''میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا اور تم یہاں بیٹھے ہو۔'' میں نے کاشف کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''منیر آؤ! چائے پیو!'' اس سے پہلے کہ میں بیٹھتا وہ چائے کا آرڈر دے چکا تھا۔ ''آج تم نے میرا گیٹ پر بھی انتظار نہیں کیا۔'' میں نے بیٹھتے ہوئے شکایت کی۔

''نہیں یار ایسی کوئی بات نہیں۔ بس آج کچھ طبیعت ٹھیک نہ تھی اس لئے کینٹین میں چائے پینے چلا آیا۔ اور ویسے بھی میں جانتا تھا کہ تم مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ جاؤ گے۔'' اس نے عذر پیش کیا۔ اس سے پہلے کہ میں اسے کوئی جواب دے پاتا چائے آ گئی۔ اور پھر ہم دونوں چائے پینے لگے۔

''منیر تمہیں کچھ پتہ چلا۔''

''کس بارے میں؟'' میں نے ٹیبل پر کہنیاں رکھتے ہوئے کہا۔

''یہی کہ ہماری کلاس کا گروپ پکنک پر جا رہا ہے۔''

''کیا؟'' میں نے حیرت سے کہا۔ ''ہاں آج صبح ٹیچر نے یہ خوشخبری سنائی ہے ویسے تم چلو گے ناں؟'' اس نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں اگر میرا یار کاشف جائے گا تو ضرور چلوں گا۔'' میں نے اسے خوش کرنا چاہا اور پھر ہم دونوں چائے پینے میں مصروف ہو گئے۔

میں کالج کے وسیع لان میں پتھر سے بنے بنچ پر بیٹھا خیالوں میں گم تھا کہ میری نظر شائلہ پر پڑ گئی جو اپنی دوست کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔

شائلہ ایک سادہ سی لڑکی ہے اس کا معیار اور اسٹیٹس دوسری لڑکیوں سے مختلف ہے۔ سانولی سی لڑکی ہے مگر دلکشی اس کے چہرے سے عیاں ہے۔ خاص کر کسی سے گپ شپ بھی نہیں رکھتی مگر ہلوہائے ہر ایک کے ساتھ ہی ہے وہ ایک غریب لڑکی ہے زیادہ اونچے لوگوں میں نہیں بیٹھتی ہلوہائے مجھ سے بھی ہے مگر میرے ساتھ اس کا انداز بڑا ہی سنجیدہ ہوتا ہے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ہمارا احترام کا رشتہ ہے۔ ایک دوسرے سے مذاق کرنا ہم ضروری نہیں سمجھتے۔ کسی بھی موضوع پر سنجیدہ گفتگو ہو جاتی ہے بالا اتفاق اگر کسی بھی بات میں مذاق کا عنصر نظر آجائے تو ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں اتنا ضرور ہے کہ کبھی کسی دوسرے کی بات پر ہنس لیا جائے۔ جیسا کہ کاشف کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو ہنسائے رکھے۔

میں شائلہ کے بارے میں یہ سب کچھ اس لئے لکھ رہا ہوں کہ بقول کاشف کے ہر آدمی اس دنیا میں ڈھیروں خواب لے کر آتا ہے جن کے لئے وہ ساری زندگی سرگرداں رہتا ہے۔ پھر بعض کو تو خوابوں کی تعبیر مل جاتی ہے اور بعض کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ شائلہ کے بارے میں میرا جو خیال ہے مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اس کے اپنے کوئی خواب نہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کا مقصد کچھ بھی ہو جیسا کہ ہر آدمی کچھ سوچ کر تعلیم حاصل کرتا ہے۔ مگر شائلہ کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں۔ میں نے پہلے بھی کہا کہ سادہ سی لڑکی ہے سادہ سے لباس میں ملبوس اس پر ترس سا آنے لگتا ہے۔ پرانی کتابیں لے کر کالج آتی ہے اور سب سے بچ بچا کر کلاس روم میں چلی جاتی ہے۔ پھر بھی راستے میں ایک دو کو ہلوہائے بولنا پڑتا ہے اور وہ ہشاش بشاش سی مسکراہٹ سے سب کی طرف دیکھتی ہے ایسا لگتا ہے کہ صبر اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ استقامت کا پہاڑ ہے اس کے مقابلے میں کچھ غریب لڑکیاں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جو پلکوں پر ڈھیروں خواب سجائے رکھتی ہیں۔ کسی امیر زادے پر نظر پڑتے ہی دل میں کسک محسوس کرنے لگتی ہیں حسرت سی ان کے دلوں میں جاگ اٹھتی ہے ان کے دل کے کسی کونے میں حسد بھی بیدار ہو جاتا ہے کہ کاش! یہ سب کچھ ہمیں مل جائے۔

ابھی دو ماہ قبل ایک لڑکا عاطف کالج میں ایڈمشن لینے آیا بڑی سی گاڑی اور اچھے سوٹ بوٹ میں ملبوس کسی رئیس کی اولاد لگتا تھا کافی ہینڈسم بھی تھا وہ جیسے ہی گاڑی سے اترا لڑکیاں تو اسے دیکھ کر آہیں بھرنے لگیں۔ اتفاق سے اس وقت شائلہ میرے پاس کھڑی تھی اور کسی موضوع پر ہمارے درمیان بات چیت چل رہی تھی۔ ہم نے بھی اسے دیکھا کہ وہ اپنی گاڑی سے اتر کر اردگرد کا جائزہ لے رہا ہے مگر انسان ہر نئی چیز کو ایک بار دیکھتا ضرور ہے شائلہ نے اس وقت یہ ثبوت پیش کیا کہ کسی سے باتوں کے دوران باتوں پر توجہ دینا کتنا ضروری ہے تاکہ سامنے والے کا دل نا دکھے کچھ اسٹوڈنٹس تو آگے بڑھ کر اس سے جان پہچان بنانے لگے ہر ایک کی کوشش یہ تھی کہ وہ اسے اس کی مطلوبہ جگہ یعنی پرنسپل کے دفتر چھوڑ آئے اس دوران میں نے نوٹ کیا کہ شائلہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے ہیں شاید اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

شائلہ کے اندر جو خوبیاں تھیں وہ مجھے پسند ہیں ایسے لوگ مجھے اچھے لگتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا نام میری پرسنل ڈائری میں موجود ہو۔ کچھ ایسے واقعات لکھ لئے جائیں جن سے ان کی خوبیاں عیاں ہوں اور خیالات کی دنیا میں انہیں وہ مقام دے دیا جائے جس کے وہ مستحق ہیں خود سے تو ان کی اپنی کوئی خواہش نہیں لیکن ہم لوگوں نے ان کے بارے میں سوچنا ہے کہ ان کی اصل جگہ کیا ہے۔ اصل مقام کیا ہے یہی کچھ سوچ کر کے شائلہ کے بارے میں کچھ لکھنا ہے میں اٹھ کھڑا ہوا۔

دوسرے دن پکنک پر بھی جانا تھا جس کے لئے سارے شیڈول بنا لئے گئے تھے ہر ایک نے اپنے طور پر تیاری کرنی تھی یہی باتیں سوچتا ہوا میں ہاسٹل کی طرف بڑھ گیا۔

ڈائری کے جس صفحہ پر لڑکی اور لڑکے کی تصویر تھی وہ صفحہ میرے سامنے تھا میں شائلہ کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتا تھا میرے ذہن میں شائلہ کے بارے میں کچھ اس طرح کا خیال ابھرا۔

شائلہ کالج کے وسیع لان میں پتھر کے بنچ پر بیٹھی خیالوں میں گم ہے تھوڑی اداس بھی تھی۔ شاید اسے کوئی پریشانی لاحق ہے۔ اور یہ اس کی عادت رہی ہے کہ وہ اپنی پریشانی کسی سے شیئر نہیں کرتی۔ آج بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ جہاں تک میرا خیال ہے وہ اسی سچویشن میں تنہائی پسند بن جاتی ہے اور خود سے اپنی پریشانی کا حل تلاش کرتی ہے یہ اس کی عادت بہت اچھی ہے خوشیوں میں سب کو شامل کرنا اور غم میں خود ہی ٹوٹ کر بکھرتے رہنا، شائلہ بہت گہرے خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی اپنے اردگرد سے بھی بیگانی کہ آس پاس کیا فلم چل رہی ہے۔

اچانک سے وہ ہلو کی آواز سن کر چونک سی جاتی ہے ''ہیلو شائلہ!'' شائلہ عجلت میں اردگرد نظر دوڑاتی ہے تو تھوڑے فاصلے پر اسے عاطف نظر آتا ہے جو اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا شائلہ اسے مسکراتے دیکھ کر گھبرا سی گئی ''ہائے شائلہ'' عاطف نے شائلہ کو بیگانی دنیا سے واپس دیکھ کر ایک بار پھر گفتگو کے ابتدائیاں کلمات دہرائے۔ ''کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔'' عاطف نہیں چاہتا تھا کہ شائلہ میری وجہ سے ڈسٹرب ہو۔

''پلیز، بیٹھئے۔'' شائلہ نے ایک طرف سرکتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو کافی دیر سے دیکھ رہا ہوں کہ آپ نہ جانے کن خیالوں میں گم پریشان لگتی ہیں۔'' عاطف نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اوہ نو ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' شائلہ نے اپنی پریشانی زائل کرنا چاہی۔

''شائلہ کوئی بات تو ہے کہ آپ پریشان ہیں۔ آپ مجھے اپنی پریشانی بتائیں، ہو سکتا ہے کہ میں آپ کی کچھ مدد کروں۔'' عاطف نے کہا۔

''عاطف صاحب ایسی کوئی بات نہیں کہ میں پریشان ہوں، اکیلا بیٹھا آدمی خیالوں میں گم ہی لگتا ہے کہ وہ پریشان ہے اور بائی دا وے آپ میری مدد کیوں کرنا چاہتے ہیں؟'' شائلہ نے تھوڑا تلخ لہجہ اپنایا۔

''انسانیت کے ناطے میں آپ کی مدد کرنا چاہتا تھا۔''

''مگر آپ یہ انسانیت کہیں اور بھی تو دکھا سکتے ہیں مجھ پر ہی کیوں۔''

''دیکھو شائلہ آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔'' دراصل بات یہ ہے کہ عاطف بات کرتے ہوئے ہچکچایا!!

''ہاں ہاں بولو کیا بات ہے؟'' شائلہ نے عاطف کو خاموش دیکھ کر کہا۔

''دیکھو شائلہ ہر انسان کے اندر ایک جذبہ پایا جاتا ہے ہمدردی کا جذبہ، کب کس وقت، کس کے لئے وہ بیدار ہو جائے یہ کوئی نہیں جانتا، آپ کے ساتھ ہمدردی جتلانا کیا معانی رکھتا ہے آپ اسے کوئی بھی نام دے سکتی ہیں۔''

''کوئی بھی نام کیا مطلب'' شائلہ نے عاطف کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مثلاً دوستی کا رشتہ، اس کے علاوہ۔'' عاطف کہتے کہتے رک گیا۔

''اس کے علاوہ۔ اس کے علاوہ کیا؟'' شائلہ عاطف کی باتوں سے ڈسٹرب تھی۔

''اس کے علاوہ ایک اور رشتہ بھی ہوتا ہے۔ محبت کا رشتہ۔'' اتنا کہہ کر عاطف خاموش ہو گیا۔

''محبت کا رشتہ۔'' شائلہ نے عاطف کی بات کو دہرایا۔

''ہاں شائلہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں میں نہیں جانتا کہ مجھے تمہاری کون سی ادا پسند آ گئی ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ پچھلے تین ماہ سے میں تمہیں نوٹ کرتا چلا آ رہا ہوں چپ چپ سی اداس سب سے الگ تھلگ تمہاری اپنی دنیا ہے آج موقع ملا ہے تو تم سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے بھی اپنی اس دنیا میں شامل کر لو۔ کتنی ہی لڑکیاں اس کالج میں ایسی ہیں جنہوں نے

اشارۃً اور بعض نے صراحتاً مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ مگر دل ہے کہ مانتا ہی نہیں، میری متلاشی نظروں کا مرکز ہمیشہ تم رہی ہو، آج میں اپنی محبت کا اظہار کرتا ہوں آگے تمہاری مرضی۔'' عاطف بہت جلد آپ سے تم پر آ گیا تھا۔ ''چاہے تو میری محبت کا بھرم رکھ لو۔ چاہے تو ٹھکرا دو میں جانتا ہوں کہ ابھی تم میری کسی بات کا جواب نہیں دے پاؤ گی۔ اس کے لئے میں تمہیں کچھ وقت دیتا ہوں تم مجھ سے اپنے دل کی بات کہہ دینا، او کے میں چلتا ہوں مگر مجھے تمہارے مثبت جواب کا انتظار رہے گا۔ اتنا کہہ کر عاطف اٹھا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

مگر جاتے جاتے وہ شائلہ کو سوچوں کے عمیق سمندر میں چھوڑ گیا تھا۔ وہ شائلہ جو کسی سے دوستی کرنے سے پہلے سو بار سوچتی تھی، اسے نئی منزل کا پتہ دے گیا تھا وہ، شائلہ جو دوسروں کو محبت کی تلقین کرتی تھی آج خود محبت کے بھنور میں پھنس گئی تھی، عاطف اسے کڑے امتحان میں دھکیل گیا تھا۔ امتحان بھی تو تھا کہ اگر وہ محبت کا جواب محبت سے دیتی ہے تو اسٹوڈنٹس کیا کہیں گے، شائلہ دولت پر مرمٹی اور اگر وہ محبت کو ٹھکرا دیتی ہے تو اس کی وہ باتیں کہاں جائیں گی جو وہ ثوبیہ سے کہہ چکی تھی۔ ''اگر تمہاری جگہ میں ہوتی ناں تو ضرور محبت کا جواب محبت سے دیتی۔''

پریشانی اس کے چہرے سے عیاں ہونے لگی۔ ایک عجیب سا احساس اسے ستانے لگا، دل و دماغ کی جنگ جاری تھی۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ کس کا انتخاب کیا جائے ایک طرف اس کا بھرم تھا جو وہ پچھلے کئی سالوں سے قائم رکھے ہوئے تھی اور دوسری طرف محبت تھی جو اس کی دنیا میں بسنا چاہتی تھی، کتنی ہی دیر وہ سوچ و بچار کے پنجرے میں قید رہی پھر اچانک سے وہ ایک فیصلہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی مگر اس کے چہرے سے ایسا لگتا تھا کہ وہ فیصلہ ایک حفاظتی حصار ہے جس حصار میں اسے قید رہنا پڑے گا۔ شائلہ آہستہ سے چلتی ہوئی بوجھل قدموں کے ساتھ مین گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

دوسرے دن ہم سب نے پکنک پر جانا تھا۔ ہم سب پکنک کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ اپنے تصور میں کاشف اور ثوبیہ کو ملا چکا تھا اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے میں نے لکھا۔

شائلہ ثوبیہ کو اس کی غلطی کا احساس دلا کر ایک طرف کو چل دی۔ سامنے سے اسے عاطف اپنی گاڑی میں آتا نظر آیا کیونکہ وہ سب کے ساتھ نہیں آیا تھا عاطف نے گاڑی شائلہ کے قریب آ کر روک لی۔ عاطف اپنی گاڑی کا فرنٹ دروازہ کھول دیتا ہے۔ ''پلیز! شائلہ کم ان۔'' عاطف نے شائلہ کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ شائلہ تھوڑا ہچکچائی اپنے اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

شائلہ ابھی بھی غصے میں تھی ثوبیہ کی وجہ سے وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا ری ایکشن کیا ہوا ہے۔ ''ہیلو شائلہ کیسی ہو؟'' عاطف نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

شائلہ نے ایک نظر عاطف کو دیکھا اور پھر شیشے سے پار دیکھنے لگی اس نے عاطف کی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

''تو کیا سوچا آپ نے کل کی باتوں کے بارے میں!'' عاطف نے مقصد کی بات کہہ دی! شائلہ ابھی بھی خاموش تھی اور پھر کچھ سوچنے کے بعد وہ گویا ہوئی۔

''دیکھو عاطف!'' عاطف ہمہ تن گوش ہو گیا جیسے اس کو یقین ہو چلا تھا کہ بات میرے ہی حق میں ہوگی۔ ''میں نہیں سمجھتی کہ محبت بھی کسی سے کی جائے، آج تک اس بارے میں میں نے کبھی نہیں سوچا، بس میری زندگی جس طرح گزر رہی تھی بہر حال میں خوش تھی مگر آج میں نے کاشف کی بے بسی اور ثوبیہ کی بے حسی دیکھی تو جان گئی کہ محبت کیا ہے، دو اجنبی لوگوں کا ایسے بندھن میں جڑ جانا جو احساس کے رشتے سے بنا ہو، اس کا نام محبت ہے، میں نہیں چاہتی کہ کاشف کی طرح تم بھی بے بس ہو جاؤ اور پکار پکار کر کہو۔ ''شائلہ آئی لو یو، شائلہ آئی لو یو۔''

محبت میں ناکامی اکثر انسان کو لے ڈوبتی ہے۔ وہ اپنے آپ سے بھی لاپرواسا بن جاتا ہے۔ چونکہ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں کہ کسی کی محبت کو ٹھکرا دوں بشرطیکہ اس میں خلوص اور سچائی ہو اب تک میں سمجھتی تھی کہ میری غربت اور سادگی کو دیکھ کر کون مجھے اپنائے گا، کون ایسا ہوگا جو میرے دکھ درد کا مسیحا بنے گا۔ کون میرے زخموں پر مرہم رکھے گا مگر جس طرح تم نے مجھ سادہ اور غریب لڑکی پر دل ہار دیا ہے اس سے تو یہی لگتا ہے کہ تمہاری محبت میں سچائی ہی سچائی ہے، خلوص ہی خلوص بھرا ہے، میں ساری رات تمہارے ہی بارے میں سوچتی رہی۔

عاطف میں ایک شرط پر تمہیں اپنے دل میں جگہ دے سکتی ہوں۔ ہماری یہ محبت راز رہے گی۔ میری کچھ مجبوریاں ہیں جن سے نکلنا میرے لئے ممکن نہیں کبھی اکیلے میں ملاقات ہوئی تو ٹھیک ہے ورنہ نظروں کا ٹکراؤ ہی کافی ہے۔'' شائلہ اپنے دل کی بات کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''ویری تھینکس شائلہ! تم نے میری محبت کا بھرم رکھ لیا۔ شائلہ میں تمہاری عزت پر کبھی آنچ نہیں آنے دوں گا، میں تمہاری مجبوریاں سمجھتا ہوں، ضرور میں تمہاری امیدوں پر پورا اتروں گا۔'' عاطف نے اپنے طور پر یقین دہانی کرائی کچھ دیر گاڑی میں خاموشی رہی انہیں اپنا گروپ آتا نظر آیا۔

''عاطف میرے خیال میں مجھے چلنا چاہئے اس سے پہلے کہ ہمیں کوئی دیکھ لے اور شک کی چادر پھیلائے۔'' اتنا کہہ کر شائلہ گاڑی سے نکل کر ایک طرف کو چل دی۔

سارے اسٹوڈنٹس نے عاطف کو دیکھ لیا تھا اس لئے اس کی طرف بڑھ گئے، تب تک عاطف بھی گاڑی سے نکل کر باہر آ گیا تھا۔ ''اوہ! عاطف صاحب۔ ہمیں نہیں لگتا تھا کہ تم بھی پکنک پر آؤ گے۔'' کئی لڑکوں کی آواز سنائی دی اور باری باری عاطف سے ملنے لگے۔ سب سے مل کر عاطف نے مٹھائی کا ڈبہ گاڑی کے بونٹ پر رکھ دیا جیسے پوری دکان خرید لایا ہو۔ ''واہ یہ کس لئے؟'' سب نے مٹھائی لیتے ہوئے کہا۔

''بس ویسے ہی میں نے سوچا دوستوں کے لئے کچھ لے چلوں۔'' یہ بات کہتے ہوئے اس نے دور کھڑی شائلہ کی طرف ایک نظر دیکھا جو ایک درخت سے ٹیک لگائے ایک پیر پر ہاتھوں کو باندھے بڑے اسٹائل سے کھڑی تھی۔

شائلہ سمجھ گئی کہ یہ سب اہتمام کس لئے ہے اور پھر جواب میں وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ میں اپنی تحریر یہیں پر ختم کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ جس منظر پر فلم ڈرامہ یا کوئی کہانی ختم کی جائے وہ منظر آنکھوں میں سما جاتا ہے۔ کاش! ایسا ہو۔

یہ بات لکھنا میں اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ میرا خیال ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں بس میں چاہتا ہوں کہ ایسا ہو جائے، یہ سب لکھ کر ایک سرسری نظر تحریر پر ڈالی اور ڈائری بند کر کے ٹیبل پر رکھ دی۔ اب میں سونا چاہتا تھا، میں تھکن سی محسوس کرنے لگا شاید لکھنے کی وجہ سے یا کوئی اور بات تھی آنکھیں بند کئے میں بستر پر دراز ہو گیا۔ جلد ہی نیند کی دیوی مجھ پر مہربان ہو گئی اور میں نیند کی آغوش میں ہر شے سے بیگانہ ہو گیا۔

ہر روز کی طرح مجھے ایسا لگا کہ میں سویا نہیں تھا بلکہ جاگ رہا ہوں اور بھینی بھینی سی خوشبو مجھے مدہوش کر رہی تھی یہ خوشبو کسی کے آنے کی اطلاع تھی اور پھر ایسا ہی ہوا، وہ پھر روز کی طرح چلتی ہوئی میرے قریب آ رہی تھی، اس کے چلنے کا اسٹائل بڑا خوبصورت تھا۔ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اسی طرح میری طرف بڑھتی رہے اور میں اسے دیکھتا رہوں۔ وہ آ کر میرے قریب بیٹھ گئی۔ اتنا قریب کہ جب وہ منہ میری طرف کر کے سانس لیتی تو ہماری سانسوں کا تبادلہ ہونے لگتا، میں بھی کتنا عجیب ہوں میں اسے نہیں جانتا کہ وہ کون ہے کہاں سے آتی ہے؟ میرے پاس ہی کیوں آتی ہے۔ مجھے اپنی سانسوں کی ہوا دینے روز چلی آتی ہے میں اس کی سانسوں کی گرمی سے پگھلنے لگتا ہوں، بے خود سا ہو جاتا ہوں اور یہ خواہش میرے

من میں مچلنے لگتی ہے۔

آج سانسوں کو سانسوں سے مہک جانے دو
آج ہونٹوں کو ہونٹوں سے ٹکرانے دو
دل ہے پیاسا نہ ترساؤ قطروں سے اب
آج بادل یہ کھل کر برس جانے دو
دوریوں میں جھلستے رہے رات دن
اب جو ملیں ہیں تو حد سے گزر جانے دو

اس نے کل کی طرح آج بھی ڈائری کو اٹھالیا اور وہ سب کچھ دھیمی آواز میں پڑھنے لگے جو میں لکھ کر سویا تھا، کافی دیر وہ ڈائری پڑھتی رہی شاید پوری کہانی پڑھنا چاہتی تھی، میں اسے اسی طرح تکتا رہا کہ اس کے حسن میں کھو سا گیا تھا، میں اسے دیکھنا چاہتا تھا، بہت دیر بہت دیر تک اس کے ہلتے ہوئے لبوں کو دیکھنا چاہتا تھا، جب ایک انسان بات کرتا ہے تو اس کے دونوں ہونٹ آپس میں ٹکراتے ہیں، بالکل ایسے ہی اس کے ملتے ہوئے ہونٹ میرے من میں رس گھول رہے تھے۔

''اوئے!'' اس نے اپنا مخصوص انداز اپنایا شاید وہ کہانی پڑھ کر ختم کر چکی تھی ''تو یہ حال احوال اتنا رومانٹک کیوں لکھتا ہے اور طویل بھی، مختصر بھی تو لکھ سکتا ہے ناں۔''

واقعی اس نے وہ بات کہہ ڈالی تھی جس کا میں نے اپنی کہانی میں خاص خیال رکھا تھا کہ کوئی لمحہ رہ نہ جائے۔ ''وہ جی!'' میں ہکلایا۔

''کیا جی بولو جی۔'' اس نے جی کی گردان بنا ڈالی۔ شاید میرے ساتھ مذاق کر رہی تھی مگر اس کے مذاق میں بھی پیار بھرا تھا۔

''وہ دراصل اصل زندگی میں بھی ایسا ہوتا ہے ناں۔ اس لئے میں نے کہانی کو طول دیا ہے۔'' میں نے جواز پیش کیا۔

''اچھا تو یہ سب بھی ایسے ہی ہوگا جیسا تو نے لکھا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ تو لوگوں کے ساتھ کچھ زیادہ ہی ہمدرد ہے۔ خیر چھوڑو! اب یہ بتاؤ کہ میری کہانی کب لکھ رہے ہو۔'' اس نے پہلے کی طرح اپنی کہانی کا ذکر کر دیا تھا مگر میں ابھی تک اس کی کہانی سے انجان تھا۔

''جی آپ کی کہانی؟ مگر میں تو کچھ بھی نہیں جانتا۔'' میں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''ہوں۔'' اس نے خاموش رہ کر میری بات کی تصدیق کی۔ ''دو دن بعد میری کہانی تمہارے سامنے ہوگی، کل میں تم سے ملنے نہیں آؤں گی تم پکنک پر جاؤ گے ناں اس لئے تھک ہار کر سونا چاہو گے، میں نہیں چاہتی کہ کل تمہارے آرام میں خلل ڈالوں۔'' اسے میری تھکن کا بھی احساس تھا۔

یہ بات برحق ہے کہ جب دو لوگوں میں احساس کا رشتہ پیدا ہو جائے تو وہ محبت کا درجہ لے لیتا ہے۔ اسے میرا احساس تھا، حقیقت میں، میں بھی اس سے محبت کرنے لگا تھا۔

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

''اب سو جاؤ۔'' اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتا اس نے اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر رکھ دیا شاید مجھے سلانا چاہتی تھی اور پھر ایسا ہی ہوا میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ کچھ دیر میں م میں خود سے بھی بیگانہ تھا شاید صحیح معنوں میں سو چکا تھا۔

دوسرے دن صبح سویرے جلد ہی میری آنکھ کھل گئی میں بستر پر دراز اوپر چھت کو گھور رہا تھا میں کچھ یاد کرنا چاہ رہا تھا۔ ہاں یاد آیا اس رات والی حسینہ کو جو روزانہ مجھ سے ملنے چلی آتی ہے اس نے مجھے وہ ڈائری دی تھی مگر اس کے باوجود ابھی تک مجھے اس چیز کا اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ مجھ سے حقیقت میں ملتی ہے یا کہ خواب میں۔ ایک بات جس طرح وہ مجھے ڈائری دے گئی تھی اس سے تو یہ لگتا تھا کہ وہ حقیقت میں مجھ سے ملتی ہے، دوسری بات اس کی موجودگی میں مجھے اپنے وجود کا احساس نہیں رہتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں اس کے تابع ہوں اور وہ میری نیندوں پر قابض آجاتی ہے۔ اس کی موجودگی میں میں نے زندگی کا لطف نہیں اٹھایا تھا اس

سے تو یہ لگتا ہے کہ وہ مجھ سے خواب میں ملتی ہے کتنی ہی دیر، میں ایسی باتوں میں الجھا رہا اس کی ملاقات پر مجھے آج حیرت ہو رہی تھی۔

اتنے میں مجھے کاشف کی آواز سنائی دی جو آج مجھے لینے چلا آیا تھا اس کی آواز سن کر میں نے بستر کی جان چھوڑ دی روزمرہ کے معمولات سے فارغ ہو کر میں کاشف کے ساتھ کالج روانہ ہو گیا

کالج پہنچے تو ہر ایک کے چہرے کی خوشی دیدنی تھی کیونکہ ایسے مواقع روز روز نہیں آتے۔ اور پھر ایسے میں بہت سارے اسٹوڈنٹس کا یہ آخری سال شمار کیا جاتا ہے۔ کچھ تو اپنی مرضی سے کالج کو خیرآباد کہہ دیتے ہیں اور کچھ نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے کسی یونیورسٹی وغیرہ میں ایڈمشن لینا ہوتا ہے۔

پکنک پارٹی پر جانے کے لئے کالج کی انتظامیہ نے ایک عدد بس کا انتظا کیا تھا باری باری سارے اسٹوڈنٹس بس میں سوار ہو گئے قریب تھا کہ بس روانگی کا الارم بجاتی میں اور کاشف بھی اپنے گردونواح کا جائزہ لیتے ہوئے بس میں سوار ہو گئے جلد ہی بس اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی بس کے اندر خوب ہنگامہ بپا تھا کبھی کوئی لڑکا گنگنانے لگتا تو کبھی کوئی کسی پر جملہ کس دیتا، جس سے تمام اسٹوڈنٹ کے قہقہے گونجنے لگتے، سفر خوب دلچسپ تھا، تقریباً چار گھنٹوں کے بعد ہماری بس اپنی منزل پر پہنچ گئی، تمام اسٹوڈنٹ باری باری نیچے اترنے لگے، جونہی نیچے اترتا "واہ!" کی آواز ہمارے کانوں سے ٹکراتی یہ لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کوئی خوشکن واقعہ وقوع پذیر ہو جائے اپنی حیرت یا خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

"واہ کیا خوبصورت علاقہ ہے۔" یہ ثوبیہ کی آواز بھی جو نیچے اترتے ہوئے کہہ گئی تھی۔ ثوبیہ کی آواز سن کر کاشف بھی ہولے سے کہہ گیا۔ "واقعی کیا خوبصورت جگہ ہے۔"

"پہلے کچھ دیکھ تو لے کیسا علاقہ ہے ایسے بھی بول دیا۔" میں نے کاشف کو متنبہ کیا۔

"تو نے سنا نہیں ثوبیہ کیا کہہ رہی تھی جب اسے پسند آ گیا ہے تو مجھے کیوں نہیں آئے گا۔" ایک بار پھر کاشف نے اپنی محبت کا ثبوت پیش کیا۔

"اچھا مجنوں چل اب نیچے چلتے ہیں ہم بھی تو دیکھیں کہ کتنا خوبصورت علاقہ ہے۔" پھر ہم دونوں بھی بس سے باہر آ گئے۔

واقعی علاقے کو خوبصورتی کی داد دینی پڑی، ہماری آنکھیں وہ سارا علاقہ اپنے اندر جذب کرنے لگیں۔ کیا ہی خوب علاقہ تھا، ایسا علاقہ ایک رائٹر اور عاشق کی ضرورت ہوتا ہے، رائٹر میں خود تھا اور عاشق میرے پہلو میں کھڑا تھا۔ بالکل ویسا ہی علاقہ تھا جس کا تصور میرے دماغ میں موجود تھا۔ رنگ رنگ کے پھول کھل رہے تھے سرد ہوا کے جھونکے آپس میں ٹکرا رہے تھے۔ میں ابھی تک وادی کی منظر کشی میں لگا ہوا تھا میں نہیں جانتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ کہ اچانک مجھے کاشف کی آواز سنائی دی کاشف کی نظر ضرور ثوبیہ پر پڑ گئی تھی جو زمین پر پڑی کچھ چیزوں کو سمیٹ رہی تھی میں نے دیکھا کہ کاشف ثوبیہ کے ساتھ چیزوں کو سمیٹنے میں مدد کر رہا ہے حالانکہ یہ بات ثوبیہ کو بالکل بھی پسند نہیں تھی مگر میں یہ سب سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ سب کیوں چل رہا ہے ثوبیہ چیزوں کو سمیٹ کر جانے لگی تو کاشف کی آواز سن کر اس کے بڑھتے قدم رک گئے اور پلٹ کر کاشف کو دیکھنے لگی۔

"جی جناب! فرمایئے۔" ثوبیہ نے تاؤ میں آتے ہوئے کہا۔

"ثوبیہ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" کاشف کے لہجے میں قدرے جھجک تھی۔

"ہاں تو پھر کہو! میں کس لئے رکی ہوں تمہاری شکل تو نہیں دیکھنی میں نے۔" ثوبیہ کی باتوں سے اکتاہٹ جھلک رہی تھی اور وہ کولہوں پر ہاتھ رکھے کاشف کو گھورنے لگی۔

"ثوبیہ! میں آخری بار تم سے وہی بات کہنا چاہتا ہوں جو میں کئی بار پہلے بھی کہہ چکا ہوں، اس

امید کے ساتھ کہ ہو سکتا ہے اس پرسکون اور خوبصورت ماحول نے تمہارے اندر چاہت بھر دی ہو۔ یہاں پر آ کر انسان کا من خوش ہونے لگتا ہے کچھ خواہشیں پھر سے سر اٹھا لیتی ہیں۔" کاشف یہ باتیں کرتے کرتے فضاؤں میں بھی گھور رہا تھا شاید وہ اس حسین منظر کی عکاسی کر رہا تھا۔ اور اگر ایسے ہی ماحول میں انسان کو کوئی بڑی خوشی میسر آ جائے تو یہ سب کچھ کتنا اچھا لگنے لگتا ہے۔ اور اگر ایسے ہی ماحول میں کوئی بڑا غم میسر آ جائے تو انسان ٹوٹ بھی جاتا ہے۔ ثوبیہ نے اس کی بات کو متضاد صورت میں پیش کیا۔ شاید وہ جان گئی تھی کہ کاشف صاحب کیا کہنے والے ہیں۔

"ثوبیہ اب بھی میں تم سے وہی کہوں گا جو پچھلے کئی مہینوں سے کہتا چلا آیا ہوں۔" پھر کاشف نے وہ کہہ دیا جسے سن کر میں منہ کھولے حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا! یہ کہتے ہوئے کاشف ثوبیہ کے بہت قریب ہو گیا تھا، ثوبیہ آنکھیں پھاڑے کبھی اسے گھورتی اور کبھی زمین کی طرف دیکھنے لگتی۔ اس دوران وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو مسل رہی تھی لگتا ہے ری ایکشن سخت ہو گا اور پھر ایسا ہی ہوا۔

"تڑاخ!! کی آواز مجھے سنائی دی۔ ثوبیہ نے کاشف کو تھپڑ مار دیا تھا، میری حیرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، یہ تو سب کچھ ایسا ہی چل رہا ہے جیسا کہ میں اپنی ڈائری میں لکھ چکا تھا اور پھر وہ سب باتیں ثوبیہ نے کہہ سنائی تھیں جو میں لکھ چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ کاشف گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر آئی لو یو کی صدائیں بلند کرتا، میں بھاگ کر بس میں داخل ہو گیا اور اپنے بیگ سے وہ ڈائری نکال لایا۔ میں نے جلدی ڈائری کو کھولا اور اپنی لکھی ہوئی تحریر تلاش کرنے لگا۔ میں اپنی لکھی ہوئی تحریر اور موجودہ صورت حال کا موازنہ کرنا چاہتا تھا مگر یہ کیا جس صفحہ پر میں نے وہ تحریر لکھی تھی وہ صفحہ خالی تھا، یہاں تک کہ اس پر موجود لکیریں بھی مٹ چکی تھیں مجھے وہم لگا شاید اگلا صفحہ ہو مگر اگلے صفحہ پر لکھا ہوا تھا۔

کاشف نے اپنے دونوں ہاتھوں اپنے چہرے پر رکھ لئے اسی اثناء میں میں نے کاشف کی طرف دیکھا تو واقعی اس کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے پر موجود تھے۔ ثوبیہ دور جاتی نظر آ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ کاشف زور زور سے پکارتا۔ "ثوبیہ آئی لو یو! ثوبیہ آئی لو یو!" تحریر کے مطابق مجھے اپنا رول ادا کرنا تھا۔

اور پھر ایسا ہی ہوا میں کاشف کے قریب جانا ہی چاہتا تھا کہ مجھے کاشف کی آواز سنائی دی۔ "ثوبیہ آئی لو یو!" نجانے وہ کونسی طاقت تھی کہ میں خود بخود کاشف کی طرف بڑھ گیا۔ میں اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ چکا تھا اور اسے دلاسہ دینے لگا مگر ایک بات جو میں نہیں لکھ پایا تھا کہ اس سب کچھ کے دوران میں حیرت کا مجسمہ بنا رہوں گا۔ دلاسے کے اندر جو حوصلہ ہوتا ہے وہ میرے اندر موجود نہیں تھا، موجود تھا تو وہ اسرار کہ یہ سب کیا ہے، بالکل ویسا ہی ہو رہا ہے جو میں نے لکھا تھا اس سے بڑا اسرار کہ ڈائری سے تحریر کہاں چلی گئی؟

میرا دماغ اس طرح کی سوچوں میں الجھا ہوا تھا، واقعی بات حیران کن تھی جو کچھ ہوتا چلا گیا وہ مٹتا چلا گیا میں ڈائری کو دوبارہ کھول کر دیکھتا مگر میں کاشف کو اٹھانا چاہتا تھا جو ابھی بھی سسک رہا تھا۔

میں کاشف کو لے کر ایک طرف کو چل دیا مگر کاشف نے میرے ساتھ آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اور میں اکیلا ہی آگے بڑھ گیا یہ کوئی انہونی طاقت تھی جو مجھے آگے لے کر بڑھ رہی تھی۔

باقی بھی سب کچھ ویسا ہی ہوا جو میں لکھ چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ثوبیہ اور شائلہ آپس میں کچھ باتیں کر رہی تھیں، میں پتھر سے ٹیک لگائے ان کی باتیں سننے لگا۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ ثوبیہ شرمندہ سی ایک طرف چل دی جہاں پر کاشف اکیلا بیٹھا تھا اور تھوڑی ہی دیر بعد مجھے کاشف کی خوشی سے لبریز آواز سنائی دی۔

میں خوشی سے جھومنا چاہتا تھا مگر نجانے کیا سوچ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں، آنکھیں بند کر لینے سے انسان کا دماغ تاریکیوں میں ڈوب جاتا ہے کچھ بھی

دیکھنے سے قاصر ہوتا ہے، مگر میں اس اندھیرے میں بھی کسی کو دیکھ سکتا تھا۔ یہ وہی تھی جو روزانہ مجھ سے ملنے آتی تھی وہ فضا میں معلق کوئی پری لگ رہی تھی اور مسکراتے ہوئے مجھے دیکھنے لگی وہ اڑتی ہوئی میرے قریب آ کر اتر گئی میں بھی آنکھیں بند کئے اسے دیکھتا رہا کہ مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

''اوئے'' وہ اپنے مخصوص انداز کے ساتھ مجھ سے مخاطب تھی۔ ''آگے نہیں دیکھنا کیا۔ کہانی کا دوسرا سین ابھی بھی باقی ہے چل آنکھیں کھول اور دیکھ کیا ہونے والا ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ ایک طرف کو چل دی میں بھی اس کی طرف بڑھنا چاہتا تھا یہی سوچ کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ مگر آنکھیں کھولتے ہی اس کی جگہ مجھے شائلہ نظر آئی جو ایک طرف کو جا رہی تھی میں آنکھیں بند کر کے اسے دوبارہ دیکھنا چاہتا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں مگر اب کی بار وہ مجھے نظر نہ آئی مجبوراً آنکھیں کھولنی پڑی۔ ایک اور حیران کن منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔

شائلہ عاطف کی گاڑی کے پاس کھڑی تھی اور گاڑی کا فرنٹ دروازہ کھلا ہوا تھا کہانی کا دوسرا سین چل رہا ہے یہی سوچ کر میں ڈائری کو کھولنے لگا کاشف کے متعلق لکھی گئی ساری تحریر مٹ چکی تھی اور شائلہ کی کہانی کا تھوڑا حصہ باقی تھا۔ مجھے سو فیصد یقین ہو چلا تھا کہ ایسا ہی ہوگا میں نے ڈائری کو بند کر دیا اور اسی کے بارے میں سوچنے لگا۔

مجھے اس کی باتیں یاد آنے لگیں۔ ''اوئے تو کہانی اتنی رومانٹک کیوں لکھتا ہے اچھا تو پھر بے فکر ہو جا ایسا ہی ہوگا۔ مگر میری کہانی کب لکھو گے۔'' اس نے ٹھیک ہی کہا تھا سب ایسا ہی ہو گیا تھا مگر وہ تحریریں میری ڈائری سے مٹ چکی تھیں وہ اپنی کہانی مجھ سے کیوں لکھوانا چاہتی ہے اسے کیا ضرورت پڑ گئی اس کی کہانی میں ایسا کیا ہے جو وہ لکھوانا چاہتی ہے کیا جو میں لکھوں گا وہ سب ایسے ہی ہوگا کہ حقیقت کا روپ بن کر سامنے آ جائے گا یا کوئی اور بات سامنے آئے گی۔'' کتنی ہی دیر میں انہی خیالوں میں الجھا رہا کہ مجھے اسٹوڈنٹ کا شور سنائی دیا۔ وہ سب عاطف کی گاڑی کے پاس موجود مٹھائی سے انصاف کر رہے تھے اور ایک طرف درخت سے ٹیک لگائے شائلہ مسکرا رہی تھی۔

میری کہانی اختتام پذیر ہوئی اور میں بھی اٹھ کر ان کی طرف چل دیا شاید کوئی گلاب جامن میرے حصے میں بھی آ جائے۔

اب سب کچھ نارمل چلنا تھا دو لوگوں کو ملا کر مجھے ایسا لگنے لگا کہ ہر چہرے کی خوشی دیدنی ہے یہ بات کسی کے علم میں نہیں تھی کہ یہ سب کچھ میں دو دن پہلے سے جان لیا تھا اور اپنی ڈائری میں لکھ بھی چکا تھا۔ مگر وہ سب لکھا اب میرے پاس موجود نہیں تھا۔ میں کسی سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ سب کچھ میں نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا آگے جو کچھ ہونا تھا وہ میں نے لکھا ہی نہیں تھا۔ اگر لکھ دیتا تو شاید وہ بھی میری تحریر کا حصہ بن جاتا۔ مگر میں ابھی بھی بہت خوش تھا۔

واپسی پر بھی خوب ہنگامہ رہا۔ میرا دوست کاشف جو پکنک پر روانگی سے پہلے اداس تھا۔ اب اس کا چہرہ خوشی سے سرشار تھا وہ جھوم رہا تھا اور پھر شائلہ کی طرف دیکھا جو بس کی کھڑکی سے باہر خوبصورت مناظر کا نظارا کر رہی تھی میں نے اس کے دل کی بات جان لی تھی کہ وہ کن خیالوں میں گم ہے اور پھر ہماری گاڑی ہچکولے بھرتی ہوئی واپسی کے لئے رواں دواں رہی۔

رات نو بجے میں اپنے ہاسٹل کے کمرے میں موجود تھا، ڈائری کے خالی اوراق میرے سامنے تھے، میں اپنی پکنک پارٹی کی ساری کارگزاری لکھنا چاہتا تھا مگر جس پراسرار طریقے سے میری لکھی ہوئی تحریر ڈائری سے مٹ گئی، اس سے یہ لگتا ہے کہ جو کچھ بھی لکھا جائے گا وہ بھی مٹ جائے گا اور ویسے بھی پکنک پر بیتے لمحوں کو میں پہلے ہی قلم بند کر چکا تھا یہ اور بات تھی کہ وہ سب کچھ میرے پاس موجود نہیں رہا اس میں خوشی کی بات یہ ہے کہ میری چاہت کے عین مطابق سب کچھ ہوا اور اس کے لئے مجھ سے میری تحریر چھین لی گئی مگر میں اپنے

دوست کاشف کی خوشی کے لئے اپنی ایسی سو تحریریں قربان کر سکتا ہوں کیا ہوا جو میری تحریر کا خراج مانگا گیا۔ کوئی بات نہیں! میں اس سارے واقعہ کو حقیقت کا روپ دے دوں گا اور پھر ایک ہٹ کہانی سامنے آئے گی۔

کتنی ہی دیر میں ایسی باتیں سوچتا رہا، بدن بھی تھکن سے نڈھال تھا اس لئے نیند بھی اپنا اثر دکھانے لگی، میں سونا چاہتا تھا یہی سوچ کر میں نے ڈائری کو ایک طرف رکھا اور بستر پر دراز ہو گیا جلد ہی میری آنکھ لگ گئی اب مجھے کسی نے نہیں جگایا تھا اور ساری رات میں میٹھی نیند سوتا رہا۔

صبح کو میری آنکھ کھل گئی۔ آج کالج سے چھٹی تھی اس لئے میں ایسے ہی بستر پر دراز رہا مگر اب میں تازگی محسوس کر رہا تھا میرا تھکا ہوا جسم پرسکون تھا۔ مجھے ایسا لگنے لگا کہ کوئی رات بھر میرے پہلو میں بیٹھ کر مجھے سلاتا رہا ہو۔ میرے ہونٹوں پر ہنسی تیر گئی اور غالب کا یہ شعر میری زبان سے پھسلنے لگا۔

یار کو رات بھر پہلو میں بٹھا کر غالب
جو لوگ کچھ نہیں کرتے وہ کمال کرتے ہیں

آج رات وہ نہیں آئی تھی۔ اپنے وعدے کے مطابق آنے والی رات میں وہ مجھے اپنی کہانی بھی سنانا چاہتی تھی نجانے اس کی کہانی میں ایسا کیا تھا کہ وہ میری مدد لینا چاہتی تھی۔ یا پھر میرے ذریعے اپنی کہانی نشر کروانا چاہتی تھی۔ آج سارا دن گھر پر ہی گزارنا پڑا۔ کوئی کام وغیرہ بھی خاص نہیں تھا۔ ناول پڑھتے ہوئے اور اس کی یاد میں دن گزر گیا چہل قدمی کے طور پر کچھ ٹائم باہر گزارا، کھانا وغیرہ بھی باہر کھا لیا تھا اس لئے نو بجے میں اپنے ہاسٹل میں موجود تھا۔ پچھلی رات وہ میرے پاس نہیں آئی تھی تو مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ اس سے ملے برسوں گزر گئے۔ میں جلد از جلد اسے دیکھنا چاہتا تھا اور اسے دیکھنے کے لئے آنکھیں بند کرنا ضروری امر تھا۔ ورنہ تو میں ساری رات ماہی بے آب کی تصویر بنا رہتا اس سے ملنے کی چاہت میں، میں نے آنکھیں بند کر لیں اچانک سے وہی مسحور کن خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکرائی اور میں نیند کی وادی میں اترتا چلا گیا۔

میں خود سے برگانہ ہو کر سو چکا تھا خواب میں بھی مجھے اس کی چاہت تھی مجھے ایسا لگتا کہ میں خود موجود نہیں ہوں۔ مگر میرا دماغ حاضر ہے جو دیکھ اور سن سکتا ہے۔ یہ سب نیند کا سماع تھا اور میرا دماغ اس تاریکی میں بھٹک رہا تھا میں اسے ڈھونڈنا اور دیکھنا چاہتا تھا مگر اس اندھیرے میں وہ مجھے نظر نہ آئی۔

مگر پھر اچانک سے میرے سامنے ایک منظر ابھرنے لگا۔ سب کچھ دھندلا تھا مگر پھر بھی میں ٹھیک طرح سے دیکھ سکتا تھا میں نے دیکھا کہ ایک جوان لڑکی ایک بوڑھی عورت کو سہارا دیئے سڑک کے ایک طرف کو چل رہی تھی۔ میں اس لڑکی کو غور سے دیکھنے لگا میں اسے پہنچاننے کی کوشش کرنے لگا اور پھر جلد ہی میرے دماغ نے اس کا چہرہ محفوظ کر لیا، یہ وہی تھی بالکل وہی جو روزانہ مجھ سے ملنے آتی تھی مگر آج اس حالت میں یہ بات مجھے سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک بڑی سی گاڑی ان کے قریب آ کر رکتی ہے گاڑی سے ایک ہینڈسم سا نوجوان (نوجوان بھی نہیں کہا جا سکتا 35-40 سال کے لگ بھگ ہوگا) اترتا ہے بہت جلد وہ ان کے پاس موجود تھا۔ یہ سب مجھے بہت تیزی سے دکھایا جا رہا تھا۔

''گیا میں آپ کو آپ کے گھر چھوڑ سکتا ہوں۔'' اس اجنبی کے لہجے میں ہمدردی تھی مگر نجانے ایسی کیا بات تھی کہ ہمدردی میں بھی مجھے وہ شیطان لگ رہا تھا۔

''نہیں جی شکریہ ہم چلے جائیں گے۔'' یہ اس لڑکی کی آواز تھی، دوبارہ اس آدمی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ''دیکھیں آپ لوگوں نے کافی دور جانا ہے اور آپ کے ساتھ مریضہ بھی ہے یہ وہاں تک نہیں جا پائیں گی۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں میں آپ کو چھوڑ دوں گا۔'' اس بار اس آدمی کے لہجے میں اپنائیت تھی اس لڑکی نے ایک نظر اس بوڑھی عورت کی

طرف دیکھا۔ جیسے کچھ پوچھنا چاہ رہی ہو۔ پھر میں نے شاٹ کٹ میں یہ سب دیکھا کہ گاڑی میں وہ بیٹھی ہوئی تھی اور گاڑی ایک بوسیدہ سے مکان کے پاس آ کر رک گئی۔

وہ دونوں گاڑی سے باہر نکل گئیں۔ اس لڑکی نے گاڑی والے کو تشکر بھری نظروں سے دیکھا اور اپنے مکان کی طرف بڑھ گئی۔ ''ایکسوزمی'' اس لڑکی نے پلٹ کر دیکھا تو اس آدمی کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ رقص کر رہی تھی تب تک بوڑھی عورت اندر جا چکی تھی۔ ''لگتا ہے آپ کے مالی حالات ٹھیک نہیں ہیں۔'' اس اجنبی نے اس بوسیدہ مکان پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

لڑکی اس کی بات سن کر خاموش ہی رہی۔ ''یہ رکھ لو میرا کارڈ، کبھی میری ضرورت پڑے تو ضرور فون کرنا۔'' لڑکی نے ڈرتے ہوئے کارڈ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ ابھی وہ مڑنے ہی والی تھی کہ ایک بار پھر اس آدمی کی آواز سنائی دی۔ ''یہ کچھ پیسے ہیں رکھ لو کام آئیں گے۔'' لڑکی جو بیتے لمحوں سے ہی خوف زدہ تھی پیسے کیسے رکھ لیتی۔

''نہیں صاحب! ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔'' دوسری بار لڑکی گویا ہوئی تھی۔

''کوئی بات نہیں رکھ لو جب آپ کے پاس ہو جائیں تو واپس کر دینا۔''

اتنا کہہ کر اس آدمی نے زبردستی وہ پیسے اس لڑکی کے ہاتھوں میں تھما دیئے اور خود گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ لڑکی غربت سے تنگ آ کر وہ پیسے لینے پر مجبور تھی ورنہ خودداری اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اور پھر بوڑھی ماں کا سوال تھا جو کہ بیمار تھی اس کی دوا دارو کے لئے پیسے چاہئے تھے وہ لڑکی بھی حیرت کدہ بنے اپنی جگہ پر ساکت تھی اور پھر اچانک سے منظر بدل گیا۔

وہی لڑکی ہاتھوں میں کتابیں تھامے کہیں جا رہی تھی شاید کالج پھر سے وہی گاڑی اس کے پاس آ کر رک گئی اس آدمی نے گاڑی کا فرنٹ دروازہ کھولتے ہوئے لڑکی کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ ''پلیز! کم ان'' لڑکی نے اپنے اردگرد کا جائزہ لیا اور پھر تھوڑی ہچکچاہٹ کے بعد گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی چلنے لگی۔

''لگتا ہے آپ کے مالی حالات ٹھیک نہیں ہیں۔'' آدمی نے رات والی بات دہرائی اور گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ''میرے بارے میں تو آج جان گئی ہوں گی میرا نام جمشید ہے اس شہر کا بہت بڑا سیٹھ! سیٹھ جمیشد۔'' اس نے اپنا تعارف کرایا۔

اس کے انداز گفتگو سے تکبر عیاں تھا۔ سیٹھ جمشید مزید کچھ کہتا اس سے پہلے اس نے گاڑی کو بریک لگا دیئے۔ ''میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ لڑکی خاموشی کی تصویر بنے گاڑی میں بیٹھی تھی اور شیشے سے پار دیکھ رہی تھی۔ ''اس کے لئے زیادہ بہتر ہوگا کہ ہم کافی شاپ میں چل کر کافی بھی پیتے ہیں اور باتیں بھی ہو جائیں گی۔''

لڑکی اس کے کسی بات کا جواب نہیں دے پا رہی تھی۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے وہ کافی شاپ میں جانا نہیں چاہتی مگر پھر! میں نے دیکھا کہ دونوں کافی شاپ میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

اس آدمی کی آواز سنائی دی لڑکی نظریں جھکائے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ ''دیکھو شیرازیہ'' گویا کہ وہ اس کا نام بھی جانتا تھا اور جب سے وہ لڑکی مجھے ملی تھی مجھے بھی اس کا نام ابھی معلوم ہوا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ تمہارے گھریلو حالات ٹھیک نہیں ہیں اور پھر ایسا کوئی گھر کا فرد بھی نہیں ہے جس کے سہارے جیا جائے۔ کب تک غربت کی چکی میں پستی رہو گی میں چاہتا ہوں کہ تمہاری کچھ مدد کروں اس کے لئے زیادہ بہتر ہوگا کہ ہماری شادی ہو جائے۔''

شادی کا سن کر شیرازیہ اسے نظریں اٹھا کر دیکھنے لگی اس کی آنکھوں میں کوئی سوال تھا جو کہنا چاہتی تھی مگر۔ ''ہاں شیرازیہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں اس طرح ہم دونوں میاں بیوی کے روپ میں رہیں گے تو کوئی انگلی بھی نہیں اٹھائے گا۔''

شیرازیہ ابھی تک خاموش تھی اسے کوئی جواب نہیں دے پائی تھی۔ ''میں جانتا ہوں تم میری کسی بات کا جواب نہیں دے پاؤ گی۔ اس لئے سوچ کر جواب دینا میں تم سے پھر مل لوں گا۔''

یہ سب کچھ مجھے دکھایا گیا مگر پھر اچانک سے منظر بدل گیا۔ جس طرح کسی فلم کو فارورڈ کر کے دیکھا جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر جو میں ابھی تک دیکھ پایا تھا اس سے ساری ہسٹری میری سمجھ میں آ رہی تھی۔

میں نے دیکھا کہ وہ لڑکی دلہن کے لباس میں ملبوس سج دھج کے پھولوں سے سجی سیج میں بیٹھی ہوئی ہے اتنے میں سیٹھ جمشید اندر داخل ہوا دھیرے سے اس نے لڑکی کا گھونٹ اٹھایا تو وہ شرم سے سمٹنے لگی۔ ''بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔ وہ شیرازیہ کی تعریف کرتا ہے شیرازیہ آنکھیں اٹھا کر ایک نظر اسے دیکھتی ہے ''اوہ تمہاری تو آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔'' یہ سن کر شیرازیہ کے ہونٹوں پر تبسم بکھر گیا۔ پھر وہ اپنا سر شیرازیہ کی گود میں میں رکھ دیتا ہے ان دونوں میں پیار بھری سرشاری ہونے لگتی ہے قربت کی پیاس بڑھنے لگتی ہے یہ سب کچھ میں دیکھ نہیں پا رہا تھا نجانے کیوں ۔رقابت کی آگ میرے اندر جلنے لگی اور میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔

میں اندر ہی اندر کڑھ رہا تھا یہ حقیقت ضرورت تھی جو گزر گئی مگر اس وقت تو وہ سب ایک خواب تھا۔ شیرازیہ تو یہ میری ہے روز مجھ سے ملنے آتی ہے یہ حقیقت نہیں ہو سکتی میں اپنے آپ کو دلاسہ دینے لگا اور پھر کچھ سوچ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں مگر اب منظر یکسر بدل گیا تھا۔

میں نے دیکھا کہ سیٹھ جمشید ایک بڑے ریسٹورنٹ میں ایک دوسری خوبصورت دوشیزہ کے ساتھ بیٹھا اس کے من کو لبھانے کی کوشش کر رہا ہے وہ لڑکی بھی اس کی ہر بات سن کر خوشی سے جھومنے لگتی میں نے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا۔ ''زاہدہ تم میری زندگی میں سب سے خوبصورت لڑکی ہو میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا اپنا سب کچھ تمہارے نام کر دوں گا۔ میں دل و جان سے تمہیں چاہتا ہوں بس ایک بار ہماری شادی ہو جائے پھر سب کچھ ہمارا ہوگا۔''

شادی کا سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''یہ کیا اس کی تو شادی ہو چکی ہے شیرازیہ کے ساتھ یہ تو اس کے ساتھ دھوکا ہوگا۔'' مجھے اس انسان پر غصہ آنے لگا میں بے خود سا ہونے لگا قریب تھا کہ میں کچھ کر گزرتا! شاید میں نے کچھ اور بھی دیکھنا تھا۔

ایک دوسرا منظر میرے سامنے تھا۔ میں اس آدمی کا نام نہیں لینا چاہتا، میں اس پر سخت برہم ہوں مجھے اس آدمی کی آواز سنائی دی۔ جو ساحل سمندر پر موجود کسی کو آوازیں لگا رہا تھا میں نے غور کیا تو مجھے ایک نام سنائی دیا۔ عذرا میں نے دیکھا کہ وہ پانی کی لہروں کے درمیان سے گزرتی ہوئی اس آدمی کی طرف بڑھ رہی تھی لڑکی نے جینس پہنی ہوئی تھی اور اس کے بال کھلے تھے وہ بھی کافی حسین تھی میں نے دیکھا کہ اس آدمی نے لڑکی کو اپنی بانہوں میں بھر لیا جیسے ان میں گہرے مراسم ہوں پھر وہی پیار و محبت کی باتیں جھوٹی محبت کی قسمیں ساتھ نبھانے کے وعدے میں یہ سب دیکھنا نہیں چاہتا تھا مگر پھر بھی مجھے دیہ دکھایا جا رہا تھا شاید اس انسان کی شیطانیت سے پردہ فاش کیا جا رہا تھا مجھے یہ بات بتلائی گئی کہ یہ انسان نہیں۔ حسین دوشیزاؤں کی عزت کا لٹیرا ہے ابھی تک تو میں یہ سمجھ پایا تھا شاید آگے بھی کچھ ہو۔

میں نے دیکھا کہ وہ آدمی اس ریسٹورنٹ والی لڑکی کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے اپنی بیوی شیرازیہ کو اپنا منتظر پاتا ہے مگر یہ کیا! شیرازیہ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے جبکہ اس آدمی کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ مجھے اس آدمی کی آواز سنائی دی۔ ''شیرازیہ! ان سے ملو یہ ہیں زاہدہ'' آدمی نے لڑکی کے بارے میں بتانا چاہا شاید شیرازیہ بھی اس کے بارے میں جان لینا

چاہتی تھی۔ ''زاہدہ کون زاہدہ؟'' شیرازیہ نے معنی خیز نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''شیرازیہ! میرے ساتھ بھلا کون ہوسکتی ہے اب تمہیں بتانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔''

''نہیں جمشید مجھے بتاؤ کہ یہ لڑکی کون ہے؟ اور تمہارے بازو سے لگی کیوں کھڑی ہے؟'' اس بار شیرازیہ کے لہجے سے اس لڑکی کے لئے نفرت جھلک رہی تھی۔

آدمی نے ایک نظر اس زاہدہ نامی لڑکی کو دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ بتادوں اور پھر وہ بول پڑا۔ ''شیرازیہ مجھے تمہیں پہلے بتادینا چاہئے تھا مگر میں تمہیں سب کچھ پہلے ہی بتادیتا تو تم میرے بستر کی زینت کبھی نا بنتی تمہارا قرب حاصل کرنے کے لئے یہ سب کچھ میں نے کیا وہی بات اس لڑکی کی تو اب ہم دونوں میں بیوی ہیں۔''

''یہ سن کر شیرازیہ پر تو جیسے پہاڑ گرا پڑا'' کیا میں تمہاری بیوی نہیں ہوں۔'' شیرازیہ کی غم میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

''نہیں شیرازیہ تم میری بیوی تھی مگر اب نہیں ہو۔ اگر تم اس گھر میں رہنا چاہتی ہو تو اب تمہاری حیثیت نوکر کی سی ہوگی آگے تمہاری مرضی کہ تم کیا فیصلہ کرتی ہو۔'' آدمی نے لاپرواہی سے کہا جیسے وہ شیرازیہ کو یکسر فراموش کر چکا تھا۔

''ذلیل انسان میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ۔ میں اس عورت کو نہیں چھوڑوں گی جس نے مجھ سے میرا شوہر چھین لیا۔'' اتنا کہہ کر شیرازیہ اس لڑکی کی طرف بڑھ گئی۔ مگر درمیان میں وہ شیطان کھڑا ہوگیا۔

''اگر اسے ہاتھ بھی لگایا تو ہاتھ کاٹ دوں گا۔'' آدمی نے اس لڑکی کا دفاع کیا جو اس ساری سچویشن سے سہمی ہوئی اس آدمی کے پیچھے کھڑی تھی۔ شیرازیہ نے اس آدمی کو دھکا دیا تو وہ ایک طرف کو جا گرا اور وہ خود اس لڑکی کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر اس لڑکی کی گردن پر ہاتھ رکھ لئے اور زور سے دبانے لگی قریب تھا کہ وہ لڑکی کو جان سے مار ڈالتی۔

میں نے دیکھا کہ وہ آدمی خنجر لیئے شیرازیہ کے پیچھے کھڑا ہے وہ خنجر شیرازیہ کی پیٹ میں اتار دینا چاہتا تھا۔ میں کچھ کرنا چاہتا تھا مگر میں کچھ نہیں کر پا رہا تھا بس دیکھ اور سن سکتا تھا اس نے خنجر کے پے در پے وار شیرازیہ پر کر ڈالے اور اسے خون میں نہلا دیا۔ شیرازیہ کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ زمین پر ڈھیر ہوگئی وہ لڑکی اپنا سانس بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی میں یہ سب دیکھ نہیں پا رہا تھا کہ میری آنکھوں کے سامنے شیرازیہ کو قتل کر دیا گیا۔

میں نے دیکھا کہ ایک بوسیدہ سے کپڑوں میں ملبوس شخص اندر داخل ہوتا ہے چال ڈھال سے وہ ان کا نوکر ہی لگتا تھا اس نے لاش کو دیکھا تو حیرت کا مجسمہ بنے اس آدمی کو تکنے لگا۔ جس کے ہاتھ میں ابھی بھی خنجر موجود تھا اور اس سے خون ٹپک رہا تھا۔ ''صاحب جی آپ نے ایک اور خون کر دیا۔'' نوکر کی آواز سنائی دی گویا کہ وہ پہلے بھی کئی قتل کر چکا ہے۔

''ہاں میں نے ایک اور خون کر دیا ہے۔'' ایسا لگتا تھا کہ اس کا سانس پھولا ہوا ہے۔ ''تم جانتے ہو نا لاش کا کیا کرنا ہے۔''

''جی صاحب یہی نا کہ اس کو بھی باقی لاشوں کی طرح گندے نالے میں ڈال دیا جائے۔''

''ویری گڈ! اب تم جاؤ لاش کو غائب کرنے کا بندوبست کرو۔'' وہ نوکر باہر کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ ابھی وہ نوکر دروازے تک بھی پہنچا تھا کہ اس آدمی کی آواز سنائی دی۔ ''ٹھہرو!'' نوکر کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے اور وہ پلٹ کر اس آدمی کو دیکھنے لگا۔ ''ایک لاش نہیں بلکہ دو لاشوں کو ٹھکانے لگانا ہے۔'' یہ بات کہتے ہوئے اس آدمی نے لڑکی کی طرف دیکھا تھا جو ابھی بھی سہمی ہوئی کھڑی تھی۔

میں نے دیکھا کہ وہ خنجر لئے اس لڑکی کی طرف بڑھنے لگا لڑکی خوف سے پیچھے ہٹنے لگی۔ اور اس سے رحم کی بھیک مانگنے لگی۔ ''جمشید تم مجھے نہیں مار سکتے دیکھو میں تمہاری ہونے والی بیوی ہوں۔''

''ہاں زاہدہ یہ بات درست ہے مگر کیا کروں سب کچھ تمہارے سامنے جو آ گیا ہے، تمہیں مارنا میری مجبوری ہے۔'' اس آدمی نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''دیکھو جمشید میں کسی سے کچھ بھی نہیں کہوں گی خدا کے لئے مجھے مت مارو!''

''نہیں زاہدہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ تم کسی سے کچھ بھی نہ کہو اور واقعی میں اگر تم کچھ نہ بھی کہو تو مجھے ہر وقت خوف لگا رہے گا اور میں خوف سے آزاد زندگی گزارنے کا عادی ہوں۔ زاہدہ مجھے معاف کر دینا میں یہ سب کرنے پر مجبور ہوں۔''

تھوڑی ہی دیر بعد وہ لڑکی خون میں لت پت فرش پر پڑی تھی میری آنکھوں میں خون اتر آیا تھا مگر میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا میں بے بسی کی تصویر بنے یہ سب کچھ دیکھتا رہا جب مزید مجھ سے دیکھا نہ گیا تو میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں بند آنکھوں میں ظالم کا ظلم میرے دماغ میں گردش کر رہا تھا مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ دو لاشیں مجھ سے مدد مانگ رہی ہیں۔ اور میں بے حس سا ہو کر کھڑا ہوں کچھ سوچ کر میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔

مگر اب میں نے اپنے آپ کو پولیس اسٹیشن میں پایا میں نے دیکھا کہ اس طرح کئی کیس انسپکٹر کے سامنے موجود تھے مگر وہ گہرے خیالوں میں قاتل کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہا تھا اتنے میں ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا ''آؤ اختر! سناؤ کچھ پتہ چلا قاتل کا۔''

''نہیں سر، پچھلے ایک ماہ سے ہم قاتل کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر لگتا ہے پچھلے قتل کی طرح یہ دو قتل بھی لٹکے رہیں گے اور پھر مجبوراً ہمیں یہ کیس بھی بند کرنا پڑے گا۔''

اور پھر ایسا ہوا قاتل کا سراغ نہ لگنے کی وجہ سے کیس بند کر دیا گیا اور سیٹھ جمشید کے خلاف گرفتاری تک کے وارنٹ جاری نہ ہو سکے۔

میں انسپکٹر جمال کو سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا مگر میں کچھ بھی نہیں بتا پایا کہ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور میں کچھ بھی دیکھنے سے قاصر تھا۔

اندھیرا چھٹا تو میں اپنے کمرے میں موجود تھا میں نے دیکھا کہ اسی اندھیرے سے وہ لڑکی برآمد ہوئی جو روز مجھ سے ملنے آتی تھی وہ اندھیرے کو کاٹتی ہوئی میری طرف بڑھ رہی تھی اور میں اپنے بستر پر دراز اسے اپنی طرف آتا دیکھ رہا تھا بہت جلد وہ میرے قریب آ کر بیٹھ چکی تھی مگر اب وہ قدرے اداس لگتی تھی کتنی ہی دیر وہ خاموشی سے سر جھکائے میرے پاس بیٹھی رہی۔ ''یہ ہے میری کہانی۔'' اس بار اس نے اوئے نہیں کہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ غم میں ڈوبی ہوئی ہے اور غم میں ڈوبا انسان بے تکلفانہ گفتگو نہیں کر سکتا۔

''میں چاہتی ہوں کہ میرا قاتل کیفر کردار تک پہنچے اور تم میری بے بسی کی کہانی لکھ کر نشر کرو۔ تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ میں کتنی مظلوم تھی اور سیٹھ جمشید کے چہرے سے شیطانیت کا پردہ فاش ہو جائے۔ میں چاہتی تو کب کی سیٹھ جمشید سے اپنی موت کا انتقام لے سکتی تھی۔ مگر میں یہ سب راز نہیں رکھنا چاہتی تھی یہی سوچ کر سب کچھ تمہیں دکھلا دیا تاکہ ایک مظلوم کی داستان تم لوگوں کو سنا سکو۔ اور میں خود بھی اسے مارنا نہیں چاہتی تاکہ یہ لوگوں کے لئے اسرار نا بن جائے کہ سیٹھ جمشید بلاوجہ اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا بلکہ پولیس کے ہاتھوں اسے سزا یافتہ مجرم ٹھہرا کر پھانسی کے پھندے تک پہنچانا ہے، ہاں اس سے پہلے ایک کام میں کرتی جاؤں گی وہ اپنی ساری جائیداد تمہارے نام کر دے گا، اب میں چلتی ہوں ہوسکتا ہے یہ ہماری آخری ملاقات ہو تم سمجھ گئے ہو گے، تم نے کیا لکھنا ہے۔

''مگر آپ یہ سب لکھوانا چاہتی ہیں یہ سب تو ویسے بھی ہوسکتا ہے۔'' میں نے اس کے اٹھنے سے پہلے سوال کر ڈالا۔

''اس سے پہلے جو ہوا تھا وہ کیوں لکھوایا گیا تھا۔'' اس نے حاضر جوابی سے کام لیا۔

اس کا اشارہ کاشف اور شمائلہ کے بارے میں لکھی گئی تحریر کی طرف تھا۔ وہ میری بات کا جواب دے

کر باہر کو چل دی اور میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ کہیں باہر اندھیرے میں گم ہوگئی اور میں اسے الوداع بھی نہ کہہ سکا۔

میں غنودگی کی حالت میں تھا کہ میرے موبائل کی رنگ ٹون بجنے لگی اور میری آنکھ کھل گئی میں موبائل اٹھا کر نمبر دیکھنے لگا۔ کاشف کا نمبر تھا۔ میں نے کال او کے کی۔ ''ہلو کاشف کیسے ہو؟''

''یار! منیر کہاں ہو؟ آج کالج کیوں نہیں آئے؟'' میری بات کا جواب دینے کی بجائے اپنا سوال کر ڈالا۔

''ابھی ابھی آنکھ کھلی ہے بس تیار ہو کر نکلتا ہوں۔'' میں نے یہ بات ایسے کہہ دی جیسے میں اردگرد سے بیگانہ تھا۔

''تیار ہو کر نکلتے ہو، تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا، ٹائم دیکھا ہے۔'' یہ سن کر میں نے گھڑی کی طرف نظر ڈالی تو گھڑی دن کے بارہ بجا رہی تھی ''اوہ! نو'' بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا ''سوری یار! پتہ نہیں آج میں ابھی تک کیوں سوتا رہا۔

''او کے او کے شام کو میں تم سے ملتا ہوں۔'' اتنا کہہ کر کاشف نے کال کنیکٹ کر دی۔

''میں ابھی تک سوتا رہا ہوں۔ رات کو بھی جلدی ہی سو گیا تھا اور خاصا تھکا ہوا بھی نہیں تھا۔'' میں خود سے باتیں کرنے لگا۔ آہستہ آہستہ مجھے سب کچھ یاد آنے لگا کہ کس طرح وہ میرے خواب میں موجود تھی اور یہ بھی کہ خواب میں، میں نے اور بھی بہت کچھ دیکھا ہے کتنے ہی سین مجھے دکھائے گئے وہ مجھے سب یاد تھے۔

میں بستر سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹاول لے کر واش روم چلا گیا فریش ہو کر کھانا کھانے باہر کو چل دیا میری واپسی تقریباً تین بجے ہوئی اب میں اپنے اندر تازگی محسوس کر رہا تھا۔ رات والا سارا خواب حقیقت بن کر میرے دماغ میں گھومنے لگا۔ اس نے میری تحریر کا خراج مانگا تھا اور مجھے اس بات سے دریغ نہیں تھا اس لئے میں نے ڈائری اٹھالی اور جس صفحہ پر وہ لڑکی اس انسان کے سینے پر سوار تھی جیسا کہ اسے مارنا چاہ رہی ہو مجھے کچھ یاد پڑنے لگا کہ جیسے اس صفحہ پر اس کی کہانی لکھنی ہو۔ اور پھر یہی کچھ سوچ کر میں نے اس کہانی کے مجرم کو اس طرح کیفر کردار تک پہنچایا۔

''سر آپ سے کوئی ملنا چاہتا ہے۔'' ملازم نے اطلاع دی۔

''ٹھیک ہے اسے باہر لان میں بیٹھاؤ میں آتا ہوں۔'' تھوڑی ہی دیر بعد میں لان میں بیٹھا تھا۔ میں لان میں بیٹھا لان کا جائزہ لینے لگا میرے خیال میں ایک رائٹر میں وہ ساری خوبیاں ہونی چاہئیں جو ایک پرائیویٹ سراغرساں میں ہوتی ہے کچھ ایسے ہی میں گردوفواح کا جائزہ لینے لگا شاید لکھنے کے لئے کچھ اچھا مل جائے۔ اتنے میں مجھے انسپکٹر جمال آتا نظر آیا میں ادب کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''ہیلو سر کیسے ہیں۔'' میں نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا۔

''پلیز! بیٹھئے۔'' انہوں نے ہاتھ ملاتے ہوئے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' انسپکٹر نے مجھے تعارف طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سر آپ مجھے نہیں جانتے لیکن میں آپ کو جانتا ہوں۔ ویسے بھی ایک اسٹوڈنٹ کی کیا پبلسٹی ہو سکتی ہے سر میرا نام منیر ہے اور میں سیکنڈ ایئر کا اسٹوڈنٹ ہوں۔'' میں نے اپنا مختصر سا تعارف کرایا۔

''ہوں! تو میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔؟'' انسپکٹر نے میرے آنے کی وجہ جاننا چاہی۔

''نہیں سر مجھے آپ کی خدمت نہیں چاہئے بلکہ یہ سمجھ لیں کہ میں آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

''میری مدد کرنا چاہتے ہو، میں سمجھا نہیں۔'' انسپکٹر نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا۔

''میں سمجھاتا ہوں سر! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے علاقے میں ایسے کئی قتل سامنے آئے جن

کا قاتل ابھی تک روپوش ہے۔ اور آپ بھی انتھک کوششوں کے باوجود قاتل کا سراغ لگانے میں ناکام رہے۔''

انسپکٹر جمال قتل کا سن کر سنبھل کر بیٹھ گئے۔

''مگر تم یہ باتیں کیسے جانتے ہو؟'' انسپکٹر نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''سر میں ہی کیا بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ چھ ماہ سے لڑکیوں کا خون ہو رہا ہے اور ان کی لاشیں گندے نالے سے نکالی گئی ہیں۔'' میں نے ان کی حیرت دور کرنا چاہی۔

''دیکھو تم جو کوئی بھی ہو بات گھما پھرا کر کرنے کی بجائے سیدھے پوائنٹ پر آؤ۔'' انسپکٹر کا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے سر! میں پوائنٹ پر آتا ہوں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قاتل کون ہے؟''

''قاتل کون ہے؟ مگر تم قاتل کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟''

''سر! اگر میں آپ سے کہوں کہ میں مقتولوں کی روحوں سے مل چکا ہوں تو آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے اس لئے میں قاتل کے چہرے سے پردہ ہٹا دینا چاہتا ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم قاتل کو جانتے ہو تو پھر تمہارے خیال میں قاتل کون ہے؟''

''سر! میرا خیال نہیں ہے بلکہ یقین سے کہہ رہا ہوں۔ آپ سیٹھ جمشید کو تو جانتے ہی ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ سیٹھ جمشید قاتل؟

.....!'' انسپکٹر نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

''جی سر! آپ بالکل صحیح سمجھے ان لڑکیوں کا قاتل سیٹھ جمشید ہی ہے۔'' میں نے انسپکٹر کے خدشے کو یقین کا رنگ دیتے ہوئے کہا۔

''دیکھو منیر! تم سمجھ رہے ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو ایک ایسے شخص پر قتل کا الزام عائد کر رہے ہو جو اس شہر کا بہت بڑا سیٹھ اور اثر و رسوخ کا مالک ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ اس شہر میں اس کی بہت عزت ہے اور ایسے میں اس کے خلاف قتل کا مقدمہ دائر کرنا ہمارے لئے مشکل ہوگا۔''

واقعی انسپکٹر نے معقول بات کی تھی۔ ''سر آپ کی مشکل، میں آسان بنا دیتا ہوں۔ یہ بات تو آپ جانتے ہی ہیں کہ قتل ثابت کرنے کے لئے آپ کو چشم دید گواہ کی ضرورت پڑے گی اور میں ایسے چشم دید گواہ کو جانتا ہوں، پہلے آپ اس پر ہاتھ ڈالئے سب کچھ کھل کر سامنے آجائے گا۔''

''اچھا تو پھر چشم دید گواہ کون ہے؟''

''سر! چشم دید گواہ سیٹھ جمشید کا نوکر کرمو ہے۔ جس نے اپنی آنکھوں سے یہ سارے قتل ہوتے ہوئے دیکھے ہیں۔''

''مگر کرمو نے ابھی تک کسی کو بتایا کیوں نہیں؟''

''سر پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ ایک ملازم ہے اور اس دور میں ملازمت ملنا مشکل ہے دوسری بات یہ ہے کہ پیسوں کے لالچ میں انسان کچھ بھی کر گزرتا ہے، بس سیدھی سی بات ہے کہ اسے پیسے ملتے رہے اور وہ سیٹھ جمشید کے کارناموں پر پردہ ڈالتا رہا۔''

''دیکھو منیر! تمہاری باتوں میں مجھے کچھ سچائی نظر آتی ہے مگر پھر بھی یہ سب جھوٹ ثابت ہوا تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے۔'' انسپکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا اور میں بھی کھڑا ہو گیا۔

''بہرحال منیر! ہم اپنی کارروائی شروع کرتے ہیں تم اپنا ایڈریس اور فون نمبر وغیرہ دے دو، ہو سکتا ہے ہمیں تمہاری ضرورت پڑ جائے۔''

ایڈریس اور فون نمبر لکھنے کے بعد! ''اچھا سر! میں چلتا ہوں، اگر میری مدد کی ضرورت پڑے تو ضرور یاد کرنا۔'' میں نے تحریر پر سرسری نظر ڈالی کہ کچھ رہ تو نہیں گیا۔ ہاں یاد آیا اور پھر لکھنے لگا۔ پولیس نے سیٹھ جمشید کو حراست میں لے لیا ہے، علاقے میں کئے گئے تمام قتل ثابت ہو گئے کہ سیٹھ جمشید ہی ان کا قاتل تھا

کچھ اور یاد آیا۔

وصیت کے مطابق سیٹھ جمشید نے اپنی ساری جائیداد منیر چوہدری کے نام کردی، یہ بات میں نے شیرازیہ کی خواہش کے مطابق لکھی تھی ورنہ تو میں ضروری نہیں سمجھتا تھا کہ ایسے لکھا جائے۔

میں اپنے طور پر تحریر مکمل کر چکا تھا اس لئے ڈائری کو ایک طرف رکھ کر بستر پر دراز ہوگیا۔

ٹو ویک لیٹر!

اب یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں کہ انسپکٹر جمال سے کب اور کیسے میری ملاقات ہوئی اور تحریر میں موجود ساری باتیں ہمارے درمیان ہوئیں ایک انجانی قوت مجھے یہ سب کرنے پر مجبور کرتی رہی اور میں نے اپنے تمام کردار نبھائے۔

میں اور میرا دوست کاشف کافی شاپ میں بیٹھے کافی پی رہے تھے کہ میرے کانوں سے آواز ٹکرائی۔

''ہیڈ لائنز کے ساتھ میں ہونیلہ بانو! آج کی سنسنی خیز خبر! شہر میں ہونے والی لڑکیوں کے قتل سے پردہ فاش، قاتل اب پولیس کی حراست میں! آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ قاتل کوئی اور نہیں بلکہ شہر کی مشہور شخصیت سیٹھ جمشید ہے۔'' پھر سیٹھ جمشید کو دکھایا گیا اس سے پہلے میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا

''سیٹھ جمشید پر تمام قتل ثابت ہو چکے ہیں، سیٹھ جمشید کا کہنا ہے کہ عورت میرا من بہلانے کے لئے ہے، کسی بھی عورت کو میں اپنے بستر کی زینت سمجھتا ہوں۔''

اتنے گندے نظریات رکھنے والا شخص کو کیفر کردار تک پہنچانے والا انسپکٹر جمال ہے لیکن انسپکٹر جمال کا کہنا ہے کہ اس کیس کی دوبارہ اوپن کروانے والا ایک اجنبی ہے جس نے قاتل تک پہنچنے کے لئے ہمیں چشم دید گواہ پیش کیا۔''

یہ سب دیکھ کر میرے چہرے پر خوشی رقص کرنے لگی۔'' یار منیر! یہ سیٹھ جمشید تو بڑا ہیچ آدمی نکلا۔'' سیٹھ جمشید کے متعلق ہی ہمارے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ باتوں کے دوران بھی ایک بات میرے ذہن میں کھٹکتی رہی تھی۔ وہ یہ کہ وصیت کے مطابق یہی باتیں سوچتا ہوا، میں اپنے ہاسٹل آ گیا مگر جونہی میں نے دروازہ کھولا کچھ کاغذات میرے منتظر تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر ان کاغذات کو اٹھالیا۔ جن میں واضح طور پر لکھا تھا۔''وصیت کے مطابق ساری جائیداد کا مالک منیر شیرازی ہے۔'' شیرازی کا نام پڑھ کر میں دھک سے رہ گیا کیونکہ میں منیر چوہدری ہوں اور تحریر میں بھی میں نے منیر چوہدری ہی لکھا تھا۔

یہی سوچ کر میں ڈائری کی طرف بڑھ گیا مگر ڈائری ٹیبل پر موجود نہیں تھی، ٹیبل پر ایک کاغذ کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا میں نے وہ کاغذ کا ٹکڑا اٹھالیا لکھا تھا۔

''منیر شیرازی مبارک ہو۔ سیٹھ جمشید اپنی ساری جائیداد تمہارے نام کر گیا ہے، میں اپنی چیز واپس لے جارہی ہوں، ہو سکے تو دوسری ڈائری لے لینا، اس ڈائری کے اسرار کو تم نہیں جان پاؤ گے مگر پھر بھی اتنا تو تم جان گئے تھے کہ جو کچھ لکھا گیا وہ حقیقت بن کر سامنے آ گیا اتنا ہی کافی ہے اور تم اتنے حیران کیوں ہو منیر شیرازی، اچھا نہیں لگا، تم نے جو کچھ میرے لئے کیا اس کیلئے میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ شیرازیہ۔

وہ کاغذ کا ٹکڑا پڑھتے ہی اسے میں نے سینے سے لگالیا میں ایک عجیب سی خوشی محسوس کرنے لگا۔

وہ جاتے جاتے مجھے ایک نام دے گئی تھی اپنا ہم نام کر گئی تھی، میرے لئے اتنا ہی کافی تھا، میں آنکھیں موند کر اس کے تصور میں کھو گیا، میں سونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس شعر کی عملی تصویر بنا بیٹھا تھا۔

رات تیری یاد کا عالم کچھ اس طرح تھا فراز
نیند آئی تو آنکھوں نے برا مان لیا

اور پھر نا چاہتے ہوئے بھی میں سونے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ کیونکہ مجھے بازار سے ڈائری لینے جانا تھا۔

خاموش موت

شائستہ سحر-راولپنڈی

انتقام کی آگ جب بھڑکی تو اس نے سب کچھ جلا کر فنا کردیا، کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ انتقام لینے والا اپنی ہی آگ میں جل کر خاکستر ہوجائے گا، مگر پھر بھی ایک ناقابل یقین واقعہ سامنے آیا۔

خودغرضی اور مفاد پرستی کی رونگٹے کھڑے کرتی بہت ہی عبرتناک اور تحیرانگیز کہانی

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں یہ دولت یہ پیسہ کیا چیز ہے جو انسان کو رشتوں کی پہچان بھلا دیتی ہے اور انسان انسانیت کے مقام سے گر کر حیوان بن جاتا ہے۔

ایسا ہی ایک واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اسے کبھی فراموش نہ کر پایا۔ یہ آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے اس وقت میں بی کام کا اسٹوڈنٹ تھا کچھ مالی وجوہات کی بنا پر میرے والد کو اپنا گھر فروخت کرنا پڑا تھا اور پھر ہم کرائے کے مکان میں شفٹ ہوگئے تھے۔ میں یعنی عارف اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اس لئے بہت لاڈلا بھی تھا میرے والد کا خواب تھا کہ وہ مجھے اعلیٰ تعلیم دلائیں گے مگر اچانک کاروبار میں بھاری نقصان ہونے کی بنا پر ان کو اپنا کام دھندا بند کرنا پڑا تھا اور ایک دوست کے مشورے پر انہوں نے مکان

فروخت کردیا اور اس رقم سے انہوں نے بیرون ملک جاکر کام کرنا مناسب سمجھا یہ ان کا ایک اچھا فیصلہ تھا اور یوں وہ دبئی چلے گئے۔

بینک میں وہ کچھ رقم ہمارے گھریلوں خرچے اور دوسری ضروریات کے لئے جمع کروائے گئے تھے۔ جو کئی ماہ تک ہمارے لئے کافی تھی۔

جس مکان میں ہم شفٹ ہوئے تھے وہ مکان ایک بوڑھی عورت کا تھا جس کی دو بیٹیاں تھیں وہ دونوں بیٹیاں شادی شدہ تھیں۔ اس کی ایک بیٹی اپنے شوہر کے ساتھ بیرون ملک سیٹل تھی۔ اور وہ اس بہت بڑے گھر میں اکیلی رہتی تھی۔ اس نے یہی بتایا تھا مگر جب ہم وہاں شفٹ ہوئے تب مجھے پتہ چلا کہ اس مکان میں ایک کمرہ ایسا بھی تھا جہاں ایک درمیانی عمر کا لاغر شخص رہتا تھا۔ مالک مکان عورت کے بقول وہ اس کا دیور مراد تھا۔

اس کا کہنا تھا کہ ”مراد نے کوئی ایسا چلہ کیا تھا جس کو کاٹنے کے دوران وہ ہوائی چیزوں سے خوف زدہ ہوکر بھاگ گیا تھا۔“

بس پھر اس کے بعد مراد کا ذہنی توازن بگڑ گیا وہ پاگل تھا اور کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

اس لئے مالک مکان جس کا نام رضیہ تھا اس نے ہمیں منع کیا تھا کہ ہم مراد نامی شخص سے دور رہیں۔

اس عورت نے مجھے اور میری والدہ کو مراد سے اس قدر خوف زدہ کردیا تھا کہ میں اس کے کمرے کے نزدیک سے گزرتے ہوئے گھبراتا تھا اس کا کمرہ راہداری میں ہی موجود تھا۔

مراد خود بھی کم ہی اپنے کمرے سے نکلتا تھا۔ مجھے نہیں یاد پڑتا کہ میں نے تین ماہ تک اس کی شکل دیکھی ہو۔ مراد کے متعلق قریبی دکان دار سے ہی سننے میں آیا تھا کہ وہ صرف اس دکان دار پر ہی بھروسہ کرتا ہے اور وہ دکان دار جو شاید اس کا کوئی قریبی دوست تھا اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتا تھا۔

مجھے آج بھی یاد ہے ان دنوں میرے ایگزامز شروع ہوئے تھے میں پیپر کی تیاری کے لئے چھت پر گیا، ابھی میں چھت پر موجود چارپائی پر بیٹھنے لگا تھا کہ مجھے لگا میرے عقب میں کوئی موجود ہے۔ میں نے فوراً پلٹ کر دیکھا تو میرا اوپر کا سانس گویا اوپر ہی رہ گیا ہو۔

میرے سامنے انتہائی غلیظ حلیہ میں ایک شخص کھڑا تھا میلی کچیلی بنیان اور پھٹی پرانی شلوار پہنے اس کے جسم پر تہہ در تہہ میل جم چکی تھی۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال جھاڑیوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے چند قدم فاصلے پر کھڑا تھا مگر اس کے جسم سے اٹھنے والے بدبودار بھبکوں سے میرا سر پھٹنے لگا تھا۔

میں ایک دم اسے اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا گیا اور وہ مجھے دیکھ کر یوں ڈر گیا اور پلٹ کر سیڑھیوں کی طرف بھاگا جیسے اس نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہو۔

یہ مراد سے میری پہلی ملاقات تھی۔ اس دن کے بعد میں نے کئی روز تک مراد کو دوبارہ نہ دیکھا اس کا دروازہ بند ہی رہتا تھا ایک طویل اور خوف ناک خاموشی کا راج اس کے کمرے پر طاری ہوتا تھا، وہ اپنے کمرے میں یوں بند رہتا تھا جیسے کوئی گمنام قبر میں دفن ہو۔ میں اس سے خوف زدہ تھا۔ اس کے باوجود میرے دماغ میں کئی سوالات تھے ”پتہ نہیں وہ کیسے اس کمرے میں بالکل تنہا رہتا ہے؟ نہ وہ کسی سے ملتا ہے اور نہ ہی بات کرتا ہے آخر وہ کیسے لوگوں سے کٹ کر رہ رہا ہے؟ کیا اس کا دل نہیں گھبراتا اس کا دم نہیں گھٹتا اس غلاظت میں؟“ ایسے بے شمار سوالات تھے جن کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا۔

وہ دن اتوار کا تھا، میں دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیل کر دوپہر کے وقت گھر لوٹا تھا۔ امی گھر میں نہیں تھیں، وہ مالک مکان رضیہ کے ساتھ اسی کے کسی رشتہ دار کی شادی میں گئی تھیں، امی کی بہت گہری دوستی رضیہ کے ساتھ ہوگئی تھی اس لئے وہ بازار وغیرہ اکٹھے ہی جایا کرتی تھیں۔ کھانا امی بنا کر گئی تھیں اور امکان تھا کہ وہ رات آٹھ نو بجے سے پہلے گھر نہیں لوٹیں گی۔

میں بیرونی گیٹ میں داخل ہوا، جیسے ہی میں راہ

داری سے گزرا مجھے اس بند کمرے میں کراہنے کی آواز سنائی دی آواز سن کر میں فوراً ٹھٹک گیا اور شش و پنج میں مبتلا اس دروازے کو کچھ دیر تک گھورتا رہا مگر دوسری بار ابھرنے والی کراہنے کی آواز نے گویا مجھے سوچنے سمجھنے سے عاری کردیا اور میرے قدم غیر اداری طور پر اس کمرے کی طرف اٹھ گئے۔

میں نے جیسے ہی دروازہ کھولا بدبو کے کئی غلاظت بھرے بھبکوں نے میرا استقبال کیا، تاہم میں انہیں نظر انداز کر کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ مراد دروازے کے قریب انتہائی بے ترتیبی کے عالم میں زمین پر پڑا تھا میں نے فوراً اس کے لاغر وجود کو چھوا تو ایک جھٹکا سا مجھے لگا۔ اس کو اتنا تیز بخار ہو رہا تھا کہ اس کا پورا وجود کسی انگارے کی طرح تپ رہا تھا۔

میں نے فوراً مراد کو سہارا دے کر زمین پر پڑی میلی کچیلی چٹائی پر لٹا دیا وہ کچھ ہوش میں تھا اور مسلسل کراہ رہا تھا میرے گھر میں بخار کی کچھ گولیاں موجود تھیں میں فوراً بھاگا اور جلدی سے بخار کی گولیاں اور دودھ کا گلاس لے آیا، مراد کو دودھ کے ساتھ دو گولیاں دیں تو وہ سکون سے سو گیا، تب میں اس کے بستر کے قریب ہی بیٹھ کر اس کے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے کمرے میں بوسیدہ بستر اور چند پرانے برتنوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا، میں کچھ دیر بعد وہاں سے اٹھ گیا۔

رات ہوئی تو میں نے سوچا مراد کی خیریت دریافت کرلوں اس لئے میں اس کے کمرے میں گیا، آہٹ کی آواز سن کر وہ فوراً بیدار ہوگیا مگر نقاہت کی وجہ سے وہ اٹھ کر بیٹھ نہ سکا، مجھے دیکھ کر وہ چونکا ضرور تھا مگر دوپہر کے وقت والا میرا سلوک اسے یاد تھا اس لئے وہ مانوس انداز سے میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے اسے کھانے کا پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں فوراً بازار سے روٹیاں لے آیا سالن گھر میں موجود تھا، وہ گرم کر کے جب میں کھانا لے کر اس کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے مجھے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا، میں کھانا اس کے قریب ہی رکھ کر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اس نے کپکپاتے ہوئے لاغر ہاتھوں کے ساتھ میرے ہاتھ کو تھاما اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

میں سخت حیران ہوا کہ وہ کیوں ایسے ردعمل کا مظاہرہ کر رہا ہے تاہم اس کو کھانا کھلانے کے بعد میں وہاں سے اٹھ گیا اپنے کمرے میں آتے ہی میرے دماغ میں مزید کئی سوالات ابھرنے لگے۔

”مجھے مراد بالکل بے ضرر اور قابل رحم لگا تھا اس کا لاغر وجود اس قابل تھا ہی نہیں کہ وہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا پھر رضیہ نے کیوں اس کو خطرناک پاگل کہا تھا؟“

کیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ مراد کے قریب کوئی آئے؟

”وہ ایسا کیوں چاہتی تھی؟“ یہ باتیں میری سمجھ میں نہ آسکیں۔ میری توقع کے مطابق امی رات نو بجے گھر لوٹیں وہ بہت تھکی ہوئیں تھی اس لئے میں نے مراد کا ذکر کرنا ان سے مناسب نہ سمجھا۔ صبح جب میں کالج جانے کی تیاری کر رہا تھا تب میں نے مراد کے متعلق ساری بات امی کو بتائی۔

میری امی ایک رحم دل خاتون تھیں ان کو مراد پر ترس آ گیا انہوں نے مراد کے لئے بھی ناشتہ بنایا میں ناشتہ مراد کے کمرے میں رکھ کر چلا گیا، مراد منہ سے کچھ نہ بولا بس ممنون نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا تھا۔

یہ ایک رات کی بات ہے اس رات شدید طوفان آیا تھا بادل ہولناک آواز میں گرج رہے تھے اور شدید موسلا دھار بارش ہو رہی تھی ایسے میں دفعتاً مجھے چھت سے کسی کے چیخنے چلانے کی آواز سنائی دی۔ میں اور امی بیک وقت گھبرا کر اپنے اپنے کمروں سے نکل کر صحن میں آ گئے میں فوراً دروازہ کھول کر چھت کی طرف بھاگا تو مجھے مراد چیخ و پکار کرتا ہوا وہاں دکھائی دیا۔ وہ ٹھیک طرح سے بول نہیں پا رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ آگے بڑھا اور مجھ سے لپٹ گیا۔

”کیا ہوا.....“ میں شدید بارش اور بادلوں کے شور میں چیختے ہوئے بولا۔

مراد بول نہیں پا رہا تھا بس نیچے کی طرف اشارہ کر رہا تھا جیسے اس کے کمرے میں کوئی ہو، میں نے مراد کو سہارا دیا اور اس کے کمرے کی طرف لے جانے کی نیت سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ مراد اپنے کمرے میں نہیں جانا چاہتا تھا وہ بہت خوف زدہ تھا مگر پتہ نہیں کیوں وہ مجھ پر اس حد تک بھروسہ کرنے لگا تھا کہ میرے سامنے انکار نہ کر پایا۔ میں اسے تھامتے ہی نیچے اس کے کمرے میں لے آیا اس کا پورا وجود بھیگ گیا تھا۔

میری امی بھی مراد کے کمرے میں آ گئیں وہ کمبل اور میرے کپڑوں کا ایک جوڑا لائی تھیں وہ بولیں۔ ''اس کے کپڑے تبدیل کروا کر اسے لٹا دو۔'' میں نے ایسے ہی کیا۔ جب میں دروازے سے نکلنے لگا تو چونک گیا میرے سامنے مالک مکان رضیہ چائے کی پیالی تھامے کھڑی تھی وہ سرگوشی سے بولی۔

''مجھے اس پاگل سے ڈر لگتا ہے تب میں اسے دیکھنے نہیں آئی تم ایسا کرو یہ قہوہ اسے پلا دو بہت ٹھنڈ ہے اس کو سردی لگ گئی ہوگی۔''

میں نے فوراً پیالی کو پکڑا اور پھر مراد کے کمرے میں چلا آیا اس کے پاس بیٹھ کر میں نے اس کو قہوہ پلایا اور واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔

وہ طوفانی رات بڑی لمبی اور وحشت بھری تھی یوں لگتا تھا جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔ ایک ایک لمحہ کسی صدی کی طرح گزرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا کیسا عجیب وحشت بھرا احساس مگر اس تمام کیفیت کی وجہ مراد ہی تھا۔ میں ساری رات کروٹیں بدل بدل کر اس کے متعلق سوچتا رہا۔ ''کچھ تو تھا ایسا جو پوشیدہ تھا۔''

مراد کی جو حالت تھی، دل نہیں مانتا تھا کہ وہ کسی چلے میں اس حالت کا شکار ہوا تھا، میں سنجیدگی سے مراد کے معاملے کے متعلق سوچ رہا تھا اور فیصلہ کر چکا تھا کہ میں ضرور مراد کی گزشتہ زندگی سے پردہ اٹھاؤں گا۔''

مگر اگلے دن کا سورج گویا ہر بات کا اختتام بن کر طلوع ہوا تھا وہ ہو گیا جس کا مجھے کبھی اندازہ بھی نہ تھا۔

صبح صبح رونے اور چیخ و پکار کی آواز سن کر میری آنکھ کھلی، میں پتہ نہیں کس وقت سویا تھا، رونے کی آواز سن کر میرا بے چین دماغ فوراً بیدار ہو گیا۔ میں جلدی سے بیڈ سے اترا اور صحن میں آ گیا جہاں میری امی پہلے سے موجود تھیں ''کیا ہوا امی؟'' میں نے پریشانی سے پوچھا۔

''بیٹا مراد فوت ہو گیا ہے۔''

''کیا؟!!'' امی کی بات سن کر مجھے شدید غم کا جھٹکا لگا۔ میں مزید کچھ پوچھے بغیر فوراً اپنا حلیہ درست کر کے صورتحال کا جائزہ لینے باہر نکلا۔ مراد واقعی فوت ہو گیا۔

سننے میں یہی آیا تھا کہ رات کے کسی پہر وہ فوت ہوا تھا اس کی موت بڑی اچانک تھی، سب یہی سمجھ رہے تھے ''شدید سردی کی وجہ سے مراد کی موت واقع ہوئی ہے۔'' اور ان سب میں ایک میں بھی شامل تھا۔

مراد کفن میں ملبوس میرے سامنے چارپائی پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ اس کا مرجھایا ہوا چہرہ آخری غسل کے بعد کہیں بہتر لگ رہا تھا وہ کئی اسرار لئے منوں مٹی تلے دفن ہونے جا رہا تھا اور میں حسرت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے سوائے افسوس کے کچھ نہ کر سکتا تھا اب سب کچھ ختم ہو چکا تھا وہ وجود ہی مٹ گیا تھا جو میرے لئے باعث تجسس تھا، اب میں مراد کے متعلق کچھ جاننے کی کوشش کرتا بھی تو کس لئے؟ اس کا فائدہ کیا تھا؟

کیونکہ یہ سب کر کے مراد تو واپس آنے والا نہیں تھا۔ اس لئے میں نے خاموشی اختیار کر لی مگر پھر عجیب صورت حال رہنے لگی۔ مراد کی بھابھی رضیہ کی حالت بہت حد تک ایب نارمل سی ہونے لگی تھی۔ وہ ساری ساری رات اونچی آواز میں گانے سنتی رہتی یا اکثر کسی بے چین روح کی طرح ادھر ادھر ٹہلتی رہتی تھی وہ اندر ہی اندر اندوہ ناک پریشانی کا شکار تھی، وہ پریشانی کیا تھی یہ تو بس وہی جانتی تھی مگر اس کی ان حرکتوں کے سبب آس پاس رہنے والے لوگوں نے اس کے متعلق چہ مگوئیاں شروع کر دی تھیں کچھ کا خیال تھا کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے

کچھ اسے ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے کہ وہ اس عمر میں ایسی حرکتیں کر رہی تھی۔

کچھ ہی دنوں میں اس کی بیٹی اور داماد اس کے گھر آ گئے پہلے میرا خیال تھا کہ وہ کچھ دن کے لئے آئے ہیں۔ مگر اب ان کا ارادہ رضیہ کے گھر مستقل رہنے کا لگتا تھا اس لئے اس کے داماد نے مجھے فوری طور پر گھر خالی کرنے کا کہہ دیا اور دس دن کی مہلت دی تاکہ میں کوئی اچھا گھر دیکھ سکوں۔

رضیہ نہیں چاہتی تھی کہ ہم وہاں سے جائیں مگر اپنے داماد سے تھوڑی بہت بحث کے بعد اس نے خاموشی اختیار کر لی، میں نے بہت جلد ایک اچھا مکان تلاش کر لیا اور اپنی امی کے ساتھ وہاں شفٹ ہو گیا۔ دو ماہ گزر گئے۔ میں بی کام میں اچھے نمبروں سے پاس ہو گیا اور یونیورسٹی میں ایڈمیشن بھی مجھے مل گیا اور میں نے اپنی تمام تر توجہ اپنی تعلیم پر مرکوز کر دی۔

ایک شام امی نے مجھ سے رضیہ سے ملنے کا اصرار کیا تو میں امی کو رضیہ سے ملانے لے گیا، ابھی ہم دونوں راہ داری میں ہی داخل ہوئے تھے کہ راہداری میں واقع کمرے سے کسی کے کراہنے کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ کمرہ کبھی مرحوم مراد کا تھا۔

میں فوراً امی کے ساتھ دروازہ کھول کر اس کمرے میں داخل ہوا اور دنگ رہ گیا میرے سامنے رضیہ انتہائی بری حالت میں چارپائی پر پڑی کراہ رہی تھی، وہ کئی دنوں کی بیمار لگتی تھی حد یہ کہ اس کے پاس کوئی اس کی تیمارداری کے لئے بھی موجود نہ تھا۔

رضیہ مجھے اور میری امی کو دیکھ کر بہت حیران ہوئی اور رونے لگی میری امی نے اس کے قریب ہی بیٹھ کر اسے دلاسا دیا تو وہ روتے ہوئے بولی۔ ''میرا آخری وقت قریب ہے، میں کتنی بدقسمت ہوں کہ اس وقت بالکل تنہا ہوں، میرے داماد نے مجھے اس بوسیدہ کمرے میں بیکار سامان کی طرح پھینک دیا ہے میری اولاد کو بھی میری کوئی پرواہ نہیں۔''

پھر اس نے میری امی کا ہاتھ پکڑ لیا اور نحیف آواز میں بولی۔ ''میں ...... میں چاہتی تھی کہ کوئی تو ایسا ہو جس کے سامنے میں اپنی حالت زار بیان کر سکوں میں اپنے اندر کئی گناہوں کا بوجھ چھپائے ہوئے ہوں۔''

وہ گویا پھٹ پڑی تھی ''میں نے دو قتل کئے ہیں ایک اپنے شوہر کا اور دوسرا اپنے دیور مراد کا'' رضیہ کے منہ سے یہ حیرت ناک انکشاف سن کر امی لرز گئیں اور پریشانی سے میری طرف دیکھنے لگیں، میں نے آنکھوں کے اشارے سے ان کو پرسکون رہنے کا کہا۔

''آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں آنٹی؟'' میں نے فوراً اس سے پوچھا تو وہ غم ناک لہجے میں بولی۔ ''میں آج اس دوراہے پر کھڑی ہوں جہاں موت کا خوف ختم ہو جاتا ہے۔ میرے سامنے ایک ہی خوف ہے اور وہ اپنے خدا کا خوف ہے، مجھے یقین ہے خدا مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ میں نے اس دنیا میں جو سفاکی اور بربریت کا کھیل کھیلا ہے وہ میری آخرت برباد کر دے گا۔

میرا شوہر کمال اولاد نرینہ نہ ہونے کی وجہ سے دوسری شادی کرنا چاہتا تھا۔ میں فطری طور پر ایک حاسد اور جنونی عورت ہوں جو کبھی اپنے شوہر کو کسی دوسری عورت کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی تھی، میں نے پہلے کمال کو بہت سمجھایا کہ وہ دوسری شادی نہ کرے جب وہ کسی طرح بھی نہ مانا تو میں نے انتہائی سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو زہر دے دیا، میں نے اس وقت ہر رشتہ ہر لحاظ کو بھلا کر یہ سب کیا تھا، یہ بھی نہ سوچا کہ وہ میری بیٹیوں کا باپ ہے۔

مراد ان دنوں انگلینڈ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا بھائی کی موت کا سن کر وہ فوراً پاکستان آیا مگر اس نے آنے میں بہت دیر کر دی تھی جب وہ پاکستان پہنچا تو کمال کی تدفین ہو چکی تھی پورا خاندان جانتا تھا کہ کمال بیمار رہتا تھا اس لئے سب ہی کمال کی موت کو طبعی موت سمجھ رہے تھے مگر مراد کو یقین نہیں تھا اس نے پاکستان آتے ہی میرا جینا دوبھر کر دیا، وہ میرے سامنے برملا کہتا تھا۔ ''میں نے کمال کو مارا ہے اور وہ لازمی اس

سارے معاملے کی تفتیش کروائے گا۔"
میں نے اس کے سامنے بالکل بھی گھبراہٹ کا مظاہرہ نہ کیا مگر میں مجرم تھی اور دل ہی دل میں مراد کی دھمکی سے خوف زدہ ہوگئی اسے ایک دم راستے سے ہٹانے سے مجھ پر شک بھی کیا جاسکتا تھا۔
اس لئے میں ایک سفلی علم کرنے والے عامل کے پاس پہنچ گئی اور اس کو منہ مانگے پیسے دے کر مراد پر ایسا سفلی کا علم کروایا کہ وہ اپنے حواسوں میں ہی نہ رہا، وہ غلاظت کو پسند کرنے لگا اور غلاظت زدہ حلیہ میں سب سے الگ تھلگ رہنے لگا۔
میں نے خاندان میں یہی مشہور کردیا کہ وہ چلہ میں کوتاہی کی وجہ سے اس حالت کا شکار ہوا ہے۔" مگر اس کی حالت کی ذمہ دار صرف اور صرف میں تھی۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ مراد بدحواس ہوکر بہت جلد مرجائے گا یا وہ خودکشی کرلے گا مگر ایسا نہ ہوسکا۔
بدحواس ہونے کے باوجود اس کی مجھ سے نفرت برقرار رہی تھی وہ کسی سے کچھ نہیں کہتا تھا زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی بند رہتا تھا یہی میرے حق میں بہتر تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کوئی بھی اس کے قریب آئے اس لئے مراد کے متعلق لوگوں میں ایسی ایسی باتیں مشہور کردی تھیں کہ جو بھی سنتا مراد سے خوف زدہ ہوجاتا۔
مراد اس مکان کے آدھے حصے کا مالک تھا اس کے علاوہ اس کی زمینیں بھی تھیں میں چاہتی تھی کہ وہ مرجائے اور اس کی جائیداد میرے اور میری بیٹیوں کے حصے میں آجائے اس لئے میں نے ایک خطرناک منصوبہ بنایا۔
مراد کو قتل کرنے کا، اس طوفانی رات میں جب مراد بیمار تھا تم مراد کو کھانا دے کر سونے چلے گئے تب میں دبے قدموں تکیہ لے کر مراد کے کمرے میں پہنچی میرا ارادہ یہی تھا کہ اس تکیے کو مراد کے منہ پر رکھ کر اس کا سانس بند کردوں گی مگر میں جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی اور مراد کے قریب پہنچی تو وہ بیدار ہوگیا بجلی کی گرج چمک میں اس نے مجھے پہچان لیا اور خوف زدہ ہوکر چیخ پڑا اور چھت کی طرف بھاگ گیا، میں پریشانی کے عالم میں تھوڑی دیر تک وہاں کھڑی رہی پھر موقع دیکھ کر فوراً اپنے پورشن میں آگئی پھر میں نے قہوہ بنایا اور اس میں زہر ڈال کر تمہیں وہ پیالی پکڑائی، مجھے یقین تھا کہ مراد تم پر اعتبار کرنے لگا تھا اس لئے وہ قہوہ پی لے گا اور وہی ہوا، وہ قہوہ پی کر مرگیا۔ میں بڑی گناہ گار ہوں مجھے پتہ ہے آپ دونوں بھی مجھ سے یہ سب سننے کے بعد نفرت کروگے۔"
میں حیرت کے عالم میں اس کے منہ سے وہ تمام روداد سن رہا تھا، وہ رو رو کر بتا رہی تھی کہ "جب سے مراد فوت ہوا ہے، اس کی روح اس گھر میں منڈلاتی رہتی ہے وہ میرے بستر کے اردگرد کفن پہنے چکر لگاتا رہتا ہے، میں اسے دیکھ کر چیختی چلاتی ہوں، تب میرے داماد نے تنگ آکر مجھے اس کمرے میں منتقل کردیا ہے، وہ مجھے پاگل سمجھتا ہے مگر میں سچ بتا رہی ہوں مراد اس گھر سے گیا نہیں بلکہ میرے بدترین اعمالوں کی سزا بن کر میرے آس پاس رہتا ہے۔"
وہ اپنے بال پکڑ کر نوچنے لگی "میں کیا کروں میرے خدایا! میں مر کیوں نہیں جاتی، مجھے نجات دے اس تکلیف سے" وہ ہذیانی آواز میں مسلسل چیخ رہی تھی اور میری امی اسے سنبھالنے کی ناکام کوشش کررہی تھیں۔
میں اپنی جگہ ساکت کسی گہرے صدمے میں غرق تھا، رضیہ نے میرے ہاتھ سے مراد کو زہر دیا تھا، وہ بے چارا تو مجھ پر اعتبار کرنے لگا تھا۔
اس سارے خونریز واقعہ میں میرا کوئی قصور نہ تھا مگر میں پھر بھی خود کو گناہ گار سمجھتا ہوں، ہر دعا میں اپنے رب سے اپنے لئے بخشش کی دعا مانگتا ہوں۔
رضیہ تو کچھ ہی دنوں بعد مرگئی مگر میں آج تک اس خلش سے آزاد نہ ہو پایا اور نہ ہی میں مراد کی موت کو کبھی فراموش کرسکتا ہوں۔

جناتی دنیا

ساجدہ راجا۔ ہندواں سرگودھا

اچانک کمرے میں موجود جن کو ایک بہت ہی کرخت ڈرائونی اور خوفناک آواز سنائی دی، جسے سن کر وہ دہل گیا، پھر وہ خوفناک کریہہ صورت مخلوق کمرے میں وارد ہوگئی اور اس کی قہر برساتی نگاہوں سے......

دو ماورائی مخلوق کی لرزا دینے والی خوفناک اور ڈراؤنی ناقابل یقین......خونی روداد

"**بابا** مجھے ایک بار انسانی دنیا میں جانے کی اجازت دے دیں۔ مجھے بڑا شوق ہے انسانوں کو دیکھنے اور انکے ساتھ رہنے کا۔" زرباش نے اپنے والد گوباش سے التجائیہ لہجے میں کہا لیکن وہ کسی صورت ماننے پر تیار نہیں تھا۔
ان کا تعلق قبیلہ جنات سے تھا اور وہ مسلمان جنات تھے گوباش عمر رسیدہ اور قبیلے کا سردار جن تھا اس کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ "زرباش" جو اسے بہت منتوں مرادوں کے بعد ملا تھا اور اسے بہت پیارا تھا اس کی ہر جائز بات ضرور پوری ہوتی تھی۔
لیکن گوباش اپنے اصول کا بہت پکا تھا، جہاں بات اصول کی آتی وہ کسی صورت پیچھے نہیں ہٹتا تھا یہی بات تھی کہ زرباش اس کا بہت لاڈلا ہونے کے باوجود بگڑا ہوا ہرگز نہ تھا اور نہ ہی اسے اس بات پر غرور تھا کہ

وہ سردار کا بیٹا ہے۔

ہر چند وہ نہایت شرارتی کھلنڈرا اور من موجی قسم کا نوجوان جن تھا لیکن اس کی کسی عادت میں بھی دوسروں کا نقصان نہیں تھا بلکہ وہ ہر ممکن طریقے سے مصیبت زدوں کی مدد کرتا تھا قبیلے کا ہر جن اس سے خوش تھا اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتا تھا۔

زرباش ہر وقت خوش رہتا اور اپنی شرارتوں سے دوسروں کو خوش رکھتا تھا پھر اس نے اپنے بزرگوں اور قبیلے کے دوسرے جنات سے انسانوں کے بارے میں سنا تو اس کے دل میں بھی انسانی دنیا کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی جس کا اظہار اس نے اپنے والد گوباش سے کیا کیونکہ سردار کی اجازت کے بغیر کوئی بھی جن انسانی دنیا میں نہیں جاسکتا تھا اگر وہ ایسا کرتے تو ان کو اس کی بہت بھیانک سزا ملتی تھی۔ زرباش کو اس بات کی توقع تھی کہ اسے اتنی جلدی اجازت نہیں ملے گی لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔

''بابا مان جائیں ناں۔ میں وہاں جاکر انسانوں کو صرف دیکھنا اور ان کی عادتوں کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں مان جایئے پلیز!''

اس کی اس بات پر گوباش نے خشمگیں نگاہوں سے گھورا اور بولا۔ ''یہ پلیز وغیرہ کے الفاظ تم نے کہاں سے سیکھ لئے؟''

اس کے سوال پر زرباش گڑبڑا کر وضاحت کی۔

''وہ بابا..... دراصل..... مجھے کلمان نے بتایا ہے کہ انسانی دنیا میں انسان ہر بات پر پلیز، پلیز! کا رٹا لگائے رکھتے ہیں اس لئے میری زبان پر بھی.....'' زرباش نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''مجھے پتہ تھا یہ بات اسی کم بخت نے تمہیں بتائی ہوگی۔ ایک بار کیا انسانی دنیا میں گیا سارے انہی کے طور طریقے سیکھ کر آ گیا، میں آج ہی اسے بلا کر سرزنش کرتا ہوں کہ آئندہ وہ آدم زادوں والی کوئی بات نہیں کرے گا اور تم بھی کان کھول کر سن لو۔ آئندہ تم بھی ادھر جانے کی ضد نہیں کرو گے آدم زادوں نے کبھی ہماری دنیا میں مداخلت نہیں کی تو ہم کیوں ان کو تنگ کریں ان کی زندگی میں مداخلت کریں؟ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کی کچھ حدود بنائی ہیں جن سے نکلنے کا انہیں خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تم انسانی دنیا میں جاکر وہاں کچھ غلط کرو جس کی تمہیں سزا ملے۔

تم میرے اکلوتے بیٹے ہو۔ میں کبھی تمہیں کھونے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' یہ کہہ کر گوباش خاموش ہوگیا لیکن اس کی آنکھوں کی نمی نے اس کے دل کی حالت کی وضاحت کردی۔

زرباش نے لاڈ سے باپ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور بولا۔ ''بابا کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں۔؟ بابا آپ کی تربیت کبھی مجھے کچھ غلط نہیں کرنے دے گی اور میں آدم زادوں کا دشمن تو نہیں ہوں جو میں کچھ ایسا کروں گا۔ آپ مجھ پر یقین رکھیں۔ بالکل میں کچھ بھی غلط نہیں کروں گا۔ پلیز! بابا پلیز!۔''

گوباش نے سرزنش کرنے والی آنکھوں سے دیکھا تو زرباش گڑبڑا کر خاموش ہوگیا پھر دونوں باپ بیٹے کی ہنسی نے پرسکوت فضا میں ایک طلسم بکھیر دیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! میں تمہیں وہاں جانے کی اجازت تو دے رہا ہوں لیکن وعدہ کرو کہ وہاں بے گناہ اور معصوم لوگوں کو تنگ نہیں کروگے اور مظلوموں کو جہاں تمہاری ضرورت ہوئی تو ضرور مدد کروگے۔'' گوباش نے زرباش کو جانے کی اجازت دی تو وہ خوشی سے پاگل ہونے لگا۔

''بابا بہت بہت شکریہ۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ بالکل وہی کروں گا جیسا آپ نے کہا ہے۔''

''لیکن بیٹا، ابھی تو تم انسانوں میں گئے بھی نہیں اور ان کی اتنی باتیں تم نے اپنالی ہیں اگر ان کے پاس چلے گئے تو پتہ نہیں اپنے طور طریقے بالکل بھول ہی نہ جاؤ۔'' گوباش نے زرباش کے ''تھینک یو'' کہنے پر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تو زرباش کی ہنسی چھوٹ گئی.....

زرباش انسانی دنیا میں آیا تو حیران ہوگیا اس

نے خواب میں بھی اس طرح کی چیزیں نہیں دیکھی تھیں۔ بڑی بڑی آسمان کو چھوتی عمارتیں ٹریفک کا اژدھام۔ لوگوں کا ہجوم۔ غرض ہر چیز اسے حیران کئے دے رہی تھی وہ ابھی کھڑا اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ اس کی نظر لوگوں کے زیادہ ہجوم پر پڑی وہ اس ہجوم کی طرف بڑھ گیا اس وقت وہ انسانی شکل میں ایک خوبصورت نوجوان کے روپ میں تھا قریب جاکر اسے پتہ چلا کہ وہ بارات تھی جو روانہ ہونے کے لئے تیار تھی شادی بارات کا مطلب تو وہ بہرحال جانتا تھا۔ دولہا گھوڑے کے قریب اس پر چڑھنے کے لئے پرتول رہا تھا جب زرباش گھوڑے کے سامنے جا کھڑا ہوا پھر گھوڑے کی نظر زرباش پر پڑی تو وہ بدک گیا کیونکہ جانور جنوں کی موجودگی فوراً محسوس کرلیتے ہیں گھوڑے کا بدکنا تھا کہ دولہا جو گھوڑے پر چڑھنے کے لئے چھلانگ لگا چکا تھا دوسری طرف زمین پر جا گرا۔

سب لوگوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔ پھر انہوں نے گھوڑے کو قابو کیا اور دولہے کو اس پر سوار کردیا۔ زرباش اس وقت تک گھوڑے کے سامنے سے ہٹ چکا تھا اس لئے گھوڑے نے پھر کوئی مزاحمت نہیں کی۔ بارات پیدل ہی روانہ ہوئی، زرباش بھی ساتھ ساتھ تھا کسی کی توجہ اس کی طرف نہیں گئی بھلا اتنی بھیڑ میں کون اس پر توجہ دیتا اور ویسے بھی وہ انسانی شکل میں تھا۔

سفر زیادہ طویل نہیں تھا وہ بہت جلد ہی دلہن کے گھر پہنچ گئے ساری رسموں کو اس نے بڑے غور اور دل چسپی سے دیکھا پھر کھانے کے وقت اس نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ بے چارے ویٹرز بھی حیران تھے کہ شکل سے معصوم نظر آنے والا نوجوان اتنا خوش خوراک تھا بلکہ خوش خوراک سے بھی کچھ آگے۔

پہاڑی علاقے میں پہنچ کر وہ مسحور ہوگیا قدرت کے حسین نظارے دل موہ رہے تھے۔ اتنی خوبصورتی اس نے کہاں دیکھی تھی مانا کہ ان کی اپنی دنیا بھی کافی حسین تھی لیکن جو دل کشی یہاں تھی وہ اس نے کہیں نہیں دیکھی تھی ندی کے پاس جاکر وہ بیٹھ گیا ندی سبک روی سے بہتی ہوئی دیکھنے والوں کو مسحور کررہی تھی۔ پانی اتنا شفاف تھا کہ ندی کی تہہ تک ہر چیز نظر آرہی تھی زرباش کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ ندی کے صفاف شفاف پانی میں کود جائے لیکن وہ ایسا نہیں کرسکتا تھا کیونکہ ایسا کرنے سے اس کی جان جانے کا بھی خطرہ ہوسکتا تھا۔

جن چونکہ آگ سے بنے ہوتے ہیں اس لئے پانی ان کے لئے خطرناک ہوسکتا ہے۔ حالانکہ ان کی اپنی دنیا میں بھی پانی تھا لیکن وہ اس پانی سے اس لئے مختلف تھا کہ اس میں نہانے یا اسے پینے سے انہیں کوئی نقصان نہیں ہوتا تھا۔ ہر مخلوق کی اپنی کچھ حدود ہوتی ہیں جنہیں بہرحال انہیں پورا کرنا ہوتا ہے۔

زرباش ٹکٹکی باندھے ندی کے پانی پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ندی کی تہہ شفاف پانی میں واضح تھی اور اسی تہہ میں زرباش کو کچھ ایسا نظر آیا جس سے وہ چونک پڑا۔

☆.....☆.....☆

''گوما تم جانتے ہو۔ مجھے جنات سے کتنی نفرت ہے میرا دل چاہتا ہے میں انہیں تہس نہس کردوں۔ وہ ہر کام نہیں جو ہم فطرت کے خلاف کرتے ہیں روڑے اٹکاتے ہیں خاص کر گوباش نامی وہ جن۔ جسے جنات کے قبیلے کی سرداری ملی ہے وہ بہت زیادہ مداخلت کررہا ہے اس کا کچھ نہ کچھ بندوبست کرنا پڑے گا ورنہ وہ ضرور ہمیں تہس نہس کردے گا۔'' گوما کے سردار نے اسے مخاطب کیا۔

وہ ایک ایسی مخلوق سے تعلق رکھتے تھے جو نہ انسان تھے نہ جنات، بلکہ وہ ان دونوں کے خلاف تھے ان کی ہیئت اتنی خوف ناک تھی انسان تو انسان جنات بھی حیران اور خوف زدہ ہوجاتے تھے۔

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں سردار..... اب کیا حکم ہے؟'' گوما نے مودبانہ لہجے میں سردار کو مخاطب کیا تو جواباً وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔

''انہیں یک مشت ختم کرنا ناممکن ہے۔ ہمیں

کچھ ایسا سوچنا ہے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ہوٹے......"

"تم ایسا کرو خود بھی اور کچھ دوسروں کو بھی لے کر جنات قوم پر نظر رکھو اور جیسے ہی موقع ملے سردار گوباش کے پاس جو انگوٹھی ہے وہ چرانی ہے اور مجھے لا کر دینی ہے۔"

"لیکن اس سے کیا ہوگا سردار......؟" گوما نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"تم شاید نہیں جانتے کہ اس انگوٹھی کی خاص بات یہ ہے کہ جب تک جنات کی شادی کے وقت وہ انگوٹھی موجود نہ ہو اس وقت تک شادی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ جس طرح مسلمانوں میں قاضی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اسی طرح جنات میں اس انگوٹھی کی غیر موجودگی میں نکاح واقع نہیں ہوتا اور تم تو جانتے ہو مسلمان جنات ہو یا آدم زاد......غلط طریقے سے عورت سے تعلقات قائم نہیں کرتے۔

اگر وہ انگوٹھی غائب ہوجائے تو وہ شادیاں نہیں کرسکیں گے اور شادی نہیں ہوگی تو لازمی بات ہے بچے بھی پیدا نہیں ہوں گے اس طرح جو بوڑھے جنات ہیں وہ آہستہ آہستہ مرتے رہیں گے چونکہ بچے پیدا نہیں ہوں گے تو آہستہ آہستہ جنات کا وجود ختم ہوجائے گا ہمیں خود کچھ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔" سردار نے گوما کو اپنا منصوبہ بتایا تو وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

"واہ سردار......کمال کردیا......اتنا اعلیٰ منصوبہ صرف آپ ہی بنا سکتے ہیں۔" گوما نے خوشامدانہ انداز اختیار کیا جبکہ سردار اپنی تعریف پر مزید خوش ہوگیا۔

تعریف کسے بری لگتی ہے چاہے انسان ہو یا کوئی بھی مخلوق۔ اپنی تعریف سننے میں سب کو مزہ آتا ہے۔ پھر وہ مل کر منصوبے کے متعلق باتیں کرنے لگے۔

جب منصوبہ ہر طرح سے مکمل ہوگیا تو سردار نے گوما سے کہا۔ "کیا تم آدم زادوں کی دنیا سے وہ چیز لائے ہو جسے پیتے ہی عجیب سا سرور آجاتا ہے......؟"

"جی سردار۔ میں کل ہی مزید وہ چیز لایا تھا بہت زیادہ مقدار میں۔ آدم زاد اسے شراب کہہ کر پکارتے ہیں، مسلمان تو اس سے دور رہتے ہیں لیکن پھر بھی بہت سے چوری چھپے پیتے ہیں۔"

"بہت خوب...... ہم تم سے بہت خوش ہیں گوما۔ یہ انسان ہے کمال کی چیز......ایسی ایسی چیزیں تیار کرلی ہیں کہ ہم تو بس سوچتے رہ جاتے ہیں۔ اب شراب کو ہی دیکھ لو۔ کتنے مزے کی چیز ہے۔ تم کیا کہہ رہے تھے کہ مسلمان زیادہ تر اس سے دور رہتے ہیں۔" سردار نے سوالیہ نظروں سے گوما کی طرف دیکھا۔ "اتنی زبردست چیز انہوں نے تیار کی ہے اور انکے پاس ہے بھی زیادہ مقدار میں تو پھر وہ کیوں اس سے دور رہتے ہیں؟"

"سردار مسلمانوں کے مطابق یہ حرام چیز ہے جو انسان کو حیوان سے بدتر بنادیتی ہے اور وہ اپنے پرائے کی تمیز بھول جاتا ہے۔ ان کے مذہبی پیشوا نے بھی انہیں شراب پینے سے منع فرمایا ہے اس لئے وہ اس سے دور رہتے ہیں لیکن میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ کچھ ہیں جو شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں وہ بھول جاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔" گوما نے تفصیلاً ساری معلومات سردار کو فراہم کردی تو وہ حیران رہ گیا۔

"واہ گوما......تم تو آدم زادوں کے متعلق کافی کچھ جانتے ہو اب مجھے یقین آگیا ہے کہ تم ضرور جنات کے سردار سے وہ انگوٹھی حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤ گے۔ بس اب جلدی سے وہ انگوٹھی لا کر دو تاکہ ان جنات کا خاتمہ یقینی ہوسکے۔" سردار نے اٹھتے ہوئے کہا تو گوما بھی سر ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا......

وہ ایک بدفطرت مخلوق تھی نہایت سرکش...... قدرت کے قانون کے خلاف چلنا ان کا وطیرہ تھا خاص کر مسلمان جنات کے خلاف تھے، انسان کی نظروں سے تو وہ دور تھے لیکن جنات کو ان کی ساری سرگرمیوں کی خبر تھی اور وہ ان کو غلط کاموں سے روکتے رہتے تھے

ان جنات کی وجہ سے وہ کھل کر نہیں کھیل سکتے تھے اس لئے وہ ان کے خلاف تھے اور ان کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔

لیکن جنات ان سے زیادہ طاقتور تھے اس لئے وہ کھل کر ان کے خلاف کارروائی نہیں کرسکتے تھے اس لئے بہت سوچ بچار کے بعد ان کے سردار کے ذہن میں انگوٹھی چرانے والا منصوبہ آیا۔ اس طرح جنات کا خاتمہ ہونے میں بہت عرصہ لگ جاتا لیکن کچھ نہ ہونے سے ہونا بہرحال بہتر ہوتا ہے۔

وہ اسی اصول پر کاربند ہو کر رہنا اور جنات کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے انگوٹھی چرانے کے لئے کوششیں شروع کردیں اور انہیں جلد ہی اس میں کامیابی ہوگئی۔ ہر قوم میں کچھ نہ کچھ غدار ہوتے ہیں جو میر صادق کا کردار ادا کرتے ہیں۔

سردار گوباش کے پاس بھی ایک خادم آستین کا سانپ ثابت ہوا......اس نے لالچ میں آکر وہ انگوٹھی چرا کر گوما کے حوالے کردی بعد میں اس کی غداری ظاہر ہوئی تو اس کے ساتھ وہی سلوک ہوا جو عموماً غداروں کے ساتھ ہوتا ہے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا لیکن وہ انگوٹھی واپس نہ حاصل کرسکے اس وجہ سے ان کے قبیلے میں شادیاں رک گئیں۔

سردار گوباش بہت زیادہ فکرمند تھا اس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح وہ انگوٹھی حاصل کرلے لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی ویسے بھی انگوٹھی اس مخلوق کے قبضے میں ہونے کی وجہ سے جنات کا زور ان پر نہیں چل سکتا تھا۔

اور پھر سردار کو پتہ چلا کہ وہ انگوٹھی انسانی دنیا میں پہنچ گئی ہے اور کسی پہاڑی علاقے میں کسی بہتے چشمے میں پھینک دی گئی ہے تو وہ مایوس ہوگیا ایک تو ان کی جناتی طاقتیں پانی پر بے اثر تھیں ادوسرا وہ چشمے سارا سال بہتے رہتے ہیں پتہ نہیں وہ انگوٹھی کہاں سے کہاں چلی گئی ہوگی اب سوائے صبر اور خدا سے دعا کے اور کوئی چیز نہیں تھی انہیں یہ تو بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ کس پہاڑی علاقے کے کس چشمے میں پھینکی گئی ہے اگر اسے پتہ ہوتا تو انسانوں کی مدد بھی حاصل کرسکتا تھا۔

اس وقت زرباش بہت چھوٹا تھا لیکن بڑا ہونے تک یہ بات اسے ازبر ہوچکی تھی اور ویسے بھی ان کے قبیلے میں شادیاں رک چکی تھیں اور جو بوڑھے تھے وہ مرتے جارہے تھے اور کبھی کبھی ہونے والے حادثات میں نوجوان بھی مرنے لگے تھے یہ بات بہت تشویش ناک تھی اگر یہی صورت حال رہتی تو وہ دن دور نہیں جب ان کا خاتمہ یقینی ہوجاتا۔

اسی سوچ نے گوباش کو وقت سے پہلے بوڑھا کردیا تھا۔ زرباش بڑا ہوگیا تھا؟ جنات کی عمریں ہزاروں سال کی ہوتی ہیں اور کئی ہزار سال تو وہ جوان ہی رہتے ہیں۔

زرباش کو انسانی دنیا دیکھنے کا بہت شوق تھا اس لئے وہ اپنے باپ یعنی سردار گوباش کی اجازت سے انسانی دنیا میں آیا تھا۔

ایک دن جس چیز کو دیکھ کر زرباش چونکا تھا وہ انگوٹھی نما کوئی چیز تھی جو ایک پتھر کے پاس پڑی چمک رہی تھی اس میں سرخ یاقوت جڑا تھا جو شفاف پانی میں اور بھی دمک رہا تھا۔

اچانک زرباش کے ذہن میں جھماکا ہوا جو انگوٹھی اس کے والد سردار گوباش کے پاس سے چوری ہوئی تھی اس میں بھی سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا اور وہ بھی کسی پہاڑی علاقے میں بہنے والے چشمے میں پھینکی گئی تھی۔

زرباش اس انگوٹھی کو حاصل کرنے کے لئے بے چین ہوگیا چونکہ وہ خود پانی میں نہیں جاسکتا تھا اس لئے اسے کسی انسان کی مدد کی ضرورت تھی۔ اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی اسے ایک نوعمر لڑکا اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔

زرباش نے اسے آواز دی تو وہ اس کی طرف آگیا۔

"کیا بات ہے صاحب...... مجھے کیوں بلایا......؟" لڑکے نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف

دیکھا تو زرباش بولا۔

"پیارے لڑکے کیا تم اس ندی کے پانی میں اتر کر تہہ تک جاسکتے ہو؟"

"ضرور کیوں نہیں۔ یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ لیکن تمہاری معلومات کے لئے بتادوں کہ پانی کی گہرائی اتنی نہیں ہوتی جتنی ہمیں نظر آتی ہے بلکہ اس سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس شفاف پانی کو دیکھ کر تم سمجھ رہے ہوگے کہ اس کی تہہ اتنی گہرائی میں نہیں تو یہ تمہاری بھول ہے یہ اس سے دوگنا گہری ہے جتنی تمہیں نظر آرہی ہے ویسے تم کیوں پوچھ رہے ہو۔؟" لڑکے نے دوبارہ سوال کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"دراصل میری انگوٹھی پانی میں گرگئی ہے وہ دیکھو۔" زرباش نے انگلی کے اشارے سے اسے وہ جگہ دکھائی جہاں انگوٹھی پڑی چمک رہی تھی۔ "مجھے پانی سے خوف آتا ہے اس لئے میں اس میں جانہیں سکتا۔ تم ذرا جاکر مجھے وہ انگوٹھی نکال کردے دو میں تمہیں اس کا انعام دوں گا۔"

"ابھی لایا....." یہ کہہ کر لڑکے نے ندی میں چھلانگ لگادی۔ تھوڑی دیر بعد انگوٹھی زرباش کے پاس تھی وہ خوشی سے پھولے نہیں سمارہا تھا لیکن ابھی مزید تصدیق کرنی لازمی تھی۔

اس نے لڑکے کا شکریہ ادا کیا اور جیب میں ہاتھ ڈالا اس کے ہاتھوں میں نوٹوں کی ایک گڈی تھی جو اس نے لڑکے کے ہاتھوں میں تھمادی لڑکا حیرانی سے آنکھ پھاڑے نوٹوں کی گڈی کو دیکھ رہا تھا۔ لڑکے نے خواب میں بھی اتنے پیسوں کے بارے میں نہیں سوچا تھا غریب لوگوں کی خواہشیں اور خواب بھی چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں ان کی چادر کی طرح.....!

زرباش ایک طرف بڑھ گیا اب مزید یہاں رہنا فضول تھا اس لئے وہ واپس اپنی دنیا میں آگیا اور جب اس نے وہ انگوٹھی سردار گوباش کے سامنے رکھی تو وہ کچھ دیر سکتے کے عالم میں اسے دیکھتا رہا پھر انگوٹھی کو زرباش کے ہاتھوں سے جھپٹ لیا۔ "یہ..... یہ تمہیں کہاں سے ملی.....؟" خوشی سے اس کی آواز لرز رہی تھی۔ جواباً زرباش نے انہیں سارا واقعہ سنادیا وہ سن کر بہت خوش ہوئے پھر ایک غلام کو حاضر ہونے کا حکم دیا تھوڑی دیر بعد پورے قبیلے میں اعلان کروادیا گیا کہ اب سے تین دن بعد ایک بڑا جشن ہوگا انگوٹھی ملنے کی خوشی میں، اس کے ساتھ ہی بڑے پیمانے پر اجتماعی شادیوں کا بندوبست بھی کردیا گیا۔

سارے جنات بہت خوش تھے اور زرباش کا شکریہ ادا کررہے تھے کہ وہ ان کے لئے ایک فرشتہ ثابت ہوا ہے۔

☆.....☆.....☆

'غضب ہوگیا سردار..... غضب ہوگیا....." گوماجو، اب کافی حد تک بوڑھا ہوچکا تھا پھولی ہوئی سانسوں سے سردار کے پاس آیا اور بولا۔

"کیا ہوا ہے گوما..... کچھ منہ سے پھوٹو....."

سردار نے گوما کی گھبراہٹ دیکھ کر سوال کیا۔

"سردار آج سے بہت سال پہلے جنات کی جو انگوٹھی ہم نے انسانی دنیا میں ایک ندی میں پھنکوائی تھی وہ دوبارہ ان کے ہاتھ لگ گئی ہے ان کا جو بیٹا ہے زرباش وہ آدم زادوں کی دنیا میں گھومنے گیا تھا اتفاقاً اس کی نظر اس انگوٹھی پر پڑگئی اور وہ اسے حاصل کرکے سردار گوباش کے حوالے کرچکا ہے اور اب سے دو دن بعد بڑے پیمانے پر اجتماعی شادیوں کا انتظام کیا گیا ہے۔" گوما نے سردار کو تفصیلاً ساری بات بتائی۔

سردار کے مکروہ چہرے پر فکر و پریشانی کے آثار پھیل گئے پھر وہ بولا۔ "یہ تو بہت پریشانی والی بات ہے۔ اب وہ دوبارہ طاقتور ہوجائیں گے ان کی نسل ختم ہونے کی بجائے اور بڑھے گی ہمارے ہرکام میں روڑے اٹکائیں گے۔ کچھ اور کرنا پڑے گا۔"

کچھ اور....." سردار نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ بولا۔ "تم ایسا کرو سردار گوباش کے بیٹے زرباش کو اٹھوا کر اپنی اس دنیا

میں لے آؤ۔ پھر اس کے بعد جو کرنا ہے میں تمہیں بتادوں گا۔"

زرباش اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا کہ ایک جن مودبانہ حاضر ہوا اور نہایت ادب سے بولا..... "چھوٹے سردار۔ سردار گوباش نے آپ کے لئے پیغام بھیجا ہے کہ فوراً ان کے پاس حاضر ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ میں آتا ہوں۔" زرباش نے غلام جن کو کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ پھر زرباش نے دوستوں سے اجازت لی اور سردار گوباش کے پاس روانہ ہوگیا۔

راستے میں ایک جگہ اسے ایک پریشان حال جنی ملی وہ زرباش کو دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف آئی اور بولی..... "چھوٹے سردار خدا کے لئے میری مدد کریں وہ کمینہ رومان جن زبردستی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ کہتا ہے اگر میں نے اپنی رضامندی سے اس سے شادی نہ کی تو وہ میری عزت لوٹ لے گا اور مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گا۔ خدا کے واسطے میرا اس بدبخت سے پیچھا چھڑائیں چھوٹے سردار، میں تمام عمر آپ کو دعائیں دوں گی۔" اس لڑکی کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ واقعی مسئلہ گھمبیر ہے۔

"ٹھیک ہے مونی..... تم گھر چلو۔ میں تھوڑی دیر میں آکر اس معاملے کو نپٹاتا ہوں۔" مونی حسرت آمیز نظروں سے زرباش کو دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی زرباش ایک ٹھنڈی سانس بھر کے وہاں سے چلا گیا۔

مونی حد سے زیادہ خوبصورت جنی تھی اور زرباش دل ہی دل میں اسے بے حد چاہتا تھا لیکن اس نے کبھی اپنے انداز سے کبھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اسے پسند کرتا ہے کیونکہ وہ سردار کا بیٹا تھا اور اپنے کسی بھی انداز سے وہ لوگوں کی نظروں میں گرنا نہیں چاہتا تھا اس لئے اس نے اپنے دل کی بات کبھی کسی سے نہیں کہی۔

دوسری طرف مونی کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی اسے دیوانگی کی حد تک چاہتی تھی لیکن کچھ کہنے سے اس لئے ڈرتی تھی کہ وہ سردار کا بیٹا تھا۔ حیثیت و مرتبے میں اس سے بڑا..... اگر وہ مونی کو ٹھکرادیتا تو وہ صدمے سے شاید ہی زندہ رہ پاتی اور ایسا اس لئے بھی تھا کہ زرباش کے کسی انداز میں مونی کو اپنے لئے کبھی پسندیدگی محسوس نہیں ہوئی وہ اس سے بھی سب کی طرح نارمل انداز میں بات کرتا تھا اس لئے مونی کے قدم اس کی طرف اٹھتے اٹھتے پلٹ آتے۔

زرمان نامی ایک جن عرصے سے اس کے پیچھے پڑا تھا وہ بڑا بدخصلت اور کمینہ صفت تھا جب مونی کے والدین زندہ تھے تو وہ اپنی حد میں تھا لیکن جب سے ان کا انتقال ہوا تھا اسے گویا کھلی چھوٹ مل گئی تھی مونی کو تنگ کرنے کا کوئی بہانہ ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ اور اب بھی مونی کو دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اس سے شادی پر رضامند نہ ہوئی تو وہ اس کی عزت کی دھجیاں بکھیر دے گا کبھی وہ خوف زدہ ہوکر زرباش کے پاس آئی حالانکہ وہ بڑے سردار گوباش کے پاس بھی جاسکتی تھی لیکن وہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہوکر زرباش کے پاس چلی آئی جس نے اپنے کسی بھی انداز سے یہ ظاہر نہ کیا کہ اسے زرمان پر غصہ آیا ہے یا نہیں؟۔

مونی کا خیال تھا زرباش اس کے بتانے پر شدید ردعمل ظاہر کرے گا اور زرمان کو جان سے مارنے کا کہے گا لیکن وہ یوں نارمل تھا جیسے وہ اک عام سی بات ہو۔ وہ گھر کی طرف بڑھتی جارہی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے شام ہونے کے قریب تھی اور اسے ڈر تھا کہ زرمان آج کی رات پھر آئے گا اور ہوسکتا ہے اس کے انکار پر اپنی حد سے بڑھ جائے تبھی وہ سست قدموں سے چل رہی تھی لیکن گھر تو بہرحال اسے جانا تھا۔

جب وہ رات کو سونے کے لئے لیٹی تو زرمان آموجود ہوا وہ خوف زدہ ہوگئی۔ "پھر کیا سوچا ہے تم نے میری جان.....؟ زرمان خباثت بھرے لہجے میں بولا۔ "مجھ سے شادی کروگی یا اپنے اس خوبصورت وجود کو میرے حوالے کروگی؟"

"میں تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی شادی تو دور کی بات۔ دفع ہو جاؤ میرے گھر سے نکل جاؤ۔" وہ ہذیانی انداز میں چلائی اور زرمان کے چہرے پر غصے بھرے تاثرات نمودار ہوئے۔ "یہ کہہ کر وہ اس کی طرف بڑھا تو مونی پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار کے ساتھ لگ گئی اور زرمان مکروہ انداز میں ہنسنے لگا"۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ مونی کو چھوتا زرباش ایک جھماکے سے نمودار ہوا۔ "مونی سے دور رہو زرمان اگر تم نے مونی کو ہاتھ بھی لگایا تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"چھوٹے سردار! آپ درمیان میں نہ آئیں میں اس لڑکی کو حاصل کئے بنا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔" زرمان نے اٹل لہجے میں کہا تو زرباش کے چہرے پر غصے کے تاثرات نمودار ہو گئے۔

"ٹھیک ہے پھر اپنا انجام دیکھو۔" یہ کہہ کر زرباش نے اپنے ہاتھوں کا رخ اس کی طرف کیا، زرباش کے ہاتھوں سے برقی لہریں نکلیں اور زرمان کے وجود میں پیوست ہو گئیں۔ زرمان کے منہ سے اذیت ناک چیخوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔ مونی نے تشکرانہ انداز سے زرباش کی طرف دیکھا جو مسکرا کر مونی کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"اب تمہیں زرمان کی طرف سے فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ہمیشہ کے لئے اپاہج ہو چکا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ چھوٹے سردار۔" مونی نے کہا تو زرباش بولا۔

"مونی کیا تم مجھے زرباش کے نام سے نہیں پکار سکتی۔"

"اور مونی حیران ہو گئی۔" چھوٹے سردار میں یہ گستاخی کس طرح کر سکتی ہوں آپ ہمارے سردار کے بیٹے ہیں اور ہمارے منہ سے آپ کا نام لینا گستاخی کے زمرے میں شمار ہو گا۔"

زرباش یک ٹک اس کی طرف دیکھتا رہا، مونی جھینپ گئی۔ "ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں آپ؟" مونی کی آواز شدت جذبات سے لبریز ہو گئی۔

"دیکھ رہا ہوں کہ آج سے دو دن بعد جب تم میری دلہن بنو گی تو کیسا لگے گا؟"

زرباش کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور مونی آنکھیں پھاڑے حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی وہ اس بات پر شرمانا بھی بھول گئی تھی۔

"کیا ہوا ایسے کیوں دیکھ رہی ہو.....؟ یار بچپن سے آج تک محبت کرتا آیا ہوں لیکن کبھی ہمت ہی نہیں ہو سکی، آج موقع خدا نے دیا تو کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھاؤں۔ یہی سوچ کر تم سے کہا، اگر تمہاری رضا مندی ہو تو دو دن بعد ان شادیوں میں سے ایک ہماری بھی ہو سکتی ہے۔" اور مونی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس کا مطلب ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" زرباش نے اس کی شرمگیں مسکراہٹ کی طرف دیکھ کر کہا تو مونی نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

سردار گوباش نے زرباش کو بلا کر اسے رات کو سرحدی علاقے کی حفاظت سونپی تھی حالانکہ سردار کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اسے خصوصی رعایت اور مراعات حاصل تھی لیکن سردار گوباش اس چیز کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی نظر میں سب برابر تھے اس لئے باقی جنات کی طرح زرباش کو بھی سرحدی علاقے کی رکھوالی کے لئے ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

زرباش اپنی ڈیوٹی مکمل چابک دستی سے دے ہا رہا تھا کہ اچانک اسے کچھ عجیب سی آوازیں آنا شروع ہو گئیں وہ مبہم سی آوازیں آگے بڑھا اور دور ہو گئیں وہ اور آگے بڑھا یہ جانے بغیر کہ وہ اپنی سرحد سے آگے نکل آیا ہے۔

اچانک آوازیں بند ہو گئیں اس نے چونک کر آس پاس دیکھا اور حیران رہ گیا وہ اپنے علاقے سے کافی آگے نکل آیا تھا اس کو اچانک خطرے کا احساس

ہوا اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا اک دھواں سا اس کے نتھنوں میں گھسا اور وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا.....

جب زرباش کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو زنجیروں میں بندھا پایا۔ اس کو خود نے چھڑانے کی کافی کوشش کی لیکن بے سود..... اس نے آس پاس نگاہ دوڑائی وہ اک عجیب و غریب جگہ پر بندھا ہوا تھا کمرے کو دیکھ کر یہ اندازہ قائم کرنے میں ذرا بھی دشواری نہ ہوئی کہ وہ کمرا کسی چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا۔

اچانک ایک طرف سے زوردار گڑگڑاہٹ کی آواز آئی تو زرباش نے چونک کر ادھر دیکھا۔ دیوار کا پتھر ایک طرف زوردار آواز سے سرک رہا تھا پھر اس میں سے ایک نہایت عجیب و غریب مخلوق اندر داخل ہوئی جس کی شکل اور جسامت نہایت خوف ناک تھی وہ خود جن تھا لیکن ان کی خوف ناکی دیکھ کر خود بھی حیران رہ گیا۔ پھر وہ مخلوق زرباش سے مخاطب ہوئی..... "سنو جن زادے۔ تمہاری زندگی کی ضمانت صرف اس صورت میں دی جا سکتی ہے اگر تم وعدہ کرو کہ وہ انگوٹھی ہمیں لا کر دے دو گے، ورنہ ایک بھیانک موت تمہاری منتظر ہے۔" یہ کہہ کر اس نے رکنے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کی اور واپس اسی طرف بڑھ گئی جہاں سے داخل ہوئی تھی۔ "کل تک سوچ لو ورنہ....." یہ کہہ کر وہ سوراخ کی دوسری طرف غائب ہو گئی۔

زرباش نے اچھی طرح سوچ لیا تھا کہ وہ ان کی شرط پر موت کو ترجیح دے گا۔ اس لئے دوسرے دن اس نے ان کی شرط پوری کرنے سے انکار کر دیا وہ مخلوق بہت غصے میں آ گئی عجیب الخلقت گوما آگے بڑھا اور وہ پانی جو وہ انسانی دنیا سے لایا تھا زرباش کے برہنہ جسم پر پھینک دیا، زرباش کی اذیت ناک چیخیں غار کی دیواروں سے ٹکرانے لگیں اور اس مخلوق کا جو سردار تھا وہ زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اس پر پانی پھینکتے ایک گرجدار آواز نے انہیں اپنی جگہ ساکت ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ "خبردار اگر کسی نے اب زرباش کو کچھ بھی کہا تو ..... پہلے بہت عرصے سے تمہاری عادتوں کو نظر انداز کرتے آئے ہیں لیکن اب مزید نہیں..... تم جیسے سرکشوں کو اگر زیادہ چھوٹ دی جائے تو وہ یونہی سرکشی کرتے رہتے ہیں۔" یہ آواز سردار جنات کی تھی۔

پھر اچانک ہر طرف دھواں پھیل گیا، بالکل سیاہ رنگ کا وہ کافی دیر چھایا اس دوران نہایت دل دہلا دینے والی آوازیں آتی رہیں پھر اس کے بعد سب کچھ پہلی حالت میں آ گیا۔

زرباش زنجیروں سے آزاد ہو چکا تھا اس کی حالت نہایت مخدوش تھی اور وہ زنجیروں سے آزاد ہوتے ہی گر پڑا بہت سے جنات جلدی سے آگے بڑھے اور اسے اٹھا لیا اور اسے لیکر اپنے قبیلے میں واپس آ گئے۔

سردار جنات بہت خوش تھا کہ اس مخلوق کے سرکش سردار کا خاتمہ ہو گیا تھا ورنہ پتہ نہیں وہ کب تک انہیں سکون سے جینے نہ دیتے۔

مکمل علاج سے زرباش دو دنوں میں بھلا چنگا ہو گیا تھا آج اس کی شادی تھی مونی سے۔ یہ ایک بڑے پیمانے پر تقریب تھی جس میں بہت سے جنات جوڑوں کی شادی تھی سب بہت خوش تھے خاص کر زرباش اور مونی.....! پھر وہ کمرے میں پہنچا دیئے گئے۔

زرباش پیار سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا جو بہت خوبصورت لگ رہی تھی پھر وہ بولا "بہت محبت ہے تم سے اگر کہو تو اپنی جان وار دوں۔"

مونی گھبرا گئی..... "نہیں نہیں....." پھر شرارت سے بولی۔ "اگر چاند تارے توڑ کر لا سکتے ہو تو ٹھیک ہے۔"

زرباش سر کھجانے لگا۔ "بھئی یہ سائنسی دور ہے کوئی آسان کام کہو۔" پھر وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

رولوکا

تحریر: اے وحید

قسط نمبر:95

وہ واقعی پراسرار قوتوں کا مالک تھا، اس کی حیرت انگیز اور جادوئی کرشمہ سازیاں آپ کو دنگ کر دیں گی

گزشتہ قسط کا خلاصہ

سردار کی غضبناک آواز پوری محفل میں گونج گئی اور روشاک بے حس و حرکت بت کی طرح اپنی جگہ سے اٹھا اور کٹہرے میں آ کر کھڑا ہو گیا، مگر یہ کیا اچانک کٹہرے میں دھواں سا اٹھا اور روشاک کٹہرے سے غائب ہو چکا تھا۔ اس کیفیت کو دیکھ کر محفل میں موجود سارے جنات اور سردار اچنبھے میں پڑ گئے، تو پھر سردار اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور جنات محافظوں سے مخاطب ہوا۔ فوراً جاؤ اور روشاک جہاں بھی ملے اور جس حال میں بھی ملے اسے فوراً گرفتار کر کے لاؤ، اگر اس پر سختی کی ضرورت پیش آئے تو بالکل بھی ہچکچانا نہیں۔ یہ میرا حکم ہے۔ روشاک فرار ہونے کے بعد خوشبو کے کمرے میں پہنچا اور خوشبو کو ساتھ لے جانا چاہتا تھا کہ اچانک اس جگہ رولوکا کے کارندے پہنچے اور روشاک کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ روشاک وہاں سے بھی بھاگا اور پھر کافر جنات کے ایک قبیلہ میں پہنچ گیا۔ کافر جنات کا سردار اس کی روداد سن کر بولا۔ تم گھبراؤ نہیں میں ہر ممکن تمہاری مدد کروں گا۔ اس صورت میں دونوں قبیلہ والوں میں گھمسان کا رن پڑا، لیکن خفیہ طور سے رولوکا روشاک کو نکال لایا، اس کے بعد روشاک کو اس قبیلہ میں تمام جنات اور رولوکا کے سامنے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اس طرح روشاک کے خاتمہ ہونے پر خوشبو کی جان اس سے چھوٹ گئی۔ رولوکا اور حکیم وقار مطب میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ حکیم وقار نے کہا، حکیم کامل کچھ دن پہلے ایک صاحب آئے تھے، جن کا نام پرتاب تھا اور انہوں نے ایک ڈائری بھی دی تھی وہ کل بھی آئے تھے مگر آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ یہ سن کر رولوکا بولا۔ جی حکیم صاحب مجھے یاد آیا۔ میں آج ہی ان کی ڈائری پڑھوں گا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ رات میں رولوکا نے پرتاب سنگھ کی ڈائری نکالی اور پڑھنے لگا لکھا تھا۔ حکیم صاحب میں کالج سے گاؤں آ گیا مگر کالج میں جس کے ساتھ کمرے میں رہتا تھا، وہ بھوت چڑیل کی کہانیاں بہت شوق سے پڑھتا بلکہ لکھتا بھی تھا۔ اس کی ڈائری میں عجیب و غریب دل دہلا دینے والے واقعات درج تھے کہ چڑیل، بھوت اور دیگر آتمائیں بہت ہی شکتی شالی ہوتی ہیں، میں نے پوری ڈائری پڑھ لی تھی۔ خیر جب میں گاؤں پہنچا تو میں اندرونی طور پر بہت ہی ہلکان رہنے لگا۔ میرا دل پڑھائی سے بالکل ہی اچاٹ ہو گیا تھا۔ میں اکیلا کھیت کھلیانوں میں گھومنے لگا ایک روز میں ایک باغ میں اکیلا بیٹھا تھا کہ اچانک ایک اپسرا جیسی سندری میرے سامنے آ گئی اور میری آنکھیں جیسے اس کی سندرتا میں کھو گئیں۔ مجھے اپنا کوئی ہوش نہ رہا اور جب ہوش آیا تو.....

(اب آگے پڑھیں)

میں نے دیکھا کہ میں ایک عالی شان سجے سجائے کمرے میں موجود ہوں۔ کمرے میں موجود ہر چیز سے ظاہر تھا کہ وہ کمرہ کسی بہت ہی امیر کبیر یا پھر کسی راجہ کا کمرہ تھا۔

میری آنکھیں ہر چیز کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں۔ اور سب سے کمال یہ تھا کہ میرے جسم پر اس وقت جو لباس تھا وہ کسی شہزادے جیسا تھا۔ اپنے جسم پر موجود اپنے لباس کو میں نے کھینچ کھینچ کر دیکھا۔ اور جب اس سے بھی تسلی نہ ہوئی تو میں نے اپنی گردن پر زور کی چٹکی بھری کہ شاید میں ہوش و حواس میں ہوں کہ نہیں۔ چٹکی میں نے اتنی زور کی بھری تھی کہ درد سے بلبلا اٹھا۔

میں اچنبھے کی حالت میں بستر سے نیچے اترا اور کمرے میں موجود ساری چیزوں کو گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ دیواروں پر بڑی بڑی کئی تلواریں بھی لٹکی ہوئی تھیں۔ ایک طرف زرہ بکتر بھی موجود تھا۔ ایک طرف تیر کمان بھی موجود تھی بلکہ مجموعی طور پر میدان جنگ میں استعمال

ہونے والے سارے ہتھیار موجود تھے۔

پھر میری نظر مسہری یعنی چھپر کھٹ پر پڑی۔ ایسا عالی شان چھپر کٹ تھا کہ میں کیا بتاؤں، بہت ہی بڑا اور لمبا چوڑا بستر تھا۔ ایسا جیسا کہ کسی راجہ مہاراجہ کا ہوتا ہے۔ کمرے کی لمبائی چوڑائی بھی ناقابل بیان ہے۔ پورے کمرے میں گھوم پھر کر میں نے ایک ایک چیز پر نظر ڈالی اور جب میری آنکھیں تھک گئیں تو اچانک میرے منہ سے نکلا۔ ''کوئی ہے؟''

''میرے منہ سے آواز کا نکلنا تھا کہ اچانک ایک طرف موجود دروازہ کھلا اور ایک ملازم اندر آیا، وہ بہت ہی مودبانہ تھا اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، وہ بولا۔ ''جی چھوٹے سرکار! حکم کریں۔''

میں اچنبھے کی حالت میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ''تم کون ہو؟''

''حضور آپ کا خادم ہوں، آپ حکم کریں۔'' وہ بولا۔

''اور میں کون ہوں؟'' میں جیسے چیخ کر بولا۔

''حضور! آپ چھوٹے سرکار ہیں۔'' وہ بولا۔

''خادم! چھوٹے سرکار! مہاراج!'' یہ تمام لفظ میرے لئے اجنبی تھے اور میرے ذہن پر جیسے ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ ''ارے بھائی! کون مہاراج، کون سرکار اور کون سا خادم۔ یہ تم کیا بک رہے ہو، میں تو ایک عام آدمی ہوں، میرا نام پرتاب ہے۔'' میں نے کہا۔

''حضور! آپ کا نام تو امر سنگھ ہے، اور آپ یہ کیا بول رہے ہیں۔'' اس نے گھور کر مجھے دیکھا اور مجھ پر اپنی نظریں مرکوز کردیں، وہ بدستور مجھے گھورتا رہا تو میرے منہ سے نکلا۔ ''اس طرح کیا دیکھ رہے ہو، فوراً مجھے پانی پلاؤ۔'' یہ سنتے ہی وہ الٹے پاؤں پلٹ گیا۔

چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ دوسری طرف کا دروازہ کھلا اور ایک دلکش اور دل لبھانے والی لڑکی ہاتھ میں چمکتا ہوا جگ اور ایک گلاس لئے ہوئے میرے قریب آ گئی اور جب میں نے اس پر نظر ڈالی تو جیسے اچھل گیا۔ کیونکہ وہ تو وہی تھی جو کہ آم کے باغ میں اچانک میرے سامنے آئی تھی۔

''تم اور یہاں! تم کون ہو اور مجھے یہاں پر کون لایا، یہ کون سی جگہ ہے؟ اور میرے جسم پر تو عام سا لباس تھا اور یہ راجہ مہاراجہ جیسا لباس اس وقت میرے جسم پر۔ کیا میں کسی جادو نگری میں آ گیا ہوں۔ مجھے جلدی سے بتاؤ، تاکہ میں حقیقت جان سکوں، میرا دماغ درد کی وجہ سے پھٹا جا رہا ہے۔'' میں بولا۔

''تم امر ہو! اور تم اپنی راج دھانی میں ہو، تم مہاراج کے اکلوتے سپوت ہو اور میں تمہارے چاچا کی پتری لاج ونتی ہوں۔''

یہ بول کر وہ مسکرانے لگی اور میرا ہاتھ پکڑ کر بستر پر بیٹھا دیا، اور خود میرے پہلو سے لگ کر بیٹھ گئی، چمکدار جگ سے گلاس میں پانی ڈالا اور میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ گلاس کا منہ سے لگنا تھا کہ میں غٹا غٹ پانی پینے لگا اور پھر پورا گلاس خالی ہو گیا۔ اس نے جگ اور گلاس چاندی کے ٹرے پر رکھا اور ایک میز پر ٹرے رکھ دی۔

اس نے میرے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور میرے ہاتھوں کو اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے دبانے لگی۔ چند لمحے بعد بولی۔ ''امر تم گھبرا کیوں رہے ہو، ارے یہ پوری راج دھانی تمہاری ہے، چاچا جی یعنی تمہارے پتا یہاں کے راجہ ہیں اور میں تمہاری لاج ونتی ہوں۔ بس تمہیں میں یہ بتا دوں کہ ہم دونوں جنم جنم کے ساتھی ہیں۔

میں نے دیوتا کے آگے زبردست پرارتھنا کی ہے، دیوتا کو خوش کرنے کے لئے میں رات رات بھر ناچتی رہی ہوں۔ دیوتا کی سیوا میں، میں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور یہ سب میں نے اس لئے کیا کہ خوش ہو کر دیوتا میرے من کی کامنائیں پوری کردیں۔

تم یہ نہیں پوچھو گے کہ میرے من کی کامنائیں کیا ہیں؟''

''چلو یہ بھی بتا دو کہ وہ کامنائیں کیا ہیں؟'' میں نے کہا۔

وہ بولی۔ ''میری کامنائیں ہیں۔ ہر جنم میں تم میرے ہی رہو اور میں تمہاری سیوا کرتی رہوں۔''

''تم یہ سب باتیں جو کر رہی ہو، یہ میری سمجھ سے باہر ہیں، میں تمہاری کسی بات کو بھی نہیں سمجھ رہا۔ بس اتنا معلوم ہے کہ میرا نام پرتاب ہے اور میں کالج میں پڑھتا تھا اور اب میں نے پڑھائی چھوڑ دی ہے۔''

یہ سنتے ہی اس کی نیلگوں آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ جسے دیکھ کر میرا من مچلنے لگا کہ اتنی سندر جس کی سندرتا ناقابل بیان ہے میں نے اس کا دل دکھایا، پھر میں نے سوچا۔ کیوں نہ میں اس کا دل رکھنے کے لئے ہاں ہاں کرتا رہوں۔''

میں نے اس کا چہرا اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور پھر بہت قریب سے اس کی جھیل سے بھی گہری آنکھوں میں اپنی نظریں گاڑ دیں۔

اس کے ہونٹوں پر مسکان بکھر گئی اور پھر بے تابانہ وہ مجھ سے لپٹ گئی اور سسکنے لگی۔ میں اس کے ریشمی بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔ چند منٹ ایسا ہوتا رہا پھر اس نے اپنا چہرہ اوپر کیا اور بولی۔ ''امر میرا بس چلے تو میں تمہیں سارے سنسار سے اپنے من میں چھپالوں اور کوشش کروں کہ میرے علاوہ یہ چلتی ہوئی ہوا بھی تمہیں نہ چھو پائے۔ مگر آدمی کی ہر اچھا کب پوری ہوتی ہے۔

تمہاری خاطر میں سارے سنسار سے ٹکرا سکتی ہوں، میرے علاوہ اگر کسی نے تم پر پریم کی نظر ڈالی تو میں اس کا خون پی جاؤں گی۔ امر تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ میں تمہارے بنا ہر ایک پل بیاکل رہتی ہوں۔ تم پر میں اپنا جیون تیاگ دوں گی اور تمہیں یہ بھی پتہ نہیں کہ اب تک کیا ہوتا آ رہا ہے، تمہاری جدائی میں شاید ہی میں کسی پل سو پائی ہوں۔''

''کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔'' میں نے کہا۔

''اور یہ تمام باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔''

''تم چنتا نہ کرو میں تمہیں بتاتی ہوں۔'' یہ بول کر اس نے سیدھے ہاتھ کی سیدھی انگلی سے دیوار کی طرف اشارہ کیا تو صاف شفاف دیوار پر جیسے فلم کا سین چلنے لگا۔

ایک بہت ہی خوب صورت گاؤں تھا۔ ہر طرف ہریالی اور سبزہ کا راج تھا۔ کھیتوں میں سرسوں کے پیلے پیلے پھول لہلہا رہے تھے۔ گاؤں میں بڑی رونق تھی۔ بچے اپنے کندھوں پر جھولا (بستہ) لٹکائے ہوئے ایک طرف کو جا رہے تھے کہ اس جھولے (بستے) میں ان بچوں کی کتابیں تھیں۔

دو بچے ایسے بھی تھے جو دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ان تمام بچوں کے ساتھ چل رہے تھے، دونوں بچوں میں ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ ان دونوں میں کچھ زیادہ ہی چاہت و خلوص ہے اور پھر اس طرح وہ پڑھنے جاتے اور آتے رہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پروان چڑھنے لگے اور پھر وہ دونوں جوانی کی دہلیز پر پہنچ گئے۔ یہ تمام واقعہ بالکل فلم کے سین کی طرح چل رہا تھا۔ اس لڑکی کی سندرتا کو دیکھ کر گاؤں بھر کے نوجوان بلکہ سارا گاؤں ہی عش عش کرتا تھا۔ خاص طور پر نوجوان اور مرد حضرات ٹکٹکی باندھ کر اس لڑکی کو دیکھتے اور ان کی نظروں سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ سب اس لڑکی کو اپنی آنکھوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھپالیں گے۔

وہ نوجوان بھی بہت ہی گبرو تھا۔ ہر جگہ وہ دونوں نظر آتے رہتے اور صرف رات میں سونے یا پھر دیگر ضروریات زندگی کے لئے الگ ہوتے تھے۔

وہ منظر ذرا واضح ہوا، اور پھر بہت ہی قریب آیا تو میں جیسے اچھل ہی گیا۔ ''ارے اس منظر میں تو میں خود تھا اور میرے ساتھ جو لڑکی تھی وہ..... وہ..... تو لاج ونتی تھی۔ جو کہ اس وقت میرے پہلو میں میرے جسم سے لگے بیٹھی تھی اور نہ جانے کن خیالوں میں مگن تھی۔

اچانک میرے دماغ میں جیسے آندھیاں چلنے لگیں، میں اندرونی طور پر سہم کر رہ گیا۔ خود کو اس منظر میں دیکھ کر۔ پھر منظر ابھرا۔ ایک گنیش نامی لڑکا لاج ونتی میں دلچسپی لینے لگا۔ وہ ہر روز بلا ناغہ لاج ونتی کو نظر آنے لگا۔ وہ کسی نہ کسی بہانے ہم دونوں کو آتے جاتے دیکھنے لگا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ اس کی دلچسپی لاج ونتی میں بڑھنے لگی۔

پھر نظر آیا، وہ اپنے چند دوستوں میں بیٹھا تھا،

اس کے چہرے پر خاموشی اور ویرانی کا راج تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ایک لڑکا بولا۔ ”ارے گنیش یہ کیسا منہ لٹکائے بیٹھا ہے، ارے وہ تیری پہنچ سے بہت دور ہے، وہ تو تجھے نظر بھر کر دیکھتی بھی نہیں اور تو ہے کہ اس کے لئے اپنے جیون کو تیاگنے پر بھی تیار ہے۔“

اور پھر تو کیا دو تین بلکہ ایک جگہ پانچ لڑکے بیٹھے تھے سب نے اسے لعن طعن کرنا شروع کر دیا۔

”ارے! بہت بنتا ہے پھنے خان، تو یہ سوچ لے! چاہے تو کچھ بھی کرلے، وہ تجھے گھاس بھی نہیں ڈالے گی۔

”ارے وہ تو امر کے نام کا مالا جپتی ہے، اسے دیوتا سمان سمجھتی ہے، اگر اس کا بس چلے تو وہ بھگوان کو چھوڑ کر امر کو ہی پوجنا شروع کر دے۔

ایک اور بولا۔ ”گنیش بچو! میں نے امر اور لاج ونتی کا پریم دیکھ کر اندازہ کیا ہے کہ اگر سارے سنسار کے لوگ ایک طرف اور امر ایک طرف ہو تو لاج ونتی سارے سنسار سے منہ موڑ کر امر کے چرنوں میں اپنا جیون بتا دے گی۔

اور گنیش تو اسے صرف دیکھتا ہی رہ جائے گا، تو ہر پل آہیں بھرے گا، تیرے جیون کا سکھ چین برباد ہو جائے گا، تو کسی کام کا نہیں رہے گا، اور پھر تو اپنے پتا کو جانتا ہے کہ وہ کس قدر سخت اور اصول کے پکے ہیں، اگر تو نے لاج ونتی کو چھیڑا بھی تو سب سے پہلے تیرے پتا ہی تیری گردن پر چھری چلا دیں گے، اس سے تو اچھا ہے کہ تو لاج ونتی کو اپنے من سے نکال دے۔

دو پریمیوں کو خوش رہنے دے، اگر کوئی دو پریم کرنے والوں کو دکھ پہنچاتا ہے تو اسے تو بھگوان بھی نہیں چھوڑتا، کیونکہ بھگوان پریم کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے۔

گنیش تو ہاتھ ملتا رہ جائے گا، اور لاج ونتی کو امر ڈولی میں بیٹھا کر لے جائے گا۔ پھر تو سوچ تیرا اس سے کیا ہوگا۔ اس طرح رات دن سوچتے سوچتے تو کمزور اور بزدل بھی ہو جائے۔“

لفظ بزدل کا سن کر گنیش طیش میں آ گیا اور پاؤں پٹختا ہوا بولا۔ ”میں امر کو برباد کر دوں گا، اس کا خون کر دوں گا اور پھر ساتھ ہی اپنا جیون بھی تیاگ دوں گا، اگر لاج ونتی میری نہیں ہوئی تو۔“ اور طیش میں اس جگہ سے ایک طرف کو چلا گیا۔

وقت آہستہ آہستہ آگے کو بڑھتا رہا۔ امر اور لاج ونتی دونوں اپنی من مستیوں میں مگن تھے، سارے گاؤں والے ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے، ان دونوں کی محبت و چاہت خود غرضی پر مبنی نہیں تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے پاکیزہ محبت کرتے تھے۔

ایک دن صبح ہی سے گاؤں میں بوندا باندی ہو رہی تھی۔ وقفے وقفے سے تیز بارش ہو جاتی تھی، اس لئے سارا گاؤں اپنے اپنے گھروں میں دبکا پڑا تھا۔

لیکن منظر میں نظر آیا کہ امر اور لاج ونتی ایک کھیت کے کنارے دنیا و مافیہا سے بے خبر بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ دونوں آمنے سامنے بیٹھے صرف یک ٹک ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے، لاج ونتی سفید گھاگھرا، سفید کرتی اور سفید ہی اوڑھنی میں ملبوس تھی، لیکن اوڑھنی بھیگ کر اس کے کندھے پر پڑی تھی۔

سنگ مرمر کا تراشا ہوا شفاف بدن کسی انجان مخلوق کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ بارش نے اس کی کرتی کو اس کے جسم سے جیسے پیوست کر دیا تھا۔ برستی بارش کا پانی اس کے سر پر پڑتا تو سر سے نیچے کو پھسلتے ہوئے اس کے جسم میں جیسے جذب ہو کر رہ جاتا۔ اس کے خوب صورت اور دلکش گلاب کی پنکھڑی جیسے گلابی ہونٹ ایسے لگ رہے تھے جیسے کہ وہ لاج ونتی کے نہیں بلکہ کسی اپسرا کے ہونٹ ہوں۔ دونوں بالکل مبہوت تھے اور دونوں کی نظریں ایک دوسرے میں جیسے پیوست ہو کر رہ گئی تھیں۔ دور سے ایسا لگتا تھا کہ پتھر کے دو بتوں کو اس جگہ لا کر رکھ دیا گیا ہے۔ لاج ونتی کے انگ سے مستی ابل رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ بار بار سو بار بلکہ ہزاروں مرتبہ بنا بنا کر بھگوان نے مٹایا ہوگا۔ تب کہیں جا کر لاج ونتی کا وہ حسین اور دلکش دل موہ لینے والا سراپا اس رنگ میں ڈھلا ہوگا۔ وہ کسی صورت بھی

زمینی مخلوق نہیں نظر آتی تھی۔ بلکہ حقیقت میں حسن کا کوئی خوب صورت آسمانی مخلوق نظر آتی تھی۔

منظر میں اچانک گنیش ایک طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا، وہ بہت ہی ناپ تول کر اپنا قدم اٹھاتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

قد آور سرسوں کے کھیت میں وہ چھپتا چھپاتا آ رہا تھا۔ ارے یہ کیا! اس کے ہاتھ میں تو ایک بہت بڑا چمکتا ہوا چھرا موجود تھا۔ وہ ان دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ چند قدم ان سے دوری پر تھا۔ وہ دونوں ہر طرف سے بے خبر ایک دوسرے کو دیکھنے میں منہمک تھے۔ بارش چھم چھم برس رہی تھی۔ لیکن آنے والے وقت کا ان دونوں کو کچھ پتہ نہ تھا۔

گنیش نے اپنے ہاتھ میں موجود چھرے کو نظر بھر کر دیکھا، اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر آناً فاناً گنیش نے پشت سے امر کی بائیں سمت پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا۔ امر کی دلخراش چیخ گیتوں میں گونج گئی۔

اور پھر اس سے ترنت ایک شیش ناگ نے گنیش کے پاؤں پر اپنا ڈنک مار دیا اور اس طرح گنیش کی چیخ سنائی دی یہی نہیں اسی ثانیہ لاج ونتی نے بھی بجلی کے کوندے کی طرح چھرا گنیش کے دل کی جگہ گھونپ چکی تھی۔ گنیش تڑپ رہا تھا۔ امر شانت ہو چکا تھا۔ لاج ونتی کی نظریں امر پر مرکوز تھیں کہ پھر اچانک لاج ونتی گنیش کی طرف لپکی اور اس کے سینے سے چھرا نکال کر پورے کا پورا چھرا اپنے دل میں اتار لیا۔

”ا.....ا.....م.....امر۔“ لاج ونتی کی دلخراش اور دل پھاڑ دینے والی چیخ چاروں اور کو دہلا گئی۔ دیوار پر نظر آنے والا منظر یکسر غائب ہو گیا۔

اور میرے پہلو میں بیٹھی ہوئی لاج ونتی کی حقیقت میں دلخراش چیخ ”امر.....امر۔“ پورے کمرے کو دہلا گئی۔ لاج ونتی اب مجھ سے لپٹ چکی تھی۔ اس کی سانسیں دھونکنی کی طرح چل رہی تھیں۔ اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے دونوں بازو میرے گلے میں ڈال رکھے تھے۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔

اس کی ماہئی بے آب کی طرح حالت کو دیکھتے ہوئے میں نے بھی اسے پوری طاقت سے بھینچ لیا تھا۔ کئی منٹ تک ہم دونوں اسی کیفیت میں رہے اور پھر زور و شور سے بپھرا ہوا طوفان آیا اور ہم دونوں کو تہہ و بالا کر کے گزر گیا۔

کافی دیر بعد جب ہمارے حواس بحال ہوئے تو میں لاج ونتی کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرنے لگا۔ کئی منٹ گزرنے کے بعد اس نے اپنی مخمور نگاہیں کھولیں۔ اس کی آنکھوں میں گہرے رنگ کی سرخی نظر آ رہی تھی۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی جسے دیکھ کر۔ میں گویا ہوا۔

”لاج ونتی یہ سب کیا ہے؟ میرا تمہارا بچپنا، جوانی، اور پھر گنیش نامی لڑکے کی دشمنی، اور پھر اس کا مجھے قتل کرنا، اسے سانپ کا ڈسنا، پھر تمہارا اس پر جھپٹ کر اسے قتل کر دینا، یہی نہیں بلکہ تم نے خود کو بھی مار لیا۔“

”امر یہی تو اصل حقیقت ہے کہ ہم دونوں کا جنم جنم کا ساتھ ہے۔ ہر جنم میں ہم دونوں کا ملاپ نہ ہوا کوئی نہ کوئی دشمن ہم دونوں کو الگ کرتا رہا۔

امر، میں جنم جنم سے تمہارے پیار کی پیاسی ہوں، میں ڈولی میں نہیں بیٹھی، ہم دونوں کا لگن نہیں ہوا، ہم دونوں منڈپ میں نہیں بیٹھے، امر تمہارے لئے میں جنم جنم سے بھٹک رہی ہوں، پل پل تمہاری چاہ میں سرگرداں ہوں۔

ہر جنم میں، میں بھگوان سے پرارتھنا کرتی ہوں کہ بھگوان ہم دونوں کا کسی جنم میں تو ملاپ کرا دے تاکہ میرے من کو شانتی ملے، میں ناامید نہیں ہوں، مجھے پکا یقین ہے کہ ہمارا ملاپ ضرور ہوگا۔ اب تم مجھے مل گئے ہو، میں کسی صورت بھی اب اپنے سے دور نہیں جانے دوں گی۔

میں ہر جنم میں تمہاری چاہت میں اکیلی رہی ہوں، اور یہی حالت تمہاری ہے، جس طرح میں تمہارے لئے تڑپتی ہوں اس طرح تم میرے لئے نہیں

تڑپتے، وجہ یہ ہے کہ میں نے تم سے پیار کیا ہے، میں نے تمہیں چاہا ہے، میں نے تمہیں اپنے من مندر کا بھگوان جانا ہے، کیا تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ ہم دو پریمی جنم جنم سے ایک دوسرے کو پانے کے لئے ترس رہے ہیں۔

یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے کہ ہم دونوں انسانی روپ میں جنم لے رہے ہیں، نہیں تو ایک انسان ایک جنم کے بعد یا پھر بھگوان کی اچھا کے مطابق انسان سے کسی جانور کے روپ میں جنم لیتا ہے، دیوتا سے میرے پرارتھنا کا اور پوجا کا صلہ ہے کہ ہم دونوں انسان کے روپ میں جنم لے رہے ہیں۔"

"لیکن لاج ونتی مجھے ابھی بھی یاد نہیں آرہا ہے کہ حقیقت میں جو اس منظر میں نوجوان تھا۔ امر! وہ میں ہوں۔ چلو اگر تمہاری بات میں مان بھی لیتا ہوں کہ ہم دونوں کئی جنم سے ایک دوسرے کے لئے اس دنیا میں آرہے ہیں۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ بقول تمہارے ہماری شادی کیوں نہیں ہورہی ہے۔ اور شادی نہ ہونے کا اصل بھید کیا ہے؟" میں نے کہا۔

"امر یہ بھگوان کی لیلا ہے اور اسے بھگوان ہی جانتا ہے۔ تم چنتا نہ کرو، میں تمہیں اس سے پچھلے جنم کے واقعات دکھلاتی ہوں شاید کچھ تمہیں یاد آجائے۔"

اسی دیوار کی طرف اس نے اپنی ہتھیلی کا رخ کیا تو اس کی ہتھیلی سے برقی لہریں نکل کر دیوار پر پڑیں اور پھر دیوار روشن ہوگئی۔ چند لمحے بعد دیوار پر منظر نظر آیا۔

ایک سبز سبز و شاداب گاؤں ہے، رات کا سمے ہے، پورن ماشی کا چاند اپنے جوبن پر ہے، چاندنی ہر طرف اپنا جوبن دکھلا رہی ہے، اتنا سہانا اور خوب صورت سماں ہے کہ دل چاہتا ہے کہ وہ سماں اسی طرح قائم ودائم رہے۔

پھر ایک گھر نظر آیا۔ اس گھر کا آنگن بہت بڑا ہے۔ آنگن میں ایک طرف نیم کا ایک درخت ہے، اس گھر میں چند عورتیں جمع ہیں اور کئی مرد نیم کے درخت کے نیچے چارپائی ڈالے بیٹھے ہیں، ان کے سامنے حقہ رکھا ہے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد ہر کوئی حقہ پی رہا ہے کہ اتنے میں ایک بوڑھی عورت کمرے سے نکلتی ہے اور قریب آکر بولتی ہے۔ "جگدیش خوش ہوجا، بھگوان نے تجھے لکشمی دی ہے۔ بڑی خوب صورت چندر ماجیسی تیرے گھر لکشمی آئی ہے۔" اور یہ بول کر وہ عورت دوبارہ کمرے میں چلی جاتی ہے۔

چارپائی پر بیٹھے لوگوں میں سے ایک آدمی اٹھتا ہے، لگتا ہے وہی جگدیش ہے، ایک تھالی میں اس کے پاس ہی گڑ موجود تھا۔

وہ بولتا ہے۔ "بھائیو! گڑ سے منہ میٹھا کرو، بھگوان کی کرپا ہے کہ اس نے پتری سے نوازا۔" اور پھر تھوڑا تھوڑا گڑ سب کے منہ میں ڈالتا ہے۔

گڑ کھا کر سب بولتے ہیں۔ "جگدیش تجھے بہت بہت بدھائی ہو۔ اب تو آرام کراب ہم لوگ اپنے گھروں کو چلتے ہیں۔ اور یہ بھی بھگوان کی کرپا ہے کہ تیری گھر والی اور تیری پتری خیریت سے ہیں۔ کل صبح مندر چلے جانا اور چڑھاوا چڑھا دینا۔ دیوی دیوتا کو ایسے سے خوش کرنا بہت اچھا ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے بھیا! آپ لوگوں کی بہت مہربانی کہ آپ لوگ میرے پاس بیٹھے رہے اور بھگوان سے میرے اور میری گھر والی کے لئے پرارتھنا کرتے رہے۔ صبح ہوتے ہی میں مندر ضرور جاؤں گا اور دیوی کے چرنوں میں دل کھول کر چڑھاوا چڑھادوں گا۔ ٹھیک ہے آپ لوگ اپنے گھر جاؤ۔" جگدیش نے کہا۔

منظر میں صبح ہوتی نظر آئی، کوئی نو بجے کے قریب ایک چھ سات سالہ بچہ گھر میں داخل ہوا اور بولا۔

"رادھا موسی! ماں نے یہ چوڑیاں بھیجی ہیں، اور بولی ہے کہ یہ چوڑیاں چندر مکھی کو پہنادو۔" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی لال چوڑیاں، جگدیش کی گھر والی رادھا کو دیں اور ترنت واپس چلا گیا۔

پورے گاؤں میں بہت زیادہ چرچا تھا کہ جگدیش کی پتری کی خوب صورتی سے چاند بھی شرما

جائے۔ جسے دیکھ کر وہ اپنے تئیں اس بچی کی خوب صورتی کو لئے بیٹھا ہے، سب کی سنتا اور پھر جگدیش بولتا۔

"یہ تو بھگوان کی کرپا ہے، بھگوان جو چاہے ہوسکتا ہے، بس بھائیو! تم سب دعا کرو کہ چندر مکھی کا بھاگ اچھا ہو، ارے صورت میں کیا رکھا ہے، سیرت اور بھاگ میں سب کچھ پوشیدہ ہے۔ اگر کسی کے بھاگ ٹھیک نہیں تو کیا صورت کو لے کر وہ چاٹے گا۔"

بہرحال گاؤں کے سارے لوگ اس بچی کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ ہر کسی کی خواہش ہوتی کہ وہ اس بچی کو اپنے قریب رکھے، اس کی ماں جس کے گھر بھی اس بچی کو لے کر جاتی تو گھر کی عورتیں اس کی خوب صورتی کو بیان کرتے نہ تھکتی تھیں۔

وقت پر لگا کر اڑنے لگا اور وہ بچی دھیرے دھیرے جوانی کی طرف بڑھنے لگی۔ ابھی جوانی نہیں آئی تھی کہ اس کی جوانی اور خوب صورتی کے چرچے ہر زبان پر تھے، ہاتھ پاؤں اس نے ایسے نکالنے شروع کردیئے تھے کہ وقت سے پہلے ہی وہ جوان لگنے لگی تھی، جب وہ چلتی تو نوجوانوں کے دل دھڑکنے لگتے، نوجوانوں بلکہ بڑوں کی نظریں بھی اس پر ٹک کر رہ جاتی تھیں، ہر وقت اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچلتی رہتی تھی، ہر کسی کو اپنائیت اور بھرپور نظر سے دیکھتی تھی۔

اور پھر ایک وقت آیا کہ وہ جوانی کی بہاریں لوٹنے لگی۔ وہ جوان کیا ہوئی، گاؤں بھر کے جوانوں کی نیندیں اچاٹ ہوگئیں۔ جونہی اس کی طرف نظر اٹھاتا اور یہ سوچتا کہ کاش! چندر مکھی مجھ پر مہربان ہوجائے۔ گاؤں میں موجود ہر اس گھر میں رہنے والوں کی خواہش تھی جس گھر میں کہ جوان لڑکے تھے ان کی خواہش ہوگئی تھی کہ چندر مکھی ہماری بہو بن کر ہمارے گھر میں آجائے۔

گاؤں کا ٹھاکر بھی اسے بہت ہی پیار و محبت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ اکثر اس کے باپ جگدیش سے بولتا۔ "ارے جگدیش اپنی پتری کو گھر میں زیادہ رکھا کر، اسے زیادہ نہ نکلنے دیا کر، بلکہ یہ کوشش کیا کر کہ باہر کے سارے کام اس کی ماں یا پھر تو کرلیا کر، یا پھر اپنے لڑکوں سے کرالیا کر، میں تجھے ہمدرد بن کر سمجھاتا ہوں، میری باتوں کا برا نہ مان لینا۔

جگدیش زمانہ خراب سے خراب تر ہوتا جارہا ہے۔ تیری پتری نے جو رنگ روپ نکالا ہے، وہ گاؤں بھر کے جوانوں کے لئے غضب کا ہے۔ میری بوڑھی اور تجربہ کار آنکھیں اسے دیکھ کر کبھی کبھی چغلی کھانے لگی ہیں، بھگوان نہ کرے کوئی سر پھرا، اس پر بری نظر نہ ڈال بیٹھے، آگے تیری مرضی جگدیش۔"

جگدیش بولتا۔ "ٹھاکر صاحب! آپ کی باتیں سر آنکھوں پر، آپ میری بھلائی کے لئے یہ باتیں کرتے ہیں، آپ اچھے آدمی ہیں اور آپ کے دل میں گاؤں بھر کے لئے ہمدردیاں ہیں۔ اس میں برا ماننے والی کوئی بات نہیں۔ آپ کی باتوں کو میں نے من میں رکھ لیا ہے۔ اور اب سوچنے لگا ہوں کہ جتنی جلدی ہوسکے اس کے ہاتھ پیلے کردوں۔ اور ہوسکتا ہے کہ اگلی کٹائی کے بعد اس کا لگن کردوں۔"

"جگدیش تو نے ٹھیک سوچا ہے۔ بھگوان کرے ایسا جلدی ہوجائے، تو گھبرانا نہیں، جہاں تک ہوسکا میں تیری مدد کروں گا۔"

ایک مرتبہ تو ٹھاکر نے یہاں تک کہہ دیا تھا۔

"ارے جگدیش، میں تو ذات برادری سے مجبور ہوں، ورنہ میں ہی تیری پتری کو اپنی بہو بنالیتا۔ یہ تو سب گاؤں والوں کو معلوم ہے کہ میں ذات برادری کے معاملے میں زیادہ کٹر نہیں، مگر پھر بھی پرکھوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

یہ سن کر جگدیش بولا۔ "ٹھاکر صاحب میں ہی کیا بلکہ سارا گاؤں جانتا ہے کہ آپ جیسا ہمدرد اور دیالو کبھی کوئی اس گاؤں میں گزرا ہی نہیں اور نہ ہی کبھی سننے میں آیا ہے کہ آپ جیسا رحم دل اور گاؤں والوں کا خیال رکھنے والا کوئی اور ہو۔ آپ کی بہت بہت مہربانی کہ آپ ہم سب کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔"

لیکن ٹھاکر کے بہ نسبت، ٹھاکر کا بیٹا پران بہت ہی اوباش، شرابی اور گھمنڈی تھا۔ اگر اس کا بس چلتا تو گاؤں بھر کی بہو بیٹیوں کو دن دہاڑے اٹھوالیتا۔ مگر اپنے

بااصول اور سخت مزاج انصاف پسند باپ کی وجہ سے مجبور تھا۔ مگر پھر بھی موقع کی تلاش میں رہتا تھا۔

باپ کی سختی کے باوجود چوری چھپے اب تک گاؤں کی کئی لڑکیوں کی عزت پامال کر چکا تھا۔ جس کے ساتھ زیادتی کرتا اس کا منہ زیادہ نوٹوں سے بھر دیتا اور ساتھ ہی کہتا کہ ”اگر شور شرابہ کیا تو پورے گاؤں میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے گی اور پھر جان سے الگ جائے گی۔“

لہٰذا غریب کی بیٹیاں رو دھو کر اپنی عزت کی خاطر اور سب سے بڑھ کر موت سے بچنے کے لئے خاموش ہو جاتی تھیں۔

اس کے اپنے گاؤں کے علاوہ دوسرے گاؤں کے کئی لوگوں سے دوستانہ تھا۔ وہ بھی اس مزاج کے یعنی شرابی کبابی تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ خود کسی کے سامنے نہیں آ سکتا تو دوسرے گاؤں والوں کو ان کے پیچھے لگا دیتا تھا اور گاؤں والے اس لئے بھی ڈرتے تھے کہ اس کا باپ گاؤں کا ٹھاکر، گاؤں بھر کے لوگوں کی بڑھ چڑھ کر مدد کیا کرتا تھا اور خاص طور پر شادی بیاہ میں ٹھاکر زیادہ مدد کرتا تھا، اور وہ بھی اگر لڑکی کی شادی ہوتی تو زیادہ مدد کرتا تھا۔

لوگ یہی سوچ کر اور بھی اس کے بیٹے کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے کہ آخر اپنا خون اپنا ہی ہوتا ہے۔

جگدیش کے پڑوس میں دلیپ رہتا تھا۔ یہ وہی لڑکا تھا جب چندر مکھی پیدا ہوئی تھی تو صبح ہی صبح اس کی ماں نے اس کے ہاتھوں چندر مکھی کے لئے چوڑیاں بھجوائی تھیں۔ دلیپ بہت ہی گبرو اور دیکھنے والا نوجوان تھا۔ بہت زیادہ محنتی اور ہر کسی کے کام میں کام آنے والا، جس کا بھی کوئی کام ہوتا تو وہ بڑھ چڑھ کر کام کر دیتا تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ دلیپ گاؤں بھر کے لئے آنکھوں کا تارا تھا تو یہ جھوٹ نہیں۔

دلیپ اکثر چندر مکھی کو چوری چوری اچٹتی نظروں سے دیکھا کرتا تھا۔ مگر کبھی بھی اپنے دل کی بات کا اظہار نہیں کیا تھا اور نہ ہی کبھی اپنے دوست یاروں کے درمیان بیٹھ کر چندر مکھی کے متعلق کوئی بات کرتا تھا۔ مگر یہ بات چندر مکھی سے چھپی نہیں تھی کہ دلیپ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے دیکھتا ضرور ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر عورت ہر مرد کی نظروں کا زاویہ بہت بھانپ لیتی ہے کہ اس کے لئے اس کے دل میں کون سا جذبہ کارفرما ہے۔

دونوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا تھا اور ویسے بھی گاؤں دیہات میں زیادہ پردے وغیرہ کا رواج نہیں ہوتا، گاؤں کے سارے افراد آزادانہ طور پر ایک دوسرے کے سامنے آتے جاتے رہتے ہیں۔

اور پھر ایک دن دوپہر کے وقت چندر مکھی کی ماں نے دلیپ کو بلایا اور بولی۔ ”دلیپ پتر! دوپہری کا سمے ہے، گرمی کچھ زیادہ ہی ہے، ذرا چندر مکھی کے ساتھ جا کر اس کے باپو کو روٹی دے آؤ۔“

دلیپ اس وقت خالی ہی بیٹھا تھا۔ فوراً راضی ہو گیا اور بولا۔ ”ٹھیک ہے چاچی! اگر آپ مجھے روٹی دے دیں تو میں خود اکیلا جا کر چاچا کو روٹی دے آتا ہوں۔“

”ارے نہیں پتر! چندر مکھی بھی تمہارے ساتھ چلی جائے گی، ایک اور بات بھی ہے جو یہ اپنے باپو کو بتلا دے گی۔ میں نے روٹی باندھ دی ہے، چندر اٹھ اور دلیپ کے ساتھ چلی جا۔“

”ٹھیک ہے ماں!“ چندر مکھی نے کہا اور روٹی کی گٹھری اٹھا کر دلیپ کے ساتھ جانے کے لئے گھر سے نکل پڑی۔ ان کے گھر سے کھیت تھوڑا دوری پر تھا۔ اتنی گرمی تھی کہ ہٹو بچو، بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ پاؤں کا پسینہ سر کو چڑھ رہا تھا۔ آدھے راستے جاتے جاتے چندر مکھی کا تو برا حال ہو گیا۔ وہ بولی۔ ”دلیپ اس گرمی نے تو مجھے ہلکان کر دیا، اب مجھ سے چلنا دوبھر ہو رہا ہے۔ بھئی مجھ سے تو اب نہیں چلا جا رہا۔“

چندر مکھی کی بات سن کر بولا۔ ”اچھا ایسا کرتے ہیں، وہ سامنے جو ہڑ کا درخت ہے اس کے نیچے بیٹھ کر تھوڑی دیر سستا لیتے ہیں، جب سانس بحال ہو جائے گی تو پھر چل پڑیں گے۔“

یہ سن کر چندر مکھی نے کہا۔ ”ٹھیک ہے تھوڑی دیر بیٹھ کر سستا لیتے ہیں۔“ اور پھر دونوں اس بڑ کر درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ درخت کے نیچے اچھا خاصا سایہ تھا۔ چند منٹ بعد چندر مکھی بولی۔ ”دلیپ ایک بات پوچھوں! دیکھو جھوٹ بالکل نہیں بولنا اور اگر تم نے جھوٹ بولا تو پھر میں ناراض ہو جاؤں گی۔“

”ٹھیک ہے پوچھو! یہ میرا وعدہ ہے کہ میں جھوٹ بالکل نہیں بولوں گا۔“ دلیپ بولا۔

چندر مکھی بولی۔ ”یہ بتاؤ! میں کیسی ہوں؟ اور تمہیں کیسی لگتی ہوں۔“

”چندر مکھی تم اچھی ہو، سندر ہو، سارے گاؤں والوں کو اچھی لگتی ہو اور جہاں تک مجھے کیسی لگتی ہو تو..... بہت سندر لگتی ہو، بلکہ میں تو کہوں گا کہ تم سے زیادہ سندر سارے سنسار میں کوئی اور نہ ہوگا، تمہاری سندرتا بے مثال ہے۔“ دلیپ بولا۔

دلیپ کی باتیں سن کر چندر مکھی مسکرانے لگی اور غور سے دلیپ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ ”دلیپ کیا یہ سچ ہے کہ تم مجھ سے پریم کرتے ہو؟ مگر تم نے اس کا اظہار کبھی نہیں کیا۔ دلیپ ویسے تم بہت کٹھور ہو، کاش! کہ تم اپنے دل کی بات اپنی زبان پر لے آتے، مگر تم بہت گہرے بھی ہو، میں تمہارے دل کی بات جانتی ہوں کہ تم گاؤں بھر کے تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھے چاہتے ہو، اور یہ بھی آج بھگوان کی کرپا ہے کہ آج بھگوان نے یہ موقع دیا کہ میں تمہارے ساتھ آئی تاکہ تمہاری زبان سے تمہارے دل کی بات سن سکوں، دیکھو مجھے جھوٹ مت بولنا۔“

چندر مکھی کی یہ باتیں سن کر دلیپ غور سے چندر مکھی کو دیکھنے لگا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ”سندر مکھی یہ بات درست ہے، میں تم سے پریم کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا، کبھی اس کا اظہار کرنے کی ہمت نہ ہوئی کہ تم کہیں ناراض نہ ہو جاؤں، اور پھر اس ناراضگی کی وجہ سے جو میرے سامنے آتی ہو، وہ سامنے آنا ہی بند کر دو، لہٰذا انہی باتوں کی وجہ سے میں نے اپنی زبان بند رکھی اور آج تمہارے پوچھنے پر میں نے سچ اگل دیا۔ اب تمہاری مرضی لیکن تم سے میری بنتی ہے کہ بھگوان کے لئے مجھ سے ناراض نہیں ہونا، اگر میری بات بری لگی ہے تو میرے منہ پر تھپڑ مار دو، لیکن ناراض نہیں ہو۔

اور اگر تم ناراض ہو گئی تو یہ میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں تمہاری ناراضگی کے پیش نظر، مجھ سے تمہاری ناراضگی برداشت نہیں ہوگی اور پھر میں اپنا جیون تیاگ دوں گا، مگر تمہاری ناراضگی.....“ اور دلیپ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

دلیپ کی باتیں سن کر چندر مکھی مسکرانے لگی اور پھر بولی۔ ”دلیپ میں اپنے دل کی بات کہہ دوں، کسی سے بولو گے تو نہیں اور ناراض تو نہیں ہو گے، یہ تو اپنے اپنے دل کی بات ہے، جو جس کو اچھا لگے، اور اچھا لگنے والا ہر سمے دل میں رہتا ہے، دل تھام کر میری بات سنو! دلیپ میں بھی تم سے پریم کرتی ہوں۔“ اور یہ بول کر چندر مکھی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا لیا۔

یہ سن کر دلیپ لمبے لمبے سانس لینے لگا، اس کی آنکھیں کھلنے اور جھپکنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد دلیپ نے چندر مکھی کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور اس کا چہرہ اوپر کو اٹھایا، اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ”چندر مکھی تمہارا بہت بہت دھنے واد، تم نے اس قابل سمجھا، یہ میرا وعدہ ہے کہ میں پوری زندگی تمہاری سندرتا کی حفاظت کروں گا۔ ہر پل میری کوشش ہوگی کہ تم ہر وقت مسکراتی رہو، میں تمہارے سارے دکھ اپنے سر لے لیا کروں گا، میں زندگی بھر تمہاری پوجا کروں گا۔“ اور پھر دلیپ نے ایک لمبا سانس کھینچا۔

چندر مکھی بولی۔ ”اس کا ذکر کسی اور سے نہیں کرنا بلکہ خاص طور پر اپنے دوستوں میں۔“

”ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا، میں ماں کو بہت جلد تمہارے گھر بھیجوں گا، تم اس کا خیال رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری ماں اور تمہارے باپو اس رشتہ سے انکار کر دیں، اس کے لئے میری بنتی ہے تم سے، میری خوشیوں اور چاہت کا سارا دارومدار اب تم پر ہے۔“ دلیپ بولا۔

"تم گھبراؤ نہیں، وہی ہوگا جو میں چاہوں گی، اچھا اب اٹھو، باپو جی روٹی کا انتظار کررہے ہوں گے۔"

تھوڑی دیر میں دونوں اس کھیت میں پہنچ گئے، جہاں چندر مکھی کے باپو کام کررہے تھے۔ دونوں کو دیکھ کر بولے۔ "ارے دلیپ بیٹا! تم۔ تمہیں میری وجہ سے کشٹ اٹھانا پڑا، آج ویسے بھی گرمی زیادہ ہے، چندر مکھی تو نہ آتی اتنی گرمی میں۔"

دلیپ بولا۔ "چاچا جی کوئی بات نہیں، گرمی ہے تو کیا ہوا، آپ بھی اور پھر سارے لوگ گرمی میں کام کررہے ہیں۔ چاچی نے مجھ سے کہا کہ تم چندر مکھی کے ساتھ چلے جاؤ گرمی زیادہ ہے اور پھر دوپہر کا وقت بھی ہے، اور آج آپ اپنے ساتھ روٹی نہیں لائے تھے، خیر آپ باتوں کو چھوڑیں اور جلدی سے روٹی کھالیں۔" اور وہ روٹی کھانے میں مصروف ہوگئے۔ جب وہ روٹی کھا چکے تو دونوں واپس آگئے۔

ادھر ٹھاکر کا اوباش اور شرابی بیٹا آہران، ہاتھ دھو کر چندر مکھی کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ "اب میرا چندر مکھی سے دور رہنا ممکن نہیں۔ اب تو چندر مکھی کی یادیں مجھے رات میں سونے بھی نہیں دیتیں اور پھر پورا دن بے چینی میں گزر جاتا ہے۔

بہر حال میں اپنی جان پر کھیل کر چندر مکھی سے اپنی پیاس ضرور بجھاؤں گا۔" اس کے دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ "ہم ہر حال میں تیرے ساتھ ہیں۔ جس طرح تو نے کئی لڑکیوں کے ساتھ کھلواڑ کیا۔ اسی طرح اس کے ساتھی بھی کرگزر۔"

اور پھر ایک دن دوپہر میں چندر مکھی دلیپ کے ساتھ اپنے باپو کے لئے روٹی لے کر جارہی تھی۔ راستے میں پران اپنے تین دوستوں کے ہمراہ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ جب وہ دونوں اس درخت کے پاس سے گزرنے لگے تو پران بولا۔ "چندر مکھی اس طرح اٹھلا کر جانا ٹھیک نہیں، آخر میں بھی تو مرد ہوں، مجھ میں کیا کمی ہے، کبھی ہمارا دل بھی خوش کردو۔"

یہ سن کر چندر مکھی بپھر گئی اور بولی۔ "بے شرم تجھے شرم نہیں آتی، ایسی بات کرتے ہوئے، آج میں ٹھاکر کاکا کے پاس ضرور جاؤں گی اور تیری ان باتوں کو ان کے سامنے رکھوں گی۔" چندر مکھی کا یہ بولنا تھا کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ آگے بڑھا اور جھپٹ کر چندر مکھی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

یہ دیکھتے ہوئے دلیپ پر تو جیسے جنون سوار ہوگیا اور وہ شیر کی مانند پران پر جھپٹا اور اپنے سر کی ٹکر اس کی ناک پر ماری۔ جس سے پران کی ناک سے بھل بھل خون بہنے لگا۔ اور اس اثناء میں چندر مکھی کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا۔

پران دہاڑ کر بولا۔ اپنے دوستوں سے۔ "سالے کو پکڑلو، بچ کر نہ جانے پائے، اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے۔" اس کے تینوں دوست فوراً آگے بڑھے اور دلیپ کو دبوچ لیا۔

چندر مکھی سکتے کے عالم میں ایک طرف کھڑی تھی، لیکن پھر اچانک چونک پڑی اور پران کی جانب جھپٹی لیکن اس وقت تک دیر ہوچکی تھی، پران اپنے نیفے میں اڑسا ہوا بڑا چاقو دلیپ کے سینے میں گھونپ چکا تھا۔

دلیپ نیچے گر کر تڑپنے لگا تھا۔ دلیپ کا خون دیکھ کر چندر مکھی پر جیسے جنون سوار ہوگیا اور اس نے دلیپ کے سینے سے جھٹ چاقو کھینچا اور شیرنی کی طرح پران پر جھپٹی۔

لیکن اس سے پہلے کہ پران کے نرخرے پر چاقو پڑتا۔ پران نے پھرتی سے چندر مکھی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر نیچے کی طرف موڑ دیئے۔ لیکن ہاتھ زیادہ نیچے مڑنے کے بجائے ہاتھ والا چاقو چندر مکھی کے سینے میں پیوست ہوگیا۔ اور پھر تیزی سے خون نکل کر چندر مکھی کے کپڑوں کو رنگنے لگا۔ چندر مکھی تیوار کر گری لیکن پھر اچانک ہوا میں اڑتی ہوئی چاقو کا بھرپور وار پران کے نرخرے پر کیا۔ پران کا نرخرا کٹ چکا تھا اور پران اپنا نرخرا پکڑے ادھر ادھر لہرانے لگا تھا اور پھر لہراتے ہوئے زمین بوس ہوگیا۔ یہ تمام خونی معاملہ پلک جھپکتے میں ہوا تھا۔

ادھر چندر مکھی بھی دلیپ کے سینے پر سر رکھے

ساکت ہوچکی تھی۔ یہ خونی معاملہ دیکھ کر پران کے تینوں دوست سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

دیوار پر ابھرنے والا منظر اچانک بہت واضح ہوگیا اور ساتھ ہی قریب آکر بڑا ہوا تو میں جیسے اچھل پڑا۔ نیچے گرا ہوا مردہ حالت میں، میں خود تھا اور میرے سینے پر سر رکھے مردہ حالت میں لاج ونتی تھی جو کہ اس وقت میرے پہلو میں بیٹھی تھی۔

اور پھر مجھے اچانک لاج ونتی کی سسکیوں کی آواز سنائی دی۔ لاج ونتی بری طرح سسک رہی تھی۔ میں نے لاج ونتی کو اپنے دونوں بازوؤں میں بھینچ لیا، کافی دیر تک ہم دونوں بے حس وحرکت ساکت رہے، پھر میں نے کہا۔ "لاج ونتی۔"

میرے منہ سے اپنا نام سن کر اس نے اپنا چہرہ اوپر کو اٹھایا اور بولی۔ "امر تم نے دیکھ لیا، دشمنوں نے ہمارا ملاپ اس جنم میں بھی نہیں ہونے دیا۔

امر میں تمہیں پانے کے چکر میں ہر جنم میں دکھ جھیلتی ہوئی آرہی ہوں اور میرے ساتھ ساتھ تم بھی اذیت کا شکار بن رہے ہو۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ایک ناری جو کہ بہت کم ہمت اور کم حوصلہ ہوتی ہے، وہ کہاں تک دکھوں کو جھیلے اور اپنے پریمی کو حاصل کرنے کے لئے بار بار ہر جنم میں بھگوان سے پرارتھنا کرے کہ اس کا پریمی اسے مل جائے۔

امر میں ہمت ہارتی جارہی ہوں مگر صرف تمہارا پریم، تمہاری چاہت اور تمہارا قرب مجھے ہر جنم میں باحوصلہ بنا دیتا ہے اور میں تمہیں پانے کے لئے تمہارا راستہ تکتے تکتے میری آنکھیں جیسے پتھرا گئی ہیں۔

امر چاہے مجھے سات جنموں تک جنم لینا پڑے تو بھی میں ہمت نہیں ہاروں گی۔ میں نے کمر باندھ لی ہے، کہ ہر صورت میں، میں تمہیں حاصل کرکے رہوں گی، بولو تم کیا کہتے ہو، کیا تمہارا دل میرے دکھوں اور چاہت کو دیکھ کر ذرا بھی نہیں پسیجتا، کیا تمہیں میری چاہت نہیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ میں تمہیں حاصل کرلوں، کیا تمہارے من میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں، کیا میں اس طرح جنم لیتی رہوں گی اور ہر جنم میں تمہارے ساتھ منڈپ کے چکروں کو پورا نہیں کرپاؤں گی؟"

"لاج ونتی، میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سب بھگوان کی اچھا سے ہورہا ہے، نہیں معلوم کہ بھگوان کیا چاہتا ہے، اور ابھی تک اپنے کسی جنم کا کوئی واقعہ بھی یاد نہیں آرہا ہے۔"

"امر تمہیں بیتے سمے کے واقعات ضرور یاد آئیں گے، میں تمہیں یاد کرا کے رہوں گی اور مجھے وشواس ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ضرور ہوجاؤں گی۔"

لاج ونتی کی آنکھوں سے آنسو اب رواں ہوچکے تھے، اس نے اپنے سیدھے ہاتھ کا رخ دیوار کی طرف کیا تو ہاتھ کی ہتھیلی سے چنگاریاں نکلیں اور دیوار کے پاس جاکر دیوار میں پیوست ہوگئیں، اور دیوار سفید روشنی میں نہا گئی۔

پھر عجیب وغریب منظر ابھرا، اس مرتبہ میں نے خود کو جوان پایا، میری شکل واضح تھی، میں فوجیوں کے لباس میں ملبوس تھا، پھر کسی دربار کا منظر ابھرا، اس بار میں ایک عالی شان کرسی پر بیٹھا تھا، دربار کسی بادشاہ کا تھا، اس دربار میں اوپر کی جانب زنان خانہ بنا تھا، جہاں کہ شہزادی اور اس کی خادمائیں موجود ہوتی ہیں۔ لاج ونتی اپنے منہ پر آدھا نقاب ڈالے بیٹھی میری طرف نظریں جمائے مسکرا رہی ہے۔ مہاراجہ میرا نام لے کر پکارتا ہے۔ میں اپنا نام سن کر اپنی جگہ کھڑا ہوجاتا ہوں۔

مہاراجہ کی آواز پھر سنائی دیتی ہے۔ "رنجیت تم میرے پتر ہو، تم راج کمار ہو، میں ہی کیا دربار میں جتنے بھی لوگ موجود ہیں سب کے سب تمہاری بہادری کے قائل ہیں۔ تم نے بڑے بڑے دشمنوں کو شکست سے دوچار کیا ہے۔ میں نے بہت وچار کیا اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کیوں نہ تمہیں سپہ سالار بنا دیا جائے۔

اور تمہارے اس عہدہ کے لئے سارے درباری متفق ہیں۔ سب کی رائے تمہارے حق میں ہے۔ لہٰذا آج سے تم سپہ سالار کی ذمہ داریوں کو سنبھالو اور ہر محاذ پر

دشمنوں کے دانت کھٹے کردو، جو بھی میلی آنکھ سے ہماری سلطنت کو دیکھنے کی ہمت کرے اس کی گردن اس کے دھڑ سے الگ کردو، مجھے بہت زیادہ امید ہے کہ تم اپنی ذمہ داریوں کو چاک و چوبند طریقے سے نبھاؤ گے، آج سے تم سینا پتی رنجیت ہو۔"

اور پھر مہاراجہ نے اپنے سامنے ایک میز پر پڑی ہوئی تلوار اٹھائی اور سینا پتی کو بلا کر اس کے ہاتھ میں تلوار پکڑا دی۔ پھر وہ بولا۔ "رنجیت یہ تلوار ہمارے پرکھوں کی ہے۔ اس کی عزت، وقار، دبدبہ اور حفاظت اب تمہاری ذمہ داری ہے۔ یہ تلوار ہمیشہ بلند رکھنا، یہ تلوار کسی صورت بھی کسی اور کے ہاتھ میں نہ جانے پائے، میرا آشیرواد تمہارے ساتھ ہے۔"

یہ سننا تھا کہ دربار میں موجود تمام لوگ اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوگئے اور "سینا پتی رنجیت..... سینا پتی رنجیت" کے نعرے لگائے گئے۔

پھر مہاراجہ نے ہاتھ اٹھا کر لوگوں کو نعرہ لگانے سے منع کیا اور بولا۔ "رنجیت اب تم جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔" یہ سنتے ہی میں پلٹا اور واپس آ کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

اوپر بالکونی میں بیٹھی لاج ونتی کی مسکراتی ہوئی نظریں میرے اوپر مرکوز تھیں۔ میں نے بھی جب بھرپور نظر سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنی گردن ہلکی سی خم کی اور مجھے بدھائی دی۔

تھوڑی دیر بعد مہاراجہ نے دربار برخواست کرنے کا اعلان کیا تو سب اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر چلے گئے، جاتے جاتے میری نظریں اچانک بالکونی کی طرف گئیں تو دیکھا کہ لاج ونتی ہاتھ کے اشارے کر رہی تھی۔ میں نے بھی ہاتھ اٹھا کر اپنے ماتھے پر پھیر لیا۔

مجھے سینا پتی کی ذمہ داری سنبھالے چند دن ہی گزرے تھے۔

وہ رات بہت اندھیری تھی۔ اماوس کی راتیں شروع ہو چکی تھیں، اچانک ہمارے مخبروں نے خبر دی کہ فلاں سلطنت کی فوجیں ہم پر حملہ کرنے والی ہیں اور کسی بھی رات میں ایسا ہو جائے گا۔

اس خبر کے ملتے ہی ہم نے زور و شور سے اپنی تیاری شروع کر دی۔ رات میں تمام سینا ؤں کو چوکس کر دیا جاتا تھا۔ یہ پکی خبر تھی کہ دشمن رات میں ہی حملہ کرے گا۔ مہاراج کا میرے لئے حکم تھا کہ اگر حملہ زبردست ہوا اور پھر بچاؤ کی کوئی تدبیر نظر نہیں آئی تو میں اپنی سینا ؤں کو لے کر اس جگہ سے نکل جاؤں اور پھر بعد میں دشمن پر چڑھائی کروں کیونکہ اکثر فتح کے بعد لوگ جشن مناتے ہیں اور ہونے والے حملہ کو بھول جاتے ہیں۔ اس تدبیر پر مجھے عمل کرنا تھا۔

اور پھر ایک رات دشمن نے ہم پر واقعی حملہ کر دیا۔ میرے لوگوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ہمارے قدم اکھڑ گئے اور ہم مہاراجہ کے حکم کے مطابق فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ پوری راج دھانی میں خون کی ندیاں بہا دی گئیں۔ لوگوں کو دشمنوں نے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ محل میں موجود سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ قتل ہونے والوں میں لاج ونتی بھی شامل تھی۔

میری دنیا اندھیر ہوگئی۔

لیکن میں نے دشمن سے بدلہ لینا تھا۔ اس حوصلے اور ہمت کی بدولت میں زندہ تھا۔ بھاگتے بھاگتے ہم ایک گھنے جنگل میں پہنچ گئے۔ جب ہم نے اطمینان کر لیا کہ ہم دشمن کی پہنچ سے کافی دور نکل آئے ہیں تو ہم نے جنگل میں پڑاؤ ڈال دیا۔

اس جنگل میں کئی دن بیت گئے۔ پھر سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ اس جنگل سے نکلنا موت کو دعوت دینا ہے۔ بلکہ اس جنگل میں رہتے ہوئے ہم اپنی طاقتیں بڑھا سکتے ہیں اور پھر کسی بھی رات اچانک حملہ کر کے دشمن کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔

جہاں پر ہمارا پڑاؤ تھا وہاں سے تھوڑی ہی دوری پر اپنی کٹیا میں ایک سادھو رہتا تھا۔ اس سادھو کے ساتھ اس کی ایک بہت ہی سندر پتری بھی تھی۔ سادھو نے کئی بکریاں پال رکھی تھیں۔ میں ہر روز بلاناغہ سادھو کی کٹیا میں جاتا اور تھوڑی دیر بیٹھ کر سادھو سے باتیں کرتا اور پھر

اٹھ کر چلا آتا۔ یہ روز کا معمول بن گیا تھا کہ سادھو کی پتری سادھو کے حکم پر بکری کا تازہ دودھ ایک مٹی کے پیالے میں ڈال کر دیتی اور میں بلا جھجک وہ دودھ پی لیتا۔

میں نے اپنی ساری کتھا سادھو کو سنا دی تھی۔ جسے سن کر سادھو بہت بے چین ہوا تھا۔ وہ سادھو بہت زیادہ گیانی تھا۔ جادو منتر میں اس کی پہنچ بہت اوپر تک تھی۔

روز روز کے آنے جانے سے سادھو کی پتری مجھ سے بہت زیادہ مانوس ہوگئی تھی۔ سادھو کا بھروسہ بھی مجھ پر زیادہ ہوگیا تھا۔ کبھی کبھی میں دوپہر کے وقت بھی چلا جاتا تھا اور پھر ہم دونوں بکریوں کو لے کر کٹیا سے دور جنگل میں نکل جاتے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ہم دونوں قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے تھے۔

ویسے بھی سادھو کی پتری اپنے باپ کے ساتھ جنگل میں رہتے رہتے جنگل کی زندگی سے اور وہ بھی بالکل اکیلی اکتا چکی تھی۔ چونکہ انسان معاشرتی کیڑا ہے لہٰذا ہر انسان جو کہ باشعور اور ہوش مند ہوتا ہے وہ انسان کے درمیان رہنا پسند کرتا ہے۔ جب میں کٹیا میں جاتا تو سادھو کی پتری مجھے دیکھتے ہی چہکنے لگتی تھی۔ اس کی خوشیاں کئی گنا بڑھ جاتی تھیں۔ اس میں جیسے بجلی بھر جاتی تھی۔

جب ہماری قربت زیادہ بڑھی تو سادھو کی پتری جس کا نام گنگا تھا اس نے برملا اظہار کر دیا۔ "بابو جی آپ مجھے اپنی دنیا میں لے چلیں، میں سارا جیون آپ کے چرن دھو دھو کر پیوں گی۔" ہر روز راز و نیاز کی باتیں ہونے لگیں۔ سادھو ہم دونوں پر بھروسہ کرتے ہوئے جنگل سے دور نکل جایا کرتا تھا۔ مانگنے تانگنے وسودا سلف لانے کے لئے۔

اور پھر ایک دن ہم دونوں نے جذبات کے رو میں بہہ کر وہ کچھ کر لیا جو کہ ہمیں نہیں کرنا چاہئے تھا۔ جب مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ سادھو سامنے کھڑا تھا، اس کی غضب برساتی سرخ آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ اس کے ہاتھ میں ترشول تھا۔ اس نے غضبناک حالت میں ترشول کا رخ اپنی پتری کی طرف کر دیا تو ترشول کی نوک سے چنگاریاں نکل کر گنگا کے جسم میں گھسنے لگیں۔

گنگا کی چیخیں پورے جنگل کو دہلانے لگیں۔ اور پھر چند منٹ میں ہی اس کے پورے وجود میں شعلے بھڑکنے لگے۔ میں اپنی جگہ ساکت کھڑا تمام حالات کو آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ مگر مجھ میں اتنی سکت نہیں بچی تھی کہ میں سادھو کو روک سکوں یا گنگا کے جسم پر بھڑکتے شعلوں کو بجھا دوں۔ چند منٹ نہ لگے اور گنگا اپنی جگہ جل کر راکھ میں تبدیل ہوگئی۔

اچانک سادھو کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ "پاپی! اب میری نظروں سے دور ہو جا، میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور تو نے میرے بھروسے پر پانی پھیر دیا۔ میرا شراپ ہے کہ تو کبھی بھی سکھی نہیں رہے گا۔ اور یہی نہیں بلکہ ہر پورن ماشی کی رات میں ایک بچہ میرے پاس لائے گا اور اس بچے کی بلی میں دوں گا، اور یہ بھی کان کھول کر سن لے کہ تو وقتاً فوقتاً اپنے خاندان سے بھی بچہ میرے پاس لائے گا۔ اور تو اپنا پہلا سنتان (بچہ) بھی میرے پاس لائے گا اور میں تیرے سامنے تیرے سنتان کی بلی دوں گا۔

تو کئی جنموں سے جنم لے رہا ہے اور ہر جنم میں تو ایک ناری سے بچھڑ جاتا ہے، وہ ناری تیرے پریم میں بار بار جنم لے رہی ہے۔ تیرے پریم میں وہ بھٹکتی رہتی ہے تم دونوں کا وواہ نہیں ہوتا، تم دونوں اکیلے موت کا شکار ہو جاتے ہو، مگر اب تو وواہ کرے گا کسی اور ناری سے، اب تیرا اس جنم جنم والی ناری کی آتما سے چھٹکارا مل جائے گا، مگر مجھ سے تیرا چھٹکارا پانا ناممکن ہے، تو مرنا بھی چاہے تو مر نہیں سکے گا۔" اور پھر اس سادھو نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میری گردن پکڑ لی۔ اس کے ہاتھ کے لمبے ناخن میری گردن میں پیوست ہوگئے اور میں درد سے بلبلا کر چیخ پڑا اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔

اب میں ہوش و حواس میں تھا، اندھیری جگہ، ہر طرف ہو کا عالم، میں آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھنے لگا مگر لاکھ کوشش کے باوجود بھی مجھے کچھ بھی نظر نہیں آ کے دے رہا تھا، خیر میں مایوس ہو کر نیچے ٹٹولا تو

پاؤں کے پاس مجھے ایک بڑا سا پتھر محسوس ہوا۔ لہٰذا مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میں اس پتھر پر بیٹھ گیا۔ کوئی ایک گھنٹہ تک میں اس پتھر پر بیٹھا رہا۔ بہرحال اتنا ضرور ہوا تھا کہ میری آنکھیں اندھیرے سے مانوس ہوگئی تھیں۔

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ایک کھنڈر تھا۔ ہر طرف پتھر ہی پتھر بکھرے پڑے تھے، جب میرے حواس کچھ زیادہ بحال ہوئے تو میں نے سوچا۔ ''اب کسی طرح اس کھنڈر سے نکلنا چاہئے۔''

پھر اچانک میری گردن پر چبھن کا احساس ہوا اور پھر آہستہ آہستہ درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ میں نے جب گردن پر اپنی انگلیاں پھیریں تو انگلیوں پر عجیب سی چپچپاہٹ محسوس ہوئی۔ اور ساتھ ہی محسوس ہوا کہ ''میری گردن پر چند زخم بھی ہیں اور شاید ان زخموں سے خون رس رہا تھا۔''

اب میرا اس کھنڈر میں بیٹھے رہنا دوبھر لگ رہا تھا، میں نے پکا ارادہ کرلیا کہ اب مجھے اس کھنڈر سے نکلنا چاہئے۔ لہٰذا اس خیال کے آتے ہی میں اٹھ کھڑا ہوا، سامنے کی طرف آسمان کی ہلکی ہلکی روشنی نظر آرہی تھی، میں نے باہر جانے کی سمت کا اندازہ کرتے ہی باہر کی جانب اپنے قدم بڑھادیئے۔

لیکن پھر اچانک ایک بڑے الو کی کریہہ چیخ سنائی دی، وہ الو چیختے ہوئے میرے سر پر سے گزر گیا تھا، الو کی چیخ کے ساتھ ہی میری بھی فلک شگاف چیخ نے پورے کھنڈرات کو دہلا کر رکھ دیا۔ میں سہم کر تھر تھر کانپنے لگا، میری ٹانگیں کپکپانے لگیں، مجھ سے کھڑا رہنا مشکل ہورہا تھا، میں دھپ سے اس جگہ بیٹھ گیا جہاں کہ کھڑا تھا۔

چونکہ انسان اندھیرے میں دیکھنے کا عادی نہیں ہوتا مگر انسان کے علاوہ کئی جانور یا پرندے ایسے ہیں کہ جو واضح طور پر اندھیرے میں دیکھتے ہیں۔

وہ الو دوبارہ چیختا ہوا میری طرف آیا اور میرے سر پر سے ایک طرف کو گزر گیا۔ اب تو میری حالت ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں۔ میرا اب اس کھنڈر میں بیٹھنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا اور باہر نکلنا بھی مشکل نظر آرہا تھا۔ میں شش و پنج میں مبتلا سوچنے لگا کہ ''اب میں کروں تو کیا کروں؟''

اچانک میرے دماغ میں آیا کہ اذیت کی گھڑی میں بھگوان کو یاد کیا جاتا ہے اور پھر میں پوری طاقت سے چیخ پڑا۔ ''بھگوان میری رکھشا کر، لکشمی دیوی میری سہائتا کر، کالی ماتا میری مدد کر۔'' یہ الفاظ میں نے کئی مرتبہ دہرائے، اور پھر میں نے اپنے جسم کی توانائی کو یکجا کرکے ایک مرتبہ پھر میں اپنی جگہ پر کھڑا ہوگیا۔ اور جس طرف کو میرا منہ تھا، اس طرف کو میں اپنے قدم آہستہ آہستہ بڑھانے لگا۔ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرے کا راج تھا، کوئی بھی چیز بجھائی نہیں دیتی تھی، بہرحال ٹھوکریں کھاتے اور گرتے پڑتے میں کھنڈرات سے باہر نکل آیا۔

کھنڈر سے باہر نکلتے ہی میں لمبے لمبے سانس لینے لگا، کیونکہ کھنڈر سے باہر فریش ہوا چل رہی تھی، میرے دم میں دم آیا اور پھر میں نے اپنا منہ اوپر آسمان کی طرف کرکے بولا۔ ''بھگوان بہت بہت دھنے واد کہ مجھے کھنڈر سے باہر نکالا۔'' اور پھر سے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ اندر کھنڈر میں بہت زیادہ گھٹن تھی، کیونکہ کھنڈر کے اندر فریش ہوا کا گزر نہ ہونے کے برابر تھا۔

چند منٹ تک میں نے لمبے لمبے سانس لینے کے بعد بغور چاروں طرف کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اب مجھے ہلکا ہلکا نظر آنے لگا تھا، میں نے دیکھا کہ میں جہاں کھڑا ہوں وہ بہت ہی ٹوٹی پھوٹی اور خستہ حال سڑک ہے جو کہ کافی دور سے کھنڈر کے پاس آئی تھی، اس کا مطلب یہ تھا کہ ماضی میں یہ کھنڈرات نہیں بلکہ یہ کوئی عالیشان محل ہوگا یا پھر بہت زبردست حویلی ہوگی تو یہاں تک یقیناً سڑک بھی آتی ہوگی۔

بہرحال میں لڑکھڑاتے قدموں سے جس طرف سڑک کا رخ تھا اس طرف چلنا شروع کردیا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ میں اس کا اندازہ نہ کرسکتا تھا۔ بس میرے دل میں یہ خیال بار بار آرہا تھا کہ میں جلد از جلد کسی محفوظ جگہ پر پہنچ جاؤں اور اسی خیال کے تحت میں اپنی طاقت اور جسمانی توانائی

سے بڑھ کر آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ کئی مرتبہ جب میں چلتے چلتے تھک جاتا تو چند منٹ کے لئے سڑک پر ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاتا۔ اور تھوڑی دیر ستانے کے بعد پھر بھگوان کا نام لے کر اٹھ کھڑا ہوتا اور اپنے قدم آگے ہی آگے بڑھانے لگتا۔

چلتے چلتے جب ہمت جواب دے گئی تو میں تھک کر سڑک کے کنارے نڈھال ہوکر بیٹھ گیا۔ اور اپنی گردن کافی حد تک نیچے کو جھکالی۔ کافی دیر کے بعد جب میں نے اپنی گردن اٹھا کر آنکھیں کھولیں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ اب صبح کا سپیدہ آہستہ آہستہ سر ابھار رہا تھا۔

اور پھر چند منٹ بعد ہی پرندے چہچہاتے ہوئے اڑتے پھرتے نظر آنے لگے لیکن دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہ تھا۔ میں پھر ہمت کرکے اٹھ کھڑا ہوا اور جدھر سے سڑک آرہی تھی اسی سمت کو چل پڑا۔ اب پیاس کی وجہ سے میرے گلے میں کانٹے سے پڑنے لگے تھے۔ گلا خشک ہورہا تھا اور میں اپنی زبان بار بار ہونٹوں پر پھیرنے لگا تھا۔

ان تمام حالات کے باوجود میں آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ کافی دور جانے کے بعد اچانک سڑک کے کنارے تھوڑی دوری پر ایک گڑھے میں جمع پانی نظر آیا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میرے قدم تیز تیز آگے بڑھنے لگے۔

میں کافی تیز چلتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں کہ گڑھے میں پانی موجود تھا۔ میں نے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ پانی کب سے اس گڑھے میں موجود ہے، پینے کے قابل ہے بھی کہ نہیں۔ میں فوراً سڑک سے نشیب میں اترا اور گڑھے کے کنارے اکڑوبیٹھ کر چلو بھر بھر کر پانی پینے لگا۔ میں نے اتنا پانی پیا کہ میرا پیٹ بھر گیا۔ میں نے بھگوان کا شکریہ ادا کیا اور پھر گڑھے کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اب کافی حد تک امید بندھ چکی تھی کہ آگے کوئی نہ کوئی آبادی نظر آجائے گی۔ یا پھر سڑک پر آتے جاتے لوگ تو مل ہی جائیں گے۔ یہ سوچ کر میرے قدموں میں تیزی آگئی تھی۔

موسم گلابی تھا نہ زیادہ سردی اور نہ زیادہ گرمی۔ سورج اب آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھ رہا تھا۔

کافی دور چلنے کے بعد میں نے دیکھا۔ تاحد نظر تک سرسبز وشاداب جنگلات پھیلتے چلے گئے تھے اور ارد گرد سبز پوش پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ چند بے حد دور اور چند بے حد قریب جگہ جگہ ٹیکریاں تھیں جن پر مقامی لوگوں کی جھونپڑیاں بہت ہی بھلی معلوم دیتی تھیں۔

بہرحال میں آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ آدھی ڈھلان کی چوٹی پر دور تک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی سڑک دکھائی دیتی۔ سڑک کچی اور ناہموار تھی جس پر جگہ جگہ پتھر ابھرے پڑے تھے، کبھی کبھی کوئی گاڑی تیزی سے ان ڈھلانوں سے نیچے کی جانب اترتی ہوئی نظر آتی، لیکن کوچوان اپنی گاڑی پر بیٹھے اپنے گھوڑوں کو کافی تیز رفتاری سے بھگاتے ہوئے ڈھلوان سے اترتے اور تیزی سے نظروں سے اوجھل ہوجاتے۔ اب سڑک کے دائیں بائیں سربفلک درخت کھڑے تھے، یہ نشیبی جنگلات کا حصہ تھا۔ سرسبز پہاڑیاں دور تک چلی گئی تھیں اور دور جاتے ہوئے پہاڑوں سے مل گئی تھیں، ان اونچے اونچے پہاڑوں پر دور سے جمی ہوئی برف بھی صاف اور واضح نظر آرہی تھی۔ ان سبز پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے بہت سے چشمے ننھے ننھے آبشاروں کی صورت میں نیچے کو گر رہے تھے، سورج کی کرنیں آبشاروں کے پانی کو سیال سونے میں تبدیل کررہی تھیں۔

اچانک ایک مسافر میرے سامنے آگیا اور مجھے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ''وہ دیکھو سامنے پہاڑ کو۔''

سڑک سنسان تھی مگر اب اکا دکا مسافر نظر آنے لگا۔ وہ بھی بہت تیزی میں ہوتا۔ اس کی تیزی کو دیکھتے ہوئے میری ہمت جواب دے جاتی کہ یہ تو خود بہت تیز بھاگا جارہا ہے۔ میری بپتا اور مصیبت پر بالکل بھی کان نہیں دھرے گا۔

جب میں اور آگے بڑھا تو یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ سڑک کے دونوں طرف تھوڑے فاصلے پر ترشول گڑے پڑے تھے۔

میں کافی حیران پریشان ان ترشولوں کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا تھا کہ اس قدر بے شمار فاصلے پر ترشول کیوں سڑک کے کنارے زمین پر گاڑے گئے ہیں۔ میرے ذہن میں آیا کہ ترشول تو بہت زیادہ پوتر ہوتے ہیں اور ہر سنیاسی، سادھو اور سنسار تیاگنے والے کے ہاتھ میں ترشول چاہے چھوٹا ہو یا بڑا موجود ضرور ہوتا ہے۔

اب کوئی بھی شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ میں کوئی دو گھنٹے تک ان ترشولوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا کہ اچانک مجھے ایک مندر کا گنبد نظر آیا۔ تو میری جان میں جان آئی۔

اور میں زیادہ تیز تیز چلتا ہوا مندر کے اور بڑھنے لگا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ بعد میں مندر کے سامنے پہنچ گیا۔ مندر کے باہر کئی لوگ موجود تھے۔ شاید وہ سب مندر میں دیوی کے چرنوں میں چڑھاوا چڑھانے آئے تھے، میں نے ان لوگوں پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور پھر مجھے زبردست چکر آیا، میں تیورا کر نیچے زمین پر گر گیا اور میری آنکھوں میں تاریکی چھاتی چلی گئی۔

کچھ بھی ہوش نہ رہا تھا اور جب مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو ایک کمرے میں پایا۔ میں ایک دری پر لیٹا پڑا تھا۔ میں کسمسا کر اٹھ بیٹھا اور گردوپیش کا جائزہ لینے لگا۔ مجھ میں اب اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو سکوں۔

میں کافی دیر تک اسی حالت میں دری پر بیٹھا رہا۔ اس کمرے میں سوائے اس دری کے کوئی اور چیز بھی نہیں تھی یہاں تک کہ پانی کا گھڑا بھی نہیں تھا۔ اگر گھڑا ہوتا تو میں گھسٹتا ہوا ایک گلاس پانی پی لیتا۔

میرے دماغ میں سوچوں کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ میں کبھی اپنا سر نیچے جھکا لیتا اور کبھی سر اوپر کو اٹھا کر چھت کو گھورنے لگتا۔ تقریباً کوئی ایک گھنٹہ بعد ایک شخص اندر آیا، اس نے سفید دھوتی باندھ رکھی تھی، اوپری دھڑ اس کا ننگا تھا اور گلے میں ایک جنیو ڈال رکھا تھا۔

"بالک تم اٹھ گئے! یہ دیوی کی کرپا ہے کہ تم مندر کے سامنے گر کر بے ہوش ہو گئے تھے، دیوی ماتا بڑی دیالو ہے، اپنے سیوکوں کا بہت خیال رکھتی ہے، تم بہت دکھی اور کشٹ میں مبتلا لگتے ہو۔ خیر اب تم چنتا نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ پنڈت نما شخص بولا۔

یہ تو مجھے پکا یقین ہو گیا تھا کہ وہ مندر کا پنڈت نہیں تھا کیونکہ اکثر مندر کے پنڈت بڑے گھمنڈی اور گردن اکڑو ہوتے ہیں۔

بولنے کی مجھ میں طاقت نہیں تھی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بتایا کہ "میں پانی پینا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی کچھ کھانا بھی چاہتا ہوں کیونکہ میں بہت بھوکا ہوں۔"

میرے ہاتھ کے اشارے کو دیکھ کر وہ فوراً اٹھا اور اپنے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "ٹھہرو، میں ترنت کچھ نہ کچھ لے کر آتا ہوں۔"

چند منٹ بعد ہی وہ واپس آ گیا، اس کے ہاتھ میں پیتل کی ایک تھالی تھی۔ اس نے وہ تھالی میرے سامنے رکھ دی، تو میں نے دیکھا کہ اس تھالی میں کئی پوریاں اور آلو کی بھجیا تھی۔ وہ بولا۔

"بالک تم کھانا شروع کرو، میں پانی بھی لے کر آتا ہوں۔" اور وہ واپس چلا گیا۔ پھر وہ بہت جلد آیا اس کے ہاتھ میں ایک بہت ہی چھوٹا سا مٹی کا گھڑا اور ایک مٹی کا ہی پیالہ تھا، اس نے گھڑا اور پیالہ دیوار کے پاس رکھا اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔ "بالک آرام سے کھاؤ، میں کشن کو بول آیا ہوں، وہ اور بھی پوریاں لے کر آتا ہی ہوگا۔"

ابھی میں نے ساری پوریاں کھائی بھی نہ تھیں کہ ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا، اس کے ہاتھ میں بھی پیتل کی تھالی تھی اور تھالی میں گرم گرم پوریاں اور گرم بھجیا تھی، اس نوجوان نے تھالی میرے سامنے رکھ دی اور اس پنڈت نما شخص کی طرف دیکھا تو اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا کہ "اب تو واپس چلا جا۔" وہ نوجوان ترنت واپس چلا گیا۔

میرے پاس جو بیٹھا تھا۔ مجھے کھاتا ہوا بغور دیکھتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں، میں ساری پوریاں بھجیا

کے ساتھ کھا گیا۔ اور پھر گھڑے میں سے ایک کٹورہ پانی پیا۔ سچ کہتے ہیں کہ پیٹ میں روٹی جاتے ہی انسان میں اندرونی طور پر توانائی بھرنے لگتی ہے۔

پنڈت بولا۔ "بالک واقعی تم بہت بھوکے تھے، خیر گھبراؤ نہیں، اس مندر میں تمہارے ساتھ بیتے ہوئے سارے کشٹ ختم ہو جائیں، دیوی ماتا اپنے سیوکوں کا بہت خیال رکھتی ہے۔ اب تم آرام کرو اور ویسے بھی کافی بھوک کے بعد جب منش کے پیٹ میں کھانا پڑتا ہے تو منش کو نیند آنے لگتی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری آنکھوں میں نیند بھر رہی ہے اور تم پر غنودگی چھا رہی ہے۔ اب میں چلتا ہوں، کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دینا، میں آ جاؤں گا، میرا نام رام لال ہے۔" اور یہ بول کر پنڈت نے برتن اٹھائے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

بھوک کی وجہ سے میں نے کچھ زیادہ ہی کھا لیا تھا۔ بھوک میں ہر چیز سواد والی لگتی ہے۔ میں فوراً دری پر لیٹ گیا اور اپنے گھر کو یاد کرنے لگا۔ کہاں میں لاڈ پیار میں پلا، اپنی پسند کا کھانے والا، نرم بستر پر سونے والا، کبھی کبھار کہیں اور جگہ اگر بستر سخت ہوتا تو آنکھوں سے نیند غائب ہو جاتی۔

میرے دماغ میں آیا۔ "بھگوان میں کون سی ایسی غلطی کر بیٹھا کہ میں ان حالات سے دوچار ہوا، پھر نہ جانے اور کتنے دن اور اذیت ناک حالات کو بھگتنا پڑے گا۔ میرے گھر والے مجھے نہ پا کر کس تکلیف دہ حالات سے گزر رہے ہوں گے۔ میں کیسے اور کیوں کر اچانک اس جادو نگری میں پھنس گیا تھا۔

اور میں اچانک کس طرح اس محل میں پہنچا اور پھر وجنتی کا ملنا اور اس کے بعد کئی جنموں کے حالات کو سامنے لا کر مجھے دکھانا اور پھر اس جنگل میں پہنچنا اس کے بعد اس ناری کے پتا سادھو کا غضب ناک ہونا اور شراپ کے ساتھ یہ کہنا کہ ہر پورن ماشی کی رات میں ایک منش کی بلی....." یہ تمام باتیں ایسی تھیں جو کہ میری سمجھ سے باہر تھیں۔

خیر تھکن اور بھوک کی وجہ سے میں بے حال تھا، بھوک مٹ گئی مگر ابھی تک میں تھکن سے چور چور تھا۔ پھر میرے دماغ میں تاریکی چھاتی چلی گئی اور میں نیند سے دوچار ہو گیا۔

اماوس کی راتوں کا اندھیرا پورے علاقہ پر چھا چکا تھا۔ اردگرد کی کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی، بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ میں بے یار و مددگار ایک طرف کو چلا جا رہا تھا۔ میں کہاں جا رہا تھا۔ یہ معلوم نہ تھا بس میں آگے ہی آگے چلتا جا رہا تھا۔ اچانک مجھے ایک جگہ ٹھوکر لگی اور میں منہ کے بل نیچے گر گیا۔ چوٹ کی درد سے میں بلبلا اٹھا، ابھی میں سنبھلنے اور اٹھنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک عجیب کان پھاڑ دینے والی کرخت آواز سنائی دی۔ "اوئے بھاگ..... اٹھ جلدی کر..... اوئے دیر نہ کر..... یہ راکھشس تیرا خون پی لے گا..... جلدی اٹھ کر بھاگ۔"

اور پھر اس کے ساتھ کسی جانور کی زبردست غراہٹ سنائی دی۔ غراہٹ اتنی زبردست تھی کہ مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی، میں اندر سے سہم گیا مگر جان بچانی تھی اس راکھشس سے، میں جلدی سے اٹھا اور سامنے کی سمت بھاگنے لگا، پھر مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ واقعی کوئی عجیب الخلقت جانور تھا اور وہ بھی مجھے پکڑنے کے لئے میرے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

میرے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور میں اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔ وہ کوئی راستہ نہیں تھا جس پر میں بھاگ رہا تھا جبکہ میرے اندازے کے مطابق وہ کوئی چٹیل میدان تھا، میں آگے اور وہ جانور میرے پیچھے، بھاگتے بھاگتے میری ٹانگیں جواب دینے لگی تھیں، میرا برا حال تھا، میرا سانس اپنی رفتار سے کئی گنا زیادہ چل رہا تھا۔ میں اس قدر تیزی سے سانس لینے لگا تھا کہ اگر کوئی اور بھی میرے ساتھ دو تین فٹ کے فاصلے پر دوڑ رہا ہوتا تو اسے واضح طور پر دھونکنی کی طرح چلتے میرے سانسوں کی آواز سنائی دیتی۔

صرف اور صرف میرے دماغ میں ایک بات تھی کہ میرے پیچھے ایک راکھشس لگا ہوا ہے اور یہ میرا

خون پی جائے گا۔ ہر انسان کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے اور اپنی جان سے بڑھ کر شاید ہی کوئی ایسی چیز ہو جو انسان کو پیاری ہو۔ بھاگتے بھاگتے مجھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا، بس صرف پیچھے لگے اس ہیبت ناک راکھش کی غراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔

شروع میں تو میری آنکھیں کھلی تھیں مگر اب تو میری آنکھیں خود بخود بند ہوچکی تھیں اور میں سرپٹ بھاگ رہا تھا، شاید میں کئی میل بھاگ چکا تھا۔

پھر اچانک میں نے محسوس کیا کہ اب میرے قدم زمین چھوڑ چکے ہیں اور میں جیسے آسمان سے نیچے زمین پر گر رہا ہوں۔ میں نیچے ہی نیچے اتھاہ گہرائی میں گرتا جارہا تھا۔ میرا سر اوپر اور ٹانگیں نیچے کی طرف تھیں۔ میں گرتا رہا، مجھے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ میں کتنی گہرائی میں نیچے گر رہا ہوں۔

اور پھر میں اچانک چاروں شانے چت نرم مٹی پر دھپ سے گر پڑا۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا، میری آنکھیں تو بند تھیں اور بند آنکھوں میں مزید اندھیرا چھا گیا، درد کی ایک کربناک ٹیس اٹھی اور میرے پورے بدن میں سرایت کرگئی۔ میرا سانس سینے میں اٹکنے لگا۔ بڑی مشکل سے میں سانس لینے لگا تھا کہ یک لخت دل دہلانے اور کان پھاڑنے والی پھنکاریں سنائی دیں تو میں دہل اٹھا اور پٹپٹا کر آنکھیں کھول دیں۔

اوہ! بھگوان! میری اوپر کی سانسیں اوپر اور نیچے کی سانسیں نیچے سینے میں اٹک گئیں۔ اور جیسے مجھ پر اچانک سحر پھونک دیا گیا ہو کہ میری آنکھیں پتھرا کر رہ گئیں اور جسم جیسے سن ہو کر رہ گیا۔ منظر ہی ایسا دلخراش اور ناقابل فراموش اور ناقابل یقین تھا، اگر میری جگہ کوئی پہلوان یا پھر بڑے سے بڑے دل گردہ والا اور موت کو سامنے دیکھ کر نہ گھبرانے والا بلکہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر موت کو بھی لرزا دینے والا ہوتا تو وہ بھی کپکپا کر رہ جاتا کیونکہ میرے سامنے ہزاروں کی تعداد میں کالے اور سرخ رنگ کے زہریلے سانپ پھن کاڑھے اور پھنکارتے ہوئے میری طرف قہر برساتی آنکھوں سے گھور رہے تھے۔ کئی تو ایسے تھے کہ جن کے منہ سے شعلے تک نکل رہے تھے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی ان سانپوں میں ایک زبردست ناقابل بیان حد تک ہلچل مچ گئی تھی۔

وہ ایک بہت ہی چوڑا گڑھا تھا جس میں، میں گرا تھا، میں ایک دو فٹ اونچے چبوترے پر گرا تھا اور سارے سانپ اس چبوترے کے چاروں طرف پھنکار رہے تھے۔ وہ سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑنا چاہتے تھے ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنا سارا زہر مجھ میں بھر دیں، ان کی بے چینی مزید بڑھتی جارہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں قہر بھر گیا تھا اور میں چبوترے کے بیچوں بیچ سہما ہوا بیٹھا تھا۔ اچانک ایک سانپ اپنی جگہ سے اچھلا اور تیر کی مانند تیزی سے آکر میری گردن سے لپٹ گیا اور زبردست طریقے سے میرے ماتھے پر اپنا ڈنک مار دیا۔ درد کی ناقابل فراموش ٹیس اٹھی۔

"بچاؤ..... بچاؤ..... بچاؤ" میری فلک شگاف چیخیں قرب وجوار کو دہلانے لگیں۔

مجھے زبردست طریقے سے جھنجھوڑا جارہا تھا کہ پھر اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں مدھم روشنی موجود تھی۔ کئی لوگ میرے گرد جمع تھے۔ میں تھر تھر کانپ رہا تھا۔ پسینے میں میرے سارے کپڑے شرابور تھے۔ میری کپکپی ایسی تھی کہ جیسے پورے جسم پر لرزا طاری ہوگیا ہو۔ پھر مجھے کچھ زیادہ ہی طاقت سے جھنجھوڑا گیا۔

اور پھر میں شانت ہو کر وہاں پر موجود لوگوں کو ٹکر ٹکر دیکھنے لگا۔ "لگتا ہے بالک نے کوئی بھیانک سپنا دیکھ لیا ہے۔" یہ پنڈت کی آواز تھی۔ رام لال تم تھوڑا سے اس کے پاس بیٹھے رہو، میں اپنے کمرے میں جارہا ہوں۔"

پھر رام لال کی آواز سنائی دی۔ "تم لوگ اب جاؤ، میں اس کے پاس بیٹھا ہوں۔" رام لال کی آواز سنتے ہی وہاں پر موجود سب کے سب چلے گئے، پھر رام لال نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ایک ہاتھ سے پانی کا کٹورا میرے منہ سے لگا دیا۔

کٹورا منہ سے لگتے ہی میں غٹا غٹ کٹورے کا سارا پانی پی گیا۔ مجھ پر ابھی بھی ہلکی کپکپی طاری تھی۔

میرے منہ سے نکلا۔ "پنڈت جی۔"..... اور مجھے ایسا لگا جیسے کہ کسی نے میرا منہ بند کردیا ہو کہ میں منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکوں۔

رام لال نے پانی کا ایک اور کٹورا میرے ہاتھ میں تھما دیا اور پھر میں کٹورے کا سارا پانی پی گیا۔ پانی پینے کے بعد میری طبیعت تھوڑی سنبھلی اور میں نے رام لال کو غور سے دیکھا۔ کمرے میں موجود، دیا اپنی روشنی پورے کمرے میں پھیلانے میں ناکام ہو رہا تھا۔

"بالک تم نے ایسا کون سا بھیانک اور ڈراؤنا سپنا دیکھا کہ تمہاری چیخیں مندر کے اردگرد کو دہلانے لگیں اتنی زوردار چیخیں تھیں۔ بچاؤ..... بچاؤ کہ اپنے کمرے میں سوئے ہوئے سارے لوگ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور دوڑتے ہوئے اس کمرے میں آگئے۔

یہی نہیں بلکہ بڑے پنڈت مہاراج بھی بھاگے بھاگے یہاں آگئے۔ تمہاری حالت پانی سے باہر تڑپتی مچھلی سے بھی بدتر تھی۔ پہلے تو ہم نے سمجھا کہ شاید یہ تم پر مرگی کا دورہ تو نہیں پڑ گیا، مگر پنڈت مہاراج نے کہا کہ "ایسا کچھ نہیں، یہ مرگی کا دورہ نہیں بلکہ بالک کوئی بہت خوفناک اور ڈراؤنا سپنا دیکھ کر حال سے بے حال ہوگیا ہے۔"

"بالک ابھی تک تم نے اپنا نام نہیں بتایا بلکہ ہم نے تم سے تمہارا نام پوچھا ہی نہیں۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"پنڈت جی میرا نام پرتاب سنگھ ہے۔"

"اچھا تو تم ٹھاکر برادری سے تعلق رکھتے ہو، تم گھبراؤ نہیں، پنڈت مہاراج بہت گیانی ہیں، وہ بول رہے تھے کہ بالک کا نام معلوم ہوجائے تو میں اپنے گیان سے معلوم کرتا ہوں کہ اصل میں اس کے حالات اسے کس دھارے پر لے کر جارہے ہیں۔"

اب تم آرام سے سو جاؤ، کل پوجا سے میں تمہیں لینے آؤں گا، تیار رہنا، صبح ہوتے ہی تمہیں جل پانی مل جائے گا، میں نے تمہارے لئے کپڑے کا ایک جوڑا بھی وہ دیکھو سامنے رکھ دیا ہے، رامو کاکا تمہارے پاس آجائیں گے اور باقی باتیں وہ تمہیں سمجھا دیں گے، اب میں چلتا ہوں، کسی قسم کی چنتا نہ کرو، لوگ کہتے ہیں کہ اگر منش اپنی بھوک سے زیادہ کھالے تو اس صورت میں بھی سپنے نظر آتے ہیں، خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں، بھور سمے میری تم سے ملاقات ہوگی۔" اور پھر رام لال میرے پاس سے اٹھ کر چلا گیا، اور میں دری پر لیٹ کر حال اور ماضی کے تانے بانے ملانے لگا۔ اب نیند تو میری آنکھوں سے کوسوں بلکہ ہزاروں میل دور جاچکی تھی۔

میں لیٹ کر کروٹ پر کروٹ بدلتا رہا اور پھر اسی طرح صبح کی سپیدی ہر طرف پھیلنے لگی۔ میں اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک بوڑھا آدمی میرے کمرے میں آیا اور بولا۔ "رام لال جی نے بتایا ہے کہ تمہارا نام پرتاب ہے اور میرا نام رامو ہے۔ رام لال جی نے کہا ہے کہ میں تمہیں ضرورت کی ساری جگہیں دکھلا دوں، اور پھر تم ضرورت سے فارغ ہو کر اشنان بھی کرلینا۔ چلو اٹھو، میرے ساتھ آؤ۔" رامو نے کہا۔

"جی رامو کاکا، چلیں۔" میں نے کہا اور اٹھ کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ انہوں نے ساری جگہیں مجھ کو دکھلا دیں۔ تھوڑی دیر میں، میں اشنان سے بھی فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آگیا، پھر رامو کاکا ایک تھالی میں گرم گرم پوریاں اور مکس بھجیا لے کر آگئے۔

میں نے ناشتہ کیا اور پھر ناشتہ کے بعد رامو کاکا مجھے لے کر اس احاطہ میں بنے مندر میں لے گئے۔ میں نے جھک کر دیوی ماتا کو پرنام کیا۔ مندر میں اس وقت بہت سارے لوگ موجود تھے۔ پنڈت مہاراج اپنے کام میں مصروف تھے، لوگوں کا چڑھاوا لیتے اور دیوی ماتا کے چرنوں میں رکھ دیتے اور نقدی ایک بڑے بکس میں ڈال دیتے۔ ایک طرف رام لال موجود تھے انہوں نے اشارہ کیا تو میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔

اگربتی کی خوشبو پورے مندر کو مہکا رہی تھی۔ پھر بھجن گانے کا سے شروع ہوا، چار کنواری ناریاں بھجن گانے لگیں۔ میں نے ان ناریوں کو غور سے دیکھا۔ سب کی سب بہت صحت مند تھیں، ان کے نین نقش قابل تعریف تھے، سب کا لباس ایک جیسا تھا، گھاگھرا اور کسی ہوئی چولی میں وہ بہت ہی زیادہ جاذب اور دلکش نظر آرہی

تھیں۔ ان سب کا کسا کسا اور گدرایا ہوا جسم، دل و دماغ کو مسوس رہا تھا۔ یہ سب وہ ناریاں تھیں جو کہ دیوی ماں کی سیوا کے لئے مندر کو وقف تھیں، ان کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا سب کچھ ہر سے مندر میں ہی ہوتا تھا۔

دن کے دس بجے تک لوگوں کا مندر میں آنا جانا لگا رہا، دیوی ماں کے چرنوں میں چڑھاوے چڑھائے جاتے رہے، وہ چاروں ناریاں لہک لہک کر سارے کام کر رہی تھیں، تھوڑی تھوڑی دیر بعد دیوی کے چرنوں میں موجود چڑھاوے اٹھا کر اندر کہیں لے بھی جاتی رہیں۔ اچانک ان چاروں میں سے سامان اٹھاتے ہوئے ایک کے ہاتھ سے پیتل کی تھالی پھسل کر گر پڑی تو فوراً پنڈت مہاراج نے غضبناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا مگر فوراً اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے نرم لہجہ میں کہا۔ ”کامنی سنبھل کر دیکھ بھال کر۔“ میں نے محسوس کیا کہ پنڈت کا لہجہ اچانک یوں نرم پڑا تھا کہ ”اس وقت کئی لوگ مندر میں موجود تھے اور ان لوگوں میں گاؤں کے کھیا ٹھا کر صاحب بھی موجود تھے۔“

اور بڑے پنڈت کو لوگوں اور ٹھاکر کے سامنے یہ تو دکھانا مقصود تھا کہ مندر کے پنڈتوں کی زبان بہت نرم ہوتی ہے اور لوگوں کے لئے ان کے دل میں بہت نرم گوشہ ہوتا ہے۔

کامنی کے ہاتھ سے دراصل تھالی یوں پھسلی تھی کہ اس وقت اس نے اپنی نظریں اور دھیان مجھ پر مرکوز کر دی تھیں۔ لیکن یہ سب اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ کوئی اور اس بات کو سمجھ نہ سکا تھا۔

خیر ساڑھے دس بجے تک لوگوں کا مندر میں آنا بند ہو گیا۔ پنڈت مہاراج نے میرے ماتھے پر صندل کا تلک لگایا اور پرشاد دیا اور پھر کہا۔ ”پرتاب اب تم اپنے کمرے میں جاؤ، میں دوپہر میں تمہارے پاس آؤں گا۔ اور تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“

مہاراج کی بات سن کر میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کمرے میں آ گیا۔ جب میں اپنے کمرے میں آیا تو دیکھا کہ دری پر ایک چادر بھی ہوئی ہے اور ایک تکیہ بھی موجود تھا۔

ایک کونے میں ایک چھوٹا ٹکڑا اور اس گھڑے پر ایک مٹی کا پیالہ بھی موجود تھا۔ میں کمرے میں تھوڑی دیر بیٹھا اپنے کرموں کے بارے میں سوچتا رہا، پھر میں لیٹ گیا اور پھر آنکھیں بند کر کے سوچوں کی اتھاہ گہرائی میں پہنچ گیا۔

ابھی مجھے لیٹے کوئی آدھا گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ کمرے میں آہٹ محسوس ہوئی، آنکھیں کھول کر دیکھا تو میرے سامنے رام لال جی کھڑے تھے اور ان کے سامنے وہی مندر والی لڑکی کامنی بھی موجود تھی۔ میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا۔ تو رام لال جی میرے سامنے بیٹھ گئے پھر انہوں نے اشارہ کیا تو کامنی بھی ان کے برابر میں بیٹھ گئی اور اپنی گردن جھکالی۔

رام لال بولے۔ ”پرتاب یہ کامنی ہے۔ یہ مندر کے سیوکوں میں سے ہے۔ یہ مندر کی دان کنیا ہے، بہت ہی من کی سندر اور کام ایسے کرتی ہے کہ جیسے اس کے پاؤں میں بجلی بھری رہتی ہے۔ بڑے مہاراج نے تمہارے کام کے لئے اسے بھیجا ہے، یہ تمہارے کھانے پینے کا پورا خیال رکھے گی۔

مہاراج کا یہ بھی کہنا ہے کہ تم بہت دکھی اور کشٹ میں ہو، تم کوئی معمولی منش نہیں ہو، تم کئی جنموں میں بڑے بھاگوان رہے ہو، اور اس موجودہ جنم میں بھی تم بہت دیالو، دوسروں کا درد بانٹنے والے، اور منش پر رعب، دبدبہ اور حکومت کرنے والے ہو، مگر پچھلے جنم میں تم سے کچھ کام ایسے ہو گئے ہیں کہ اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا ہے، اور کچھ عرصہ تک تمہیں اس مندر میں رہنے سے سکھ ملے گا، ایک آتما تمہارے پیچھے پڑ گئی ہے۔ وہ آتما تم سے بہت ناراض ہے اور اسی کارن ابھی تک تم گھر سے بے گھر ہو رہے ہو، دولت تمہارے گھر کی باندی رہے گی، مگر شانتی کے لئے تم.....“ اور رام لال نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ”اب تم آرام کرو، اب میں تم سے کام ہو گا تو ملوں گا، اور یہ کامنی تمہاری ضرورتوں کا خیال رکھے گی۔ ویسے بڑے مہاراج خود تم سے ملنے آئیں گے۔

پرتاب سمے سے گھبرانا بزدلی ہے اور جو لوگ ہمت نہیں ہارتے وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ اور ہاں

مندر سے کچھ دنوں تک باہر نکلنا تمہارے لئے ٹھیک نہیں، یہ بھی مہاراج کہہ رہے تھے۔ ٹھیک ہے میں چلتا ہوں، کامنی اب تو بھی جا اور وقت پر پرتاب کا کام کر دیا کرنا، کوئی شکایت نہ ہو۔“

”جی پنڈت جی آپ کو یا پرتاب بابو کو میری ذات سے ذرہ بھر بھی شکایت نہیں ہو گی۔“ اور یہ بول کر کامنی رام لال کے ساتھ ہی کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ اور میں لیٹ کر سوچوں کے گرداب میں تھپیڑے کھانے لگا۔ اور یہ سوچنے بھی لگا کہ ”اب دیکھو سمے کیا دکھلاتا ہے۔“

میں سوچوں میں گھرا تھا میری آنکھیں بند تھیں کہ کمرے میں آہٹ ہوئی اور آہٹ پر میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور ترنت اٹھ بیٹھا کیونکہ میرے سامنے بڑے پنڈت جی کھڑے تھے اور ان کے ساتھ رام لال بھی تھے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا تو پنڈت جی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور بولے۔ ”پرتاب بیٹھو۔“

میں اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، ساتھ ہی دونوں پنڈت مہاراج بھی بیٹھ گئے۔ پھر مہاراج نے کہا۔ ”پرتاب تمہارے حالات میرے سامنے آ گئے ہیں، میں نے اپنے گیان سے سب کچھ معلوم کر لیا ہے، تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں، تمہارا یہ رام لیلا کئی جنموں سے چل رہا ہے، یہ سب کرموں کا پھل ہے، جس کے کرم میں جو لکھا جائے، ایشور کرم لکھ دیتا ہے مگر اس میں منش کا اپنا اچھا بھی ہوتا ہے، منش اپنے من کے مطابق اپنے کو حالات کے حصار میں ڈھال لیتا ہے۔

یہ بھی منش کا ہی کام ہے کہ وہ اپنے لئے نرک چنے یا پھر سورگ کے لئے کوشش کرے، ایشور نے کسی کو ظالم جابر، کرم کا کھوٹا، جنم جلا یا پھر پاپی نہیں پیدا کرتا، اب اسی کو دیکھ لو جب برسات ہوتی ہے تو اس سے سب فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب دھوپ نکلتی ہے تو دھوپ سب پر پڑتی ہے اب یہ منش کا کام ہوتا ہے کہ وہ اس سمے سے کتنا فائدہ اٹھاتا ہے۔

ایک آتما جو تمہارے ساتھ ساتھ جنم لیتی رہی۔ تم دونوں سنسار میں آتے رہے، تم دونوں کا ویواہ نہ ہو سکا، تم دونوں ہر جنم میں کسی نہ کسی بہانے ختم ہوتے رہے مگر اس جنم میں تم دونوں بچھڑ گئے۔ اس کا خاتمہ ہو گیا اور تم جیوت ہو، اور اب وہ تمہارے لئے بھٹک رہی ہے، تمہارے بنا اسے ایک پل بھی چین نہیں، وہ تمہیں ڈھونڈ رہی ہے اور دوسرا وہ ہے جس نے تمہیں جنگل میں چتاؤنی دی ہے، تم نے اس کی پتری کے ساتھ انیائے کیا، وہ بہت غضبناک حالت میں ہے، اس نے جو بھی کہا ہے وہ کرا کے رہے گا، تمہارے حالات کو وہ ایسا کر دے گا کہ تم اس کی اچھا پوری کرنے کے سوا کچھ بھی نہ کر سکو گے، اب تم کچھ دنوں تک اس مندر میں رہو، اگر تم باہر گئے تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا نقصان ہو جائے۔ میری باتوں پر دھیان دینا، میں بھی سوچتا ہوں کہ کوئی راستہ نکل آئے، ویسے بھی ہم گاؤں والے ان دنوں ایک خونی آتما سے پریشان ہیں۔ تم گھبرانا نہیں، آرام کرو، اب میں چلتا ہوں، یہاں پر تمہیں کوئی کشٹ نہیں ہو گا، کھاؤ پیو اور آرام سے رہو۔“ اور یہ بول کر پنڈت مہاراج کمرے سے نکلتے چلے گئے۔

ساتھ ہی رام لال جی بھی اٹھے اور اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ ”اب مطمئن رہو، کسی بات کی چنتا نہ کرو۔“ اور وہ بھی پنڈت مہاراج کے پیچھے ہی کمرے سے نکل گئے۔

”میں انہی سوچوں میں گم ہو گیا۔ اچانک میری سوچوں پر یلغار ہوئی اور میں سوچنے لگا کہ میرے موجودہ جنم سے پچھلے جنم میں مجھ سے کون سی غلطی یا پھر میں نے کون سا پاپ کیا کہ اس کی سزا میں اس جنم میں بھگت رہا ہوں اور پھر آئندہ اس سے زیادہ اذیت ناک اور کٹھن سزا بھگتنا پڑے گا۔ بہر حال یہ میرے بس سے باہر تھا کہ میں اپنے پچھلے جنم کی غلطیوں اور پاپوں کے بارے میں جان سکوں، اور پھر یہ ایک انسان کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے پچھلے جنم کے حالات کو جان سکے، میں سوائے سوچ کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں کرنے کے اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

پھر میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ آنے والے وقتوں میں میرا واسطہ کئی اذیت ناک حالات سے پڑے گا اور وہ کیا واقعات ہوں گے جنہیں میں جھیل

پاؤں گا۔ صرف ایک بات میرے سامنے تھی اور جس کی نشاندہی ابھی ابھی پنڈت مہاراج نے کی تھی اور اس سے پہلے جنگل میں سادھو نے دھمکی دیتے ہوئے کہا تھا کہ ''تجھے ہر پورن ماشی کی رات میں ایک منش میرے حوالے کرنے ہیں تاکہ اس کی بلی دی جائے۔'' منش کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ جوان ہو بلکہ وہ منش سن بلوغت کو نہ پہنچا ہو، چاہے وہ پرس ہو یا ناری۔ دونوں ہی قابل قبول تھے۔ یہ بھی کوئی قید نہ تھا کہ وہ غریبوں بلکہ میرے اپنے خونی رشتے دار یا قبلی لگاؤ والے بھی ہو سکتے ہیں۔

میں ان ہی تمام سوچوں میں محو تھا کہ کمرے میں کسی کی آمد پر آہٹ ہوئی اور میں نے آنکھیں کھول دیں دیکھا تو سامنے کامنی کھڑی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں اٹھ بیٹھا۔ کامنی کے ہاتھ میں ایک بڑی پیتل کی تھالی تھی۔ اس نے وہ تھالی میرے سامنے رکھ دی اور پھر جھٹ گھڑے میں سے پیالے میں پانی بھرا اور وہ پیالہ بھی میرے سامنے رکھ دیا۔ ''باجو جی! آپ کھانا کھالیں، اس وقت کھانے کا سمے ہے، دن کے ڈیڑھ بج رہے ہیں۔'' میں اٹھا اور ہاتھ دھو کر کھانے کے لئے تیار ہو گیا۔ کامنی ابھی تک بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ تھالی میں چھوٹی چھوٹی دو روٹیاں، تھوڑے سے چاول اور دال بھجیا تھی۔ ''کامنی تم بھی کھانا کھاؤ۔'' میں نے کہا تو وہ بولی۔ ''بابو جی! یہ آپ کا کھانا ہے، آپ کھائیں، میں بعد میں کھالوں گی۔''

بہرحال میں نے ضد نہیں کی اور کھانے میں مصروف ہو گیا۔ میں کھاتا رہا اور وہ مجھے یک ٹک دیکھتی رہی، جب میں کھا چکا تو اس نے برتن اٹھائے اور چپ چاپ مجھے دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔ رات میں وہ پھر رات کا کھانا لے کر آئی اور میرے سامنے کھانا رکھ کر خود ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ میں نے پھر اسے کھانے کے لئے پوچھا تو اس نے وہی جواب دیا جو کہ دوپہر میں دے چکی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد میں بولا۔ ''کامنی اگر میں تم سے چند باتیں پوچھوں تو کیا تم جواب دو گی؟ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

''نہیں بابو جی! مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا، آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں پوچھیں۔'' وہ بولی۔

''اچھا تو یہ بتاؤ کہ تم اس مندر میں کتنے سمے سے ہو؟''

''بابو جی! میں اس مندر میں کوئی آٹھ سال سے ہوں۔'' وہ بولی۔

''کامنی اس وقت تمہاری عمر کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میری عمر سولہ سال ہے، آٹھ سال کی عمر میں میری ماتا اور پتا نے مجھے دیوی ماتا کی سیوا کے لئے مندر میں دان کر دیا تھا۔ مجھے دان کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ میرے گھر والوں پر کوئی کشٹ نہ آئے، اور جو پریشانیاں تھیں وہ ختم ہو جائیں۔'' اس نے ایک ایک لفظ کو جیسے چبا چبا کر بتایا۔

''کامنی کیا تم مندر میں اور اپنے حالات سے خوش ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

وہ بولی۔ ''بابو جی! کیا آج آپ اپنے حالات سے خوش ہیں؟''

میں کامنی کی بات سن کر چکرا کر رہ گیا، کیونکہ میں اپنی خوشی سے مندر میں موجود نہیں تھا بلکہ مجبوریوں اور پریشانیوں کا وہ ناقابل برداشت پہاڑ تھا جس کے نیچے دب کر میں مندر کے اذیت ناک کمرے میں پڑا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی انسان حالات کی چکی میں پسنے لگتا ہے تو وہ اپنی مجبوریوں سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔

''اچھا تم یہ بتاؤ کیا تمہارا من چاہتا ہے کہ تم اس زندگی سے چھٹکارا پالو اور مندر سے باہر کی دنیا دیکھو اور آزاد فضا میں سانس لو؟ کیا اس کے متعلق کبھی تم نے سوچا ہے؟''

''بابو جی! میں ہی کیا بلکہ ہر مجبور انسان گھٹ گھٹ کر جینے سے بھاگنا چاہتا ہے، جب ایک پرندے کو پنجرہ میں قید کر دیا جاتا ہے تو اس پرندے پر کیا گزرتی ہوگی کوئی اس سے پوچھے۔ پنجرے میں وہ قید پرندہ کھاتا پیتا ضرور ہے مگر یاس و محرومی کی نظر سے ہر وقت تکتا رہتا ہے اور

سوچتا ہے کہ شاید کسی دن پنجرے کا دروازہ کھل جائے۔ دن بھر وہ آس لگائے پنجرے میں چکر کاٹتا رہتا ہے اور جب اندھیرا پھیل جاتا ہے تو اپنی آنکھیں موند کر اپنا سر اپنے پروں میں سمو کر بے سدھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر اس آس میں آنے والا دن بھی کٹ جاتا ہے۔'' وہ بہت ہی گھمبیر لہجے میں بولی۔

میں بے سدھ ہو کر اس کی باتوں کو سوچنے لگا، کیونکہ اس نے واضح الفاظ میں خود کو پنجرے میں قید پرندے سے تشبیہ دی تھی، میں اس پر اپنی نظریں جمائے دیکھتا رہا اور وہ مجھے دیکھتی رہی۔ اس کا اندازہ بتا رہا تھا کہ وہ مجھ سے سوال کر رہی ہے کہ ''بابو جی بولو، تمہارے پاس کیا جواب ہے؟''

پھر اس نے جھٹ کھانے کے برتن اٹھائے اور مجھے دیکھتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

کامنی کی معصومیت، بھولپن، درد میں ڈوبی باتیں، بے کسی کی زندگی اور پھر قید میں ہے بلبل اور صیاد مسکرانے والی کچھ کے لگاتی نگاہوں نے مجھے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا، میں رات بھر سو نہیں سکا۔ پوری رات کروٹیں بدلتا رہا اور کب صبح کا اجالا پھیلا مجھے پتہ نہ چلا۔

لیکن پھر صبح ہونے کا پتہ اس وقت چلا جب کامنی میرے لئے صبح کا ناشتہ لے کر کمرے میں آئی، اور مجھ پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گئی اور بولی۔ ''بابو جی! میں آپ سے معافی مانگتی ہوں، آپ کو میری باتوں سے دکھ پہنچا، رات بھر آپ جاگتے رہے اس کا اندازہ مجھے ہے کیونکہ میں اپنی باتوں پر رات بھر پچھتاتی رہی ہوں اور آپ کی حالت اور آنکھیں بتا رہی ہیں کہ آپ بھی رات بھر سوئے نہیں۔ بابو جی! مجھے معاف کر دیں ورنہ میں خود کو معاف نہیں کر سکوں گی کیونکہ میں نے آپ کے من کو کشٹ دیا، اور کامنی اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے آگے دوزانوں ہو کر بیٹھ گئی۔

میں نے جھٹ کامنی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ''کامنی ایسی بات نہیں۔ تم نے کوئی غلط بات نہیں کی، تم نے تمام باتیں صحیح کی ہیں اور میں بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ تم واقعی پنجرے میں قید پنچھی جیسی ہو، اندرونی طور پر تمہارا من آزاد رہنے کو چاہتا ہے، لیکن تمہاری مجبوریوں نے تمہارے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی ہیں۔

اب تم مجھے ہی دیکھ لو، میرے گھر میں نوکر چاکر، میں سونے اور چاندی کے چمچے سے دودھ پینے والا، میرے پتا گاؤں کے مکھیا ہیں اور میں مجبوری کے تحت بھول بھلیوں میں پڑ کر آج یہ دردناک زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ میں بھگوان کی کرپا سے مایوس نہیں ہوں۔

تم گھبراؤ نہیں، جہاں تک ہو سکا میں تمہاری مدد کروں گا اور قید کی زندگی سے نکال کر آزادی دلاؤں گا، اپنے من کو دکھی نہ کرو، یہ میرا وعدہ ہے کہ ایک نہ ایک دن بلکہ بہت جلد آزاد فضاؤں میں تم سانس لو گی، بس مجھے اپنے گھر پہنچنے کی دیر ہے۔''

میری باتیں سن کر کامنی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تو اسے دیکھ کر میرا من مچل اٹھا، میں نے اس کے آنسو صاف کئے اور اس کے گال تھپتھپا کر اسے دلاسہ دیا، اور بولا۔ ''چلو جلدی سے اچھے بچوں کی طرح مسکراؤ۔'' اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ اس کا مرجھایا ہوا گلابی چہرہ کھل اٹھا۔ ''بابو جی! آپ ناشتہ کریں، آپ کی باتوں سے مجھے بہت ڈھارس ہوئی ہے، میں دیوی ماں کی چرنوں میں اپنا ماتھا ٹیک کر پرارتھنا کروں گی کہ آپ کے سارے کشٹ دور ہو جائیں اور آپ کو اپنے مقصد میں بہت جلد کامیابی ملے تاکہ آپ بھی ہنسی خوشی زندگی گزاریں۔'' کامنی بولی۔

خیر میں ناشتہ کرنے لگا، وہ میرے سامنے بیٹھی مجھے غور سے دیکھتی رہی کہ میں نے ایک نوالہ بنا کر اس کے منہ کی طرف بڑھا دیا تو مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے میرے ہاتھ کا نوالہ اپنے منہ میں رکھ کر بہت جذباتی انداز سے مسکرانے لگی۔ جب میں ناشتہ کر چکا تو اس نے برتن اٹھائے اور مسکراتی ہوئی کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ اور پھر میں خیالوں کی دنیا میں کھو گیا۔

اب مجھے مندر میں رہتے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ روز کا معمول تھا کہ میں صبح ہی صبح اٹھتا اور

ضروریات سے فارغ ہو کر ناشتہ کرتا اور پھر مندر میں جا کر پوجا میں شامل ہوتا، بڑے مہاراج روزانہ میرے ماتھے پر تلک لگاتے اور پھر ایک مقررہ وقت پر میں وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آجاتا، دن میں دوپہر کے بعد دن میں ایک مرتبہ رام لال جی میرے کمرے میں ضرور آتے اور میری خیر خیریت دریافت کرتے اور چلے جاتے مگر جاتے جاتے یہ ضرور پوچھتے کہ ''کامنی تمہاری سیوا ٹھیک طرح کرتی ہے یا نہیں۔''

میں جواب دیتا۔ ''پنڈت جی، کامنی اپنی ڈیوٹی خوب اچھی طرح دے رہی ہے مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں، میں بہت خوش ہوں، آپ نے اور بڑے مہاراج نے مجھ پر جو کرپا کی ہے اس کی مثال نہیں ملتی اور میری دیوی ماں سے پرارتھنا ہے کہ دیوی ماں آپ لوگوں پر کرپا کرے۔''

آٹھویں دن پنڈت رام لال جی! ایک لالٹین لائے اور بولے۔ ''پرتاب آج سے یہ لالٹین تمہارے کمرے میں رہے گا اور شام میں اسے جلالینا، ویسے تمہیں کشٹ کرنے کی ضرورت نہیں، کامنی اسے جلا دیا کرے گی۔'' اور یہ بول کر وہ چلے گئے۔

اب روزانہ شام میں کامنی لالٹین جلا دیا کرتی تھی، لالٹین میں مٹی کا تیل بھی وہ خود ہی ڈالا کرتی تھی اور میرا روز کا معمول تھا کہ کھانے سے فارغ ہو کر جب سونے لگتا تو لالٹین بجھا دیا کرتا تھا۔ کیونکہ ویسے بھی مجھے اندھیرے میں سونے کی عادت ہے۔

اماوس کی راتیں شروع ہو چکی تھیں، اب چاند کا آسمان پر نام ونشان نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ جب یہ اماوس کی راتیں شروع ہوئیں تو سرِ شام ہی پوری بستی پر سناٹا چھا جاتا، اندھیرا پھیلتے ہی گاؤں کے سارے لوگ اپنے اپنے گھروں میں دبک پڑتے تھے۔ اب تو رات میں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی ختم ہو کر رہ گئی تھیں۔

ایک دن بڑے پنڈت مہاراج میرے کمرے میں آئے اور بولے۔ ''بالک اماوس کی راتیں شروع ہو چکی ہیں اور میں تمہیں چتاونی دیتا ہوں کہ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی تم کسی کام سے باہر نہ نکلنا اور خاص طور پر مندر کی چہار دیواری سے تو نکلنا بھی نہیں۔ میری باتوں کو خوب یاد رکھنا۔'' اور یہ بول کر وہ چلے گئے۔ میں ان کی باتوں پر غور کرنے لگا کہ مہاراج نے ایسا کیوں کہا۔

''کیا اماوس کی راتوں میں یہاں کوئی خطرہ ہوتا ہے، ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے ورنہ بڑے مہاراج اس طرح چتاونی نہ دیتے۔''

رات میں جب کامنی کھانا لے کر آئی تو میں نے اس کا تذکرہ اس سے کیا اور پوچھا۔ ''کامنی آخر کیا بات ہے کہ بڑے مہاراج نے ایسا کہا ہے؟''

''بابو جی! آپ کھانا کھائیں میں آپ کو بعد میں بتادوں گی، لیکن بڑے مہاراج نے جو کچھ بھی کہا ہے آپ اس پر عمل کیجئے گا۔ اگر رات میں کوئی آپ کا نام لے کر بھی پکارے تب بھی آپ اپنے کمرے سے مت نکلئے گا، ایسا کیوں ہے میں آپ کو بتادوں گی، آپ فی الحال کھانا کھائیں اور خاموشی سے سو جائیں، ویسے فکر کی کوئی بات نہیں۔''

میں نے کھانا کھایا اور جلدی سے کامنی نے برتن اٹھائے اور کمرے سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے لالٹین بجھادی اور لیٹ کر حالات کے متعلق سوچنے لگا کہ پھر مجھے نیند آ گئی۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا، اچانک میری آنکھ کھل گئی تو میرے کانوں میں آواز سنائی دی، گھوڑوں کے ہنہنانے کی اور ساتھ ہی ایسا لگا کہ کسی بھی سڑک پر گھوڑے دوڑ رہے ہوں، وقت کے ساتھ ساتھ آواز واضح اور قریب ہونے لگی۔

اچانک میرے کمرے میں کوئی آیا، اس سے پہلے میں اپنی جگہ پر اٹھ بیٹھا تھا۔ آنے والا میرے بہت قریب بیٹھ گیا اور پھر اچانک وہ مجھ سے لپٹ گیا۔ اس نے مجھے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔ پھر سرگوشی سنائی دی۔ ''بابو جی! میں کامنی ہوں، گھبراؤ نہیں۔ آج وہ پھر آ گیا.....''

(جاری ہے)

خوبصورت

راشد نذیر طاہر۔ کراچی

شام کا دھندلکا یا گرمی کی تمازت ہوتے ہی وہ مہ جبیں اپنی چھت پر نظر آتی جسے دیکھ کر نوجوان اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر آہیں بھرنے لگتا لیکن جب اسے یہ پتہ چلا کہ وہ گھر تو برسوں سے بند پڑا ہے.....

ایک ماورائی مخلوق کی دلکش اور دلفریب دیدہ دلیری جو کہ پڑھنے والوں کو اچنبھے میں ڈال دے گی

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ انسان جس جگہ رہتا ہے، جس علاقے میں رہتا ہے اور جن لوگوں میں رہتا ہے، ان سب چیزوں سے اسے انسیت ہو جاتی ہے۔ اور جب کسی موقع پر کسی مجبوری سے نقل مکانی کرنی پڑے تو بہت کوفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ مجید کو جب معلوم ہوا کہ اس کے والد کرم دین نے مکان چھوڑنے کا حتمی فیصلہ کر لیا ہے تو وہ مچل اٹھا، اس کا موڈ چوپٹ ہو گیا۔

20 سالہ اس نوجوان میں اکلوتے ہونے کی وجہ سے زمین کے کونے کھدروں میں اب بھی بچپن اٹکھیلیاں مار رہا تھا۔

باپ پر تو اس کا بالکل بھی زور نہیں چلتا تھا، لیکن ماں تو پھر ماں ہی ہوتی ہے، مجید نے اسے ہی ''آڑے ہاتھ'' لیا۔

"یہ کیا ہے ماں.....؟" وہ جھلا کر بولا۔
"ابو کو سمجھاؤنا..... یہ گھر کیوں چھوڑ رہے ہیں.....؟"
"میں انہیں سمجھاؤں.....؟" اس کی ماں سعیدہ نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا۔ "وہ 2 منٹ میں مجھے اور تجھے ہم دونوں کو سمجھا کر رکھ دیں گے....."
"لیکن ماں..... یہ تو کوئی بات نہ ہوئی....." مجید کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ "میں تو اس محلے کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا..... اور ابو جان بھی اتنی دور گھورے رہے ہیں کہ....."
"وہاں کے بازار میں ان کا کاروبار بہت اچھا جم گیا ہے....." سعیدہ نے اس کی بات کاٹی۔ "اور یہ بات تجھے بھی معلوم ہے..... انہوں نے اپنی آسانی کے لئے گھر بھی وہیں دیکھ لیا ہے ..... ان کا کاروبار ہے، تو سب کچھ ہوگا نا بیٹا....."
"لیکن ماں..... میرا کیا ہوگا.....؟"
"تیری آوارگیاں اور بے سروپا دوستیاں ختم ہو جائیں گی۔" ماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تیرے الٹے سیدھے دوستوں کو دیکھنے سے میری بھی جان چھوٹے گی....."
"ماں....." مجید نے منہ بسور لیا۔ "میں کہاں آوارہ پھرتا ہوں۔"
"ہاں..... ہاں....." ماں نے سر ہلایا۔ "دھوپ میں پھر کر تو میرا رنگ جل رہا ہے..... تمہارا تھوڑی....."
"ماں مذاق مت کرو..... ابو کو سمجھاؤنا کہ اپنا ارادہ بدل دیں۔"
"یہ میرے بس کی بات نہیں ہے....." ماں نے نفی میں گردن ہلائی۔ "وہ جو فیصلہ کرتے ہیں۔ سوچ سمجھ کر کرتے ہیں وہ خود تو زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ لیکن اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہاں رہتے ہوئے تمہاری پڑھائی میں بھی حرج ہو رہا ہے۔ جن لڑکوں سے تم نے دوستی کر رکھی ہے، وہ اچھے نہیں ہیں۔"
"میرے دوست تو ہر دور میں برے ہی ہوتے ہیں۔" مجید ایک طویل سانس لئے بڑبڑایا۔ "پتا نہیں مجھے کب اچھے دوست نصیب ہوں گے.....!"
کرم دین فرائی مچھلی کا ٹھیا لگاتا تھا، لیکن اس بازار میں اس نے دکان لے کر ذرا اچھے پیمانے پر اپنا کاروبار جما لیا تھا۔
ویسے بھی وہ کئی مہینوں سے اسی چکر میں تھا کہ رہنے کی جگہ بدل ڈالے، کیوں کہ اس علاقے کا ماحول قطعی ٹھیک نہیں تھا۔
وہ خود تو زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا، لیکن اپنی اولاد کے لئے اس کی خواہش تھی کہ وہ کسی قابل ضرور بنے۔
لیکن مجید نے جن نمبروں سے میٹرک کلیئر کیا تھا، اس سے کرم دین قطعی مطمئن نہیں تھا۔
وہ جاہل ضرور تھا، لیکن اپنے کاروبار میں ہونے والی "پبلک ڈیلنگ" سے اس نے بہت کچھ سیکھا تھا۔
یہی وجہ تھی کہ اس نے جوان اولاد کو مار نے پیٹنے سے گریز کیا اور فساد کی جڑ کو ہی اکھاڑنے کا فیصلہ کر لیا۔
اور پھر یہ سب قدرتی ہوا تھا، چنانچہ موقع سے فائدہ اٹھا کر کرم دین نے فوراً ہی اپنی نئی کاروباری جگہ کے عقب میں واقع محلے میں کرائے کا مکان ڈھونڈ نکالا۔
اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہاں کا کرایہ تھوڑا گراں ضرور ہے۔ لیکن یہ علاقہ..... صاف ستھرا اور..... اچھے لوگوں کا تھا۔
مجید کی اب آخری کوشش یہ تھی کہ وہ باپ کے سامنے کھڑا ہو جائے۔
اسے ایسا کرنے پر اس کے دوستوں نے اکسایا تھا۔ خاص طور پر سلیم تو کسی طرح تیار ہی نہ تھا کہ مجید ان لوگوں سے جدا ہو۔
"یار تمہارے ابو نے تو بہت ہی دور گھر لینے کا سوچ لیا ہے۔ کہاں یہ علاقہ..... کہاں وہ جو تم بتا رہے ہو۔"
"جب تمہاری امی کچھ بولنے کی ہمت نہیں کر رہی، تو تم خود ہی انہیں سمجھاؤ..... ہاں یار....."
دوسرے دوستوں نے بھی تائید کی۔ نتیجہ یہ کہ

جب اس کا باپ صبح فشری سے تازہ مچھلیوں کا مال لے کر لوٹا، تو مجید اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
کرم دین کی یہ روز کی ڈیوٹی تھی صبح پو پھٹنے سے قبل ہی وہ فشری جاتا تھا، وہاں سے مال لا کر 3 گھنٹے آرام کرتا اور پھر اپنے ٹھیے پر چلا جاتا، وہاں سے رات گئے لوٹتا تھا۔
"کیا ہوا.....؟" کرم دین نے اسے غور سے دیکھا۔
"ابو..... وہ....." مجید کو الفاظ نہ ملے۔
"کہو بیٹا مجید..... کیا بات ہے.....؟"
باپ کے نرم لہجے نے مجید کو ہمت دلائی اور اسے الفاظ کا خزانہ مل گیا۔
"ابو..... آپ کہیں اور مت جائیں..... میں یہ محلہ نہیں چھوڑوں گا..... بس میں نے کہہ دیا ہے۔"
"کیوں .....؟" کرم دین نے آنکھیں نکالیں۔ "کیا ساری زندگی ایسے ہی گزارنی ہے۔"
"ابو..... کیا برائی ہے اس زندگی میں..... ؟ اچھے خاصے تو رہ رہے ہیں ہم لوگ!"
"تم نے اپنے امتحان کا نتیجہ دیکھا ہے نا..... ؟ تمہارے استادوں نے تم پر رحم کھا کر پاس کیا ہے۔ کیا میں تمہیں اسی دن کے لئے لکھا پڑھا رہا تھا.....؟"
"لیکن ابو..... امتحان کا رہنے والی جگہ سے کیا تعلق ہے.....؟" اس نے اعتراض کیا۔
"بہت تعلق ہے..... نہ یہ علاقہ ٹھیک ہے اور نہ تمہاری دوستی یاریاں..... بس..... میرا فیصلہ اٹل ہے۔"
"میرے دوست اتنے برے تو نہیں ہیں ابو.....!"
"دیکھو بیٹا.....!" کرم دین کا لہجہ نرم ہو گیا۔ "اس وقت تم جن لوگوں کی زبان بول رہے ہو۔ جن کے لئے میرے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے ہو، وہ تمہیں بربادی کے سوا کچھ نہیں دیں گے۔ تم نے اپنی زندگی خود گزارنی ہے اپنا بوجھ خود اٹھانا ہے۔ میں پڑھا لکھا نہیں ہوں لیکن اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ تعلیم کے بغیر زندگی پوری نہیں ہوتی ادھوری رہ جاتی ہے....."
مجید اب سر جھکا کر خاموشی سے اپنے باپ کی بات سن رہا تھا۔
اور پھر چند دن بعد کرم دین نے پرانے محلے کو خیر باد کہہ دیا۔
نیا مکان..... نئی جگہ..... نئے لوگ..... لیکن یہ فرق تو صاف دکھائی دے رہا تھا کہ یہ علاقہ کافی صاف ستھرا اور اچھے رہائشی مکینوں سے آباد تھا۔
کچھ دنوں تک تو مجید کا موڈ شدید آف ہی رہا تھا۔ پورا پورا دن گھر میں ہی پڑا رہتا، کبھی چھت کا رخ کر لیتا، جہاں ایک تیار شدہ کمرہ بھی موجود تھا۔
ماں سے بھی وہ منہ پھلائے ہوئے تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے دل میں رہنے والے دوست اس سے جدا ہو گئے تھے۔
آج دوپہر کو اس نے اپنی ماں سے بات بھی کی تو اسی متعلق۔
"امی..... میں آج پرانے محلے چلا جاؤں.....؟"
"میں کیا بتاؤں.....؟" ماں نے ہاتھ ہلائے۔ "اپنے باپ سے ہی پوچھ لینا....."
"وہ تو منع کر دیں گے....."
"تو پھر..... بتاؤ۔ میں کیا بول سکتی ہوں؟" ماں نے ٹکا سا جواب دے دیا۔
"تم تو کچھ بھی نہیں کر سکتیں میرے لئے.....!" اس نے جھلا کر کہا اور جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
ماں اس کی شکل ہی دیکھتی رہ گئی اور وہ دھپ دھپ کرتا ہوا زینے چڑھ کر اوپر چلا آیا۔
آج اسے جمیل اور رضا بہت یاد آ رہے تھے۔ وہ لوگ کیا سوچ رہے ہوں گے کہ مجید کس قدر بے وفا ہے..... چار دن گزر گئے اور شکل تک دکھانے نہیں آیا.....!
اسے شدید احساس ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اسے بہت مس کر رہے ہوں گے۔

بھلا اچھو بھائی کے کیرم کلب میں سارے دوست ہوں، اور عبید نہ ہو تو کسی کو مزہ ہی نہیں آتا تھا۔

وہ تصور میں اپنے پرانے علاقے کی گلیوں میں گھوم رہا تھا، کھیل رہا تھا اور موج مستی میں مصروف تھا۔

کمرے کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر وہ ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک ہی گلی کے سامنے والے مکان کی چھت پر اس کی نظر پڑی اور آنکھوں میں گویا بجلی سی کوند گئی۔

اف..... کتنی خوبصورت تھی وہ..... مجید نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی خوب صورت لڑکی نہیں دیکھی تھی۔

وہ مجید کی نظروں سے قطعی بے خبر ہو کر اپنے گیلے بالوں کو سکھا رہی تھی اس کے ہاتھ میں کنگھی بھی تھی۔

شاید وہ نہا کر آئی تھی۔ اور ایسا گمان ہوتا تھا جیسے کسی کھلتے ہوئے گلاب پر اوس کی بوندیں پڑ گئی ہوں۔

مجید دم بہ خود تھا۔ دفعتاً لڑکی کی نظر بھی اس پر پڑ گئی۔ اور مردانہ نگاہوں کا احساس ہوتے ہی اس نے اپنے آپ کو سمٹایا اور پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔

اس کا رخ فوراً ہی سیڑھیوں کی طرف ہو گیا۔ پھر وہ سیڑھیوں سے اتری اور مجید کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

مجید کی نگاہیں..... شاید پتھرا گئی تھیں۔

پہلی نظر میں جو محبت دل میں بیدار ہو جائے۔ وہ بہت پائیدار ہوتی ہے، اور اسے بھول جانا زندگی کا سب سے کٹھن مرحلہ ہو جاتا ہے۔

ابھی مجید کو یہ علم نہیں تھا کہ اسے اس پری وش سے محبت ہو چکی ہے، ابھی تو وہ اس حسینہ کے پیکر کو اپنی آنکھوں میں ہی لئے بیٹھا تھا۔

اس نے کافی انتظار کیا، لیکن وہ دوبارہ پلٹ کر نہیں آئی تھی۔

پھر ایک طویل سانس لے کر وہ اٹھ کھڑا ہوا، اور اسی چھت پہ نظریں ڈالتا ہوا خود بھی نیچے اتر آیا۔

وہ کافی غصے میں اوپر آیا تھا، لیکن اب اس ''حادثے'' نے اس کا موڈ ہی بدل ڈالا تھا۔

ویسے اسے اتنا تو اندازہ تھا کہ لڑکی نے بھی اسے نظر بھر کر دیکھا ضرور ہے۔

لڑکی ذات تھی..... اس لئے فوراً ہی شرما کر بھاگ کھڑی ہوئی مجید کے چہرے پر بے ساختہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ عود کر آئی۔

اور پھر تیسرے دن..... مجید کی دعا اور کوشش کو کامیابی نصیب ہوئی۔

وہ حسینہ پھر چھت پہ آئی۔ اس کے ہاتھ میں کوئی سامان تھا۔ جسے وہ چھت پہ رکھنے کے لئے آئی تھی۔

پچھلے دو دن تو سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا، لیکن آج محنت رنگ لائی تھی۔

آج وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین دکھائی دے رہی تھی، مجید یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ گویا پلکیں جھپکنا ہی بھول گیا تھا۔

لڑکی نے ایک کونے میں لایا ہوا سامان رکھا اور وہ جیسے ہی پلٹنے لگی، تو اس کی نظریں مجید کی نظروں سے ٹکرا گئیں۔

مجید نے صاف دیکھا کہ وہ قاتلہ عالم مسکرائی بھی تھی، ساتھ ہی اس نے اپنی نظر پھیری اور جلدی سے زینے کی طرف چل دی۔

مجید کے لئے فی الحال اس کی یہ نظر اور دل کش مسکراہٹ کسی قیمتی خزانے سے کم نہیں تھی۔

اس کا دل مسرت سے جھوم اٹھا، یہ پہلی کامیابی تھی جو اسے حاصل ہوئی تھی۔

پہلی محبت نے اس کی طرف پہلا قدم..... بڑھا دیا تھا۔

کرم دین اور اس کی بیوی ورطہ حیرت میں تھے کہ یہ کایا پلٹ کیسے ہوئی.....؟

لیکن بہر حال یہ بہت خوش آئند بات تھی۔

مجید میں جو بدلاؤ آ رہا تھا وہ ان کے لئے کسی دفن شدہ خزانے کے مل جانے سے کسی طور بھی کم نہیں تھا۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اسے زیادہ کریدنا

اور خواہ مخواہ بال کی کھال اتارنا مناسب نہ سمجھا۔

مجید کا موڈ اب بے حد خوش گوار رہنے لگا تھا، اب وہ اپنے دوستوں کو یاد کر کے آنسو نہیں بہاتا تھا، اور نہ اپنی ماں سے بات کرتے ہوئے اس کی زبان میں کڑواہٹ اترتی تھی۔

نہ صرف ماں سے..... بلکہ اب تو وہ اپنے باپ سے بھی لگ کر باتیں کرنے لگا تھا۔

آج بھی دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد..... وہ کافی دیر تک اپنی ماں سے باتیں کرتا رہا۔

اور پھر جب ماں تھوڑی دیر کر سیدھی کرنے کے لئے لیٹی تو اس نے چھت کا رخ کیا۔

اسے امید تھی کہ وہ حسینہ ضرور چھت پر آئے گی مجید نے نوٹ کیا تھا کہ وہ زیادہ تر دوپہر کے وقت ہی اپنی چھت کا رخ کرتی تھی۔

دل میں امید کی کرن لئے..... وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کا رخ کھڑکی کی جانب تھا۔

☆.....☆.....☆

کرم دین جب اپنا کام سمیٹ کر گھر لوٹتا تھا تو مجید اور اس کی بیوی سو جایا کرتے تھے۔

لیکن کرم دین کے دروازہ کھٹکھٹانے پر بیوی کی آنکھ فوراً ہی کھل جایا کرتی تھی۔

آج بھی یہی ہوا، بیوی نے کھانا لگایا اور پھر دونوں بیٹھ کر دن کی باتیں کرنے لگے۔

یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ پھر باتوں باتوں میں مجید کا ذکر نکل آیا۔

''ارے ہاں.....'' بیوی چونک سی گئی۔ ''میں آپ کو بتانا تو بھول ہی گئی..... آپ سن کر بہت خوش ہوں گے۔''

''اچھا..... بتاؤ پھر.....؟'' کرم دین نے بیوی کو مسکرا کر دیکھا۔

''مجید کہہ رہا تھا کہ وہ میٹرک دوبارہ کرے گا۔'' اس نے بتایا۔ ''تاکہ محنت اور لگن سے اچھے نمبروں سے پاس ہو جائے۔''

زہر

جج (ملزم سے) ''تم نے مقتول کو پانی میں زہر کیوں ملا کر دیا تھا؟''

ملزم۔ ''جناب! انہوں نے خود یہ کہا تھا کہ ایسا پانی ہو کہ ٹھنڈا ہو جاؤں!''

سودا

راہگیر! ''ٹیکسی والے! باغ جناح کا کیا لو گے؟''

ٹیکسی والا۔ ''باغ جناح کیا میرے باپ کا ہے جو تم سے سودا کر لوں!''

(محمد جاوید علی، ملتان)

''واہ زرینہ واہ.....'' کرم دین خوشی سے اچھل پڑا۔ ''یہ تو واقعی خوش خبری ہے۔''

''جی.....'' زرینہ نے سر ہلایا۔ ''وہ ٹیوشن کی بھی کہہ رہا تھا۔''

''بالکل..... بالکل.....'' کرم دین جلدی سے بولا۔ ''خرچہ کتنا بھی ہو۔ اگر مجید کسی قابل بن گیا تو یہی میری محنت کا پھل ہو گا۔''

''یہاں آ کر تو مجید بالکل ہی بدل گیا ہے.....'' زرینہ بولی۔ ''اب تو اپنے آوارہ دوستوں کا نام بھی نہیں لیتا۔''

''شکر ہے خدا کا.....'' کرم دین نے چھت کی طرف دیکھا۔ ''جو میں نے سوچا تھا..... وہ پورا ہو رہا ہے..... اسی کو کہتے ہیں کہ نیت صاف اور منزل آسان.....''

''امی ..... مجھے کچھ کتابیں خرید کر لانی ہیں.....!''

''ہاں..... ہاں..... بولو بیٹا..... کتنے پیسے

دوں.....؟"

"500 روپے....." مجید نے کہا اور پھر سر کھجا کر بولا۔ "امی.....ایک بات کہوں.....؟"

"ہاں ہاں.....کہو....." زرینہ جلدی سے بولی۔

"امی....." وہ بولتے بولتے رکا، پھر اس سے ذرا توقف کے بعد دوبارہ سلسلہ جوڑا۔ "امی.....آپ ذرا محلے والوں سے بھی جان پہچان بڑھائیں.....اچھی بات ہے.....ذرا آپ کا دل بھی بھلے گا.....اس طرح ہم لوگ کب تک اجنبی بنے رہیں گے۔"

"تم نے میرے دل کی بات کی ہے....." زرینہ سر ہلا کر بولی۔ "میں اس بارے میں سوچ ہی رہی تھی۔"

"تو پھر دیر کس بات کی ہے....." مجید جلدی سے بولا۔ "میرے خیال سے.....سامنے والا جو گھر ہے....." اس میں رہنے والے لوگ کافی اچھے ہیں.....آپ ان ہی سے اپنی جان پہچان کی ابتداء کرو۔"

اور پھر دوسری صبح مجید کی والدہ سامنے والے گھر کے لئے نکل کھڑی ہوئیں۔

مجید بڑی بے چینی سے اپنی ماں کی واپسی کا منتظر تھا۔

زرینہ کو گئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی اور مجید اپنے تصور میں سامنے والے گھر کا حال احوال دیکھ رہا تھا۔

وہ گھر کے اندر ہی ٹہل لگا رہا تھا، وہ اپنے اندر اتنی ہمت نہیں کر پا رہا تھا کہ گیٹ سے باہر نکل کر تانک جھانک ہی کر لے۔

وہ اپنے خیالات سے اس وقت چونکا، جب دروازہ پر کھٹکا ہوا۔

وہ دوڑتا ہوا دروازے کی طرف لپکا، اسے کھولا تو ماں کی شکل دکھائی دی۔

اندر داخل ہو کر زرینہ نے برقعہ اتارا، اور ساتھ ہی بولی۔

"واقعی..... بہت اچھے لوگ ہیں یہاں کے..... مجھے فوراً ہی چائے بسکٹ دیئے.....مجھ سے اچھی طرح ملیں۔ خوب باتیں کیں.....!"

"سچ.....امی.....؟" مجید کے منہ سے نکلا۔

"ہاں بھئی....." زرینہ نے جلدی سے کہا۔ "پھر چونک کر بولی۔ "لیکن تم نے مجھے جس گھر میں بھیجا تھا اس میں تو تالہ لگا ہوا تھا۔ کہیں گئے ہوں گے وہ لوگ.....میں تو اپنے برابر والے گھر میں گئی تھی ان کی دو بیٹیاں ہیں.....3 بیٹے ہیں....."

یہ سن کر مجید کی مسرت پر اوس پڑ گئی۔ وہ تو سمجھا تھا کہ اس کی ماں سامنے والے گھر والوں کی تعریف کر رہی ہے.....!

"تو.....سامنے والے گھر میں تالہ پڑا تھا.....؟"

"ہاں....." زرینہ نے جواب دیا۔

پھر اس نے غور سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے؟ تم سامنے والے گھر پہ زیادہ زور دے رہے ہو.....؟"

مجید سٹاپٹا گیا، پھر جلدی سے بولا۔

"ایسے ہی امی.....کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"ہوں....." زرینہ نے سر ہلایا۔ "مجھے تو برابر والے بہت پسند آئے۔ ان کی لڑکیاں بھی بہت خوب صورت اور ادب لحاظ والی ہیں۔ سب تربیت کی بات ہوتی ہے.....ہاں.....!"

وہ بولے جا رہی تھیں اور مجید کا ذہن کہیں اور تھا۔

پھر دو دن بعد شام کے وقت وہ چھت پر آ گئی۔

آج تو اشارے سے اس نے سلام بھی کیا تھا، مسکرائی بھی تھی۔ مجید کا حال اس پیاسے کی طرح تھا، جس کو سمندر مل جاتا ہے۔

دل خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہا تھا، مجید نے اشاروں ہی اشاروں میں حال احوال کہنے کے بعد

اسے بتایا کہ وہ اپنی امی کو بھیج رہا ہے۔

قتالہ حسینہ اس کا مطلب سمجھ گئی، اور فوراً ہی شرما کر زینے کی طرف بھاگی۔

اس کے جاتے ہی مجید نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر فوراً ہی خود بھی نیچے کی طرف لپکا وہ چاہتا تھا کہ اس کی ماں ابھی اور اسی وقت سامنے والے گھر میں ہو کر آ جائے۔

وہ لوگ ابھی گھر ہی میں تھے۔ موقع اچھا تھا۔

تقریباً 1 گھنٹے بعد اس کی ماں زرینہ کی واپسی ہوئی۔

مجید کو اس وقت کا لمحہ لمحہ کٹھن لگ رہا تھا، پل پل بھاری ہو رہا تھا۔

خدا خدا کر کے زرینہ واپس لوٹی، مجید نے دروازہ کھولا تو اس نے اپنی ماں کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے۔

"کیا ہوا امی..... ؟ سب خیریت تو ہے نا.....؟" بے ساختہ اس نے پوچھا تھا۔

"ہاں....." زرینہ نے سر ہلایا، پھر اندر آ کر اس نے مجید کی طرف غور سے دیکھا اور بولی۔

"تم نے مجھے کس گھر میں جانے کو کہا تھا.....؟"

"سامنے والے گھر میں.....کیوں کیا ہوا.....؟"

مجید الجھن میں پڑ گیا زرینہ کا لہجہ ہی ایسا تھا۔

"وہ گھر.....جس میں نیلے رنگ کا گیٹ لگا ہے..... وہی.....؟"

"جی .....جی ہاں....." مجید حیران تھا۔ "آخر ہوا کیا ہے امی.....؟"

اس کی ماں تو جیسے پہیلیاں بجھوا رہی تھی۔

"میرے بچے..... میرے لال....." زرینہ نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔ "تم مجھے بار بار وہاں کیوں بھیج رہے ہو..... وہ گھر تو سالوں سے بند پڑا ہے.....خالی ہے وہ گھر..... اور..... وہاں اثر بھی ہے.....ہاں.....!"

یہ سن کر مجید کا تو دماغ ہی گویا بھک سے اڑ گیا۔

یہ.....یہ.....اس کی ماں کیا کہہ رہی تھی.....؟

یہ کیسے ہو سکتا ہے.....تو پھر.....تو پھر.....وہ.....خوب صورت.....!!

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں بیٹا....." زرینہ دوبارہ بولی۔

مجید کے چہرے پہ بدلتے ہوئے تاثرات اس نے بھانپ لئے تھے۔

"میں.....میں کیسے یقین کروں امی.....؟" مجید نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تم مجھے بتاؤ.....بات کیا ہے.....؟" زرینہ بولی۔

"میں پہلے بھی وہیں گئی تھی، پھر وہاں تالا دیکھ کر میں پڑوس میں چلی گئی، وہاں باتوں باتوں میں میں نے سامنے والے گھر کا ذکر کر دیا۔"

"پھر.....پھر انہوں نے کیا کہا.....امی.....؟"

"مجھے انہوں نے ہی بتایا ہے کہ سامنے والا گھر سالوں سے بے آباد ہے، اور اس میں اثرات ہیں.....اب .....اب تم اوپر نہیں جانا میرے بچے.....!"

زندگی میں جو بدلاؤ آ رہا تھا، اس کی روشنی یکا یک ہی ماند پڑ گئی تھی۔

مجید کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

اب اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا، اور غور سے مشاہدہ کیا تو یہ حقیقت اس پر کھل گئی کہ سامنے والا گھر واقعی خالی تھا۔

اس کے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس کا دل کتنی گہرائیوں میں جا کر.....ڈوب گیا تھا۔

یہ سب کچھ معلوم ہو جانے کے بعد بھی جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس نے چھت کا رخ کیا۔

لیکن.....اس دن کے بعد سے اسے حسینہ کا دیدار دوبارہ نصیب نہ ہو سکا۔

سامنے والے مکان کی چھت .....اجاڑ پڑی

تھی۔

جس دن سے مجید پر حقیقت کھلی تھی، اسی دن سے حسینہ غائب تھی۔

اپنی ماں سے آنکھ بچا کر اور موقع دیکھ کر مجید نے کئی بار چھت کا رخ کیا تھا، لیکن سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ لگا۔

اس دن اس کی ماں جائے نماز پر بیٹھی تھی کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

مجید ایک کتاب لئے بیٹھا تھا، اس نے کتاب رکھی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''کون ہے.....؟'' اس نے پوچھا۔

''آنٹی میں.....؟'' ایک زنانہ آواز آئی۔

اور پھر مجید نے جیسے ہی دروازہ کھولا، وہ حیرت کے مارے گرتے گرتے بچا۔

سامنے دو لڑکیاں کھڑی تھیں، اور ان میں سے ایک ہو بہو چھت والی حسینہ تھی۔

''میں پوچھ رہی ہوں آنٹی ہیں.....'' یہ حسینہ کی ہی آواز تھی۔

اس کے ہاتھ میں کپڑے سے ڈھکی ہوئی ٹرے تھی مجید ہونقوں کی طرح اسے دیکھے جا رہا تھا۔

اتنی دیر میں زرینہ خود ہی جائے نماز سے اٹھ کر ان کی طرف آ گئیں۔

اور جیسے ہی ان کی نظر لڑکیوں پر پڑی، وہ کھل اٹھیں۔

''ارے مجید..... یہ برابر والوں کی لڑکیاں ہیں۔ اسماء اور بشریٰ''

''یہ لیں آنٹی.....'' حسینہ نے ٹرے ان کی طرف بڑھا دی۔ ''امی نے بریانی بھجوائی ہے۔''

زرینہ نے مسکراتے ہوئے ٹرے اس کے ہاتھ سے لے لی اور وہ دونوں چلی گئیں۔

''یہ ہیں ان کی لڑکیاں..... سن رہے ہو..... کہاں گم ہو.....؟''

''جی.....'' مجید جیسے نیند سے جاگا ہو۔ ''جی امی..... جی.....''

''میں کہہ رہی ہوں یہ ہمارے پڑوسی ہیں۔''

''جی ہاں..... بہت اچھے ہیں ہمارے پڑوسی..... بہت اچھے ہیں۔ ایک بات کہوں امی.....؟''

''ہاں..... بولو.....''

''جس لڑکی نے..... آپ کو ٹرے دی ہے۔ وہ ہو بہو..... اسی چھت والی لڑکی کی طرح ہے..... بالکل وہی ہے.....!''

زرینہ کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ دوڑ گئی انہوں نے پیار سے اس کی کمر پر ایک دھپ ماری اور بولیں۔

''بشریٰ نام ہے اس کا..... تم پہلے اپنی پڑھائی پر اور اپنے مستقبل پر دھیان دو۔ میں تمہاری شادی بشریٰ سے ہی کراؤں گی۔ میں تو خود بھی یہی سوچ کر بیٹھی ہو..... پگلے.....!!''

زندگی ایک بار پھر..... نئی ڈگر پہ چل پڑی..... جو خواب چند لمحوں کے لئے ٹوٹا تھا اس کا سلسلہ پھر سے جڑ گیا۔

سامنے والے مکان کی چھت کا معمہ..... کبھی حل نہ ہو سکا..... عرصہ دراز سے خالی رہنے والا یہ مکان خالی ہی رہا۔

لیکن اس خالی مکان کی وجہ سے مجید کے دل میں بشریٰ آ کر بس گئی۔

کہتے ہیں کہ اچھی محبت اور اچھی صحبت انسان کو حقیقت میں انسان بنا دیتی ہے۔

مجید کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اور ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ہوا تھا، اس میں تقدیر کی شمولیت ہو۔

سامنے والے مکان کی چھت پر دکھائی دینے والی لڑکی کے روپ میں اب بشریٰ اس کے سامنے تھی۔

اور..... اس سے شادی کرنے کے لئے اب مجید کو اپنا مستقبل بہتر بنانا تھا۔

انوکھا کیس

مدثر بخاری-شہر سلطان

اچانک مترنم اور دل و دماغ میں رس گھولتی کھنکھناتی ہوئی آواز سنائی دی، میں تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں، تمہیں وعدہ کرنا پڑے گا کہ تم مجھ سے شادی کرو گے، اور نہ کی صورت میں اور پھر ایک تھلکہ خیز منظر رونما ہوا۔

عشق و محبت میں سرشار ایک ماورائی مخلوق کی عجیب و غریب اور دلکش روداد-ایک شاہکار کہانی

سوموار کا دن تھا۔ آفس کا پہلا اور خاصا مصروف دن، سنڈے آف ہونے کی وجہ سے بہت سے کیسز آج میری ٹیبل پر موٹی موٹی فائلز کی صورت میں میرا منہ چڑا رہے تھے کہ اچانک فون کی ٹون بیل بج اٹھی.....!

''ہیلو..... انسپکٹر کامران اسپیکنگ.....'' میں نے اپنے مخصوص انداز سے کہا.....!

''جناب..... میں رحم شاہ بوائل اینڈ ایکوافینا کمپنی سے بات کر رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے خاصی گھبرائی ہوئی آواز میں کہا گیا۔

''جی فرمایئے..... ہماری خدمات ہمہ وقت حاضر ہیں.....''

''جناب.....! ہم لوگ کافی پریشان ہیں۔ پریشانی کی وجہ میرا اکلوتا بیٹا فرحان شاہ ہے۔ جسے گھر سے غائب ہوئے دو دن ہو چکے ہیں.....! اور ابھی تک

اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں.....!"

"محترم! دو دن سے آپ کا بیٹا گھر سے غائب ہے اور آپ نے پولیس میں رپورٹ درج نہیں کروائی.....! ہوسکتا ہے وہ کسی رشتہ دار یا کسی دوست کے پاس گیا ہو.....!"

"ہم تمام رشتہ داروں اور دوستوں سے کنفرم کر چکے ہیں لیکن کچھ پتہ نہیں.....! دوسری طرف سے کہا گیا.....

"جناب.....! آپ میرے آفس تشریف لے آئیں..... اور کھل کر بات بتائیں تاکہ جلد از جلد معاملے کی تہہ تک پہنچا جاسکے....."

"جناب.....! اگر میں آسکتا ہوتا تو آپ کو فون پر زحمت ہرگز نہ دیتا۔ پچھلے دو ہفتوں سے میری ٹانگیں فالج زدہ ہوگئی ہیں۔ معذوری کی حالت میں بولا بھی نہیں جاتا..... ہر طرف سے مکمل چھان بین کرنے کے بعد آپ سے رابطہ کیا.....!"

"اوکے.....! میں آپ کے پاس آرہا ہوں.....! آپ مطمئن رہیں۔" میں نے کہا.....!

"ویلنگ سر.....!" ایکوافینا کمپنی فلور نمبر 5، روم نمبر 4..... دوسری طرف سے کمپلیٹ ایڈریس بتایا گیا.....

وہ ایک متاثر کن پرسنالٹی کا مالک تھا۔ کمرہ خاصا کشادہ اور شاندار انداز میں سجا ہوا تھا۔ مجھے یہاں آنے میں کوئی دقت تو نہ ہوئی البتہ ایک انوکھا واقعہ ہوا جو مجھے یہاں بیان کرنا ہے۔

روم نمبر 4 ایک الگ انداز کا کمرہ تھا۔ جس کی ڈیکوریشن اور تزئین و آرائش پر خاصا خرچ اٹھا ہوگا۔ ایک چیز جس نے مجھے خاصا پریشان کیا وہ یہاں کے لوگوں کا پراسرار رویہ اور ایک سرانڈ قسم کی بو.....! ایک ایسی گندی بو جس نے میرے دماغ کی شریانیں تک ہلا دیں.....! اور میں نے اس سے بچنے کے لئے سائیڈ جیب سے رومال نکالنا چاہا لیکن حیرت انگیز طور پر رومال موجود نہ تھا۔

اس کیس میں ایک اور بات بھی رونما ہوئی جو خاصی مبہم رہی۔ مطلوبہ ایڈریس پر پہنچنے سے پہلے ایک بزرگ جن کی داڑھی برف کی مانند سفید اور آنکھوں میں گہرائی موجزن تھی۔ مجھے بیسمنٹ پر ملے.....!

"تم بہت فرض شناس آفیسر ہو نوجوان..... مگر ایک بات یاد رکھنا..... روحانی طاقتوں کا مقابلہ بدی کی اندھی سیاہ طاقت ہرگز نہیں کرسکتی۔ اگر کبھی بدی کی اندھی یلغار میں جکڑے جاؤ تو غریب خانے پر آجانا.....!" اس کے بعد وہ بزرگ اللہ اللہ کرتے ہوئے باہر نکل گئے۔

ویسے وہ جگہ کمپنی کا آفس کم اور پراسرار زیادہ محسوس ہو رہا تھا.....! میں جب سے اس آٹھ منزلہ عمارت میں داخل ہوا تھا میرا دماغ گھوم گیا تھا.....! میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ جس میں اتنی گندی بدبو کا سامنا کرنا پڑا تھا..... حیرت کی بات یہ کہ یہاں کے لوگ بھی خاصے پراسرار انداز میں اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے..... ایک عجیب سا ماحول تھا..... خیر میں روم نمبر 4 میں پہنچ گیا.....!

رحم شاہ کی متاثر کن پرسنالٹی میں صرف ٹانگوں کی معذوری کا داغ تھا ورنہ وہ بڑھاپے میں بھی خاصا اسمارٹ اور پرکشش تھا.....!

"آیئے انسپکٹر صاحب.....! تشریف رکھیے.....!"

رسمی علیک سلیک اور صحت یابی کی دعا کے بعد وہ مدعا بیان کرنے لگا.....!

"میرا ایک ہی بیٹا ہے فرحان شاہ..... سافٹ ویئر انجینئر فرام ہارورڈ یونیورسٹی آف امریکہ.....! ٹاپ کلاس پروگریس ان آل کائنڈ آف سافٹ ویئر.....! لیکن پچھلے دو ماہ سے ایک ایسی بیماری کا شکار ہوا ہے کہ زندگی مردہ ہو کر رہ گئی ہے۔ ہر چیز سے اچاٹ اور ذہن میں خلفشار سا پیدا ہوگیا ہے۔ راتوں کو لیٹ آنا.....!"

"لیکن جناب.....! وہ تو دو ہفتے سے غائب ہے۔" میں نے کہا.....!

"بالکل.....! میں اسی طرف آرہا تھا.....!

"جی.....! بتایئے.....!"

"اس کا ذہن ایک سوئی پر ٹک سا گیا تھا.....! وہ صرف ایک گناہ کا مرتکب ہوا تھا۔ ایک ایسا گناہ جو عزت تار تار کردیتا ہے۔ حساس ہونے کے ناطے اس نے یہ بات اپنے دماغ میں بیٹھالی اور پھر.....! اور پھر وہ سائیکو مریض قرار دے دیا گیا.....!"

مجھے بہت افسوس ہوا تھا اس باپ کی داستان غم سن کر..... لیکن وہ بھی تو بہت مبہم سی باتیں کر رہا تھا.....!

"میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں..... کہ یہ واقعہ کیسے ہوا؟" میں نے پوچھا.....

"مجھے اس بارے میں قطعی علم نہیں..... میں بارہا پوچھتا رہا مگر وہ صرف ایک ہی بات دہراتا تھا۔ "ڈیڈی میرا گناہ بہت بڑا ہے اور جس کی مجھے سزا ملی ہے.....!"

"اور کوئی ایسی بات جو اس کیس کے سلجھاؤ میں میری مدد کرے.....!" میں نے پوچھا.....!

"ہاں..... ایک اہم بات.....! پھر اس نے ٹیبل بیل پریس کی.....!

"یس سر!"

"منظور.....! چھوٹے صاحب کے کمرے سے جو خط ملا تھا وہ لے کر آؤ..... اور کنٹرول روم سے مسٹر ڈیوڈ کو اندر بھیج دو.....!"

اس خط میں بہت سی باتیں تھیں.....! لیکن خاص بات یہ کہ ایک لڑکی کا خون سے لکھا محبت نامہ تھا.....! لڑکی خاصی جذباتی قسم کی تھی جس نے فرحان شاہ کو مکمل طور پر اپنانے کا دعویٰ کیا تھا.....!

بہت سے تعریفی کلمات اور جھوٹی سچی قسمیں بھی مواد کا حصہ تھیں.....! ایک اہم بات یہ تھی کہ رائٹنگ خاصی Poor تھی..... اتنی عام سی لکھائی والی لڑکی جس میں سادگی شامل تھی..... نہ کوئی بناوٹ نہ جدید دور کے مطابق کوئی اسٹائلش Look.....!

نام درج نہیں تھا مگر مخصوص اسٹار کا نشان واضح تھا.....!

جب میں نے وہ خط پڑھ لیا تو رحم شاہ کی طرف دیکھ کر گویا ہوا۔ "اس خط کو آپ کس معنی میں لیں گے۔؟" میں نے پوچھا۔

"انسپکٹر صاحب.....! یہ لڑکی فرحان کی ایسی دوست محسوس ہوتی ہے جو کم از کم امریکہ سے نہیں ہے..... وگرنہ اس کی رائٹنگ اتنی بری نہ ہوتی.....!" انہوں نے کہا.....!

"یہ مکمل پاکستانی رائٹنگ ہے.....!" میں نے ایک خیال کے تحت کہا.....

"مجھے بھی یہی شک ہے.....!"

"شاہ صاحب.....! آپ کے بیٹے کی دوسری مصروفیات کیا تھیں.....؟"

"27 سال کی عمر میں بہت بڑا کام یہ کہ اس نے ملٹی نیشنل کمپنیز کی تمام سافٹ ویئر انسٹالیشن ترتیب دی..... گاؤں میں ہمارا کچھ رقبہ بھی ہے.....! مجھے یاد پڑتا ہے ایک بار فرحان گاؤں گیا تھا.....! سال 2011ء تھا..... لیکن پھر کبھی اس طرف نہیں گیا.....!"

کنٹرول روم سے ڈیوڈ کی آمد نے چونکا دیا.....! اس کے ہاتھ میں ایک ویڈیو ٹیپ تھی.....!

"جناب.....! یہ سی سی ٹی وی فوٹیج ہے۔ جس میں فرحان کی زندگی کے بیسٹ اور برے دونوں طرح کے ریکارڈ موجود ہیں.....! فرحان کی موجودہ تصویر اور اضافی معلومات بھی..... آپ اسے دیکھ لیجئے گا.....!" اس نے ٹیپ مجھے تھماتے ہوئے کہا.....!

"میری آپ سے ایک گزارش ہے.....!"

"جی فرمایئے.....!"

"اگر مجھے فرحان کے کمرے کا Visit کرادیں تو ہوسکتا ہے ہمیں کچھ مزید ایسا پوائنٹ مل جائے جو کیس حل کرنے میں مددگار ثابت ہو....." میں نے کہا۔ میں نے کہا.....!

"وائی ناٹ.....!"

پھر میں نے فرحان کے کمرے کا معائنہ کیا.....! کچھ خاص نہ ملا مگر ایک سافٹ ویئر کی پروگریس سی ڈی ہاتھ لگی جو وہ ان دنوں تیار کر رہا تھا.....!

فوٹیج میں وہ ایک خوبرو اسمارٹ نوجوان نظر آیا۔

ہر غم سے آزاد اور فکر زندگی سے دور، وہ نوجوان شہزادہ نظر آیا..... لیکن پھر منظر بدلا..... وہی شہزادہ..... گلی کا بھکاری نظر آنے لگا.....! یہ سب کیسے ہوا اس کا مجھے صرف ایک ہی سرا سمجھ میں آیا کہ لڑکی کی محبت.....! لڑکی کون تھی؟ اس کا فرحان سے کیا تعلق تھا؟ سائیکو پیشنٹ اور زندگی سے بیزار فرحان شاہ اس وقت کہاں تھا؟ کچھ سمجھ نہ آیا.....! لیکن پھر جب میں نے سافٹ ویئر سی ڈی پلے کی تو کچھ الگ طرح کا نظارہ ملا.....!

سافٹ ویئر سی ڈی میں انگلش میوزک وقفے وقفے سے پلے بیک میوزک کے طور پر اسٹارٹ ہوجاتا.....!

پھر ڈبل ڈسپلے ہوتا اور ایک لڑکی کی شبیہہ نظر آتی.....!

آہستہ آہستہ اس لڑکی کی تصویر واضح ہوگئی.....!

وہ فرحان شاہ سافٹ ویئر پروڈکشن کی تیار کردہ سی ڈی تھی..... ہیلو اینڈ گریٹنگز کارپوریشن کی جانب روانہ ہونے والی اس سی ڈی میں لڑکی کی تصویر مبہم صورت حال تھی.....! میں نے ڈسک نکالی اور دوبارہ پلے کی.....!

مگر اب کی بار وہ لڑکی دوبارہ نظر نہ آئی.....

یہ خاصی عجیب صورت حال تھی.....!

لڑکی خاصی خوب صورت اور دلکش نین ونقش کی حامل تھی۔ ایک بات جو واضح نظر آئی کہ لڑکی کا تعلق گاؤں سے تھا۔ مخصوص قسم کا لباس اور چوڑیاں..... بندھے ہوئے بال اور گہری معصومیت کی حامل اس لڑکی کا تعلق قطعی شہر سے نہ تھا.....!

میں نے رحم شاہ سے ہیلو اینڈ گریٹنگز کا نمبر لیا.....!

چند منٹوں میں رابطہ قائم ہوگیا.....!

"ہیلو.....! میں انسپکٹر کامران بول رہا ہوں.....!"

"یس سر.....!"

"ہیلو گریٹنگز کے منیجر سے بات کرنی ہے....."

"ہولڈ آن کریں سر.....! ابھی بات ہوجاتی ہے.....!"

چند لمحوں بعد ایک بھاری آواز نے بات کی.....!

رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے فرحان شاہ کیس کے بارے میں بتایا.....!

"نسیم صاحب! آپ کے سافٹ ویئر میں کسی لڑکی کی تصویر بھی شامل ہے.....!"

"نو..... بالکل نہیں.....!" فرحان شاہ کے پاس ہمارا Accountanry سافٹ ویئر تھا.....!" اس نے بتایا۔

"اوکے نسیم صاحب..... بہت بہت شکریہ.....!" میں نے فون رکھ دیا۔

حیرت انگیز بات تھی کہ سافٹ ویئر میں لڑکی کی تصویر کیوں شامل کی گئی.....! اور جب دوبارہ چلائی گئی تو لڑکی کی تصویر غائب تھی..... آخر ایسا کس طرح ممکن ہے.....!

پھر ایک دن ایک اجنبی فون کال آئی.....!

"ہیلو.....! انسپکٹر کامران اسپیکنگ.....!"

"آئی ایم مرتضیٰ حسین.....! سر! میں فرحان شاہ کیس کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں.....!" دوسری طرف سے کہا گیا.....!

"ویلکم.....! ضرور..... آپ آفس تشریف لے آئیے.....!" میں نے جلدی سے کہا.....

30 سالہ مرتضیٰ حسین واجبی شکل وصورت کا حامل تھا۔ آنکھوں میں ذہانت کی چمک واضح نظر آئی.....!

وہ خاصا ذہین نوجوان تھا.....!

"سر! فرحان میرا گہرا دوست ہے..... دو ہفتے سے لاپتہ اور مجنوں صورت بنا رکھی ہے.....! دو ہفتے پہلے اس سے میری بات ہوئی تھی..... بہت مایوس اور اداس تھا..... وہ مارکیٹ میں ایک جدید سافٹ ویئر لانچ کرنا چاہتا تھا۔ خاصا ذہین اور پر اعتماد تھا.....! کاش اگر وہ.....! اگر وہ گاؤں نہ گیا ہوتا تو آج ایسا نہ ہوتا.....

"کیا مطلب..... گاؤں کا فرحان کیس سے کیا تعلق ہے؟" میں چونکا.....!

"یہ پچھلے سال کی بات ہے۔" جب ہم چار دوست فرحان کے گاؤں پکنک منانے گئے تھے۔ وہاں ان کا ایک فارم ہاؤس بھی ہے۔ شاہ مراد ان کے ایک ملازم کا نام ہے جس کی بیٹی فائزہ..... فرحان کے عشق میں مبتلا ہوگئی.....!

دونوں کی ملاقات ندی پر ہوئی تھی۔ جب فائزہ ندی میں جا گری تھی۔ ہم لوگ کرکٹ کھیل رہے تھے۔ فرحان بال لینے گیا تو اسی وقت فائزہ ندی میں جا گری۔ تب فرحان نے اسے ندی سے بحفاظت نکالا.....! سردیوں کی شام میں فائزہ تھر تھر کانپنے لگی۔ فرحان نے اپنا کوٹ اسے اوڑھا کر محبت کی ابتدا کی تھی.....

فائزہ خاصی خوب صورت اور باحیا تھی۔ لیکن فرحان کے عشق میں ایسی پڑی کہ برباد ہو کر رہ گئی.....!

"کیا آپ فائزہ کو پہچان لیں گے.....؟" میں نے پوچھا۔

"وائی ناٹ.....!"

پھر میں نے سافٹ ویئر سی ڈی کی فرسٹ کاپی پلے کی..... جس میں میں نے ایک لڑکی کو دیکھا.....! میں نے کاپی کرلی تھی..... وگرنہ سیکنڈ ٹائم تو لڑکی نظر نہ آئی تھی.....!

فرحان چونک پڑا تھا کیونکہ اس نے فائزہ کو پہچان لیا تھا.....!

وہ لڑکی واقعی فائزہ ہی تھی۔ سافٹ ویئر میں اس کی تصویر کیونکر آئی تھی.....! کچھ سمجھ نہ آئی.....!

"لیکن سر.....! فائزہ کی تصویر بزنس اکاؤنٹنٹ کے سافٹ ویئر میں کیونکر.....؟"

"یہ بات غور طلب ہے..... خیر یہ مسئلہ تو حل ہوگیا..... کہ وہ لڑکی شاہ مراد نامی ملازم کی بیٹی تھی.....!" ایک ہفتہ اور گزر گیا..... شاہ مراد کی بیٹی فائزہ بھی گم تھی.....!

عام قیاس آرائی یہی تھی کہ فائزہ بھاگ گئی تھی۔ مراد کو اپنی بیٹی کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ ایک ہی اولاد تھی۔ جو نافرمان نکلی تھی.....

اس دوران اے ایس آئی حشمت نواز اور ایک کانسٹیبل میرے ہمراہ تھے..... ہم نے فارم ہاؤس اور فرحان شاہ کا مکمل رقبہ راؤنڈ کیا.....!

شاہ مراد ایک محنتی آدمی تھا۔ بیٹی کا غم الگ تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس کی ڈھارس بندھی تھی۔ میں نے اسے مکمل تسلی دی.....!

ایک واضح سراغ مجھے اس کے گھر کے کمرے میں محسوس ہوئی، یہ رحم شاہ کے آفس میں بھی موجود تھی اور ادھر شاہ مراد کے گھر میں بھی.....!

لیکن میں نے اس کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"سر.....! یہ معاملہ سیدھا سادہ سا ہے۔ دو بالغ مرد عورت پسند کی شادی کرنے کے لئے گھر سے بھاگ گئے..... کورٹ میرج کرلیں گے۔ ہم کیوں مفت میں مارے مارے پھرتے رہیں.....!" حوالدار نذیر خان بولا.....!

"خان جی.....! فرحان ایک دماغی مریض ہے اور دماغی مریض کچھ بھی کرسکتا ہے اور فرحان کا باپ اربوں کا مالک ہے۔

ہمارے ملک کی ایک بڑی کمپنی کا مالک.....! وہ جس سے چاہے اپنے بیٹے کی شادی کرا سکتا ہے۔!"

"سر.....! آپ کو مردہ بوجھ ہوئی تھی جب ہم شاہ مراد کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔" حشمت نواز بولا۔

"ہاں.....! یہی بو مجھے رحم شاہ کے کمپنی آفس میں بھی محسوس ہوئی تھی۔ کیس کے ساتھ یہ بھی عجیب ہے.....!"

"اور سر.....! شاہ مراد کی بیوی بہت کالی تھی..... مجھے تو ڈر لگ گیا تھا.....! اور سرخ زبان.....! سوکھی..... کانٹا نظر آتی تھی.....!"

نذیر خان اپنے مخصوص انداز میں بولا اور میں ہنس پڑا.....!

☆.....☆.....☆

ماہین رضا..... میڈیا ڈپارٹمنٹ کی ہیڈ چیف تھی..... بہت ذہین اور تیز.....! کرمنلز میں ایم فل اور

ہر مسئلہ کو جڑ سے نکال پھینکنے والی.....!

میں نے سارا کیس ماہین رضا کو بتایا.....! چند لمحوں بعد اس کی آنکھوں میں چمک نظر آنے لگی.....!

''سر! آپ مجھے وہ خط دکھائیں گے جو فرحان شاہ کو لکھا گیا تھا.....'' اس نے کہا۔ میں نے خط دراز سے نکال کر ماہین کو دکھایا۔

وہ کافی دیر تک اس خط کو دیکھتی رہی۔

''سر یہ رائٹنگ انسانی نہیں.....!'' وہ بولی۔

میں حیرت سے اچھلا.....! ''لیکن وہ کیسے.....؟''

''سر.....! میں نے رائٹنگ میں ماسٹرز اور حتیٰ الوسع ریسرچ کی ہے۔

دنیا کی ہر زبان ایک خاص دائرے میں گھومتی ہے۔ انگریزی، فرانسیسی، لاطینی، اردو، فارسی یہ ایسی زبانیں ہیں جو ایک خاص گولائی اور مخصوص انداز میں لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔

الفاظ کی مخصوص گولائی انسانی ہاتھ سے اس طرح ممکن نہیں.....! رائٹنگ خاصی کمزور ہے جبکہ اگر لکھنے والا چاہتا تو اسے مزید برا کرسکتا تھا۔ اسی طرح وہ اسے بہت اچھا بھی لکھ سکتا تھا.....!''

''ماہین! آپ مکمل وثوق سے کہہ سکتی ہیں کہ انسانی ہاتھوں سے یہ خط نہیں لکھا گیا ہے۔''

''جی بالکل.....! مکمل اعتماد اور یقین کے ساتھ..... انگریزی رسم الخط انسانی ہاتھ سے اس طرح لکھنا ناممکن ترین ہے.....!'' وہ اعتماد سے بولی.....!

''اوکے..... مان لیتے ہیں..... کہ یہ انسانی لکھائی نہیں..... مگر پھر یہ خود بخود وجود میں نہیں آئی..... اور فرحان کا نام بھی واضح ہے۔'' میں نے کہا۔

''غیر مرئی مخلوق بھی اسی کائنات کا حصہ ہے، کامران صاحب! مجھے تو یہ جناتی کھیل معلوم ہوتا ہے.....'' فضول باتوں کا وقت نہیں ہے ماہین.....! ہمیں ان دونوں کا فزیکل ایریا نوٹس میں لانا ہے.....!

یہ بات فضول نہیں ہے سر.....! خیر یہ تو وقت ہی ثابت کردے گا.....! آپ اس خون کا DNA کروالیں.....!

مجھے تو یہ انسانی خون معلوم نہیں ہوتا..... اس میں سے خاصی بو اور سرانڈ سی آرہی ہے۔'' وہ بولی۔

ماہین کی بات دل کو لگتی تھی۔ واقعی کوئی انسانی لکھائی معلوم نہ ہوتی تھی جبکہ نزدیک سے اس خون سے سرانڈ سی بو تھی۔ خاصی عجیب اور مردہ سی.....!

''اوکے..... اسے ابھی بھجوا دیتے ہیں.....''

اور پھر دوسرے دن ٹیسٹ کا رزلٹ آ گیا۔

حیرت انگیز طور پر اس خون میں انسانی خون کی آمیزش شامل نہ تھی۔ وہ الگ قسم کا Blood تھا۔ ماہرین کی ریسرچ جاری تھی۔ مس ماہین کا شک یقین میں بدل گیا تھا.....!

یہ ایک عجیب صورت حال تھی..... Blood کسی مردہ جانور کا بتایا گیا تھا.....! بٹ کنفرم.....!

اور لکھائی بھی کسی غیر مرئی طاقت کی تھی.....

ناقابل یقین.....! خیر جیسے تیسے یقین کرنا پڑا.....!

ماہین ایک بار پھر میرے سامنے تھی.....

''میرا کہنا سچ ثابت ہوگیا..... وہ طاقت کون ہے.....؟ اس کا پتہ شاہ مراد اور اس کی بیوی سے ملے گا.....!'' وہ بولی.....

''وہ کیسے.....؟''

''مجھے یہ سارے کردار پراسرار اور جناتی ٹائپ لگ رہے ہیں! ہمیں اس کیس میں کسی بزرگ کی خدمات لینی چاہئیں.....'' وہ بولی.....

''مجھے سمجھ نہیں آتی کہ آپ کس طرح کی باتیں کررہی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سب کچھ کائنات کا حصہ ہیں مگر انسان سب پر بھاری ہیں۔ وہ ہمیں نہ جان سے مار سکتے ہیں اور نہ ہی ہم سے زیادہ طاقتور ہیں۔'' میں بولا.....!

''انسان بھاری ہے۔ تبھی تو کسی ایسی ہستی کی بات کررہی ہوں۔ جو اس مخلوق کو مخصوص انداز سے کنٹرول کرے.....! قرآنی آیات مخصوص وظائف اس مخلوق کو

زیر کرسکتے ہیں.....!''

''لیکن.....! ابھی اس کا وقت نہیں آیا..... ہم ابھی اور اسی وقت شاہ مراد کے ہاں چلتے ہیں شاید کچھ کلیو مل جائے.....!'' میں نے کہا۔ اور ہم شاہ مراد کے پاس پہنچ گئے۔

ناقابل یقین.....!

شاہ مراد اور اس کی بیوی کی قبریں ہمارا منہ چڑا رہی تھیں۔ میں نے فاتحہ خوانی کی.....!

''سر.....! معاملہ سلجھ گیا..... بیچارے دونوں مارے گئے.....!

ایک بیٹی تھی اس کا غم الگ تھا.....! جو مرگیا ہر غم سے آزاد.....!'' نذیر خان بولا.....!

''ایسا نہیں کہئے نذیر! کسی کے مرنے پر کوئی غم سے آزاد نہیں ہوتا.....!''

''ہمیں وہاں کچھ لوگ ملے.....! جن کے بیان حیرت انگیز تھے.....!

''وہاں کے ایک رہائشی کا بیان تھا۔

''صاحب! شاہ مراد نامی شخص کی وفات پانچ برس پہلے ہوئی.....! اس کی بیوی دو سال بعد جل مری تھی۔ جبکہ اس کی بیٹی فائزہ اپنے یار کے ساتھ بھاگ گئی تھی.....''

حیرت انگیز.....! پانچ سال پہلے.....! جبکہ ایک ہفتہ پہلے ہم لوگ ان سے ملے تھے۔ اچھی خاصی باتیں ہوئی تھیں۔ معاملہ خاصا گھمبیر تھا.....!

پھر رہتے رہتے مجھے رحم شاہ کا خیال آیا.....!

میں نے ان کی زمینوں پر کام کرتے لوگوں سے پوچھا.....!

''رحم علی شاہ کے بارے میں کچھ بتاؤ.....!''

''وہ تو جی بہت سال پہلے فالج زدہ ٹانگوں کے ساتھ اللہ کو پیارے ہوگئے تھے.....!'' ایک نے جواب دیا.....!

ماہین کی باتیں سچ معلوم ہونے لگیں۔

یہاں تو معاملہ ہی الٹ گیا..... سارے کردار اللہ کو پیارے ہوگئے تھے..... حشمت نواز خاصا سنجیدہ اور نذیر خان خاصا پریشان تھا.....!

وہاں سے واپسی پر دوسرے دن ہم لوگ ایکوا فینا کمپنی پہنچے مگر حیرت انگیز.....! وہاں ایک ریسٹورنٹ تعمیر کیا جارہا تھا.....!

لوگوں کے مطابق کبھی یہاں سینما ہوا کرتا تھا جبکہ آج کل ایک ملکی کمپنی ریسٹورنٹ تیار کررہی تھی.....! ایکوافینا کے نام سے کوئی کمپنی موجود ہی نہ تھی۔

ایک فل ٹائم مذاق ہوا تھا.....!

ہم لوگ بری طرح پھنس چکے تھے..... سارے لوگ ہماری نفی کررہے تھے..... میرا دماغ شدید ترین ڈپریشن میں تھا جبکہ کیس کے سارے کردار مٹی ہوگئے تھے سوائے فائزہ اور فرحان کے.....!

نجانے وہ لوگ دنیا میں تھے بھی سہی یا نہیں..... پانچ سال پرانا کیس.....! اس طرح دوبارہ کیوں اسٹارٹ ہوا؟..... یہ چند سوالات تھے جو ہمیں ہر صورت چاہئے تھے۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک یادگار دن تھا۔ جب اس انوکھے کیس کو سلجھانے کا ایک سرا میرے ہاتھ لگا۔ اس دن خوب بارش ہوئی تھی۔ دھنک کے بعد آسمان نکھرا نکھرا سا تھا۔

میں آفس میں پہنچا ہی تھا کہ ایک دھان پان سا شخص ڈری سہمی آنکھوں کا مالک آدھمکا.....!

واضح رہے اس شخص کی عمر 45 کے اردگرد ہی ہوگی۔

''جی فرمایئے.....! میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا.....

''آپ کامران بخاری؟'' اس نے گویا سوالیہ انداز سے پوچھا۔ انداز خاصا دلکش اور پڑھا لکھا تھا.....!

''جی..... آپ نے ٹھیک کہا.....'' میں نے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر کہا۔

''سر..... میرا کیس آپ کی دید کا منتظر ہے.....!'' وہ پراسرار انداز میں بولا۔

''میرے پاس بہت سے کیس ہیں۔ آپ کس کیس کے متعلق بات کررہے ہیں؟...... تعارف کرائیں...... میں کسی نتیجے پر پہنچوں''۔

''فرحان علی اور فائزہ کا کیس......!'' وہ بولا۔

''میں زوردار انداز سے جیسے اچھل پڑا...... یہ کیس آج کل واقعی پراسرار اور ہیبت ناک تھا۔ جس طریقے سے تمام کردار مٹی ہوگئے تھے اور کوئی واضح حل نہیں سوجھ رہا تھا...... میں تو سمجھا تھا کہ یہ سب دھوکہ تھا۔ ایک ایسا دھوکہ جو کسی غیر مرئی مخلوق کی طرف سے کھیلا گیا ہو۔ لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ اس بار کیس کے تمام کردار دنیا میں موجود رہے تھے۔ وقت نے انہیں مٹی کردیا لیکن ان میں سے دو کردار ابھی زندہ تھے۔ جس میں سے پہلا کردار جو زندہ تھا میرے سامنے تھا......!

''فرحان شاہ...... واقعی آپ کا کیس میری کسٹڈی میں ہے۔ خاصا جاندار اور زبردست واقعات سے بھرپور......!'' پھر میں نے اسے تمام حالات و واقعات سنائے۔ جسے وہ دلچسپی سے سنتا رہا......!

پھر وہ سسک پڑا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے، کچھ دیر بعد وہ سنبھل گیا، تو میں نے ٹھنڈا پانی پلایا۔

گو کہ یہ میری کہانی کی ڈیمانڈ نہیں لیکن مقصد صرف اتنا ہے کہ محبت جواں رہتی ہے۔ اس نے فائزہ سے محبت کی تھی۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے...... سمندر کی پرنم لہروں اور ریت کی نرمی جیسا پیار......! وہ حساس شخص کئی سال پرانی صحبت کے ہاتھوں مجبور ہوکر اپنا سب کچھ فنا کربیٹھا......!

''فرحان......! فائزہ کا بتاؤ؟ اس وقت کہاں ہے وہ......؟'' میں نے پوچھا۔

''بابا چراغ علی شاہ کے مطابق فائزہ اس دنیا میں ہے۔ لیکن ہماری اس تک رسائی صرف ایک صورت میں ممکن ہے جب میری دونوں آنکھیں ضائع ہوجائیں......!''

''لیکن فرحان......! آنکھوں کے ضائع ہونے سے بھلا فائزہ کا کیا تعلق ہے؟''

''میں آپ کو اپنی مکمل اسٹوری سناتا ہوں...... وہ سن لیں۔ پھر بعد میں کوئی مکمل فیصلہ کیجئے گا''۔

''وہ ایک بہت پیارا دن تھا جب فائزہ مجھے ندی پر ملی...... ہم لوگ گاؤں کی حسین وادی میں کرکٹ کھیل رہے تھے جب فائزہ سے میری پہلی ملاقات ہوئی......! اس کی آنکھیں جھیل سے حسین اور چہرہ مانند حور تھا۔ مختصر یہ کہ وہ مجھے بہت اچھی لگی......!

اس سے پہلے میں نے متحدہ ہائے امریکہ سے سافٹ ویئر انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی تھی۔

بہت سی ملٹی نیشنل کمپنیز کے ساتھ سافٹ ویئر کنٹریکٹ سائن ہوئے تھے۔ ایک لحاظ سے مارکیٹ میں آنے والے تمام جدید سافٹ ویئر پروڈکٹ کا واحد پروجیکٹ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں زبردست اپروچ سے کامیابی کی جانب رواں دواں تھا کہ پھر فائزہ کا عشق مجھ پہ سوار ہوتا گیا۔ میری سوچ میں فائزہ ہی فائزہ تھا۔ میں اسے سیل فون دے آیا تھا۔ ہم گھنٹوں باتیں کرتے۔ یہ عشق دوطرفہ تھا۔ پھر میں ایک دن گاؤں گیا۔

فائزہ میری بانہوں کی زینت بنی...... میرے بہت قریب آئی۔ شعور کی تمام حدیں کراس ہوگئیں...... میں اسے داغدار کرچکا تھا۔ پر اپنے اس گناہ پر نادم بھی تھا۔ بہت شرمندہ بھی ہوا...... بہت پشیمانی ہوئی...... بہت سی معافیاں مانگیں...... خدا کے حضور گڑگڑایا......!

فائزہ کی طبیعت خراب ہونے لگی تھی۔ میں گھر سے غائب ہوگیا۔ پھر مجھے فائزہ کی نارمل حالت کے لئے انتہائی قدم اٹھانا پڑا...... میں نے اسے شہر میں ایک دوست کے پاس ٹھہرایا......!

لیکن......! ایک پوائنٹ...... فائزہ اس دوران مکمل طور پر خاموش رہی...... مدہوش اور بے ہوش...... وہ بیچاری جس کرب سے گزر رہی تھی، اسے میں بہتر جانتا ہوں۔

وہ ایک خوفناک رات تھی، اماوس کی گھٹاٹوپ رات کا سناٹا تھا۔ میں سادہ لباس میں ٹھٹھرتی رات سناٹے میں گلی سے گزر رہا تھا۔ میں اس گھٹاٹوپ رات

میں خاصا تیز چل رہا تھا۔ آج صبح ایک اجنبی کی کال ریسیو ہوئی......!

''ہیلو......!'' آواز میں مٹھاس اور شیرینی تھی......

''ہیلو فرحان علی اسپیکنگ......!''

''میں مس شہلا بات کررہی ہوں۔ ڈاک بنگلہ سے......!'' آواز میں وہی حلاوت اور چاشنی......!

''جی فرمایئے......!''

''فرحان صاحب! فائزہ کی موت......'' اور وہ خاموش ہوگئی۔

''میں سکتے میں آگیا تھا۔ فائزہ کی موت......! کیا مطلب؟'' میں واقعی بے ہوش ہونے لگا تھا۔

''اگر آپ آج رات ڈاک بنگلہ میں نہ آئے تو فائزہ کی موت واقعی آپ کے لئے صدمے کا باعث ہوگی......!''

''فائزہ اس وقت کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میرے پاس ہے! آپ پلیز، میرے پاس آج رات تشریف لے آئیں......!''

''اوکے......! لیکن مجھے فائزہ کی زندگی کی مکمل ضمانت چاہئے۔'' میں نے کہا......!

''بے فکر رہو......! اسے کچھ نہ ہوگا......! آج رات میں تمہارا انتظار کروں گی......''

رات کی گہرائی کا اندازہ لگانا خاصا مشکل تھا۔ اس دھڑکتے دل کے ساتھ ڈاک بنگلے کی طرف رواں دواں تھا...... وہ کون تھی؟ کیا چاہتی تھی؟ فائزہ گھر سے غائب تھی۔ خاصی عجیب سی سچویشن تھی۔

وہ ایک ویران جگہ تھی۔ ڈاک بنگلہ شہر کے مضافات سے کافی ہٹ کر تھا۔ رات کو اس طرف شاید ہی کوئی آتا ہو۔ اندھیرا اور الو کی آواز......! میں خاصا چاک و چوبند رہا تھا۔ ایک ریوالور بھی میرے ساتھ تھا۔ خطرے کی صورت میں ہتھیار کا ہونا لازمی تھا۔

کچھ سوال میرے ذہن میں ابھرتے تھے۔ کون تھی وہ مس شہلا......؟

فائزہ کا اغواء اور پھر ڈاک بنگلے میں ملنے کے لئے اصرار کرنا...... ضرور کچھ ایسا تھا جو پراسرار تھا......

پھر کچھ عجیب سا ہوا...... ایک ہیولہ میرے پیچھے چلا آرہا تھا۔ اس کی شکل واضح تھی نہ کوئی آواز...... بس میرے وجود میں سنسناہٹ سی تھی...... وہ میرا وہم تھا یا سچ میں کوئی ہیولہ......!

میں بھوت چڑیل ٹائپ چیزوں پر یقین کرنے والا نہیں تھا...... لیکن بہت مضبوط ہونے کے باوجود آج خوف میری رگوں میں سرایت کرگیا......!

میں اپنی مخصوص رفتار سے ڈاک بنگلے کی جانب رواں دواں تھا...... لیکن پھر میرے لانگ بوٹ میرا ساتھ دینے سے انکار کرنے لگے...... میرے پاؤں میں چیونٹیاں سی چلنے لگیں، پاؤں منوں بھاری ہونے لگے۔ جسم پسینہ پسینہ ہوگیا اور سانس دوہرا ہونے لگا......! ایک خوفناک ہیولہ میرے جسم کے اوپر گول دائرے میں گھومنے لگا۔ وہ خوفناک جسم کا ہیولہ میرے حواس پر چھانے لگا...... قریب تھا کہ میں بے ہوش ہوجاتا لیکن پھر میرے دل میں ایمانی طاقت ابھرنے لگی۔ ایک نورانی سوچ ایک لمحہ کے لئے میرے دل میں اٹھی۔ اسم الٰہی کا ورد موثر ثابت ہوا۔ ہیولہ جس طرح ظاہر ہوا تھا ویسے ہی غائب ہوگیا......!

اچانک سیل فون کی گھنٹی پر اجنبی نمبر ڈسپلے تھا۔ اس وقت میں ڈاک بنگلے کے باہر موجود تھا۔ ہو کا عالم اور ہر طرف خاموشی کا راج، تنہا آدمی اور ہیولہ جیسی خطرناک جسم کی مخلوق سے واسطہ پڑنے کے بعد میری حالت کافی پریشان تھی۔ لیکن میری محبت فائزہ ڈاک بنگلے کے اندر موجود تھی۔ اور میرے لئے یہ بات خاصی تشویشناک تھی۔ مجھے جلد از جلد فائزہ کو مس شہلا کے چنگل سے چھڑانا تھا۔ مس شہلا کون تھی؟ کیا چاہتی تھی؟ اس بارے میں میری معلومات صفر رہی تھی......!

میں نے فون اٹینڈ کیا......

''ہیلو......'' ایک مترنم سی میٹھی دلکش آواز...... جس کی لے بہاروں جیسی اور سر میں کوئل کی آواز......!

میں اس کی آواز میں ڈوب سا گیا۔ ایک حسن تھا اس شیریں آواز میں..... مس شہلا کی آواز میں جادو تھا۔ اس کی آواز میرے اندر کے خوف کو آہستہ آہستہ مندمل کرنے لگی۔ کیا بتاؤں اس سریلی آواز کے بارے میں..... وہ تو بس دائرہ تعریف سے باہر تھی.....

''ہیلو..... مس شہلا..... میں ڈاک بنگلے کے باہر موجود ہوں.....!'' میں نے کہا.....

''اندر آجایئے.....!'' میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں.....! وہ انداز دلربائی سے بولی۔

''جی اچھا.....!'' میں نے فون جاری رکھنا چاہا لیکن ڈسکنکٹ ہوگیا.....

وہ ایک وسیع و عریض ہال کمرا تھا۔ جس میں اندھیروں کا راج تھا۔ صرف ایک زیرو بلب اپنی محدود روشنی کے ساتھ میرے سر کے عین اوپر موجود تھا..... میں نے جونہی ڈاک بنگلہ میں داخل ہوا۔ وہی خوفناک ہیولہ ایک بار پھر ظاہر ہوا۔ اب کی بار وہ خاصا خوفناک تھا۔ اس کی جارحانہ انداز میں میری طرف پیش قدمی میری بے ہوشی کا سبب بنی۔

جب جگنو سا میرے ذہن میں ابھرا تو میں نے اپنے آپ کو اسی ڈاک بنگلے کے ہال میں موجود پایا۔ اتنا تو مجھے یقین رہا تھا کہ یہ ڈاک بنگلہ ہی ہے کیونکہ زیرو بلب کی روشنی میں، میں نے اندازہ کیا تھا کہ میں ڈاک بنگلہ میں ہی موجود تھا.....

وہ لمحہ بہت ہی خوفناک تھا جب ایک چھناکے دار آواز کانوں سے ٹکرائی۔ ہال کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ میں دہل گیا تھا۔ چاروں طرف ناقابل فراموش خوف پھیل گیا تھا۔

ہال روم کی تمام لائٹس آف ہوگئی تھیں۔ وہ ایک عام سا کمرا..... چند ایک کرسیوں سے مزین..... میں بھی ایک کرسی پر موجود تھا لیکن ہلنے جلنے سے قاصر..... حیرت انگیز بات یہ کہ میں بندھا ہوا نہ تھا لیکن کسی غیر مرئی طاقت نے مجھے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا۔ میں صرف بات کرسکتا تھا۔ وہ بھی لائن آن ہونے کے بعد..... ورنہ ایک لمحہ کو تو مجھے اپنی زبان پر بھی دسترس نہ تھی.....!

وہ خوب صورت ترین تھی۔ کالی گھٹا جیسی لمبی زلفوں اور سحر زدہ آنکھوں کی مالکہ وہ عورت دلکش اور حسین ترین تھی۔

بلیک سوٹ میں ملبوس وہ دلکش نقوش والی حسین قیامت تھی۔ میں اپنے حواس کھو بیٹھا تھا..... دنیا میں ایسا حسن شاید ہی میں نے کبھی دیکھا ہو.....!

''کیسے ہو فرحان.....؟'' وہ بے تکلف سی ہوکر بولی۔

میں اس کی آواز کے سحر میں ایک بار پھر ڈوب سا گیا..... کوئل کی سندر سی آواز..... کیا جادو تھا۔ میری رگوں کے خون میں دوڑتی آواز.....!

''ٹھیک.....! تم شہلا ہو.....؟'' میں بولنے کی سکت نہ ہونے کے باوجود بھی بولتا چلا گیا۔

''ٹھیک پہچانا.....!''

''تم فائزہ کو چھوڑ دو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا.....!''

''جان.....! اتنا غصہ کیوں کرتے ہو۔ فائزہ کو چھوڑ دوں گی لیکن پہلے ایک معاہدہ کرنا ہوگا۔''

''کیسا معاہدہ؟''

''اگر تم مجھ سے شادی کی حامی بھرو.....!''

''Never..... یہ ناممکن ہے۔ تم خوب صورت ہو۔ دلکش ہو..... خوب صورت آواز کی حامل ہو۔ لیکن میری پہلی اور آخری محبت فائزہ ہی ہے۔''

''خاک محبت کرتے ہو فائزہ سے؟ ایک غریب لڑکی کی عزت تار تار کرنے کو محبت کا نام نہیں بلکہ ہوس کہتے ہیں۔ تم نے اس کے ساتھ کس طرح کے کھیل کئے..... اسے تم محبت نہیں نفرت کا نام دے سکتے ہو.....!''

''اس میں اس کی مرضی شامل تھی..... اور پھر یہ ہمارا پرسنل معاملہ ہے۔ تمہیں ان معاملات میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور برائے کرم فائزہ کو اپنے چنگل سے آزادی دے دو.....!'' میں برس پڑا۔

''اوکے..... لیکن تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہوگی۔ ہر حال میں بس.....!''

''لیکن..... تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ اور خاص طور پر مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتی ہو؟'' میں اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''سنو پھر!..... میں شہنشاہ جنات کی اکلوتی بیٹی شہلا ہوں۔ جنات میں متفرق خوبی کی طرح میں بھی روپ بدل کر اپنی زندگی گزار سکتی ہوں۔ ہر قسم کا روپ بدلنا میری خاصیت ہے.....

دوسری بات یہ کہ تم مسلمان ہو..... اور مسلمان کو تنگ کرنا ہمارا وطیرہ نہیں۔ لیکن اگر تم میں سے کوئی شخص ہمیں تنگ کرے تب ہم اسے نہیں چھوڑتے.....!

تمہارا فائزہ کے ساتھ کیا رشتہ ہے.....؟ یہ میں سب جانتی ہوں۔ وہ دوپہر خاصی کڑی اور دردناک تھی جب تم نے فائزہ کی عزت تار تار کی تھی۔ وہ سب میرے سامنے ہوا تھا۔ کیونکہ اس جگہ پر ہمارا خاص بسیرا تھا.....

ہم سب جنات عورتیں ایک دوسرے سے منہ چھپا رہی تھیں..... وہ ایک شرمناک عمل تھا۔ میں چاہتی تو فائزہ کو تمہارے چنگل سے آزاد کردیتی لیکن میں شہنشاہ جنات کے حکم کے آگے بے بس تھی.....!

آگے سنو..... تم اس وقت تک میرے منتر سے آزاد تھے جب تک تم بے قصور اور معصوم تھے۔ لیکن فائزہ سے اس قسم کے تعلقات کے بعد مجھے درمیان میں آنا پڑا.....!

سچ بتاؤں..... تو میں دلی طور پر تم سے محبت کرتی ہوں۔ فائزہ میری رقیب تھی..... اسے راستے سے ہٹانا میرا مقصد تھا اور تمہیں اپنانا میری زندگی کا مقصد.....!

شہنشاہ جنات کی بیٹی ہونے کے ناطے مجھے اختیارات حاصل تھے کہ میں ایک انسان سے محبت کرسکتی ہوں۔

تم میری محبت ہو..... اگر تم مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہوگئے تو فائزہ تمہارے حوالے ورنہ وہ موت تک بے ہوش رہے گی۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے ہوش میں نہیں لاسکتی اور میں ہر جگہ موت بن کر تمہارے سر پر منڈلاتی رہوں گی۔ تمہارے ہر کام میں رکاوٹیں پڑیں گی.....!''

وہ بولتی رہی اور میں لرزتا رہا۔ دل چاہتا تھا اس جنی کو جان سے مار دوں.....! لیکن میں بے بس تھا..... مجبور تھا۔

میں بری طرح پھنس چکا تھا۔ کیونکہ اگر میں اس سے شادی نہ کرتا تو فائزہ ساری زندگی بے ہوش ہی رہتی.....!

انسپکٹر صاحب.....! وہ بہت ظالم نکلی..... اس نے میرے تمام پروجیکٹ ناکام کرڈالے۔ اس وقت کی تمام ہائی کوالیفائیڈ بزنس مارکیٹس میں میرا نام تھا۔ فرحان شاہ سافٹ ویئر کی تمام نیو پروڈکشن اپنے عروج پر تھی۔ بہت سے جدید سافٹ ویئر دنیا میں میرے ذریعے لاؤنچ ہوئے۔ مگر پھر شہلا درمیان میں آ پھنسی..... وہ میری کامیابی میں رکاوٹ بنی تھی.....!

ہیلو اینڈ گرینگو کی سافٹ ویئر تیاری کے دوران شہلا آ پہنچی..... فائزہ میرے دماغ سے نکل گئی تھی نہ جانے ایسا کیا جادو ہوا تھا کہ میں فائزہ کو بھول کر اپنی جدید پروڈکشن کی طرف لوٹ آیا تھا۔ ڈاک بنگلہ میں ملاقات کے بعد شہلا پہلی بار میرے روم میں آدھمکی تھی۔

کمپیوٹر لینگویج میں ماسٹرز اور جدید ترین آٹو فیشن کے باوجود میرا سسٹم جام ہوگیا..... میں ٹائپ کرتا لیکن ٹائپنگ کے دوران شہلا کی تصویر ڈسپلے ہوتی..... میں چند منٹ تک ایسا کرتا رہا۔ لیکن شہلا نے میرا پیچھا نہ چھوڑا.....!

وہ LCD سے بول پڑتی.....!

''فرحان شاہ..... مان جاؤ..... میں تمہیں دنیا کی ہر سہولت فراہم کروں گی..... میری محبت کے آگے سر جھکا دو.....! اگر تم میری محبت نہ ہوتے تو زمین کے کیڑے مکوڑوں کی خوراک بن چکے ہوتے.....!''

اسپیکر سے اس کی آواز خوفناک لیکن کومل سی آتی.....!

"تم مجھے غلط قدم اٹھانے پر مجبور نہ کرو..... تم جنات سے ہو اور میں انسان..... انسان اور جنات کا ہسٹری میں کہیں بھی ملاپ نہیں ہوا..... اور نہ ایسا ہوگا.....!"

"لیکن میں روپ بدل سکتی ہوں۔ میں ایک مکمل انسان بن کر تمہارے ساتھ زندگی بتاؤں گی.....!"

"ایسا ناممکن ہے.....! تم چاہے جو کچھ بھی کرلو.....!" میں نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔

پھر وہ غائب ہوگئی۔ لیکن پھر میرے تیار کردہ ہر سافٹ ویئر کی تیاری کے دوران فائزہ کی صورت ابھرنے لگی..... وہ واقعی فائزہ ہی تھی..... جس کی تصویر سافٹ ویئر میں نظر آئی.....!

فائزہ کی تصویر نے میرا بزنس چوپٹ کردیا..... میں جس کمپنی کا سافٹ ویئر تیار کرنے لگتا۔ فائزہ کی تصویر ہر کلک میں شامل ہوجاتی..... اور میں سر پکڑ کر رہ جاتا.....

ان دنوں والد صاحب کو فالج ہوا اور کمپنی کی ہر ذمہ داری میرے اوپر آن پڑی..... یہ ہماری کمپنی کا زوال کا وقت تھا۔ شہلا نے ہمارے مزدوروں کو ہراساں کرنا شروع کردیا..... بوائلر میں آگ لگنے کی خبر بھی شائع ہوئی.....!

ہمارے مزدور دن کی روشنی میں پریشان کئے جاتے۔ ایک مستقل ہیولہ فیکٹری میں دیکھا گیا.....! انہی دنوں ہمارے منیجر کی Death ہوئی..... ان کی لاش کی بدبو پوری فیکٹری میں پھیل گئی۔ پھر یکے بعد دیگرے بہت سی اموات ہوئیں لیکن ابا جی کو اس کا قطعی علم نہ ہوا..... میں نے لواحقین کو خاموش کردیا تھا۔

لیکن ہیولہ مستقل پریشان کرتا رہا..... لوگ مرتے رہے..... اس زمانے میں اس تھانے کے انچارج حیرت خان تھے۔ انہوں نے معاملات سدھارنے کی حتیٰ الوسع کوشش کی لیکن کچھ بھی بہتر نہ ہوا.....

حالات سنگین ہوتے گئے۔ میرا بزنس برباد ہوگیا۔ ہر طرف سے لوگ طعنے کسنے لگے۔ امریکن یونیورسٹی سے تعلیم یافتہ سافٹ ویئر انجینئر اگر اپنے پیشے میں ناکام ہوجائے تو معاشرہ جینے ہی کہاں دیتا ہے؟.....

اور اب اپنے بزنس کے ساتھ ساتھ ابا جی کا بزنس ڈوبتے دیکھا تو دل خون کے آنسو رویا..... میں ہر روز اپنے کسی کولیگ کی موت کا سنتا تو دل پھٹ سا جاتا.....

اور پھر ایک دن کمپنیز آرڈی نینس کی شق نمبر 15 کے تحت ایکوافینا کمپنی انجام کو پہنچ گئی.....

والد صاحب کی وفات نے مجھے پاگل کردیا۔ میرا ان کے سوا کوئی نہ تھا۔ فائزہ بھی بدستور لاپتہ تھی۔ میری زندگی میں شہلا کی آمد منحوس کن تھی۔ شہلا اگر میری زندگی میں نہ آتی تو یہ بربادی کا تماشہ نہ دیکھا جاتا.....

پھر میں جاب کی غرض سے نکلا تو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا.....!

سافٹ ویئر اور مینجنگ پروجیکٹ میں ماسٹرز ڈگری کے باوجود میں سڑکوں پر بھیک مانگتا رہا۔

تبھی مجھے اللہ یاد آیا..... میں اس دن بہت غمگین تھا جب میری ملاقات سید چراغ علی شاہ صاحب سے ہوئی.....!

"بیٹا.....! دنیا میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ اگر اندھیرا نہ ہو تو روشنی کیسے ہوگی؟ گناہ کی لذت نہ ہو تو لوگ اچھے اور برے میں فرق کس طرح کریں گے؟ اچھائی اور برائی تو فرق کے لئے لازمی ہیں۔ تمہارے حالات بہت دردناک ہیں۔ لیکن اگر ہمت اور امید سے منزل کی جانب قدم بڑھاؤ تو حصول مقصد آسان رہتا ہے۔"

ان کی شفقت بھری باتوں میں روشنی اور امید کی اک دیا روشن تھا.....!

"شاہ صاحب.....! میں نے آج تک بہت گناہ کئے..... جن پر بہت شرمندہ ہوں..... توبہ کا دروازہ موت سے پہلے تک کھلا رہتا ہے..... میں آج سے خدا کے حضور گڑگڑا کر معافی مانگتا ہوں....." میں واقعی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے رو رہا تھا۔

میں بہت دیر تک روتا رہا..... جب میں رو رو

کے تھک چکا تو انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا.....!

اچھی طرح غسل کے بعد نماز ادا کی تو دل ایک روحانی خوشی سے جھوم اٹھا.....

پھر فائزہ کا ذکر چھڑا.....!

"فائزہ اسی دنیا میں موجود ہے لیکن شہلا کی ضد کی وجہ سے بے ہوش پڑی ہے۔ ڈاک بنگلہ میں فائزہ کا کوئی وجود نہ تھا۔"

میں اسے ہر جگہ تلاش کرتا رہا لیکن اس کا کہیں وجود نہ ملا.....

فائزہ کہاں تھی؟ اس کا جواب فرحان شاہ نے کچھ یوں دیا..... "فائزہ.....! بابا چراغ علی شاہ کے مطابق فائزہ زندہ تھی اور اس کا بے ہوش وجود ایک کنویں میں موجود ہے۔ وہ پچھلے پانچ سال سے بغیر کچھ کھائے پیئے زندہ سلامت تھی۔ لیکن شہلا کی حفاظتی تدابیر انسانی حیات کو تکلیف کے لئے کافی تھی۔

شاہ صاحب کے مطابق اگر فرحان اپنی دونوں آنکھیں اس کنویں میں موجود سانپ کے حوالے کردے۔ تو فائزہ خود بخود ہوش میں آجائے گی۔"

"لیکن..... میرا ایمان ان دقیانوسی باتوں پر قطعی نہیں.....! میرے خیال میں قرآنی آیات اور اسم الٰہی ہی جنات کو قابو میں لانے کا واحد ذریعہ ہے۔" میں بولا.....

"فرحان.....! یہ کیس میری سمجھ سے کافی دور ہے۔ تم جس قسم کے حالات و واقعات بتا رہے ہو وہ کوئی بھی ذی شعور شخص قبول نہ کرے گا..... ایکوافینا کمپنی کا وجود نہ کبھی تھا اور نہ ہے۔ پانچ سال پرانے لوگ دوبارہ کیسے زندہ ہوگئے؟"

"میں اس بارے میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ جہاں تک تعلق ہے ہماری کمپنی کا تو وہ آج سے پانچ سال پہلے ڈوب گئی تھی۔ تمام شیئرز ہولڈرز کی پے منٹ مکمل ہوگئی تھی۔ بینک کا قرض سود سمیت لوٹا دیا گیا تھا..... آپ بے شک ریکارڈ چیک کرلیں.....!"

وہ یقین سے بول رہا تھا..... اس کی آنکھوں میں اعتماد اور سچ تھا۔ اس کی باتوں میں جھول ضرور تھا لیکن حالات و واقعات کے تناظر میں صرف ایسا ہی ممکن تھا۔

"کیا آپ کا شہلا سے کوئی رابطہ ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں..... جب سے میں چراغ علی شاہ کے زیر سایہ آیا ہوں تب سے شہلا غائب ہے۔"

"اور جس کنوئیں میں فائزہ بے ہوش ہے وہ کنواں کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے بارے میں صرف شاہ صاحب ہی جانتے ہیں۔ میری استدعا ہے کہ آپ میرا ساتھ دیں تاکہ بہت جلد اس کیس کو انجام تک پہنچایا جائے.....!" وہ بولا

دوسرے دن ہم شاہ صاحب کے آستانے پر پہنچ گئے۔ مریدین کا وسیع حلقہ اس برگد کے وسیع و عریض درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں موجود تھا۔ لوگ عقیدت مندوں کی طرح آتے۔ روحانی و جسمانی مسائل بتاتے۔ کلام الٰہی کے چند وظائف عطا کرنے کے بعد شاہ صاحب نے ہماری طرف گویا نظر کی۔

"کامران صاحب.....! اللہ آپ کو ترقی عطا کرے۔ اس ملک کو آپ جیسے نوجوان لوگوں کی ضرورت ہے۔ آپ کی پرا گرس جاندار ہے۔" وہ میری طرف دیکھ کر بولے۔

ان کو کسی جگہ میں نے دیکھا تھا۔ ذہن پر زور دینے کے بعد یاد آیا۔ ان کو ایکوافینا کمپنی کی ہیمنٹ میں دیکھا تھا۔ جب انہوں نے مجھے ملنے کی ہدایت اور ایک عمدہ نصیحت بھی کی تھی.....!

"جی شاہ صاحب! جب تک آپ جیسے اللہ والوں کی دعائیں ساتھ ہیں۔ اس وقت تک ہماری ذمہ داریاں بھی عروج پر رہیں گی۔" میں نے سعادت مندی سے کہا۔

"بیٹا.....! روحانی معاملات کا توڑ صرف کلام الٰہی میں موجود ہے..... فرحان شاہ کا کیس خاصا پیچیدہ ہے۔ لیکن حل طلب بھی.....!

فائزہ اس وقت بھی زندہ سلامت ہے۔ اس کی بے ہوشی کا عرصہ پانچ سال پر محیط ہے۔ لیکن ایک کڑی شرط بھی ہے۔ وگرنہ فرحان علی فائزہ کو حاصل نہ کر سکے گا۔'' وہ بڑی محبت اور مشقت بھرے انداز میں بولے۔

''لیکن شاہ صاحب! آنکھوں کو حفاظتی حصار کی جانب کسی زہریلے سانپ کو دے دینا۔ ایک ظلم ہے۔'' میں بولا.....!

''لیکن اس کے بنا کوئی دوسرا حل نہیں۔'' وہ بولے.....

''کیا فرحان راضی ہے؟'' میں نے پوچھا.....

''میں راضی ہوں..... اگر میری وجہ سے کسی کو زندگی نصیب ہوتی ہے تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی.....''

''لیکن.....'' میں نے بولنا چاہا.....

☆.....☆.....☆

یہ اس انوکھی کہانی کا ٹرننگ پوائنٹ تھا۔ فائزہ واقعی کنویں میں بے ہوش پڑی ملی تھی۔ شاہ صاحب نے چند مخصوص عمل کے ذریعے شہلا کو قید کر دیا تھا۔ شہلا کی قید کے بعد باقی مسائل خود بخود حل ہو گئے تھے۔

اتفاق سے فرحان کی آنکھیں بھی ضائع ہونے سے بچ گئیں۔ وہ شاہ صاحب کی کڑی محنت تھی کہ شہلا جیسی بدذات بوتل میں قید ہو گئی.....!

فائزہ کو بہت زیادہ محنت کے بعد باہر نکالا گیا تھا۔ وہ زندہ تھی۔ لیکن سوکھ کر کانٹا۔ فائزہ کی خوب صورتی ماند پڑ گئی تھی.....

چند قرآنی آیات کے ورد اور پانی کے چھینٹوں سے فائزہ آہستہ آہستہ ہوش میں آنے لگی..... نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے وہ بول نہ سکی..... البتہ پانچ سال بعد بھی وہ فرحان کو پہچان گئی تھی دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ اسی دوران شاہ صاحب کہیں غائب ہو گئے تھے..... کہانی انجام کو پہنچ چکی تھی..... دو محبت کرنے والے ایک دوسرے کو مل گئے تھے.....!

لیکن ٹھہریے.....!

ایک سیکنڈ.....! پھر ان دونوں نے شادی کی اور میں اس میں شریک رہا۔ شہر کے مہنگے ترین ہوٹل کے بجائے یہ عام سی تقریب تھی۔ دو گواہ اور دولہا دلہن.....! گواہان میں میرا نام بھی شامل تھا.....!

لیکن پھر کچھ عرصہ بعد..... میرے ایک عزیز کا جنازہ اٹھا۔ میت کو آخری آرام گاہ کے لئے قبرستان لے جایا گیا۔ واپسی پر میری نظر ایک قبر کے کتبے پر پڑی..... فرحان علی شاہ ولد رحم علی شاہ..... سن وفات اکتوبر 1997ء.....!

میں غور سے اس کتبے کو دیکھتا رہا۔ حیرت کے اتھاہ سمندر میں ڈوبتا میرا دماغ..... جسم میں رونگٹے کھڑے ہو گئے.....

ایک خیال بجلی کے کوندے کی مانند آ گیا۔

''ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی دوسرا شخص ہو۔ فرحان علی شاہ دنیا میں بہت سے ہو سکتے ہیں.....''

وہ دل شکستہ آواز تھی۔ کرب میں ڈوبی ایک دلخراش آواز..... محبت اور رنج والم میں ڈوبی فائزہ کی آواز رندھی ہوئی تھی.....

''انسپکٹر صاحب! ہم سب کا تعلق عالم جنات سے تھا.....! آپ کے ساتھ کچھ کردار انسانی اور کچھ جناتی رہے۔ فرحان علی شاہ کی موت 1997ء میں ہو گئی تھی..... میں بدنصیب اس کی محبوبہ..... آج بھی اس کے انتظار میں سرگرداں ہوں.....!

کیس اختتام کو پہنچا..... اپنی نوعیت کا انوکھا کیس مگر میرے اندر ایک زبردست قسم کا خوف چھوڑ گیا.....!

میں جنات کے ساتھ رہا اور محسوس تک نہ ہوا.....! قدر دان کہتے ہیں کہ یہ نوکری چھوڑ کر کوئی اچھا سا کاروبار کر لوں..... لیکن یقین جانیے..... آگے آنے والے کیسز..... مزید حیران کن اور دلچسپ رہے کہ عقل حیران اور زندگی میں ان چیزوں کی عادت سی ہو گئی۔

خونی عمل

ایس حبیب خان۔ کراچی

اچانک چلتی مشین سے کیمیکل باہر کو اچھلا اور قریب کھڑے نوجوان کو بری طرح جھلسادیا، سارے لوگ حیران تھے کہ یہ ہوا تو آخر ہوا کیسے، کسی کی عقل کام نہیں کررہی تھی مگر جب ایک اللہ والے نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو.....

کیا یہ حقیقت ہے کہ جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ اس حقیقت سے پردہ اٹھاتی ایک انہونی کہانی

ہنڈیا کو بھول کر نگہت کسی سوچ میں گم تھی اور ہنڈیا میں سے دھواں نکل کر کچن میں بھر رہا تھا۔ ''بھابھی! بھابھی!'' نرمین کے دو بار آوازیں دینے پر بھی نگہت کے اوپر کوئی اثر نہ ہوا۔ نرمین نے کھانستے ہوئے چولہا بند کیا اور نگہت کو ہلا کر کہا۔ ''بھابھی سالن جل گیا! آپ کہاں گم ہیں؟'' نگہت نے چونک کر ہنڈیا کو دیکھا جو کالی ہو چکی تھی اور سالن جلنے کی بو پورے کچن میں بھر گئی تھی۔

''وہ بس ذرا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' نگہت نے بات بنائی۔

نرمین نے ہنڈیا کو کپڑے سے پکڑ کر سائیڈ میں رکھ دیا۔ ''بھابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو آپ آرام کرلیں میں دیکھ لیتی ہوں کچن کا کام۔''

''نہیں میں کرلوں گی۔'' نگہت نے کہا تو نرمین کچن سے چلی گئی۔ نگہت دوبارہ نیا سالن چڑھانے لگی۔

نگہت کی شادی کو پانچ سال ہو چکے تھے اس کا اس دنیا میں ماں کے علاوہ کوئی نہ تھا وہ اپنی ماں کی اکلوتی اولاد تھی۔ سسرال میں سسر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ساس اور شوہر کے علاوہ دیور، دیورانی اور سب سے چھوٹی نند نرمین تھی۔ اس کی شادی ہو چکی تھی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ انگلینڈ میں رہتی تھی اور سال میں دو مہینے کیلئے اپنے میکے آتی تھی۔

نگہت اور اس کی ماں جمیلہ انتہائی گندی فطرت کی عورتیں تھیں۔ جھوٹ کی تو دونوں ماں بیٹی جیتی جاگتی تصویر تھیں۔ حسد، کینا، بغض، لالچ غرض ایسی کوئی برائی تھی جو ماں بیٹی میں نہ تھی۔

جمیلہ کے شوہر کا اس کے باپ کی زمین میں جو حصہ بنتا تھا وہ جمیلہ کے سسرال والے ہر ماہ ایمانداری سے بھیج دیتے تھے باقی جمیلہ محلے کے کپڑے سی کر گزارہ کر لیتی۔ محلے کی ایک عورت نے ایک بہت امیر خاتون کے کپڑے جمیلہ کو سینے کیلئے لا کر دیئے تو جمیلہ نے اس سے ان کے بارے میں کریدنا شروع کر دیا اور پھر مظلومیت اور بے چارگی کا اعلیٰ نقشہ کھینچ کر اس خاتون کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ دراصل نگہت اور اس کی ماں کی آنکھیں ان لوگوں کی حیثیت دیکھ کر پھٹ گئی تھیں۔ اس خاتون نے جمیلہ کو بے سہارا غریب بیوہ دیکھ کر بغیر چھان بین کئے نگہت کی شادی اپنے بڑے بیٹے سے طے کر دی۔

وہ لوگ امیر ہونے کے ساتھ ساتھ شریف اور نیک بھی تھے۔ اتنا سب اچھا ہونے کے باوجود بھی دونوں ماں بیٹی کو شرافت، سکون و چین کی زندگی راس نہ آئی۔ وہ کہتے ہیں ناں انسان اپنی اصل سے کیسے پیچھے ہٹ سکتا ہے نگہت اور اس کی ماں کو ان کے ساتھ کی گئی نیکی ہضم نہ ہوئی۔

سب سے پہلے سسرال پہنچتے ہی نگہت نے آہستہ آہستہ اپنے شوہر کے پیسے اپنی ماں کو پہنچانے شروع کر دیئے۔ سسرال کی معمولی بات وہ اپنی ماں کے کان میں ڈالتی۔ اپنے سسرال کی کمزوریاں، ساس کی برائیاں اور شوہر کی باتیں ماں کو پہنچانا نگہت کا اولین فرض تھا جو وہ بخوبی ادا کر رہی تھی۔ اس نے شرافت کے لبادے میں رہتے ہوئے اپنی دیورانی کو ہر جگہ ذلیل کر دیا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی دیورانی صباء کے سلیقے سے کئے ہوئے کام کو خاموشی سے بگاڑ دیتی اور باتیں صباء کو سننی پڑتیں اور خود صباء کے پاس جا کر اس کی دلجوئی کرنے کے بہانے اسے ساس کے خلاف بھڑکاتی۔ وہ منافقت سے گھر کے اندر گھناؤنا کھیل کھیل رہی تھی۔ جھوٹ کی تو وہ دیوی تھی، شوہر کے کہنے کے باوجود کام کو وہ اپنی ماں سے باتوں کے چکر میں لاپروائی سے اڑا دیتی اور کامیابی سے جھوٹ بول کر بات بنا دیتی۔ جھوٹ وہ اتنی کامیابی سے بولتی کے شوہر بے چارہ اس کا یقین کر لیتا کیونکہ وہ بالکل صاف ستھرا، شریف اور سچ بولنے والا تھا۔ اس کے وہم و گمان تک میں نہیں تھا کہ نگہت کس قدر جھوٹی اور مکار عورت ہے۔

نگہت کی ماں اسے مسلسل پٹیاں پڑھاتی کہ سب کا پتہ صاف کر کے ہر چیز پر اپنا قبضہ جماؤ مگر اس سے بھی پہلے تجھے اپنے قدم مضبوط کرنے ہونگے اور وہ ہونگے "اولاد" سے اور یہی دونوں کی سب سے بڑی پریشانی تھی کیونکہ پانچ سال گزر جانے کے باوجود بھی نگہت کی کوئی اولاد نہ تھی۔ نگہت اور اس کی ماں کو یہ دھڑکا بھی لگا رہتا تھا کہ کہیں اولاد کے لئے اس کا شوہر دوسری شادی نہ کر لے۔ نگہت اپنی غلیظ حرکتوں میں لگی رہی اور دوسری طرف اللہ نے اس کی دیورانی صباء کو ایک بیٹے سے نواز دیا۔

اب تو صباء کانٹے کی طرح نگہت کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ نگہت اور اس کی ماں نے سوچا چھوٹے موٹے ہتھکنڈوں سے کچھ نہ ہوگا کوئی بڑا دھماکہ کرنا پڑے گا اور پھر دونوں بے شرم عورتوں نے انتہائی غلیظ حرکت کا فیصلہ کیا۔ ایک شام جب نگہت کا شوہر خالد گھر واپس آیا تو نگہت گھر پر نہ تھی۔ اس نے گھر میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ وہ اپنی ماں کے گھر گئی ہے۔ خالد نے خاص توجہ نہ دی کیونکہ ہفتے کے سات دنوں میں سے پانچ دن تو نگہت اپنی ماں سے ملنے جاتی اور باقی کسر فون پر نکال لیتی۔ پھر تھوڑی دیر بعد خالد کے پاس نگہت کا فون آیا وہ اسے لینے

آجائے۔ خالد اسے لینے چلا گیا۔ جب وہ اندر گیا تو اس نے دیکھا نگہت صحن میں تخت پر بیٹھی رو رہی تھی۔

"کیا ہوا نگہت؟" خالد نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں وہ بس ایسے ہی"۔ نگہت نے مکاری سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کیا ایسے ہی! تم روکیوں رہی ہو، کوئی وجہ بھی تو ہوگی؟" خالد نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں بتاتی ہوں" جمیلہ نے کہا اور بولی: "دیکھو بیٹا! ہم غریب ہیں مگر عزت دار ہیں، میری بچی کی عزت اس گھر میں محفوظ نہیں۔ تمہارے بھائی حامد نے میری بیٹی کو....."

"بس چپ ہو جایئے!" خالد یکدم غصے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ ماں رہنے دیں یہ میرا یقین نہیں کریں گے۔"

خالد وہاں سے آندھی کی طرح باہر نکل گیا اور نگہت کو لئے بغیر گھر چلا گیا۔ اگلے روز نگہت کی ماں اسے لے کر خود اس کے سسرال پہنچ گئی اور اس نے کہرام برپا کر دیا۔ سب نے دونوں ماں بیٹی کی بات سن کر دانتوں تلے انگلیاں داب لیں۔

حامد انتہائی شریف اور مذہبی انسان تھا اس کی بیوی صباء بھی بہت اچھی عورت تھی اور وہ اپنے شوہر کو بخوبی جانتی تھی۔ وہ غصہ سے کہہ رہی تھی۔ "بھابھی اللہ کا خوف کرو! اتنا جھوٹا اور انتہائی غلیظ الزام تم میرے بے گناہ شوہر پر لگا رہی ہو۔ تمہیں مر کر اللہ کو کیا منہ نہیں دکھانا ہے؟" نگہت جواب دینے کے بجائے مظلومیت کی تصویر بنی اپنی ماں سے لگی آنسو بہائے جا رہی تھی۔ خالد کی ماں یعنی نگہت کی ساس نے صباء کو خاموش ہونے کیلئے کہا اور حامد کو مخاطب کیا جو کہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"حامد تمہیں کچھ کہنا ہے؟"

حامد نے سر اٹھا کر کہا: "مجھے نہیں معلوم نگہت بھابھی جھوٹ کیوں بول رہی ہیں، انہیں میں بہن کا درجہ دیتا ہوں، میرے لئے نرمین اور نگہت بھابھی میں کوئی فرق نہیں۔ چاہے کسی کو یقین آئے یا نہیں۔ میں اپنے اللہ کو اپنے ہر عمل کا جواب دہ ہوں میرا دل اور ضمیر دونوں مطمئن ہیں۔

"باقی میں اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑتا ہوں"۔ حامد کے لہجے کی مضبوطی اس کے کردار کے بارے میں گواہی دے رہی تھی جس کو نگہت اور اس کی ماں سمیت سب نے محسوس کر لیا تھا۔

"ٹھیک ہے، مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے حامد! مگر میں نہیں چاہتی کہ آگے جا کر کوئی مسئلہ بنے اس لئے اب تم اور صباء نیچے نہیں رہو گے۔ جتنی جلدی ہو تم دونوں اوپر کی منزل پر شفٹ ہو جاؤ اور ہاں صباء تم اپنا کچن بھی الگ کر لو" حامد کی ماں نے فیصلہ کر دیا اور سب وہاں سے چلے گئے۔

خالد خاموشی سے اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا۔ نگہت نے اپنی ماں کو رخصت کیا اور کمرے میں آ گئی۔ نگہت کے کمرے میں آتے ہی خالد نے جان بوجھ کر آنکھیں موند لیں۔ اس کا دل رو رہا تھا۔ خالد کو اپنے بھائی کے کردار پر ایک فیصد بھی شک نہ تھا مگر کیا نگہت جھوٹ بول رہی ہے؟ یہ سب سوچ سوچ کر خالد کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اگلے روز نگہت نے اپنی ماں کو فون کیا اور دونوں ماں بیٹی نے خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ "کم بخت بڑھیا بھی بہت چالاک ہے۔ بجائے حامد کو گھر سے نکالنے کے اسے اوپر بھیج کر اور خود مختار کر دیا"۔ جمیلہ بولی

"اور صباء آرام سے اپنی مرضی سے رہے گی اور یہ منحوس بڑھیا ہر وقت میرے سر پر سوار رہے گی"۔

"چل کوئی بات نہیں، گھر میں دراڑ تو ڈال دی ناں ہم نے۔" جمیلہ بولی۔ "اچھا چھوڑ کل تجھے میرے ساتھ ایک جگہ چلنا ہے اور ہاں موٹی رقم ضرور ساتھ رکھ لینا۔" جمیلہ نے نگہت کو پٹی دی۔

پروگرام کے مطابق نگہت اپنی ماں کے گھر اگلے روز پہنچ گئی۔ جمیلہ اور نگہت رکشے میں بیٹھ کر ایک سنسان علاقے میں پہنچ گئیں۔ پھر ایک طرف رکشہ رکوا کر جمیلہ آگے چلنے لگی اور ایک گھر کے سامنے آ کر اس پر دستک دی۔ "چلی آ!" اندر سے آواز آئی تو دونوں دروازہ کھول

کر اندر چلی گئیں مگر اندر قدم رکھتے ہی دونوں نے بے اختیار اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لئے۔ ان کی ناکوں سے انتہائی غلیظ بدبو کے بھبکے جو ٹکرائے تھے۔

"ہوں! اولاد چاہیے؟" ایک کونے میں سے آواز آئی تو دونوں ماں بیٹی اچھل پڑیں۔ ایک طرف کونے میں ایک سوکھا سا سیاہ آدمی بیٹھا تھا دونوں زمین پر بچھی چٹائی پر بیٹھ گئیں۔

جمیلہ بولی: "پانچ سال ہو گئے ہیں جی اس کی شادی کو، کہاں نہیں علاج کروایا، مگر اس کی گود ابھی تک خالی ہے۔"

"ہم دیں گے۔" اس آدمی نے کفر بکتے ہوئے کہا۔

اس کے علاوہ ایک کام یہ بھی ہے کہ "سسرال پہ صرف اور صرف میری بیٹی کی حکمرانی ہو، اس کے راستے کے کانٹے بھی صاف کروانے ہیں۔" جمیلہ نے مزید کہا تو وہ آدمی اپنے پیلے گندے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بولا: "کام ہو جائے گا مگر اس کام میں رقم ......" ادھورا جملہ چھوڑتے ہوئے وہ انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے رقم کا مطالبہ کرنے لگا۔

"اس کی آپ فکر مت کریں۔" نگہت جو خاموش تھی جلدی سے بولی اور پرس سے رقم نکال کر اس کے آگے رکھ دی۔

"تو پھر سسرال والوں کے نام بتا" اور دونوں اس آدمی کو مطلوبہ معلومات فراہم کر کے واپس آ گئیں۔

اس عامل نے انہیں دوبارہ جمعرات کو آنے کیلئے کہا۔ جمیلہ اور نگہت بجائے اپنے رب کی رضا میں راضی ہوتیں وہ اس راستے پر چلیں جس نے انہیں ایمان سے دور کر دیا۔ جس آدمی کے پاس وہ آئی تھیں وہ کالے جادو، سفلی اور ہر طرح کے گندے عمل کا ماہر تھا اس نے دو کام نگہت کو بتائے تھے۔ "ایک تو اسے چار کیلیں دیں تھیں جو نگہت کو اپنی ساس کے بستر کے کونوں میں گاڑنی تھیں اور دوسرا اسے ایک عمل بتایا تھا جو نگہت کو رات شوہر کے سو جانے کے بعد اس کے سرہانے بیٹھ کر پڑھنا تھا اور ساتویں روز سیاہ دھاگے میں سات گرہیں لگا کر اس عامل کے پاس لانا تھا۔

نگہت نے دونوں کام نہایت چالاکی سے کر لئے۔ شوہر پر نگہت کا کیا گیا عمل سر چڑھ کر بولنے لگا۔ خالد کی آواز نہیں نکلتی تھی، نگہت کے سامنے، نگہت جو کہتی وہی خالد کا فیصلہ ہوتا۔ اور ساس؟ کیلیں گاڑتے ہی بستر سے لگ گئیں۔ ان کی گردن سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کے آخری سرے تک ہڈی مڑنے لگی۔ ان کی ہڈی اس طرح تک مڑ گئی جیسے کمان ہوتی ہے حالانکہ وہ کوئی اتنی عمر رسیدہ نہ تھیں اور نہ ہی پہلے انہیں کوئی اس طرح کی شکایت رہی۔ ڈاکٹرز حیران تھے کہ اچانک انہیں کیا ہو گیا۔

ماں کی بیماری کا سن کر نرمین پہلی فلائٹ سے آ گئی اور ساتھ ایک خوشگوار سرپرائز بھی لائی اس کی گود میں ایک ننھی سی جیتی جاگتی گڑیا بھی تھی۔ نرمین کی ماں اور باقی گھر والوں کے چہرے خوشی سے دمک اٹھے۔ وہ سب پریشانی کو عارضی طور پر بھول گئے۔

مگر نگہت کے تو سر سے لے کر پیر تک شعلے بھڑک اٹھے۔ اس نے نرمین کی بیٹی کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور بہانے سے اپنے کمرے میں آ کر اپنی ماں کا نمبر ڈائل کر کے خوب روئی۔

"اب تو اس چڑیل نرمین کے گھر بھی اولاد ہو گئی اور میں ابھی ......" اس کی ماں نے اسے تسلی دی اور کہا "صبر کر میری بچی، تجھے یاد نہیں عامل صاحب نے کہا تھا کہ وہ تجھے اولاد دیں گے" آنے والی جمعرات کو دونوں ماں بیٹی طے شدہ وقت یعنی سورج غروب ہونے کے بعد عامل کے پاس پہنچ گئیں عامل نے نگہت کو چار تعویذ دیئے جو اسے کسی بہت اونچے درخت پر باندھنے تھے۔ ان کا ہوا سے ہلنا لازمی تھا۔ دونوں ماں بیٹی نے بہت مشکل سے یہ کام ایک آدمی کو پیسے دے کر اس کی مدد سے کیا۔ پھر اس عامل نے نگہت سے کسی بچے کی اترن منگوائی اور اگلی جمعرات کو لانے کو کہا نگہت وہاں سے آ کر اسی سوچ میں گم تھی کہ بچے کی اترن کہاں سے ملے گی اور اسے یہ ہوش ہی نہ رہا کہ سالن جل چکا ہے۔ نرمین نے اسے ہلایا تو

وہ پھر نیا سالن چڑھانے لگی۔

رات کو کام ختم کر کے نگہت اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ اسے سامنے نرمین کا کمرہ دکھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا، نرمین اپنی بیٹی کے کپڑے بدل رہی تھی۔ نگہت کے چہرے پر ایکدم خباثت بھری مسکراہٹ آئی اور وہ نرمین کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی اور باتوں باتوں میں نرمین کی بیٹی کے اتارے ہوئے کپڑے دوپٹے میں چھپا کر اپنے کمرے میں لے آئی اور اگلی صبح وہ کپڑے اپنی ماں کے ذریعے عامل تک پہنچا دیئے۔

نرمین کی بیٹی مسلسل روئے جا رہی تھی وہ بخار میں تپ رہی تھی اور اس کا رنگ سرخ انگارے کی طرح ہو رہا تھا بچی اذیت ناک حد تک روئے جا رہی تھی اور چپ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ سب پریشان تھے ڈاکٹر کو بلوایا گیا مگر ڈاکٹر کی تجویز کردہ دوائی سے بھی بچی کا بخار نہ اترا تو ڈاکٹر کے کہنے پر بچی کو اسپتال میں ایڈمٹ کروا دیا گیا مگر اس سے بھی کچھ نہ ہوا۔ بچی نے کھانے سے بھی انکار کر دیا۔ وہ وقفے وقفے سے روتی رہی وہ ایک رات اسپتال میں رہی اور ایک ہی دن میں وہ سوکھ کر ہڈیوں کا پنجر بن گئی۔ اسے جمعے کی رات اسپتال لائے تھے اور ہفتے کی شام نرمین اسے گود میں اٹھائے بیٹھی تھی کہ بچی نے ایک ہچکی لی اور ساکت ہو گئی۔ نرمین نے چیخ کر ڈاکٹرز کو بلایا اور ڈاکٹر نے آ کر افسوس کے ساتھ کہا۔

"سوری! شی از نو مور" ڈاکٹر نے آگے کیا کہا نرمین یہ سننے کے لئے ہوش میں نہ رہی۔ اس نے اتنا صدمہ لیا کہ اسے ہوش نہ آیا وہ کومہ میں چلی گئی۔

نرمین کا شوہر انگلینڈ سے آ گیا۔ نرمین کو یہ بھی پتہ نہ چلا کہ اس کی لخت جگر مٹی کے نیچے کب سونے چلی گئی، کب اس کا شوہر اسے انگلینڈ واپس لے گیا اور اسی بے ہوشی کے عالم میں وہ ایک روز اس دنیا سے بھی رخصت ہو گئی۔ نرمین کی ماں اور بھائی اس حقیقت کو قبول نہیں کر پا رہے تھے آخر یہ سب اچانک کیا ہو گیا۔

"ابھی تک صرف ایک کانٹا نکلا ہے میری بیٹی کی راہ سے باقی تو ایسے کے ایسے موجود ہیں۔" جمیلہ نے عامل سے کہا۔

"بڑی بے صبری عورت ہے تو، لے یہ دو تعویذ ہیں تجھے کسی تازہ قبر میں دبانے ہیں اور یہ کام جس کا ہے اسی کے ہاتھ سے ہونا چاہئے یعنی تیری بیٹی کے ہاتھوں اور تو بہت جلد اولاد بھی پا لے گی۔"

نگہت نے خوش ہو کر جلدی سے نوٹوں کی گڈی عامل کے آگے رکھ دی۔ جمعرات کی صبح نگہت نے خالد سے کہا کہ وہ اپنی ماں کے گھر جائے گی اور ایک دن رکے گی جمعہ کی شام وہ اسے لینے آ جائے۔ خالد روبوٹ کی طرح سر ہلانے لگا رات بارہ بجے دونوں نڈر اور بے خوف عورتیں تیزی سے اندھیرے میں ٹارچ لئے تازہ قبریں تلاش کر رہی تھیں۔ دونوں اپنے مقصد میں اتنی اندھی اور بے حس ہو چکی تھیں کہ انہیں یہ احساس تک نہ تھا کہ وہ آخر کیا کر رہی ہیں؟ "امی! یہ رہیں۔"

نگہت نے کچھ دور قبریں ٹٹولتی اپنی ماں کو آواز دی۔

جمیلہ جلدی جلدی آئی۔ وہاں دو نئی قبریں تھیں۔ جمیلہ ٹارچ لے کر ایک اونچی قبر پر بیٹھ گئی، جبکہ نگہت زمین پر اکڑوں بیٹھی ایک نوکیلے پتھر سے قبر کا کونا کھودنے لگی جب سوراخ کافی گہرا ہو گیا تو اس نے تعویذ اس میں دبایا اور مٹی واپس قبر میں بھر دی پھر یہی عمل دوسرے تعویذ کیلئے کیا اور پھر کام ختم ہو جانے پر دونوں ماں بیٹی گھر آ گئیں اور نہا دھو کر اطمینان سے کھانا کھانے لگیں۔

اگلی دفعہ جب دونوں اس عامل کے پاس گئیں تو وہ بولا: "یہاں تک تو سب آسان تھا مگر اب اصل مرحلہ شروع ہو رہا ہے جو نہایت مشکل ہے اگر تو نے وہ مرحلہ پار کر لیا تو تجھے اولاد سے دنیا کی کوئی طاقت محروم نہیں کر سکتی۔ غور سے سن۔ تجھے ہر ماہ اس رات جب چاند پورا ہو چکا ہو ایک نومولود بچہ جس کی عمر سات روز سے زیادہ نہ ہو اس کے خون سے غسل کرنا ہو گا اور غسل کے ساتھ وہ عمل بھی پڑھنا ہو گا جو ابھی تجھے بتایا جائے گا اور سورج نکلنے سے پہلے ہر حال میں اپنے عمل کو ختم کرنا ہو گا۔ لیکن دھیان رہے ایک بار جو عمل شروع کر لیا تو ہر

حال میں اسے پورا کرنا ہوگا یعنی سات ماہ تک سات بچوں کے خون سے غسل کرنا ہوگا۔ ورنہ اس کا اتنا بھیانک انجام ہوسکتا ہے جو تو سوچ بھی نہیں سکتی اگر ہمت ہے تو شروع کرنا ورنہ ابھی بھی موقع ہے۔" عامل نے تفصیل سے بتایا۔

نگہت بولی۔ "مجھے ہر حال میں اولاد چاہئے جو اس تمام جائیداد کی وارث ہوگی۔ اس کے لئے میں مشکل سے مشکل عمل بھی کرلوں گی مگر ہم بچے لائیں گے کہاں سے؟"

"اس کا بندوبست ہوجائے گا مگر اس کے الگ سے پیسے ہونگے۔ کبھی مجسم بچہ مل سکتا ہے یا پھر کبھی بچے کا خون، دونوں صورتوں میں تیرا کام ہوجائے گا۔"

جس پر دونوں ماں بیٹی جھٹ سے راضی ہوگئیں۔ نگہت اپنے شوہر کی حق حلال کی کمائی کس بے دردی سے ناپاک کاموں میں اڑا رہی تھی اس کا اندازہ خالد کو بالکل نہ تھا، ہوتا بھی کیسے وہ بے چارہ تو خود اس کے حصار میں تھا۔

قبر میں تعویذ دبانے کے اگلے روز سے ہی نگہت کی ساس کی حالت بگڑنے لگی۔ انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کرلیا گیا جہاں ایک روز انہوں نے دونوں بیٹوں کو بلا کر ان کے باپ کی وصیت انہیں تھمادی۔ "بیٹا یہ وصیت تمہارے باپ نے اپنی زندگی میں ہی کردی تھی اور اس کے مطابق اب صرف تم دونوں ہی تمام جائیداد کے برابر برابر کے مالک ہو، اگر تمہاری بہن نرمین زندہ....." اتنا کہہ کر وہ رونے لگیں۔ دونوں بیٹے ماں سے لپٹ گئے اور انہیں تسلی دینے لگے۔

نگہت کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ ناگن کی طرح پھنکارنے لگی۔

"منحوس بڈھے تو نے میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ میں بھی ایسا ہونے نہیں دوں گی۔ تیری بیوی کی غلامی میں کروں اور حصہ دوسروں کو ملے، نہیں ایک ڈھیلا نہیں دوں گی کسی کو، پوری جائیداد پر میرا اور میری ہونے والی اولاد کا حق ہے۔ جس طرح ایک کا پتہ کاٹا ہے ویسا ہی دوسرے کے ساتھ ہوگا۔"

خالد اور حامد کے حصے میں ایک ایک فیکٹری آئی اور مکان میں دونوں اوپر نیچے رہ رہے تھے۔ نگہت کی ساس کا اگلے روز ہی انتقال ہوگیا اور اس بے حس عورت نے اس موقع پر بھی صباء اور حامد کو نیچے قدم نہ رکھنے دیا۔ دونوں نے باہر جا کر ماں کو آخری بار دیکھا گھر میں کیا ہو رہا تھا اس سے نگہت کو کوئی فرق نہیں پڑا وہ اپنی ماں کے گھر جا کر اپنا عمل اپنے وقت پر کر کے آئی۔

دوسرے دن حامد جیسے ہی اپنی فیکٹری پہنچا وہاں اسے لوگوں کا ہجوم دکھا جو اس کی اپنی فیکٹری کے ہی لوگ تھے گاڑی سے اتر کر وہ فیکٹری کے گیٹ پر آیا تو وہاں اسے "خون میں لتھڑی بکرے کی سری رکھی ہوئی ملی، جس کا خون آس پاس پھیل چکا تھا۔ "یہ سب کیا ہے؟" حامد نے سوال کیا۔

"سر ہم خود حیران ہیں، پتہ نہیں یہ کون لایا!" ورکرز نے کہا۔

"اینی ویز، جلدی سے صفائی کرواؤ" اور حامد ہدایت دیتا ہوا اندر چلا گیا۔ خون اس کے جوتوں میں بھی لگ چکا تھا۔

ادھر گھر میں صباء اپنے دھلے ہوئے کپڑے رکھ رہی تھی کہ اسے اپنی شلوار کے نیفے میں کچھ لال، لال سا لگا، اس نے غور سے دیکھا تو اچھل گئی وہ گاڑھا گاڑھا خون تھا۔ صباء نے شلوار دور پھینک دی، اس نے پھر دوسری شلوار اٹھائی وہ بھی ایسی تھی۔ صباء پریشان ہوگئی۔ حامد جب گھر آیا تو اس نے صباء کو پریشان دیکھا۔ صباء نے اسے بتایا تو حامد نے اس کو بہلایا ارے لگ گیا ہوگا کچھ شاید رسی گندی ہو؟"

"ہاں ہوسکتا ہے۔" صباء نے کہا اور کھانا لگانے لگی۔

اگلے روز حامد صبح آفس جا رہا تھا تو صباء نے کہا کہ "راشد کو میں نے بیڈ پر کھڑا کیا تو وہ زور سے رونے لگا۔" راشد صباء کا تین سالہ بیٹا تھا۔

"اچھا تم اسے ڈاکٹر عائشہ کو دکھا دینا، میں انہیں فون کردوں گا۔" اور چلا گیا۔

ڈاکٹر نے راشد کو چیک کیا وہ بالکل ٹھیک تھا وہ کھڑا ہونے میں اب بھی زور لگا رہا تھا۔ راشد کو ڈاکٹرز نے دوائیاں دیں مگر اس کی ٹانگیں سوکھ کر اتنی پتلی ہوگئیں کہ وہ بیٹھ بھی نہ پاتا۔ صباء اور حامد بہت پریشان تھے۔ کون سا ڈاکٹر تھا جسے انہوں نے نہ دکھایا ہو؟ فیکٹری میں حامد گھر کے بارے میں ہی سوچتا رہتا۔

انتا سب کرنے پر بھی نگہت کی بس نہ ہوئی۔

حامد اپنی فیکٹری میں کام کا معائنہ کر رہا تھا کہ اچانک مشین میں ڈالا ہوا کیمیکل ایک دھماکے سے باہر آگیا اور آس پاس کی چیزوں میں آگ لگ گئی حامد کا پورا ہاتھ جل گیا۔ کیمیکل اس پر بھی آیا تھا۔ تمام لوگوں کو فیکٹری سے باہر نکال دیا گیا۔ آگ تھی کہ پھیلتی ہوئی پوری فیکٹری میں پہنچ گئی۔ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں آگ بجھانے لگیں۔ آگ پر تو قابو پالیا گیا مگر حامد کا کروڑوں کا مال جل کر خاک ہوگیا۔ حامد کو تشویشناک حالت میں اسپتال لے جایا گیا، وہاں اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا کیونکہ وہ بالکل ختم ہوگیا تھا کیمیکل کے لگنے سے۔

حامد گھر آگیا وہ ابھی بستر پر تھا، بچہ الگ بیمار تھا، ایسے میں صباء نے بہت ہمت کا مظاہرہ کیا، حامد بالکل خالی ہاتھ ہوگیا تھا کچھ دنوں بعد حامد نے اپنے بھائی خالد سے کہا کہ "وہ اسے اس کے حصے کے مکان کے پیسے دے دے وہ مکان خالی کر رہا ہے۔"

خالد نے خاموشی سے پیسے دے کر مکان حامد سے خرید لیا۔ اگر وہ نگہت کے زیر اثر نہ ہوتا تو اپنا سب کچھ اپنے بھائی کو دے چکا ہوتا۔ صباء اور حامد ایک چھوٹے سے مکان میں آگئے۔ کچھ رقم حامد نے بینک میں ڈال دیئے تھے۔

صباء کی ایک دوست نے اسے ایک عالم دین کا پتہ دیا کہ وہ ان سے ضرور ملے۔ صباء اپنے شوہر کے ساتھ اللہ کے اس نیک بندے کے پاس گئی۔ انہوں نے غور سے ان کی بات سنی اور دو روز بعد بلایا۔ انہوں نے پڑھائی کی اور ساری حقیقت معلوم کرلی۔ جب صباء اور حامد دوبارہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے بتایا کہ "کوئی قریبی ہے جس نے تم لوگوں کو برباد کرنے کیلئے گندہ عمل کروایا ہے تم کاروبار سے ہاتھ دھو بیٹھو گے، صحت سے جاؤ گے اور آخر میں زندگی....." اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئے۔

مگر حضرت میری تو کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ جہاں تک بات ہے قریبی کی تو آپ مجھے اس کا نام تو بتائیں، میں اسے نہیں چھوڑوں گا، میرے معصوم بچے کے پاؤں بے کار کر دیئے، مجھے ایک ہاتھ سے معذور کردیا اور میرے باپ کی اتنی محنت سے بنائی فیکٹری کو جلا کر راکھ بنادیا۔" حامد نے غصے سے کہا۔

"دیکھو بیٹا! جو ہوگیا اسے بھول جاؤ اور آگے بڑھو، میں تمہاری پریشانی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ختم کرنے کوشش کرتا ہوں، رہا سوال نام کا تو اللہ تعالیٰ اسے خود سمجھ لے گا۔" حضرت نے کہا پھر انہوں نے حامد کی فیکٹری جا کر وہاں کاٹ کی اور اس جگہ کو پاک کردیا اور قرآن خوانی کروائی، حامد کو انہوں نے پڑھا ہوا پانی پینے کیلئے دیا، حامد اور صباء کو کئی دعائیں کیلئے بتائیں اور نماز کی پابندی کی تاکید کی۔ پھر کچھ دنوں بعد حامد نے حضرت کے کہنے پر بینک میں رکھے پیسوں سے دوبارہ اپنا کام شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حامد کا ہاتھ پکڑا اور اس نے دوبارہ اپنی فیکٹری اسٹارٹ کرلی۔ وہ دن رات محنت کر رہا تھا اور اس کے کاروباری لوگوں نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا۔

بات اڑتے اڑتے نگہت تک بھی پہنچ گئی کہ حامد نے نیا بنگلہ اور گاڑی لی ہے۔ نگہت میں انگارے دہکنے لگے وہ عامل کے پاس گئی اور بولی۔ "میں نے منہ مانگی رقم دی پھر بھی میرے دشمن عیش کر رہے ہیں کہاں گیا وہ عمل جو آپ نے انہیں تباہ کرنے کیلئے کیا تھا۔"

"عمل بالکل ٹھیک ہوا ہے کسی نے کاٹ کردی ہے اس عمل کی۔" عامل نے معلوم کر کے بتایا، "خیر تو فکر نہ کر یہ مٹی لے اور اس جگہ بکھیر دے جہاں تیرے دشمن کے قدم پڑتے ہوں، اس بار نہیں بچے گا وہ تباہ ہونے سے۔" عامل نے نگہت اور جمیلہ کو مٹی دیتے ہوئے کہا۔

دو تین روز تک نگہت نے حامد کا روٹین معلوم کیا اور ایک بندے کو پیسے دے کر مٹی بکھیرنے کا کام طے کر لیا۔ وہ آدمی مٹی لے کر حامد کے آنے کا انتظار کرنے لگا

مگر کہتے ہیں ناں جب اللہ تعالیٰ ڈھیلی رسی کھینچتا ہے تو پھر کوئی مہلت نہیں ملتی۔ ایسا وقت نگہت کا بھی آ گیا تھا اس نے اچھی صاف ستھری زندگی کے بجائے گناہ کے راستے کا خود انتخاب کیا تھا۔ جب وہ آدمی مٹی لے کر حامد کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

اس روز اتفاق سے خالد کی گاڑی خراب ہوگئی تھی وہ ٹیکسی لینے روڈ پر آیا تو حامد نے اپنی گاڑی اسے دیکھ کر روک لی اور باہر نکل کر بھائی سے گلے ملا اور اسے اپنی گاڑی لے جانے کا کہا۔ خالد نے مسکراتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے مگر تم بھی ساتھ بیٹھو میں تمہیں چھوڑ کر گاڑی لے جاؤں گا۔ بعد میں ڈرائیور دے جائے گا۔" اور یوں خالد اپنے بھائی کی جگہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

ادھر وہ آدمی انتظار میں تھا جب حامد کی گاڑی دور سے آتی نظر آئی تو اس نے گاڑی پارک کرنے کی جگہ مٹی بکھیر دی حامد گاڑی پارک کرتا، گیٹ کھولتا اور مٹی پر سے گزر جاتا مگر اس آدمی کو کیا پتہ گاڑی خالد ڈرائیو کر رہا تھا خالد نے گاڑی پارک کی اور حامد کے کہنے پر فیکٹری میں نیا کام دیکھنے کیلئے گاڑی سے اترا اور مٹی پر سے گزرتا ہوا چلا گیا اور فیکٹری کا کام دیکھنے کے بعد دوبارہ اسی مٹی پر قدم رکھ کر گاڑی میں بیٹھ گیا اور اپنی فیکٹری چلا گیا۔ گاڑی اس نے فوراً ہی ڈرائیور کے ہاتھ واپس بھجوا دی۔ خالد کو اپنے آفس میں بیٹھے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ اس کو اچانک گھبراہٹ ہونے لگی اسے پسینہ آ رہا تھا اور طبیعت خراب ہو رہی تھی۔ اس نے اپنا موبائل نکالنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی بے ہوش ہوگیا۔ خالد کا سیکریٹری اندر آیا تھا تو اس نے جلدی سے ایمبولینس منگوائی۔ خالد اسپتال میں تھا اس کا بلڈ پریشر ایک دم اتنا ہائی ہوا تھا کہ اس کے دماغ کی رگ پھٹنے کے قریب تھی وہ بہت تشویشناک حالت میں آئی۔ سی یو میں تھا۔

حامد کو بھی خبر ہوئی تو وہ بھاگا بھاگا چلا آیا۔ نگہت اور جمیلہ بھی پہنچ چکی تھیں۔ حامد کو دیکھتے ہی دونوں نے دوسری طرف منہ پھیر لئے۔ صبح سے شام ہوگئی۔ جمیلہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے نگہت کو ہٹو کا مارا اور اسے یاد دلایا کہ آج کی رات اسے عمل کرنا ہے۔ نگہت نے جلدی سے سر ہلایا اور اسپتال سے دونوں نکل گئیں وہ سیدھی عامل کے پاس گئیں اس سے بچہ لیا اور گھر آ گئیں رات ہوتے ہی مقررہ وقت پر جمیلہ نے سفاکی سے ننھے بچے کو ذبح کرا اور نگہت نے بچے کا خون بالٹی میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ دونوں کے اس عمل پر آسمان تک لرز اٹھا ہوگا مگر ان دونوں ماں بیٹی کے دل سیاہ ہو چکے تھے۔ جمیلہ تو اندر چلی گئی جبکہ نگہت بیچ صحن میں پالتی مار کر بیٹھ گئی اور ڈونگے سے خون بھر بھر کر اپنے اوپر انڈیلتی اور ساتھ اس کے ہونٹ عامل کا بتایا ہوا عمل پڑھتے ہل رہے تھے وہ بے خوفی سے اپنا عمل جاری رکھے ہوئے تھی اور سورج نکلنے سے پہلے اس نے اپنا عمل ختم کر لیا۔

نگہت اپنی جگہ سے اٹھی وہ سر سے پیر تک خون میں تھڑی ہوئی تھی، کافی خون سوکھ کر جم چکا تھا اس کے اندر سے انتہائی غلیظ بو آ رہی تھی اور اس کے چہرے پر خباثت بھری مسکراہٹ رقصاں تھی۔ نگہت نے سارا سخن دھویا بچے کی لاش شاپر میں ڈالی اور نہانے چلی گئی۔ نہا کر جب وہ اندر آئی تو اس کی ماں جمیلہ خراٹے لے کر مزے سے سو رہی تھی۔ نگہت بھی بستر پر لیٹ کر سو گئی اسے اتنا بھی احساس نہ تھا کہ شوہر زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔

جب دن نکل آیا تو جمیلہ ناشتہ کر کے اسپتال جانے لگی۔ اس نے نگہت کو ہلایا اور کہا کہ وہ جا رہی ہے نگہت اچھا کہہ کر چادر منہ تک تان کر دوبارہ سو گئی۔ خالد کی گاڑی تو خراب تھی جبھی تو وہ حامد کی گاڑی لے کر گیا تھا۔

دوسرے دن جمیلہ نے اسپتال جانے کیلئے ٹیکسی روکی اور اس میں سوار ہوگئی ٹیکسی ابھی تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ پیچھے سے آتے ایک بے قابو ٹرالر نے ٹیکسی کو ہٹ کیا ٹیکسی پلٹتی ہوئی دور جا گری لوگوں کا ہجوم لگ گیا۔ ڈرائیور تو موقع پر ہی دم توڑ گیا جبکہ جمیلہ کو لوگوں نے اسپتال پہنچا دیا۔ دن چڑھے جب نگہت اسپتال خالد کے پاس جانے کیلئے تیار ہو رہی تھی تو اس کے موبائل کی بیل بجی کوئی ان نون نمبر تھا نگہت نے ریسیو کیا۔ دوسری طرف سے کوئی آدمی تھا اس نے بتایا کہ وہ انسپکٹر سہیل

ہے۔ "جمیلہ خاتون سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

"جی وہ میری والدہ ہیں۔"

"آپ کی والدہ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے ان کے فون سے آپ کا نمبر ملا ہے۔ آپ جلدی آ جائیں۔" اور پھر اس نے اسپتال کا ایڈریس نگہت کو بتایا نگہت جلدی سے نکلی اور اپنی ماں کے پاس جانے لگی۔ اس کا خیال تھا کہ خالد کے پاس حامد کو ہونا چاہیے آخر وہ کس مرض کی دوا ہے.....

جمیلہ بہت بری طرح زخمی تھی اس کی دونوں ٹانگیں چور چور ہوگئی تھیں وہ اپاہج ہو چکی تھی۔ دوسری طرف حامد کا رو رو کر برا حال تھا اس پوری دنیا میں صرف ایک سگا بھائی ہی تو بچا تھا۔ اس نے خود ہی نگت کو فون کیا تو نگہت بولی۔ "میری ماں کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے میں اسپتال میں ہوں۔"

"بھابھی آپ فکر نہ کریں ہم بھائی کا خیال رکھیں گے۔" اور نگہت نے فون کی لائن ڈس کنیکٹ کر دی۔

حامد جب گھر پہنچا تو صباء نے حامد کو مشورہ دیا کہ ہمیں حضرت سے خالد بھائی کیلئے دعا کروانی چاہیے ڈاکٹرز تو اپنا کام کرتے رہیں گے مگر شفاء دینے والی ذات تو اللہ کی ہے۔"

صباء کی بات نے حامد میں نئی روح پھونک دی وہ دوڑا ہوا حضرت کے پاس گیا۔

حضرت نے کہا "ہم خود چلیں گے" اور حامد کے ساتھ اسپتال آ گئے، خالد کو دیکھ کر انہوں نے آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھا پھر آنکھیں کھول کر بولے: "وار کسی اور کیلئے تھا، یہ بے چارہ بیچ میں آ گیا۔ لاؤ پانی دو ہمیں!" حامد نے جلدی سے پانی کی بوتل اٹھا کر انہیں دے دی۔ حضرت کے ہونٹ حرکت کرتے رہے پھر کافی دیر بعد انہوں نے پانی پر پھونک ماری اور بوتل خالد کے منہ سے لگائی تھوڑا بہت پانی خالد کے حلق سے نیچے چلا گیا۔ پھر وہ خالد کے سرہانے کھڑے ہوگئے اور اپنا سیدھا ہاتھ خالد کے سر پر رکھ کر کلام الٰہی کا زور زور سے ورد کرنے لگے۔

حامد نے تھوڑی دیر بعد خالد کے پپوٹوں میں جنبش ہوتے دیکھی اور خالد نے تھوڑی دیر میں آنکھیں کھول دیں۔ حامد کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا اور اس نے بے اختیار حضرت کے ہاتھ چوم لئے وہ رو رہا تھا۔ "میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں!"

"نہیں بیٹا! میرا نہیں صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور ہاں تم لوگوں سے مجھے ضروری بات کرنی ہے کل عشاء کے بعد ملاقات ہوگی۔"

"جیسا آپ کہیں حضرت" حامد نے ادب سے کہا۔ اگلے روز عشاء کے بعد حامد حضرت کو لے کر آ گیا۔ انہوں نے خالد اور حامد سے مخاطب ہو کر کہا "حامد جب میرے پاس علاج کیلئے آیا تھا تو میں نے اس کو بتایا تھا کہ تمہارا کوئی قریبی ہے جو تمہیں نقصان پہنچا رہا ہے اور اس بار بھی یہ وار حامد کیلئے تھا مگر بیچ میں خالد آ گیا۔"

"مگر حضرت ایسا کون ہے۔" خالد نے آہستہ سے کہا۔

"تحمل سے سنو! اس سب کے پیچھے خالد کی بیوی ہے۔" اور پھر انہوں نے ساری بات خالد اور حامد کو بتائی۔ "بیٹا بات اگر صرف نقصان پہنچانے کی ہوتی تو اس کی سزا مل جائے گی مگر وہ جو شیطانی عمل کر رہی ہے اسے روکنا بے حد ضروری ہے کیونکہ اس غلیظ ذریعے سے حاصل کی گئی اولاد مسلمان نہیں شیطان ہوگی۔ ایمان سے تو وہ عورت خارج ہو ہی چکی ہے۔ اب تمہاری نسل کو گندا کرنے پر تلی ہے۔ ابھی جب تک اس کے عمل کا دن نہ آئے اسے خبر نہ ہونے دینا کہ تم سب جان چکے ہو اور اسے اس عمل سے روکنا ہوگا۔"

خالد کا خون کھول رہا تھا۔ "اس غلیظ عورت نے اس کی پوری زندگی خراب کر دی ماں کو مارا، بہن کی بیٹی کو بھینٹ چڑھایا، بہن صدمے سے مر گئی، بھائی ہاتھ سے محروم ہوگیا اور اب میری نسل کو گندا کر رہی ہے۔" حامد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔

آج پورے چاند کی رات تھی نگہت اپنی ماں کے گھر آ گئی تھی، وہ عامل سے ننھا سا بچہ لائی تھی جو اس نے اپنی چادر میں چھپایا ہوا تھا۔ آج وہ اکیلی ہی تھی کیوں کہ ماں تو اپاہج ہو کر بستر پر پڑی تھی۔ بارہ بج رہے تھے۔ نگہت نے گھر پہنچ کر بچے کو بخت پر لٹایا اور جلدی سے چھری اور بالٹی لے آئی

۔وہ بچے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ کسی نے دروازہ بجایا۔اس نے سوچا اس وقت کون آسکتا ہے۔نگہت نے دروازہ کھولا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی سامنے خالد کھڑا تھا اور اس کے ساتھ حامد بھی تھا۔تخت پر لیٹے بچے نے رونا شروع کردیا۔"جی یہ پڑوسن کا بچہ ہے اسے کہیں....."نگہت کا جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ خالد کا ایک زوردار طمانچہ اس کے منہ پر پڑا تو نگہت کئی قدم لڑکھڑا گئی۔"غلیظ عورت! اتنا گھناؤنا کھیل رچایا تو نے، میں نے کس دن تجھ سے کہا تھا کہ مجھے اولاد چاہیے، جب میرے رب کی رضا ہوتی تو مجھے اولاد مل جاتی مگر تو؟ اس حد تک گر گئی کہ میری ہی بہن کی بچی کی بھینٹ دے دی۔ملعون تو ایمان سے خارج ہوچکی ہے۔ میں چاہوں تو تجھے ابھی پولیس کے حوالے کرسکتا ہوں، مگر میں تیرا حساب اللہ پر چھوڑتا ہوں۔ہاں ایک چیز جو میرے کرنے کی ہے وہ میں ضرور کروں گا۔"میں تجھے طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔"دین سے خارج عورت کی میری زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔حامد نے آگے بڑھ کر بچے کو اٹھایا اور دونوں باہر نکل گئے۔نگہت اپنی جگہ ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔عمل کا وقت آدھا گزر چکا تھا اس کا ہوش نگہت کو نہ رہا اور عمل بیچ میں رہ کر مکمل نہ ہوا۔خالد نے اگلے روز ہی نگہت کو مہر کی رقم بھجوادی۔

نگہت کو عمل ادھورا چھوڑنے کی سزا ملی اگلے روز سے اس کے جسم پر آبلے پڑنے لگے جو پھول کر موٹے ہوجاتے اور پھٹ جاتے اگلے روز پھر نکلتے پھول جاتے اور پھٹ جاتے نگہت اس عامل کے پاس گئی۔اس نے مزید رقم مانگی۔نگہت نے اپنے مہر کی رقم اس کے حوالے کرکے اپنی جان چھڑائی۔

وقت پر لگا کر اڑ گیا۔خالد نے دوسری شادی کرلی اس کی بیوی بہت نیک اور پرہیزگار عورت تھی۔خالد کے تین بچے تھے۔وہ اغواء کیا گیا بچہ جو نگہت کے پاس تھا خالد نے اسے پولیس کے ذریعے واپس کردیا تھا اور بچہ اپنے والدین کو پہنچ چکا تھا۔اللہ نے اس کو دولت سے نوازا تھا۔جس میں سے وہ دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تھا۔

اس کے بھائی حامد نے ایک خیراتی اسپتال بنایا تھا اور وہ اس وقت اسپتال ہی جارہا تھا۔جیسے ہی وہ اندر گھسا سامنے سے نرس ایک وہیل چیئر لارہی تھی خالد اس پر بیٹھی عورت کو دیکھ کر وہیں رک گیا وہ کوئی اور نہیں بلکہ نگہت تھی۔خالد چلتا ہوا اس کے قریب گیا۔وہ خالی آنکھوں سے خلاء میں دیکھ رہی تھی اس کا چہرہ بہت خوفناک ہورہا تھا اس پر بڑے بڑے زخم تھے جن سے خون رس رہا تھا اور یہ زخم صرف چہرے پر نہیں پورے جسم پر تھے جن میں سے گندی بو آرہی تھی، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں مڑی ہوئیں تھیں اور اس کا داہنا نیٹر ھا تھا جس سے رال بہہ کر نیچے گر رہی تھی۔اتنے میں وہاں حامد بھی آگیا۔دونوں اپنی جگہ سن کھڑے تھے۔حامد نے نرس سے سوال کیا۔"ان کو یہاں کون لایا؟"

"سر!" یہ ایک لاوارث عورت ہے، اس کا اب دنیا میں کوئی نہیں ہے، ایک معذور ماں تھی اسے بھی محلے کے لوگ یہاں علاج کے لئے لائے تھے۔وہ بھی مرگئی۔یہ عورت تقریباً ایک سال سے بیمار ہے۔پہلے اسے کوڑھ کی بیماری ہوئی تب یہ چلتی تھی اب اسے فالج بھی ہوگیا ہے۔آواز تک بند ہوگئی ہے، اسے محلے کے لوگوں نے اس کو یہاں جمع کروادیا کیونکہ نہ تو اس کے گھر میں کوئی ہے اور ناں اس کے پاس علاج کے پیسے ہیں۔"اتنا کہہ کر نرس وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

دونوں بھائیوں کی آنکھیں نم تھیں۔"یا اللہ! جب بھابھی نے مجھ پر الزام لگایا تھا تو میں نے کہا تھا میں اپنا معاملہ تجھ پر چھوڑتا ہوں۔یا اللہ! میں نے بھابھی کو معاف کردیا تو بھی انہیں معاف کردے، اور وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد خالد نے منہ آسمان کی طرف کرکے کہا:"یا اللہ! تو سب معاف کرنے والوں سے بڑھ کر معاف کرنے والا ہے۔اس عورت نے جو میرے ساتھ کیا میں اسے معاف کرتا ہوں۔تو اس عورت کے گناہوں کو معاف کردے اور اس کے ساتھ آسانی کر۔"اور افسوس سے سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

خونی اسپتال

ثاقب بشیر-لاہور

رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرا ہر سو مسلط تھا، کائونٹر پر بیٹھی خوبرو حسینہ اونگھ رہی تھی کہ اچانک ایک کھٹکا ہوا تو اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور پھر اس کا سانس سینے میں اٹک گیا کیونکہ.....

خوفناک دہشت ناک اور دل کو دہلا دینے والی رات کے اندھیرے میں جنم لیتی کہانی

طوفانی بارش کی تھپیڑوں سے بے نیاز عائشہ اور اقبال کی کار روڈ پر تیز رفتاری سے آگے بڑھتی جارہی تھی کیونکہ اقبال کو اپنی ڈرائیونگ پر پورا اعتماد تھا۔

"چلو جی ہوگیا پورا۔" عائشہ ستانے والے انداز میں اقبال کی طرف دیکھ کر بولی۔

"کیا پورا ہوگیا؟"

اقبال حیران ہوکر پوچھنے لگا۔

ایک ہفتہ قبل ان دونوں کی شادی ہوئی تھی اور دونوں ہی اپنے اپنے گھر کی اکلوتی اولاد تھے۔شادی گو کہ ارینج تھی مگر ایک ہفتے میں اقبال نے عائشہ کو اتنا پیار دیا تھا کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ ایک ہفتہ پہلے تک انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں تھا کیونکہ اپنی اپنی جگہ دونوں کا موقف یہی تھا کہ "شادی کی محبت ہی سچی محبت ہوتی ہے۔"

''ارے جناب! ایک ہی تو خواب تھا میرا جو پورے کا پورا کباڑا ہوگیا۔'' عائشہ نے شرارتی انداز میں کہا۔

''ارے بھئی خواب تو بتادو۔'' اقبال اس کی شرارت سے انجان ہی تھا۔

''میں تو شادی سے پہلے سوچا کرتی تھی کہ ایک خوبصورت ہم سفر کے ساتھ مختلف شہروں کی رونقیں دیکھوں گی مگر میرے ہم سفر تو مجھے میرے چھوٹے سے شہر سے نکال کر مزید ویرانوں کی طرف لئے جارہے ہیں۔'' عائشہ کی آنکھوں میں بدستور شرارت تھی۔

اب اقبال کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔ ''چلو جی آدھی خواہش تو پوری ہوگئی کہ خوبصورت ہم سفر کے ساتھ سفر جاری ہے اور رہی بات رونقوں کی تو لاہور کے دھوئیں میں سانس لینے کے بجائے میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ شادی کے بعد ہنی مون کسی خوبصورت گاؤں میں جاکر مناؤں گا۔''

''اللہ.....اللہ..... یہ خوش فہمیاں میرے پتی دیو کی۔'' عائشہ ایک جذباتی قہقہہ لگا کر بولی تو اقبال بھی اس کے چھیڑنے پر مسکرادیا۔

زندگی اور خوشی سے بھرپور ان لمحوں میں کسی اور کو بھی ان پر مسکراہٹ آگئی بھی اور وہ تھی ان کی ''بدقسمتی۔''

انہیں گھر سے نکلے ہوئے چار گھنٹے ہورہے تھے اور آبادی سے ہٹ کر ٹوٹی پھوٹی سڑک شاہ کوٹ کی طرف جارہی تھی۔

''اچھا۔ اب میری طرف دیکھنے کی بجائے سامنے دیکھو گے تو پتہ چلے گا کہ آگے ایک پل بھی آرہا ہے۔'' عائشہ اقبال کو اپنی طرف مسلسل دیکھتے رہنے پر سٹپٹا کر بولی تو اقبال مسکرایا۔

اب ان کی کار پل پر سے گزر رہی تھی کہ اچانک پل پر کچھ تڑخنے کی آواز سنائی دی اور ٹھیک ان کی کار کے نیچے سے کچھ اینٹیں کھسک کر گر گئیں اور اس سے پہلے کہ وہ صورت حال کو سمجھ پاتے، اینٹوں اور سیمنٹ سے بنایا گیا پل ٹوٹ گیا اور ان کی کار 50 فٹ کی بلندی سے نیچے کھائی میں گرتی چلی گئی۔

اقبال کی آنکھوں میں جو آخری عکس ابھرا وہ عائشہ کا وحشت زدہ چہرہ تھا۔

کچھ دیر پہلے جن آنکھوں میں خوشی کی چمک تھی اب ان میں صرف زندگی کھودینے کا خوف تھا اور اس کے بعد کیا ہوا اقبال کو کچھ دیا نہیں رہا۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر فیصل بھی عجیب ہی ہیں ایک تو اس ویرانے میں اسپتال کھلو کر بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے ہمیں اپنے گھر والوں سے دور رہنا پڑ رہا ہے۔'' سسٹر عمارہ خاصی بیزار آچکی تھی۔ دو سال ہوگئے تھے اسے اس خاموش اور ویران سے اسپتال میں کام کرتے ہوئے اسپتال شہر سے خاصا دور تھا مگر چونکہ تنخواہ اچھی تھی اور مہینے بعد گھر والوں سے ملوانے کے لئے پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی موجود تھی اس لئے وہ یہ سب برداشت کرنے پر مجبور تھی گھر کی مجبوری انسان کو اپنے گھر سے ہزاروں میل دوری پر بھی لے جاتی ہے۔

اسپتال کے کل اسٹاف میں ایک وارڈ بوائے تیمور، دو نرسیں شہلا اور عمارہ تھیں اس کے علاوہ ٹیلی فون آپریٹر انیلا تھی اور اسپتال کا مالک ڈاکٹر فیصل۔

''بھئی تم جانتی ہو ناں کہ، ڈاکٹر فیصل کے یہ اسپتال بنانے کے پیچھے دو وجوہات کارفرما ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ بہترین ٹیم تشکیل دینا مثلاً وہ ملک کے سب سے مایہ ناز ڈاکٹر ہیں اور ہم دونوں بھی اپنے اپنے اسپتال میں بہترین نرسوں کا ٹاکسٹل لے چکی ہیں۔ وارڈ بوائے اور ٹیلی فون آپریٹر پر بھی اپنے اپنے نہر میں یکتا ہیں وارڈ بوائے چوکیدار بھی ہے اور اٹینڈنٹ کی ذمہ داری بھی بخوبی نبھاتا ہے ٹیلی فون پر آپریٹر انیلا کی لچھے دار باتوں سے یہاں فون کرنے والے ہر رئیس کا پھنسنا لازمی ہوتا ہے اور یہاں ایڈمٹ بھی انہی ارب پتی مریضوں کو کیا جاتا ہے جو لاکھوں کی فیس باآسانی ادا کردیں دوسرے لفظوں میں پیسہ لٹا سکیں۔

دوسری وجہ دولت کی ہوس ہے، وہ دولت جو ڈاکٹر صاحب کو کہیں اور میسر نہیں آسکتی یہاں سکون بھی اور مرضی کا لاکھوں روپیہ اور یہ بھی ڈاکٹر فیصل کا ہنر ہے کہ محدود اسٹاف کے ساتھ شاید ملک کا سب سے مہنگا اسپتال چلا رہے ہیں۔ اسٹاف نرس شہلا نے تفصیلاً بتایا تو عمارہ سر ہلا کر رہ گئی۔

دور بیٹھی ٹیلی فون آپریٹر انیلا بھی یہ سب کچھ سن رہی تھی مگر خاموش رہی ویسے بھی اسے صرف تب ہی بولتے سنا جاتا تھا جب وہ فون اٹھاتی تھی۔

ڈاکٹر فیصل اپنے کمرے میں بیٹھا وارڈ بوائے کو آپریشن کے لئے ضروری ادویات لانے کی ہدایات دے رہا تھا۔ آج ایک اوروی آئی پی شخصیت کا بائی پاس ہونا تھا اور ڈاکٹر فیصل اسپتال کے منہ مانگی اخراجات سے مطمئن تھا۔

☆.....☆.....☆

برستی بارش بہت زیادہ عذاب ثابت ہوئی اور جس نے اچھے بھلے پل کو توڑ دیا تھا۔

مسلسل برستی بارش کی بوندیں اقبال کو ہوش میں لے آئیں تھی۔ اقبال کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے پھر بھی اس نے اپنی آنکھوں کو زیادہ زور سے مسلا، لہو اس کے سر سے بہتا ہوا اس کی آنکھوں سے ہوتا ہوا چہرے پر بھی آرہا تھا، درد اتنا شدید تھا کہ وہ تو بھول ہی چکا تھا اس حادثے کو۔

لیکن پھر اچانک ایک جھماکے سے اسے سب کچھ یاد آگیا وہ اس وقت اپنی پچکی ہوئی گاڑی میں زخمی پڑا تھا گاڑی کا اسٹیئرنگ اس کی ٹانگوں میں پھنسا ہوا تھا، سر پھٹ چکا تھا کراہ کی آواز سن کر اس نے سر گھما کر دوسری طرف دیکھا تو عائشہ ساکت سی پڑی دکھائی دی۔

''عائشہ'' اس نے چلانا چاہا مگر بڑبڑا کر رہ گیا عائشہ شدید زخمی تھی ونڈ اسکرین کا شیشہ ٹوٹ کر اس کی گردن اور پیٹ میں گھپ چکا تھا اور مسلسل خون بہہ جارہا تھا۔

''عائشہ میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا کچھ نہیں ہوگا تمہیں، ہمیں جینا ہے بہت سال تک ایک ساتھ۔'' بے اختیار بے بسی کے آنسوؤں نے اس کے چہرے کا احاطہ کرلیا تھا۔

''مجھے کچھ کرنا ہوگا۔'' اس نے خود سے کہا اور ہمت کرکے گاڑی سے نکلنے کی کوشش شروع کردی، دروازہ بری طرح سے پچک چکا تھا وہ رینگتے ہوئے کھڑکی کے شیشے سے باہر نکلا اور زمین پر گر گیا پھر لڑکھڑاتا ہوا اٹھا ابھی تو بہت مسافت طے کرنا تھی اسے، اپنی عائشہ کو بچانا تھا۔

عائشہ کی طرف کا دروازہ بہتر حالت میں تھا اسے کھول کر عائشہ کو گھسیٹ کر باہر نکالا اور زخموں سے چور چور ہوتے جسم کے ساتھ پل کے کناروں کی چڑھائی چڑھنے لگا۔ پندرہ منٹ میں وہ پل کے دوسری طرف تھا اور پوری طاقت صرف کرکے سیدھا دوڑنے کی کوشش کرنے لگا جہاں شاید کہیں اسے عائشہ کے لئے مدد مل سکے۔

پھر اچانک امید کی کرن چمکی۔ ''فیصل اسپتال کا بورڈ لگا تھا اور دائیں طرف تیر کا نشان بنا ہوا تھا وہ اس عمارت کی طرف لپکا۔ صبح سے بارش ہورہی تھی نرس عمارہ اسپتال کے مین ڈور کی طرف دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ ''اماں ٹھیک ہی کہتی ہے جمعرات کی بارش ہفتہ تک رہتی ہے۔''

اچانک وہ چونک پڑی سامنے منظر ہی کچھ ایسا تھا ایک زخمی جوان کسی زخمی جوان لڑکی کو اٹھائے لڑکھڑاتا ہوا اسپتال میں داخل ہورہا تھا۔

یاس و آس میں گھرے اس جوڑے کا منظر اتنا دردناک تھا کہ کم گو اور حساس فطرت کی عمارہ برداشت نہ کرسکی اور بھاگ کر انہیں سہارا دینے کے لئے پہنچی، عمارہ کو اس طرح باہر کی طرف بھاگتا ہوا دیکھ کر انیلا اور شہلا بھی باہر چلی گئیں۔

''ڈاکٹر، ڈاکٹر کو بلائیں پلیز.....!'' اقبال ملتجی لہجے میں بڑبڑانے لگا۔

عمارہ نے انیلا کی مدد سے عائشہ کو اسٹریچر پر لٹا دیا اور اقبال کو بیٹھنے کے لئے کرسی دی، مگر وہ عائشہ کی طرف دیکھ کر بس بڑبڑائے جارہا تھا۔ ''ڈاکٹر کو بلاؤ۔ میری عائشہ کو بچالو۔''

انیلا ڈاکٹر کے کمرے کی طرف چلی گئی اور راستے میں سوچ رہی تھی کہ ''چلو جی۔ آج تو بڑے صاحب کا آپریشن بھی ہے اور اس کے ساتھ اب آئے مریض کی ڈیوٹیاں بھی بھگتانی پڑیں گی۔'' اس کی سفاک سوچ میں کسی کی زندگی یا موت کو لے کر کوئی ہمدردی کا ایک حرف نہیں تھا۔ دوسری طرف عمارہ جو کہ ڈاکٹر فیصل کی لالچی طبیعت سے بخوبی واقف تھی یہ سوچ رہی تھی کہ ''کیا ایک خالی ہاتھ جوڑے کو ترجیح دی جائے گی اس اسپتال میں ایک بڑے امیر رئیس کے آپریشن پر۔''

عمارہ کا ذہن مسلسل جواب دیئے جارہا تھا کہ ''ہرگز نہیں۔'' ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسے شہلا کے ساتھ ڈاکٹر آتا ہوا دکھائی دیا۔

اقبال ڈاکٹر کو دیکھتے ہی اس کی طرف لپکا۔ ''پلیز! میری بیوی کو بچالیں ڈاکٹر صاحب زندگی بھر کے سفر میں ساتھ رہنے کا وعدہ کرنے والی مجھے تنہا چھوڑ کر جارہی ہے۔ پلیز! ڈاکٹر صاحب۔'' عائشہ جان کنی کے عالم میں ہچکیاں لے رہی تھی۔

''دیکھو! برخوردار! میں اس چھوٹے سے اسپتال کا اکلوتا ڈاکٹر ہوں اور میں سیدھی بات کرنا جانتا ہوں بات یہ ہے کہ آج بائی پاس کے آپریشن کے لئے وڈیرے صاحب نے ٹائم لے رکھا ہے جو کہ بس پہنچنے والے ہیں اور تمہاری بیوی کی حالت ایسی ہے کہ فوری طور پر اسے میجر سرجری کی ضرورت ہے، پیٹ میں چبھنے والے شیشے نے گہرے اندرونی گھاؤ بنائے ہیں اور گردن میں شہ رگ کو بھی نقصان ہوا ہے جس کے لئے سرجری تو ہونی ہی ہے مگر میں ایک ساتھ دو کیس ہینڈل نہیں کرنا چاہتا ویسے بھی میں نے یہ اسپتال مفت کی سرجری کرنے کے لئے نہیں کھول رکھا ہے جو تمہاری بیوی کی حالت ہے، تم ناامید ہی ہو جاؤ۔''

''پلیز!'' ڈاکٹر صاحب، میری بات سن لیں میں بعد میں سارا خرچ دے دوں گا فی الحال آپ یہ رکھ لیں۔'' پاگلوں کی طرح اس نے عائشہ کے کنگن اور جھمکے اتارے اور اپنی جیبوں میں موجود پیسے الٹنے لگا صرف چند ہزار۔

عجیب بے بسی کا عالم تھا پتہ نہیں ڈاکٹر فیصل کے لبوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اتنی دیر میں کمپاؤنڈر اور وڈیرہ دونوں ساتھ ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ ''میں اپنے کمپاؤنڈر سے کہہ دیتا ہوں وہ تمہاری ڈریسنگ کردے گا اس سے زیادہ فی الحال میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا۔'' ڈاکٹر نے وڈیرے کو ساتھ لیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

عمارہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکی۔

اقبال مایوس کھڑا سوچتا رہا کہ دولت کے پجاری آج پھر دولت کے لئے ایک انسان کی بلی دیں گے، اور بلک بلک کے روتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد عائشہ نے آخری ہچکی لی اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

تقریباً سب ہی مطمئن تھے کہ چلو کام کا بوجھ ایک دن میں ڈبل نہیں ہوا اقبال کے علاوہ اگر وہاں کسی کا دل بلک رہا تھا تو وہ تھی سسٹر عمارہ، عمارہ ہی کے یاد دلانے پر کمپاؤنڈر نے ساکت بیٹھے حامد کی مرہم پٹی کردی۔

''سر میں نے کمپاؤنڈر سے بول کر شہر تک آپ دونوں کی واپسی کا انتظام کردیا ہے۔''

اقبال نے پھٹی پھٹی نگاہوں کے ساتھ عمارہ کو دیکھا اتنا کرب چھپا تھا ان آنکھوں میں کہ عمارہ ڈر گئی ایسی آنکھیں کسی عاشق کی ہوسکتی ہیں یا پھر کسی قاتل کی اقبال اور عائشہ کی بے بسی عمارہ کی آنکھوں میں بھی صاف نظر آرہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اچانک اقبال عائشہ کے پاس سے اٹھا اور اسی طرح عائشہ کو اٹھا کر اسپتال سے باہر نکل گیا جس طرح وہ لڑکھڑاتا ہوا وہاں تک آیا ہوا تھا۔

عمارہ نے بھاگ کر زیور اور پیسے واپس اقبال کی جیب میں ڈال دیئے صرف ایک وزٹنگ کارڈ سنبھال لیا۔ عمارہ واپس آکر کرسی پر ڈھے سی گئی اس کے دماغ میں سوچوں کی آندھیاں سی چل رہی تھیں۔

اقبال اسپتال سے باہر نکلا تو اچانک اسے اسپتال کی بیرونی دیوار کے ساتھ ایک بیلچہ پڑا ہوا دکھائی دیا اس نے عائشہ کو زمین پر لٹایا اور دیوار کے پاس موجود بیلچہ پکڑا اور اسپتال سے تھوڑا ہٹ کر زمین کھودنی شروع کردی۔ وہ عائشہ کو وہیں دفن کرنا چاہتا تھا۔ عائشہ کو وہاں دفنا کر وہ انجان راستوں کی طرف نکل گیا۔

وڈیرے کا آپریشن کامیاب رہا، کمپاؤنڈر کسی کام سے باہر نکلا تو اس جگہ تازہ کھدی ہوئی قبر دیکھ کر چونک گیا اور سارا ماجرہ سمجھ گیا اس نے ادھر ادھر دیکھا مگر اقبال غائب تھا۔

اس نے اندر جا کر ڈاکٹر فیصل کو ساری بات بتائی تو ڈاکٹر نے یوں کندھے اچکا دیئے جیسے کوئی بات نہ ہو۔ قبریں اور مردے اب اس کے لئے نئے نہیں رہے تھے ہر شخص اپنی جگہ مطمئن اور خوش تھا مگر عمارہ کا دل ابھی بھی نہیں سنبھلا تھا۔

اس واقعہ کو دو ہفتے گزر چکے تھے وڈیرا تندرست ہوکر واپس جاچکا تھا۔

☆......☆......☆

اس رات سارا اسٹاف اپنے اپنے کمرے میں تھا اسپتال کا شیشے کا دروازہ بند تھا اور کنڈی لگی ہوئی تھی ٹیلی فون آپریٹر انیلا کی ڈیوٹی تھی انیلا اونگھ رہی تھی کہ اچانک ہلکی سی دستک پر چونک گئی شیشے کے دروازے پر اچانک جو منظر انیلا نے دیکھا اس نے اس کے ہوش اڑا دیئے، عائشہ ایک ہاتھ سے اپنے گلے کا شیشہ اور دوسرے ہاتھ سے پیٹ میں چبھا شیشہ لئے کھڑی تھی اور اسے گھور رہی تھی۔

بے انتہا سرد اور سپاٹ چہرہ لئے انیلا اپنی کرسی

خوشخبری

طلسماتی انگوٹھی ایک عظیم تحفہ ہے۔ ہم نے سورۂ یاسین کے نقش پر فیروزہ، یمنی، عمیق، پکھراج، لاجورد، نیلم، زمرد، یاقوت پتھروں سے تیار کی ہے۔ انشاء اللہ جو بھی یہ طلسماتی انگوٹھی پہنے گا اس کے تمام بگڑے کام بن جائیں گے۔ مالی حالات خوب سے خوب تر اور قرضے سے نجات مل جائے گی۔ پسندیدہ رشتے میں کامیابی، میاں بیوی میں محبت، ہر قسم کی بندش ختم، رات کو تکیے کے نیچے رکھنے سے لاٹری کا نمبر، جادو کس نے کیا، کاروبار میں فائدہ ہوگا یا نقصان معلوم ہوجائے گا۔ آفیسر اپنی طرف مائل، نافرمان اولاد، نیک، میاں کی عدم توجہ، جج یا حاکم کے غلط فیصلے سے بچاؤ، مکان، فلیٹ یا دکان کسی قابض سے چھڑانا، معدے میں زخم، دل کے امراض، شوگر، یرقان، جسم میں مرد و عورت کی اندرونی بیماری، مردانہ کمزوری، ناراض کو راضی کرنے یہ سب کچھ اس انگوٹھی کی بدولت ہوگا۔ یاد رکھو سورۂ یاسین قرآن پاک کا دل ہے۔

رابطہ: صوفی علی مراد

0333-3092826-021-2446647

M-20A الرحمان ٹریڈ سینٹر

بالمقابل سندھ مدرسہ کراچی

سے اٹھی اور اندر کی طرف بھاگنے لگی۔

ایک جھماکے سے دروازے کا شیشہ ٹوٹا اور آواز سن کر انیلا کی ہمت جواب دے گئی وہ زمین پر ڈھے گئی۔

عائشہ کی روح اس کی طرف بڑھتی جارہی تھی اور انیلا کا رنگ زرد ہو چکا تھا موت کی سفیدی اس کے چہرے پر رقصاں تھی۔

عائشہ نے اچانک ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ میں موجود شیشہ اوپر کو اٹھایا اور انیلا کے سر میں گھونپ دیا۔

اگلا دن اسپتال کے لئے بڑا ہنگامہ خیز تھا وارڈ بوائے نے انیلا کی لاش سب سے پہلے دیکھی تھی اور چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کرلیا تھا، سب ہی انگشت بدنداں تھے اس وحشت ناک منظر پر، ہر ایک اپنی اپنی رائے دے رہا تھا۔

آخر میں ڈاکٹر فیصل بولا۔ ”مجھے یہ کسی چور کی واردات لگتی ہے۔ انیلا نے اسے پکڑنے کی کوشش کی ہوگی اور بے چاری اسی چکر میں اپنی جان سے گئی۔“

وارڈ بوئے اور دونوں نرسوں کو دل ہی دل میں اس بات سے اختلاف تھا کہ ”اتنی خاموشی سے یہ سب کیسے ہوگیا؟ کیا وہ سب بہرے ہوگئے تھے؟“ ڈاکٹر فیصل کے علاوہ سبھی ڈر چکے تھے۔

سسٹر شہلا کا تو خوف سے برا حال تھا۔ ”تم ایسا کرو کہ انیلا کی لاش کو اس کے گھر پہنچا آؤ اور سارا ماجرہ بھی بتادینا، اب کسی اور اچھی ٹیلی فون آپریٹر کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔“ ڈاکٹر فیصل بولا۔

”بہتر سر۔“ وارڈ بوائے نے سر ہلایا جیسے وہ یہ ذمہ داری قبول کررہا ہو۔

”کیا ہمیں کچھ دن کی چھٹی مل سکتی ہے۔“ عمارہ نے ڈرتے ڈرتے ڈاکٹر سے پوچھا۔ وہ سچ میں ڈر گئی تھی پہلی مرتبہ ایسا حادثہ اس کے سامنے ہوا تھا۔

”نہیں اب ہم اپنا اسپتال تو بند نہیں کرسکتے ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی سرجری تو کرنی ہوتی ہے مجھے۔“ ڈاکٹر بولا۔

”لیکن سر! انیلا کی موت کوئی عام سی بات تو۔“ شہلا نے کچھ کہنا چاہا مگر اس کے الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔

”بس میں نے کہہ دیا ناں نہیں۔“ ڈاکٹر فیصل غرایا۔ ”اگر میں ٹیلی فون آپریٹر کا انتظام کرسکتا ہوں تو اسٹاف بھی نیا لاسکتا ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا اور باقی لوگ بھی اپنی اپنی ذمہ داریوں میں مصروف ہوگئے۔

نئی ٹیلی فون آپریٹر کا بندوبست ابھی تک نہیں ہوسکا تھا عمارہ اور شہلا کو باری باری ٹیلی فون کاؤنٹر پر بیٹھنا اور اونگھنا پڑ رہا تھا، کالز تو بہت کم آتی تھیں اسپتال میں مگر ڈاکٹر فیصل کا کہنا تھا کہ ”ایک فرد کو لازمی ریسپشن پر رہنا چاہئے۔“

ٹیلی فون ڈیسک پر اس رات باری سسٹر شہلا کی تھی وہ اپنی ہی سوچوں میں مست اونگھ رہی تھی کہ اچانک اسے بند گیٹ کے نیچے سے چابی والی ایک چھوٹی سی کھلونا کار چلتی ہوئی نظر آئی جو سیدھی اس کی طرف بڑھ رہی تھی یہ ضرور عمارہ کی شرارت ہوگی وہ بڑبڑائی اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

اچانک اسے اپنے ہوش وحواس معطل ہوتے ہوئے نظر آئے کار کا سائز بڑھ رہا تھا، جوں جوں وہ کار اس کے قریب آتی جارہی تھی اس کا سائز بڑھ رہا تھا جب وہ کار کاؤنٹر تک پہنچی تو وہ ایک پوری کار کا روپ دھار چکی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر وہ لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جو کچھ دن پہلے اسی اسپتال میں تڑپ تڑپ کر مر چکی تھی۔

”اور سسٹر شہلا کا خیال تھا کہ اسے مرہی جانا چاہئے۔“ ٹھیک اسی لمحے عمارہ بھی شہلا کی طرف آتی نظر آئی جب اس نے وہ خوف ناک منظر دیکھا جس میں اسپتال کے کاؤنٹر پر کھڑی کار نے شہلا کو کچل دیا، کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر عائشہ تھی اس کے بعد عمارہ کو کوئی ہوش نہ رہا۔

اگلے دن صبح جب شہلا کی لاش ملی

تو کمپاؤنڈر اسی وقت اسپتال چھوڑ کر بھاگ گیا اور عمارہ نے بھی پکا فیصلہ کرلیا تھا کہ اس اسپتال میں آج اس کی بھی آخری رات ہوگی پھر وہ اپنا سامان پیک کرنے لگی۔

اس رات ڈاکٹر فیصل اپنے کمرے میں پریشان بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ۔ ”شاید اس کا اسپتال آسیب زدہ ہوگیا ہے خیر میں کچھ دن بعد شہر میں ہی شفٹ ہوجاؤں گا اب تک اتنا تو جمع کرہی چکا ہوں کہ میری سات نسلیں کھا سکتی ہیں مگر دولت پھر بھی ختم نہ ہوگی۔“

اچانک اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا باہر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں درخت پر کوئی لڑکی بیٹھی تھی جس کی ٹانگیں اتنی لمبی تھیں کہ زمین کو چھو رہی تھیں اسے دیکھ کر ڈاکٹر فیصل بہت خوف زدہ ہوگیا۔

”کیا میں پاگل ہورہا ہوں۔ نہیں بالکل نہیں۔“

اچانک وہ لڑکی اسے اپنے کمرے میں پنکھے کے ساتھ جھولا جھولتی نظر آئی یہ تو وہی لڑکی تھی جس کا علاج کرنے سے وہ انکار کرچکا تھا۔

”تم..... تم تو مر چکی ہو پھر تم۔“

اس کے پیٹ اور گلے میں سے خون کے قطرے بہہ کر پورے کمرے میں پھیل رہے تھے۔ ”نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔“ ڈاکٹر دیوانوں کی طرح چلانے لگا۔

”تم زندہ نہیں ہوسکتی۔“

”ہا..... ہا..... بول اپنی دولت کو کہ تیرے لئے زندگی خرید لے۔ بہت اترا رہا تھا ناں تو۔“ عائشہ کی روح کے گلے سے خرخراتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔

”مم..... مجھے معاف کردو، میں نے بہت غلط کیا تمہارے ساتھ، دولت کی ہوس میں، میں اندھا ہوچکا تھا اور سوچو یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ تم سرجری کے بعد بھی مرجاتی، پلیز مجھے معاف کردو.....“

”اگر سرجری کے بعد مرتی تو ایک مسیحا کے ہاتھوں دم نکلتا، دولت وہوس کے اس پجاری کے ہاتھوں نہیں مرتی، ہونے کو تو وڈیرے کا آپریشن بھی ناکام ہوسکتا تھا ڈاکٹر تو نے تو میری عمر پر بھی ترس نہ کھایا میں اپنی وفا اور محبت اپنے شوہر کے لئے سنبھال سنبھال کر رکھتی رہی اور جب اپنی خوشیوں کی ڈولی لے کر نکلی تو لالچیوں نے ڈولی کو ماتم کدے میں بدل دیا تو بچ نہیں سکتا ڈاکٹر اب میں تیرے دولت کے اس ہوس کدے کو بھی ماتم کدہ بنادوں گی۔“

چھوٹے چھوٹے تیز نوکیلے شیشے اڑتے ہوئے آئے اور ہزاروں کی تعداد میں ڈاکٹر فیصل کے جسم میں چبھ گئے، وہ تڑپا اور نیچے گر کر ہوش وحواس سے بیگانہ ہوگیا۔

اگلی صبح عمارہ بھی ڈاکٹر فیصل سے ملے بغیر اپنا سامان اٹھا کر واپس جاچکی تھی یہ جانے بغیر کہ ڈاکٹر کس حالت میں ہے۔

اسی دن رات کا آخری پہر تھا جب ڈاکٹر فیصل کی آنکھ کھلی درد کی ٹیسیں جسم سے اٹھ رہی تھیں اس میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ اٹھ کر دروازے کے پاس جاتا۔ لیٹے لیٹے ہی وہ اپنے جسم سے شیشوں کے ٹکڑے کھینچنے لگا۔

”آہ۔ میری مدد کرو پلیز!“ صرف ایک شیشہ کھینچنے پر کراہ کر رہ گیا۔ اذیت نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ جسم میں اتنے شیشے پیوست تھے کہ وہ ہل بھی نہ سکتا تھا، نہ جی رہا تھا اور نہ مر رہا تھا۔

”کاش مجھے موت ہی آجائے، کاش میں مر کر اس اذیت سے چھٹکارا پاسکوں۔“ وہ بڑبڑایا۔

”اتنی بھی جلدی کیا ہے، اب تو ہر روز میں تجھے ایک نئی موت ماروں گی، روز ایک نئی اذیت دوں گی، تو تڑپے گا اسی طرح مرنے کو مگر مر نہیں پائے گا۔“ عائشہ قہقہہ لگا کر ہنسی اور غائب ہوگئی۔ باہر سے کمرے کی کنڈی خود بخود لگ گئی اور ڈاکٹر فیصل مقید ہو کر رہ گیا۔

”ٹرن..... ٹرن..... ٹرن“ اسپتال کی فون کی گھنٹی مسلسل چلائے جارہی تھی شاید کوئی تھا جو ڈاکٹر فیصل سے بات کرنا چاہتا تھا۔

اچانک فون اٹھا لیا گیا ایک نسوانی خرخراتی ہوئی آواز سنائی دی ”کون؟“

میں ہاشم خان بول رہا ہوں مجھے ڈاکٹر فیصل سے بات کرنی ہے....."ابھی اس کی بات پوری بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اچانک اس کا سانس رکنے لگا، ایسا لگ رہا تھا کوئی اس کا گلہ دبا رہا ہے۔ پھر وہ نیچے گرا اور وہیں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

اسی طرح جو بھی وہاں فون کرتا اس کا سانس رک جاتا۔ دوانجانے ہاتھ اس کا گلہ دبوچ لیتے اور اسے تب ہی آزادی ملتی جب اس کی روح پرواز کر چکی ہوتی۔

اس طرح کے کئی حادثات ہوئے تو پورے شہر میں یہ بات پھیل گئی۔ ہر اخبار، ٹی وی پر اسی خطرناک فون نمبر کا چرچہ چل رہا تھا۔ پولیس ٹیم بھیجی گئی کہ جا کر اسپتال کا معائنہ کرے مگر انہیں کچھ بھی سراغ نہ مل سکا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر فیصل بھی انہیں اپنے کمرے میں نہ نظر آیا۔

اس سارے حادثے سے اگر کوئی باخبر تھا تو وہ تھی نرس عمارہ۔ جس کے ضمیر کی آواز نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ وزیٹنگ کارڈ پر موجود اس پتے پر پہنچ جائے جو اقبال کی جیب سے گرا تھا اور اس کے جانے کے بعد عمارہ نے اپنے پرس میں سنبھال کر رکھ لیا تھا۔

"تڑپ رہا ہے ناں درد سے، میں بھی تڑپی تھی مگر تو نے مجھے مرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ اچھا چل، ٹھہر میں مداوا کرتی ہوں تیرے زخموں کا، میں نکالتی ہوں تیرے جسم سے شیشے۔" عائشہ کے لہولہان وجود نے مکروہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا اور ڈاکٹر فیصل کے جسم میں چبھے ہوئے شیشے نکالنے لگی ڈاکٹر کی چیخیں پورے اسپتال میں گونج رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

عمارہ جانتی نہیں تھی کہ اقبال اسے گھر پر ملے گا بھی یا نہیں مگر وہ چلتی رہی اور بالآخر اس پتے پر پہنچ گئی جو کارڈ پر لکھا ہوا تھا چھوٹا سا خوبصورت گھر، جو مکینوں کی نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھا، عمارہ نے دروازہ بجایا تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور اسے اقبال نظر آیا مگر یہ کیا یہ شخص تو محض اس اقبال کی پرچھائی تھا جو اسے اسپتال میں نظر آیا تھا۔ بکھرے بال اور الجھی ہوئی داڑھی، پتہ نہیں کب سے نہیں بنوائی گئی تھی۔

"آجائیں محترمہ! میں جانتا تھا اسپتال کی وہ کہانی جس کا ایک ہمدرد کردار آپ بھی تھیں، اور لوگوں کی موت آپ کو مجھے ڈھونڈنے پر مجبور کر دے گی۔ مگر معاف کیجیے گا، محترمہ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

"دیکھو اقبال معاملہ ان بے گناہوں کا ہے جو عائشہ کے ناجائز انتقام کا حصہ بن رہے ہیں مجھے پتہ ہے تم کوئی عامل نہیں ہو مگر پھر بھی تمہارے پاس طاقت ہے، محبت کی طاقت۔

مجھے یقین ہے عائشہ تمہاری بات ضرور مانے گی؟"

"مگر میں کیوں جاؤں۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیوں نہ عائشہ کو انتقام لینے دوں۔ اس ظالم معاشرے سے، جہاں دولت کے انبار زندگی لے بھی سکتے ہیں اور زندگی دے بھی سکتے ہیں۔ معلوم نہیں اس طرح کے کتنے ڈاکٹرز معصوم زندگیوں پر خدا بن بیٹھے ہیں، کتنی اموات کے ذمہ دار ہیں، ان کا مر جانا ہی بہتر ہے۔"

"اور تم کیا کہتے ہو ان لوگوں کے بارے میں جو مریض ہیں اور شفا کی غرض سے ڈاکٹر فیصل کے اسپتال فون کرتے ہیں، تم کیا سمجھتے ہو ان کی موت عائشہ کی روح کو سکون دے رہی ہوگی۔ ہرگز نہیں! مگر وقت کے ساتھ اس کا سکون مزید غارت ہوگا، اس کی روح کرب میں مبتلا ہو چکی ہے۔" عمارہ بولی۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو، ہمیں وہاں چلنا چاہئے جہاں عائشہ دفن ہے۔" اقبال بولا اور باہر کی جانب چل پڑا۔

"رکو! میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔" عمارہ بولی۔

دن اور رات مل رہے تھے جب وہ وہاں پہنچے، عمارہ اقبال کو لے کر سیدھا ڈاکٹر کے روم کی

طرف بڑھی، وہ سوچ رہی تھی کہ کمرہ خالی ہوگا مگر شاید کوئی سراغ مل جائے۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئے تو دونوں بھونچکا رہ گئے ایک زبردست بدبو کے بھبھکے نے ان کا استقبال کیا۔ ڈاکٹر فیصل اس حالت میں زمین پر پڑا تھا کہ اس کے پورے جسم پر زخم تھے اور دونوں ہاتھوں میں کیل ٹھکے ہوئے تھے وہ حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا وہ زندہ تھا اگر سانس لینے کا نام زندگی ہے تو۔

"ڈاکٹر فیصل۔" عمارہ بے اختیار آگے بڑھی۔ "چلی جاؤ، خدارا چلی جاؤ، ورنہ وہ ظالم تمہیں بھی مارے دے گی۔" ڈاکٹر فیصل کراہا۔

"ظالم کون تھا؟ وہ جو اسی اسپتال میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئی، مگر اس کا آپریشن اس وجہ سے نہیں ہو سکا کہ اس وقت ہمارے پاس پیسے نہیں تھے، تم نے ایک امیر کے آپریشن کے لئے پیسے لئے تھے جو کہ بعد میں بھی ہو سکتا تھا۔" اقبال بے ساختہ پھٹ پڑا۔

"جوان ان چند دنوں میں، میں اذیت کی حدوں کو دیکھ دیکھ کر سمجھ گیا ہوں کہ درد میں تڑپنا کسے کہتے ہیں، مم، مجھے، معاف کر دو۔"

"مجھے سے معافی مانگنے کا کیا فائدہ معافی مانگنی ہے تو اس معصوم سے مانگو جس کے دامن میں ہزاروں خوشیاں تھیں، جب وہ گھر سے نکلی زندگی نے دردناک موت کے علاوہ کچھ نہ دیا۔" اقبال نے کہا۔

عمارہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ "اقبال پلیز! اسے عائشہ کی قبر پر لے چلو۔ شاید عائشہ کی روح کو سکون مل سکے، اپنے مجرم کی معافی سے۔"

"پلیز! میں ایک بار معافی مانگنا چاہتا ہوں عائشہ سے!" ڈاکٹر بولا۔

دونوں نے اوزاروں میں سے پلاس ڈھونڈ کر نکالا اور ڈاکٹر کی ہتھیلیوں میں چبھے ہوئے کیل کھینچ کر نکال دیئے۔ پھر اقبال اور عمارہ نے اسے اٹھایا اور باہر کی طرف بڑھے وہ دروازے کے پاس پہنچے تھے کہ کہیں سے ایک زبردست پھنکارتا ہوا سانپ نکلا اور ڈاکٹر فیصل کے سسکتے ہوئے وجود کو ڈس کر غائب ہو گیا۔

"شاید قدرت اسے اتنی بھی مہلت نہیں دینا چاہتی تھی کہ وہ عائشہ کی قبر پر جا کر معافی مانگ سکتا۔" اقبال بولا۔

اقبال عمارہ کے ساتھ عائشہ کی قبر کے پاس گیا۔ قبر اتنی ہی تازہ لگ رہی تھی جیسے ابھی کھودی گئی ہو۔

وہ دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور اپنا سر قبر کے سرہانے اس طرح رکھ دیا جیسے عائشہ کے سر کے ساتھ اپنا سر ٹکا دیا ہو اور دھیرے دھیرے کہنے لگا "پیسے کی ہوس بہت بری بلا ہے کسی کو بھی لالچی بنا سکتی ہے، عائشہ میں جانتا ہوں تم مجھے سن رہی ہو! عائشہ محبت کو نفرت پر غالب مت آنے دو اسی میں سکون ملے گا، تمہیں بھی اور شاید مجھے بھی۔"

"اقبال کی دونوں آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ اس کے آنسو گرتے رہے اور قبر کی مٹی میں جذب ہوتے رہے اقبال بے سدھ ہو کر اپنا سر قبر پر رکھے ہوئے تھا اور قریب بیٹھی عمارہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

اچانک اقبال نے اپنے سر پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا، وہ ہاتھ بہت ہی نرم و نازک تھا، اس ہاتھ نے کئی مرتبہ اقبال کے سر پر تھپکی دی اور پھر جیسے اقبال کو ہوش آ گیا اب اس کا دل بہت مطمئن تھا۔

آج شہر کی آبادی پھیلتے پھیلتے وہاں تک پہنچ چکی ہے مگر اب وہاں کسی بھٹکی روح کا وجود نہیں ہے۔ اسپتال کو اسکول میں تبدیل کر دیا گیا ہے مگر وہ قبر آج بھی وہیں موجود ہے۔ بچے پوچھتے ہیں تو مائیں ان کو مطمئن کرنے کے لئے طرح طرح کی کہانیاں اس قبر کے متعلق سنا دیتی ہیں۔

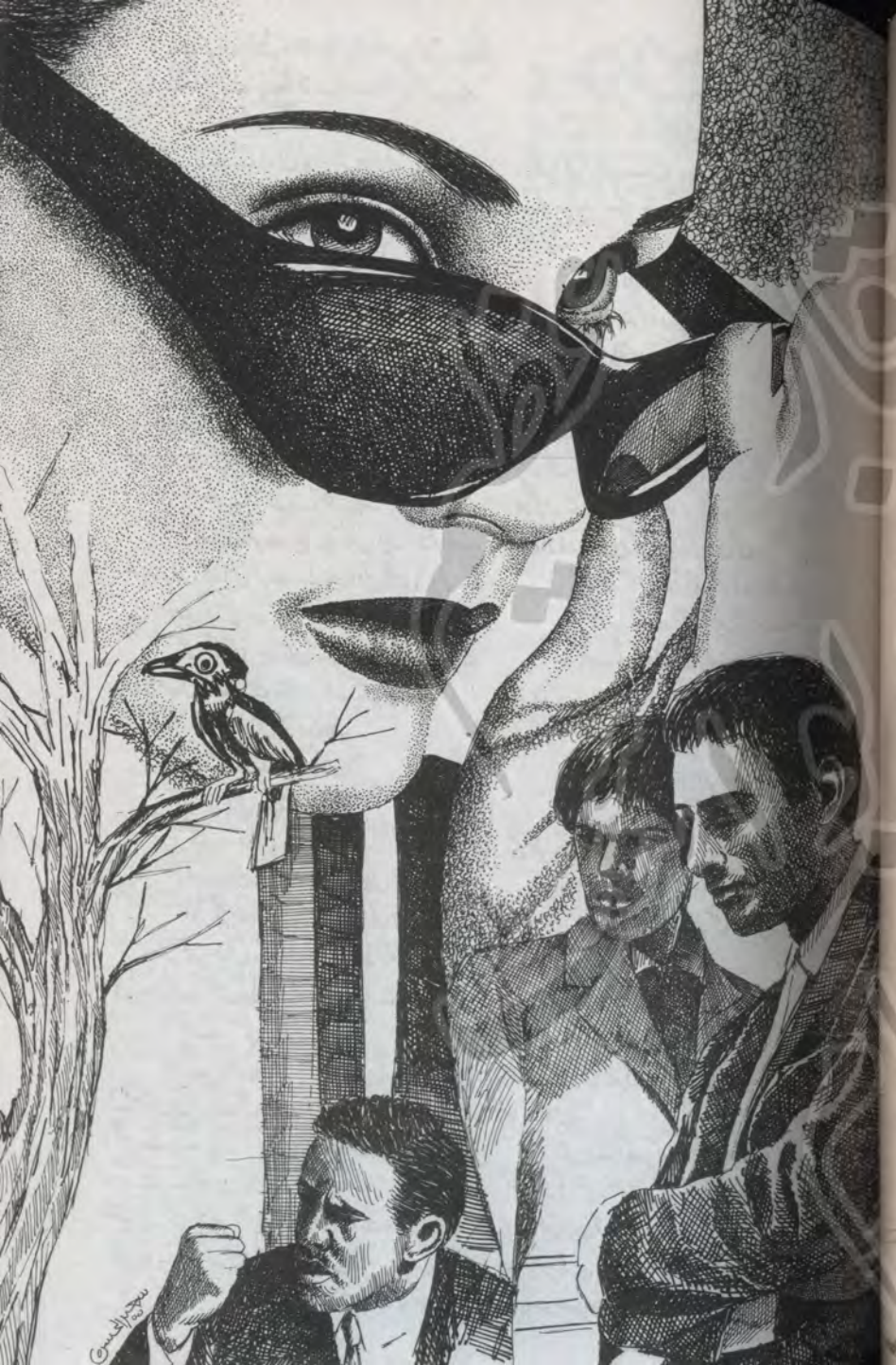

سنہری تابوت

ایم اے راحت

قسط نمبر: 11

خراماں خراماں اور سبک رفتاری سے دل و دماغ کو خوف کے شکنجے میں جکڑتی ہوئی صدیوں پر محیط اپنی نوعیت کی اچھوتی انوکھی دلکش دلفریب ایک طویل عرصہ تک دماغ سے محو نہ ہونے والی حقیقت سے قریب تر، سوچ کے افق پر جھلمل کرتی ناقابل فراموش کہانی۔

شاہکار کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے اچنبھے میں ڈالتی حیرت انگیز اور تحیر انگیز کہانی

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے نہ جانے کیوں میرے ذہن سے ایک لہر سی گزر گئی، مجھے ایک لمحے کے لئے عجیب سا احساس ہوا تھا۔ تلواروں کی کھنک، انسانوں کے شور کی آوازیں، ناقابل فہم نعرے، ناقابل فہم کام۔

"تبھی صوفیہ کی آواز ابھری۔" نشاء جان۔

"جی....." میں چونک پڑی، اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتی عسکری ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"ہیلو خواتین۔ آپ کو خوش دیکھ کر مجھے خوشی ہو رہی ہے۔"

"آپ کو خوشی نہیں ہے؟"

"مجھے....." عسکری نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور خاموش ہو گیا میرے دل میں نفرت کی ایک لہر اٹھی تھی اس کا انداز مجھے سخت ناگوار گزرا۔ پہلے یہ مشکل سے ہی اس سے گفتگو کرتا ہوگا اداکار کہیں کا۔ صوفیہ نے صورت حال سنبھال لی شاید اسے میری کیفیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔

"کوئی خاص خبر مسٹر عسکری۔"

"ابھی کوئی نہیں۔"

"میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔"

میرے اچانک الفاظ اور سنجیدگی نے نہ صرف عسکری بلکہ صوفیہ کو بھی چونکا دیا۔ اس نے مجھے دیکھا پھر جلدی سے بولی۔

"اوہ۔ تم بات کرو۔" اس نے کہا اور وہاں سے دور چلی گئی۔ عسکری کسی قدر تعجب سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے حلق صاف کر کے کہا۔

"جی مس نشاء۔"

"مسٹر روشاق نے آپ کو مجھ سے ملاقات کے بارے میں بتایا۔"

"ملاقات.....؟ یہاں..... جہاز پر؟"

"اس کا مطلب ہے کہ نہیں۔"

"خدا کی قسم بالکل نہیں۔ لیکن کب..... کہاں؟"

میں نے اسے اس ملاقات کے بارے میں تفصیل بتائی۔ احمر جنیدی اور عدنان شنائی کے بارے میں سن کر وہ دنگ رہ گیا۔ کچھ دیر تک وہ حیرت میں ڈوبا رہا، پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر نڈھال سے لہجے میں بولا۔ "تم مجھ پر یقین کر سکو گی نشاء۔"

"بولو۔"

"مجھے بالکل نہیں معلوم، لیکن کچھ نئے خیالات میرے ذہن میں آ رہے ہیں یعنی احمر جنیدی اتنا کمزور

نہیں ہے۔بس وہ اتفاق کا شکار ہو گیا تھا اگر روشاق نے سچ بولا ہے تو اس سے زیادہ خوفناک بات اور کوئی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"اے کے ہمدانی کا جو حشر ہوا۔میرے خدا۔"

"روشاق نے آپ کو کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"اب میں تم سے جھوٹ نہیں بولتا نشاء۔"

"اب..... میرا لہجہ خود بخود طنزیہ ہو گیا۔"

"ہاں۔اب۔عسکری تلخ لہجے میں بولا۔"

"پچھلی رات کے بعد سے ملے ہو اس سے۔"

"نہیں۔لیکن۔اس نے کبھی مجھ سے احمر جنیدی کا تذکرہ نہیں کیا۔ ویسے نشاء۔میرے ساتھ بہت برا ہوا ہے اسے کہتے ہیں کہ دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا۔"

"مطلب؟" میں نے طنزیہ کہا۔

"تمہاری نفرت بجا ہے لیکن ایک درخواست ضرور کروں گا۔اس نفرت کے باوجود تم مجھے ہر کام کے لئے استعمال کر سکتی ہو۔"

میں گہری سانسیں لیتی رہی پھر میں نے خود کو سنبھال کر کہا "پہلے بتاؤ..... اب میں کیا کروں۔"

"کس سلسلے میں؟" وہ بولا۔

"کیا میں روشاق سے ملوں؟"

"مسٹر ڈیزل سے مشورہ کیا۔"

"نہیں۔روشاق نے منع کیا تھا۔"

"تم نے مجھے اس بارے میں کیوں بتایا۔"

"خوش فہمی کا شکار نہ ہو۔بتاؤ کیا کروں۔"

"میرا خیال ہے اس سے رابطہ رکھو۔ اتنا میں مانتا ہوں کہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"اوکے۔" میں نے کہا۔

مارشل پرسکون تھا،سرشام پانچ بجے میں روشاق کے کیبن کی طرف چل پڑی، پہلی بار اس پراسرار ترین شخصیت کے پاس خود چل کر جا رہی تھی۔ ہزاروں وسوسے، بے شمار پریشان کن خیالات ہمسفر تھے لیکن کچھ امیدیں بھی تھیں۔ شاید کچھ اور انکشافات ہوں۔ شاید مجھے میرے تاریک وجود کا کچھ پتہ چلے۔

روشاق کا کیبن سامنے آیا تو دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ بمشکل تم کیبن کے دروازے پر دستک دی چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا اور روشاق کا مکروہ چہرہ نظر آیا۔ مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں پیدا ہوا اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔"آؤ۔" اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

میں دروازے سے اندر داخل ہوئی تو اس نے کہا۔"دروازہ بند کر دو۔" میں نے خاموشی سے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔

وہ آگے بڑھ کر بستر پر جا بیٹھا۔ پھر ایکدم کوئی چیز بستر کے بڑے تکیے کے پیچھے سے نمودار ہوئی اور ایک چھلانگ مار کر اس کے کھلے ہوئے روشندان پر چڑھ کر گم ہو گئی۔ میں نے اس خونخوار قاتل بلی کو دیکھ لیا تھا۔ لیکن روشاق نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

"بیٹھو۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"شکریہ۔" ایکدم میرا لہجہ بھی خشک ہو گیا۔

"بہت غور کیا تم نے مجھ سے ملاقات کے سلسلے میں۔"

"ہاں۔کیوں نہیں۔"

"مشورے بھی کئے ہوں گے کسی سے۔"

"یہ آپ کو بتانا ضروری ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"ہاں۔میں نے منع کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔میں نے بھی وعدہ کیا تھا۔"

"یعنی"

"کسی کو نہ بتانے کا۔"

"اوہ۔شکریہ۔میں نے یہ بھی کہا تھا تم سے کہ اگر تمہاری عقل میری سچائی قبول کرے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

میں نے ایک گہری نگاہ روشاق پر ڈالی۔اس شخصیت کی ایک تاریخ تھی میں نہیں جانتی تھی کہ مائیکل جون اور امیر الحسنات سے اس کا تعلق کہاں سے ہوا تھا،البتہ یہ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ ان کا تیونس کا سفر

کارچوک کی پہاڑیوں کی تلاش میں تھا جہاں ایک خزانہ مدفون تھا اور جس کا تعلق ایک پراسرار تہذیب سے بتایا جاتا تھا۔ بعد کے خواب بھی میرے ذہن میں تھے جن میں ایک انوکھی داستان پوشیدہ تھی،نزائلہ کی داستان اور نزائلہ..... یہاں آ کر میں سحر زدہ ہو جاتی تھی میرا ذہن ہواؤں میں اڑنے لگتا تھا۔

پھر ایکدم ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ روشاق پر نگاہ پڑی۔ وہ بڑے عجیب سے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

میں سنبھل گئی۔میری آنکھوں میں نفرت ابھر آئی۔ میں نے بیزاری سے کہا۔"اگر آپ کا خیال ہے مسٹر روشاق کہ میں آپ کو دنیا کا سچا انسان سمجھ کر آپ کے پاس آئی ہوں تو میں یہ جھوٹ نہیں بولوں گی۔"

"ہوں۔" آگے بولو۔اس نے سکون سے کہا۔

"میں جن حالات سے گزر رہی ہوں۔ان میں نہ تو مجھے کسی پر اعتماد ہے نہ میں کسی سے مدد کی توقع رکھتی ہوں۔لیکن میں تنکے کا سہارا تلاش کر رہی ہوں۔ جہاں سے بھی میری مشکل کا حل مل جائے۔"

"بالکل ٹھیک۔سلجھی ہوئی بات ہے۔ مجھے پسند آئی۔" روشاق بولا۔

"مسٹر وسکن ڈیزل بھی مجھ سے تعاون کر رہے ہیں۔لازمی بات ہے کہ انہوں نے بھی مجھے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔سب کا ایک ہی رویہ ہے۔کوئی میری مدد پر آمادہ نہیں ہے۔" میری آواز رندھ گئی۔

"احمر جنیدی سے ملیں۔"

"نہیں۔"

"ڈیزل کو میرے بارے میں بتایا۔"

"نہیں۔" میں نے بے اختیار کہا۔

"اپنی ساتھی لڑکی کو۔"

"کسی کو بھی نہیں..... اور اگر تم چاہو مسٹر روشاق اس کی وجہ بھی پوچھ سکتے ہو۔"

"بتا دو۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"بس ایک امید ہے ایک آس ہے اس خیال کی کہ شاید آپ میرے لئے کارآمد ثابت ہو سکیں،اگر میری مشکل کا حل آپ کے پاس سے مل جائے تو آپ سے زیادہ عزیز مجھے اور کوئی نہیں ہو سکتا،ورنہ سب ایک ہی جیسے ہیں میرے لئے،سب ایک ہی جیسے ہیں۔"

روشاق پر خیال انداز میں میری آنکھوں میں دیکھتا رہا،لیکن اس وقت ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی تھی مجھ پر ان الفاظ کو ادا کرتے ہوئے،شاید ان میں سچائی بھی تھی وہ میری آنکھوں سے میرے ذہن کا جائزہ نہیں لے سکا اور بولا۔

"خیر میں تمہاری باتوں سے مطمئن ہوں اور اب تمہیں میرے چند سوالات کے جواب دینا ہوں گے۔"

"اور میرے سوالات کے جوابات؟" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.....اس کے بعد میں تمہارے سوالات کے جواب دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"مجھے اپنے بچپن کی تفصیل بتاؤ۔" وہ بولا اور میرے ذہن کے خانے کھل گئے،میں نے کہا۔

"ایک خوبصورت کوٹھی میں زندگی گزاری جسے تم دیکھ چکے ہو مسٹر روشاق،مائیکل جون اور امیر الحسنات کے ساتھ وہاں صرف ملازم تھے جو مجھے ہاتھوں میں رکھتے تھے میری ہر بات کو پورا کیا جاتا تھا،انہی ملازموں میں سے ایک کو میری ماں کا درجہ دیا گیا کیونکہ ماں کی صحیح تفصیل میرے علم میں نہیں تھی۔ وہ مر گئی اور مجھے یہی علم ہوا کہ میری ماں مر گئی اور اس کے بعد مسٹر ہارون دانش نے میری پرورش کی اور جب مجھے ہوش آیا تو کوئی تصور بھی نہیں تھا میرے ذہن میں کہ ہارون دانش میرے باپ نہیں ہیں یا وہ عورت میری ماں نہیں تھی جس نے مجھے ماؤں کی طرح پرورش کیا،ہارون دانش مجھے اپنے ساتھ مصروف رکھتے تھے، وہ ماہر آثار قدیمہ تھے اور میں بھی ان کے قدم بہ قدم انہی راستوں پر آگے بڑھ رہی تھی کہ کارچوک کی پہاڑیوں میں ایک مردہ تہذیب کے آثار تلاش کرنے کے لئے آپ لوگوں نے ہارون دانش کو مجبور کیا اور اس کے بعد کے حالات آپ کو معلوم

ہیں کہ کیا ہوا۔"

"یہ بات تمہیں کس نے بتائی کہ ہارون دانش تمہارے باپ نہیں ہیں، چلو ماں کے بارے میں میں مان لیتا ہوں۔" روشاق نے سوال کیا۔

"وقت نے، حالات نے، میں ہوش کی دنیا میں آئی تو مجھے احساس ہوا کہ نہ میری ماں ہے اور نہ باپ، باپ کے نوادر خانے میں نجانے کیا کیا موجود تھا، میرے ذہن میں یہ تجسس جاگا کہ آخر میرے ماں باپ ہیں کون؟ ملازموں کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا، تیونس میں ہارون داشن غائب ہوگئے اور میں ان کی تلاش میں بھٹکتی رہی، مجھے جگہ جگہ سے یہ شواہد ملے کہ وہ زندہ ہیں، لیکن میں نے انہیں زندہ نہیں دیکھا۔"

میں بڑی ذہانت سے روشاق کو تفصیل بتا رہی تھی، میرے لہجے میں جذباتی کیفیت بھی تھی، لیکن میں نے دانش مندی کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا اور روشاق کو صرف اتنا بتا رہی تھی جتنا میرے لئے ممکن یا مناسب تھا۔ وہ خاموشی سے میری صورت دیکھتا رہا جیسے حالات کا اندازہ لگا رہا ہو، میں نے کہا۔

"ملازم مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکے، حالانکہ میں نے ان پر بے پناہ سختیاں کیں، لیکن کسی بدبخت نے مجھے کچھ نہیں بتایا، مسٹر روشاق بہت سے ایسے مرحلے آئے جب مین نے اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنے کے بارے میں سوچا لیکن حقیقت یہی ہے کہ شاید موت بھی مجھے قبول نہ کرے، وہ عورت جس نے میری پرورش کی اس سے زیادہ مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا بے شک یہ سب کچھ ہے لیکن مجھ پر جنون طاری ہوگیا، میں اپنے ماں باپ کی تلاش میں ہوں اور وہ کوشش کر رہی ہوں جس سے مجھے اپنے ماں باپ کا پتہ چل سکے، میرا ماضی کیا ہے، میرا باپ کون ہے، میری ماں کون تھی؟ میں یہ سب جاننا چاہتی ہوں، مجھے کوئی ذریعہ حاصل نہیں ہوا اور اس کے بعد احمر جنیدی، عدنان ثنائی اور نجانے کون کون مجھے ملا، مجھے عسکری بھی ملا جس سے کچھ لمحوں کے لئے میں متاثر ہوئی ایک عورت کی حیثیت سے لیکن وہ ایک نمک حرام اور جھوٹا آدمی ہے، میں اب تک نہیں جانتی کہ سب کچھ کیا ہے مسٹر روشاق یہ سب کچھ میرے لئے ناقابل فہم ہے۔ احمر جنیدی نے بھی مجھ سے ملاقات کی اور مجھے انوکھی تفصیلات بتائیں، آپ چاہیں تو میں آپ کو اس کے بارے میں بھی بتا سکتی ہوں لیکن اس سے بھی مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا اور میں مسلسل تاریکی میں رہی، سمجھ رہے ہیں، نا آپ، ایک بار مجھے معلوم ہوا کہ میری جائیداد وغیرہ کی نگرانی ایک ایڈووکیٹ اے کے ہمدانی کرتے ہیں، میں نے ضد کر کے ان سے ملاقات کی، اے کے ہمدانی نے مجھے بتایا کہ میرے لئے میرے والد کا وصیت نامہ موجود ہے، لیکن پھر اے کے ہمدانی کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ بھی یقینی طور پر آپ کے علم میں ہوگا، انتہائی بری حالت میں ہونے کے باوجود انہوں نے ایک نام کاغذ پر لکھا یہ ایک عمارت کا نام تھا اور جب میں اس عمارت میں اے کے ہمدانی کی سیکریٹری کے ساتھ داخل ہوئی تو وہاں مجھے تابوت نظر آئے جن میں دو ممیاں موجود تھیں۔ جن کے چہرے تک کپڑے کی پٹیوں میں لپٹے ہوئے تھے، میں کچھ نہیں سمجھ پائی تھی سمجھ آج تک میں کچھ نہیں سمجھ پائی۔ میرے ایک ملازم نے مجھے بتایا کہ میرے والد نے میرے لئے ہدایت کی ہے کہ میں اسپین چلی جاؤں اور وہاں جا کر مسٹر وسکن ڈیزل سے ملوں، میں نہیں جانتی کہ وہ اس بارے میں کیا جانتے ہیں، خیر میں یہاں آ گئی اور انہوں نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا، جب میں نے ان سے ضد کر کے یہ کہا کہ آخر میرے والد کون ہیں، کہاں ہیں اور یہ ساری کہانی کیا ہے؟ تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو مجھے دوسروں سے ملتا رہا تھا، انہوں نے کہا کہ وہ اس سلسلے میں کام کریں گے اور جو معلومات حاصل ہوں گی وہ مجھے ضرور بتائیں گے کہ ہمیں اس کے لئے الجزائر چلنا ہوگا، میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں تھی، لیکن کیا کرتی میرے پاس کرنے کے لئے اور کچھ تھا ہی نہیں، میں بیزار ہوگئی تھی زندگی سے، سمندری جہاز بیکار ہو گیا تھا، آپ یقین کیجیے مسٹر روشاق مجھے نہ موت سے دلچسپی ہے نہ زندگی

سے، جس شخص کو اپنے بارے میں کچھ نامعلوم ہو اسے زندگی کا کیا لطف حاصل ہو سکتا ہے، میں اپنے بارے میں ناواقف رہنے کے بجائے مرجانا پسند کرتی ہوں، اور اگر آپ میں سے کوئی مجھے موت سے خوف زدہ کرنا چاہے تو آپ کو انتہائی مایوسی ہوگی، بس میری زندگی کی یہی ایک خواہش ہے کہ مجھے صرف ایک بات یہ بتا دی جائے کہ میں کون ہوں، میں کون ہوں اور میرا قصہ کیا ہے؟ اس کے بعد اگر وہ مجھے قتل کرنا چاہیں تو میں بخوشی مرنے کو تیار ہوں، سنئے مسٹر روشاق! آپ لوگ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، میں اسی طرح کا جنون اپنے ذہن میں رکھتی ہوں، نہ مجھے اپنی جوانی کا احساس ہے اور نہ مجھے عشق و محبت سے دلچسپی ہے، میں تو اپنی ذات میں بھٹکتی ہوئی ایک آوارہ روح ہوں، میری روح ویران ہے مسٹر روشاق! میں آپ سے صرف اس شکل میں تعاون کر سکتی ہوں کہ آپ مجھے میرے بارے میں بتا دیں، آپ کی جگہ کوئی بھی شخص ہو میں اسے اپنی زندگی خوشی سے سونپ سکتی ہوں، بس میری موت سے پہلے مجھ پر یہ انکشاف کر دے کہ آخر میں ہوں کیا؟ اگر ہارون دانش زندہ ہیں تو کہاں ہیں؟ میں ہر چیز کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ ہارون دانش کس مصیبت کا شکار ہیں، سمجھ رہے ہیں آپ یہ ہے پوری تفصیل اور میں نے آپ کو جو کچھ بتا دیا ہے، اب مجھ سے اس کے بارے میں ایک بھی سوال نہیں کریں گے آپ، بس صرف آپ فیصلہ یہ کریں کہ کیا آپ میری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟"

"نہیں بے بی ابھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھ سے کچھ سوال مت کرو۔ ابھی میرے سوالات پورے نہیں ہوئے، کچھ اور سوالوں کے جواب چاہئے مجھے۔" روشاق بڑی بے رحمی سے بولا۔

"جی فرمایئے۔"

"اس گھر میں جہاں تم گئی تھیں میرا مطلب ہے اچھا چھوڑو اس سے پہلے کی بات کرو جب میں نے تمہیں پہلی ملاقات میں اس مکان میں بھیجا تھا وہاں کیا واقعات پیش آئے۔"

میں نے جواب میں پورا واقعہ دہرا دیا جو سچ تھا، روشاق نے گردن ہلائی پھر بولا "اور تمہیں یہ کس نے بتایا کہ اس عمارت میں جو تابوت رکھے ہوئے ہیں ان کا تعلق تمہارے باپ سے تھا۔"

میں پوری ذہانت سے سب کچھ بتا رہی تھی میں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہاں میں نے مسٹر ہارون دانش کی آواز سنی تھی اور انہیں کس عالم میں دیکھا تھا بلکہ میں نے کہا۔

"میرے ملازم نے مجھے یہ بات بتائی تھی جب اس نے مجھے اے کے ہمدانی کی یہ ہدایت بتائی جس کے تحت اس نے مجھے اسپین بھیجا تھا تو اس نے کہا کہ وہ تابوت میرے ماں باپ کے تھے۔"

"اور تم نے اسے مان لیا؟"

"میں نہیں جانتی کہ وہ سب کچھ کیا تھا، آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیا ماننا تھا اور کیا نہیں ماننا تھا۔"

"اچھا ایک بات اور بتاؤ، تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ وہ تابوت اس جہاز کے تہہ خانے میں ہیں، کیا تمہیں اس شخص نے بتایا تھا جس کا نام البرونوس تھا؟"

"نہیں میں نہیں جانتی کہ وہ کون تھا۔ یہ بات مجھے وسکن ڈیزل نے ہی بتائی تھی کہ جہاز کے مال خانے میں وہ تابوت موجود ہیں۔ میں نے جب پہلی بار ان تابوتوں کو دیکھا تو فوراً پہچان لیا یہ وہی تابوت تھے جو اس عمارت میں مجھے ملے تھے۔"

"تم البرونوس کو نہیں جانتیں؟"

"نہیں۔"

"پہلے کبھی اسے دیکھا۔"

"میں نے کہا نا کہ میں نے اسے بعد میں بھی نہیں دیکھا بلکہ جب جہاز کا حادثہ ہوا تو مجھے علم ہوا کہ ان تابوتوں پر البرونوس کی لاش پڑی ہوئی پائی گئی ہے۔"

"اور یہ بات بھی تمہیں وسکن ڈیزل ہی نے

بتائی ہوگی۔"

"ہاں۔"

"اس کے علاوہ کوئی بات جو میری رہنمائی تمہاری مشکل کی سمت کر سکے، اب میں پورے خلوص سے تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں فی الوقت یہ صرف الفاظ ہیں لیکن آنے والا وقت تمہیں اس حقیقت سے روشناس کرائے گا کہ ان الفاظ میں سچائی ہے، میں تمہاری بھرپور مدد کرنے کے لئے تیار ہوں، تم ڈیزل سے رابطہ رکھو یا دنیا کے کسی بھی فرد سے بھی، میں تمہارا ہمدرد تمہارا غمگسار رہوں گا اور تمہارے لئے سب کچھ کروں گا، لیکن تم اپنے ذہن میں چھپی ہوئی ہر وہ بات مجھے بتادو جو میری صحیح سمت رہنمائی کر سکے۔"

"میرے علم میں جو کچھ تھا میں نے آپ کو بتادیا مسٹر روشاق، اور اب میں آپ کے ان الفاظ کا ثبوت چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے اب تم مجھے بتاؤ کہ تمہارے ذہن میں میرے لئے کیا سوالات ابھرتے ہیں؟"

"آپ کون ہیں مسٹر روشاق؟" میں نے سوال کیا۔

"ایک محقق، مصر کی قدیم تاریخ سے جنون کی حد تک عشق رکھنے والا، میں نے تاریخ مصر کے ایسے ایسے پوشیدہ گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے جن تک کسی اور کی نگاہ نہیں پہنچ سکی، یوں سمجھ لو کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ شاید میں فراعنہ کے دور کی کوئی روح ہوں جسے دوبارہ انسانی شکل میں زندگی دے دی گئی ہے تو غلط نہیں ہوگا، مصر کی قدیم تاریخ کا اگر تم نے مطالعہ کیا ہے میرا مطلب ہے ہارون دانش کے حوالے سے تو یہ سمجھ لو میں بھی وہ "کا" ہوں جس کی تشکیل دوبارہ اس کائنات میں کی گئی ہے اور میری روح واپس ایک انسانی جسم میں آ گئی ہے، مجھے تاریخ مصر سے دیوانگی کی حد تک عشق ہے، مسٹر ہارون داش وہ دوسرے انسان تھے جنہوں نے مصر کی تاریخ کے ایسے ایسے پراسرار باب دریافت کئے جو بڑے بڑے محققوں کے علم میں نہیں ہیں، لیکن میں نہیں جانتا کہ پھر کیا ہوا، یہ بہت زیادہ پرانی بات نہیں ہے، لیکن اس پرانی بات کو اپنی عمر سے منسلک نہ کرو، تمہاری عمر، تمہاری عمر....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر بولا۔

"ہارون دانش نے تاریخ مصر پر ایسی ایسی انوکھی تحقیقات کا انکشاف کیا ہے جس نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، ان کی کچھ کتابیں اور مسودے پراسرار طریقے سے غائب ہوگئے وہ کتابیں شائع نہیں ہوئی تھیں، ان مسودوں میں مصر کی چھ ہزار سالہ تحقیق کے ایسے ایسے انوکھے باب تھے کہ اگر وہ دنیا کے سامنے آجاتے تو مصر کے اہرامین کے بارے میں ہزاروں محققین نے جو اپنی اپنی داستانیں لکھی ہیں لیکن اگر کوئی یہ انکشاف کرے کہ قدیم مصری دور کے کچھ مدفون اجسام زندگی پا کر، ایک محقق کے ساتھ تاریخ مصر پر تحقیقات کر رہے ہیں اور اس سے بحث کر رہے ہیں تو کیا اس حقیقت کی سچائی پر غور کیا جا سکتا ہے، یا تو اس شخص کو جھوٹا سمجھا جائے یا پھر اس داستان کو دنیا کی سب سے زیادہ پراسرار داستان، لیکن جو شناسا ہیں جو ان حوالوں کو جانتے ہیں جو ہارون دانش نے دیئے اور یہ حوالے دور فراعنہ کا کوئی شخص ہی دے سکتا ہے اس کے بعد وہ تیونس میں گم ہوگیا، نجانے کیسے کیسے اس کی تلاش تھی، نجانے کون کون اس کے لئے سرگرداں ہے میں بھی انہی میں سے ایک ہوں اور گمشدہ ہارون دانش کے وجود کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چلتا کہ وہ تاریخ کا کوئی ایسا ہی فرد ہے جو ہزاروں سال پرانی تاریخ سے گزر کر اس دنیا تک آچکا ہے، یا پھر کوئی اور، لیکن ہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا میں اس کی اولاد زندہ ہے، اور کون کون ہے جو اس تاریخ کو جاننے کے لئے دیوانہ نہیں ہو جائے گا اور لڑکی تم نے مجھ سے میرے بارے میں سوال پوچھا میں نے تمہیں بتادیا کہ میں کون ہوں، لیکن تم کائنات کی اس تاریخ کا سب سے انوکھا باب ہو، تمہیں اگر پڑھ لیا جائے تو جانے کیسے کیسے انکشافات ہوں، سمجھیں تم....."

وہ خاموش ہوگیا، اس کی گردن کی رگیں پھول رہی تھیں، خون سے عاری چہرہ اس وقت کچھ عجیب ہی

کیفیتوں کا شکار ہو رہا تھا جنہیں کوئی نام نہیں دیا جا سکتا تھا، بس یوں لگ رہا تھا کہ وہ بے حد پرجوش ہے، وہ پھر بولا۔

"اور سب سے زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ ہارون دانش زندہ ہے، وہ فنا نہیں ہوا روپوش ہے، اگر وہ کسی مشکل کا شکار ہے تو تم یقین کرو اس نے بڑی حماقت کا ثبوت دیا ہے وہ اس مشکل میں کسی کا بھی ساتھ حاصل کر سکتا تھا اور جو شخص اس کے لئے سب سے زیادہ کارآمد ہوتا وہ میں ہوں، میں....."

"آپ....." میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں۔ وہ مجھے ایک بار مل جائے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ یقین کرو بے بی میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ تعاون کرے، اگر وہ چاہے تو مجھے اپنی تحویل میں لے لے اور تاریخ کے سربستہ راز کی نقاب کشائی کرے، میری ساری کہانی انہی واقعات کے گرد گھومتی ہے، میں خود بھی اپنے آپ کو تاریخ میں تلاش کرنا چاہتا ہوں، سمجھ رہی ہو نا تم، میں نے جو کچھ تم سے کہا ہے اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں ہے۔"

وہ خاموش ہوگیا اور میں بھی خاموشی سے اسے دیکھنے لگی، نجانے کیوں مجھے یوں لگا تھا جیسے وہ سچ بول رہا ہو اور اس وقت میں خود بھی جذباتی ہوگئی تھی۔ کوئی خاص جھوٹ نہیں بولا تھا میں نے اس سے، بس کچھ باتیں چھپا رکھی تھیں، تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی پھر میں نے کہا۔

"آپ میرے لئے کیا کر سکتے ہیں مسٹر روشاق؟"

"کچھ بھی نہیں، ہاں ایک پیشکش کر سکتا ہوں تمہیں۔"

"کیا؟"

"کسی بھی طور اگر تمہیں کسی بھی شکل میں ہارون دانش کا کوئی نشان مل جائے تو میرا ایک پیغام اسے ضرور دے دینا۔"

"کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"اس سے کہنا کہ صبح کو ڈوبنے والے آخری ستارے کی قسم روشاق تجھ سے غیر مخلص نہیں ہے، بس وہ بھی تیرے ساتھ اس دور کی تلاش میں جانا چاہتا ہے، جہاں خود اس کا بھی وجود ملتا ہے، وہ خود بھی شاید اپنی تاریخ میں کوئی بھٹکا ہوا، کردار ہے۔"

"تمہارے خیال میں مسٹر ہارون دانش مجھ سے ملیں گے؟" میرے لہجے میں خود بخود ایک حسرت بیدار ہوگئی۔

"یقیناً..... شاید کوئی ایسا لمحہ آجائے جب اس کا تم سے ملنا ضروری ہو جائے، ایک بار ایک بار وہ مجھ سے مل لے، صرف ایک بار میری بات سن لے آج تک اسی کوشش میں مصروف ہوں، اور لڑکی تیرا موجودہ نام یہی ہے نا نشاء..... یہی ہے ناں.....؟"

"کیا مطلب؟"

"میں تجھ سے ایک سوال کر رہا ہوں، اس کا مجھے جواب دے۔ تیرا نام نشاء ہی ہے نا۔"

"ہاں..... لیکن اب تم مجھے یہ بھی بتاؤ گے کہ کیا میرا کوئی اور نام بھی تھا۔"

"نہیں، ابھی اس سلسلے میں مجھ سے کچھ مت پوچھ۔"

"تو پھر۔"

"بس میں تجھ سے یہی کہتا ہوں نشاء کہ مجھ سے پوشیدہ ہونے کی کوشش نہ کرنا اور اگر کسی نے تجھے مجھ سے چھپانے کی کوشش کی تو سڑنے والی چھ ہزار لاشوں کی قسم اس کی فنا کا ذمہ دار میں ہوں گا صرف میں۔"

"مجھ سے آپ کی کیا دلچسپی ہے مسٹر روشاق؟"

"ارے میں نے تجھے بتا تو دیا کہ تو تاریخ کے ہزاروں سالوں کے پیچھے چھپی ہوئی ایک انوکھی تخلیق ہے، ایک انوکھا راز، میں چاہتا ہوں کہ جب تو منکشف ہو تو سب سے پہلے تجھے میرا قلم تحریر کرے۔" روشاق کھوئے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اور تم نے جو قسمیں کھائی ہیں ان کا کیا مطلب

ہے، صبح کا آخری ستارہ اور نجانے کون کونسے نام، یہ سب کیا ہے مسٹر روشاق، آپ کا مسلک آپ کا مذہب کیا ہے؟"

"رک جا ایک لمحے کے لئے رک جا، ایک لمحہ ٹھہر۔" روشاق نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا، اس نے اپنے سامنے رکھے سامان سے ایک کاغذ نکالا اور اسے میرے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

"لے دیکھ اسے، دیکھ کسی شکل میں اسے پہچانتی ہے۔"

میری نگاہ کاغذ پر بنی ہوئی تصویر پر پڑی اور میں نے اسے ایک لمحے میں پہچان لیا، یہ وہی عورت تھی جو روشاق کی ہمشکل تھی اور جس نے مجھے انتہائی نفرت کے ساتھ اس مکان سے باہر نکال دیا تھا، ایک بار پھر میرے ذہن سے ایک لہری گزر گئی اور میں نے بے اختیار کہا۔

"یہ ..... یہ ..... سلانوسیہ ہے۔ سلانوسیہ عمشیانہ....." یہ الفاظ میرے منہ سے بے اختیار نکلے تھے اور میں ان کا مفہوم نہیں جانتی تھی، لیکن روشاق بے اختیار اچھل پڑا۔ اس کے پورے بدن پر لرزہ سا طاری ہو گیا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا اور اس کے بعد آہستہ سے بولا۔

"مگر تو اسے کیسے جانتی ہے؟"

"ایں....." میں حیرانی سے اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

"تو اسے کیسے جانتی ہے؟"

"کسے؟" میں نے سوال کیا اور وہ میری صورت دیکھنے لگا، پھر آہستہ سے بولا۔

"یقیناً تجھے احمر جنیدی نے بتایا ہوگا۔"

"میں نہیں جانتی مجھے یاد نہیں ہے۔"

"آہ..... تو میرا خیال ٹھیک ہے، میرے راستے بالکل صحیح ہیں۔" روشاق نے بھی پراسرار لہجے میں کہا۔ اچانک ہی میں چونک پڑی، میں نے آہستہ سے کہا۔

"ایک بات بتایئے مسٹر روشاق، کیا یہ عورت میری ماں ہے؟" یہ سوال بھی بے اختیار ہی میرے منہ سے نکلا تھا۔

"تیری ماں۔" روشاق چونک کر بولا پھر جلدی سے بولا۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، ایسی کوئی فضول بات اپنے دل میں نہ لانا یہ تو ایک قدیم تاریخ ہے، زمانہ قبل کا ایک انوکھا دور۔"

"جو اس مکان میں زندہ تھا۔" میں نے طنزیہ کہا۔

"وہ فریب تھا تیرے لئے نہیں ہمارے لئے۔"

"اپنے مذہب کے بارے میں آپ نے نہیں بتایا مسٹر روشاق۔"

"بس انسان ہوں میں اس سے آگے پیچھے کچھ نہیں، جن ناموں سے عقیدت ہے ان کی قسمیں کھا لیتا ہوں۔" روشاق نے مدھم لہجے میں کہا۔

"آپ اس سلسلے میں میری کچھ میں مدد کر سکتے ہیں مسٹر روشاق۔"

"میں.....!" یہ کہہ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں میں اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی پھر مجھے یوں لگا جیسے وہ سو گیا ہو۔

"مسٹر روشاق۔ آخر کار میں نے اسے پکارا لیکن وہ پھر بھی نہ چونکا اس وقت ایک اور پراسرار واقعہ ہوا اچانک اسی روشندان میں وہی منحوس بلی نظر آئی، اس نے اپنے حلق سے ایک مکروہ آواز نکالی اور روشاق اچھل کر پھر اس کی آواز ابھری۔

"ہاں۔ میں جاگ رہا ہوں، تیور ہماری جاگ رہا ہے سورج زادی، جاگ رہا ہے۔" پھر اس نے میری طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

"آپ سو گئے تھے مسٹر روشاق۔"

وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ پھر بولا۔ "نہیں، میری روح مجھ سے دور چلی گئی تھی۔" میری نگاہ روشندان کی طرف اٹھ گئی مگر بلی وہاں موجود نہیں تھی بس۔ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی پھر میں نے خود کو سنبھال

کر کہا۔

"آپ سے ایک آخری سوال کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں۔ بس آخری سوال، اور پھر واپس چلی جا۔ سورج ڈوبنے کو ہے۔ میری عبادت کا وقت قریب آ رہا ہے۔"

"وہ دونوں تابوت خالی کیسے ہو گئے؟"

"آہ، میں سچ کہہ رہا ہوں، بس نہیں جانتا بس مجھے تھوڑی دیر لگ گئی تھی ورنہ ایک بہت بڑا عقدہ حل ہو جاتا جا۔ بس اب جا براہ کرم جا۔" وہ مضطرب نظر آنے لگا اور میں اسے گھورتی ہوئی باہر چل پڑی لیکن جاتے ہوئے میری نگاہ روشندان کی طرف گئی۔ وہاں دو انگارہ آنکھیں دہک رہی تھیں خونخوار اور بھیانک آنکھیں۔

کیبن کے باہر سب کچھ وہی تھا۔ روشاق آخر کیا ہے؟ کچھ نئے نئے نقوش مجھے ایک نئے جہاں کی سیر کراتے تھے آشوانی مندر۔ اس کے اندر عبادت کرنے والے انسان۔ قدیم مصری لباس میں ملبوس، اور مندر کی رقص گاہ میں چہرہ چھپائے رقص کرتی رقاصائیں۔

دور سے عسکری نظر آیا۔ جس نے مجھے نہیں دیکھا اس سے اس وقت ملنے کو دل نہیں چاہا ویسے میں نے اسے روشاق کے بارے میں بتا دیا تھا کیبن میں جانے کو دل نہیں چاہا۔ میں نے عرشہ کا رخ کیا اور خاص طور سے ایک پرسکون گوشہ پسند کیا۔ پھر کہ جانے کتنا وقت سمندر کو دیکھتے ہوئے گزارا۔ ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات آ رہے تھے۔ وہ بھیانک طوفان یاد آیا جس نے جہاز کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا لیکن بحری قزاق بہترین انجینئر تھے انہوں نے مارشل کو نئی زندگی دیدی تھی اور اب وہ پرسکون سفر کر رہا تھا۔ پھر اس وقت چونکی جب کسی کو اپنے قریب دیکھا۔

"نشاء....." صوفیہ کی آواز میں پیار تھا۔

"اوہ..... سٹر۔"

"میں تمہیں بہت دیر سے دیکھ رہی تھی۔"

"ارے ہاں ایکدم رات ہو گئی۔" میں نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔

"کھانا کھائیں۔"

"ہاں۔ مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔"

"آؤ....." صوفیہ نے کہا۔ ہم نے جہاز کے ریسٹورن میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران سسٹر نے کہا۔ "مسٹر ڈیزل سے ملاقات ہوئی تمہاری۔"

"کب۔"

"تھوڑی بہت دیر پہلے۔"

"کوئی خاص بات۔"

"نہیں۔ بس میرے پاس آئے تھے۔ یہ بتانے کے لئے کہ تم روشاق کے پاس گئی ہو۔"

"..... مجھے دیکھا ہوگا۔"

"شاید....."

"کیا بات ہوئی؟"

"وہ ایک پراسرار انسان ہے۔ بے حد پراسرار۔ آپ یقین کریں سسٹر جب تک میں اس کے پاس رہی مجھے یوں لگتا رہا جیسے میں کسی زندہ انسان کے ساتھ نہ ہوں۔ وہ مجھے زمانہ قدیم کی کوئی بھیانک روح معلوم لگا ہے۔ ایک مافوق الفطرت انسان۔"

"تم سے کیا کہتا ہے۔"

"وہ مجھ سے صرف اس لئے دلچسپی لے رہا ہے کہ میرے ذریعے ہارون دانش سے مل لے۔"

"ارے۔ تم اپنے پاپا کا نام کیسے لے رہی ہو۔"

"پاپا....." میں نے کہا اور پھر خاموشی ہو گئی۔ اس کے بعد ہم نے مزید کوئی گفتگو نہیں کی۔ اور بیٹھے ریستوران کے ماحول کا جائزہ لیتے رہے۔ انسان بھی کیا چیز ہے۔ یہ سب کتنے بڑے حادثے سے دوچار ہوتے ہیں۔ کون کون کیا کیا کھو بیٹھا ہے لیکن اس وقت وہ بالکل خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے۔

"چلیں....." صوفیہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"ہاں..... اٹھیں۔" میں نے کہا اور کرسی کھسکا کر اٹھ گئی۔ پھر ہم دونوں کیبن میں آ گئے۔ وسکن ڈیزل اپنے کیبن میں موجود نہیں تھے۔

بیڈ پر لیٹ کر صوفیہ نے کہا۔ ”میرے ذہن میں تو بس ایک ہی خیال آتا ہے اگر مسٹر ہارون دانش روشاق کو قابل بھروسہ سمجھتے تو ہمیں اسپین نہ بھیجتے۔ آخر کوئی بات تو ہوگی جس کی وجہ سے انہوں نے روشاق سے گریز کیا۔

”ہاں..... شاید۔ میں نے نیند بھری آواز میں کہا۔

”تمہیں نیند آرہی ہے سوجاؤ۔“ صوفیہ نے کہا۔ میں نے کروٹ بدل لی۔

دوسری صبح انکل ڈیزل نے ہمیں جگایا تھا۔

”ہیلو گرلز۔“

”ہیلو انکل..... ہم دونوں نے بیک وقت کہا۔

”ہیلو.....“ انکل ڈیزل نے کہا۔ پھر بولے۔ ”سمندر کی آخری لکیر سے سورج طلوع ہوتا ہے تو ایک سحر انگیز منظر آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے تم نے یہ منظر دیکھا ہے کبھی۔

”نہیں انکل۔“

”دیکھا کرو۔ جب یہ مکمل ہوجائے گا تو ہم اس حسین منظر کی تمنا ہی کرتے رہیں گے۔ کیا خیال ہے۔“

”واقعی..... حسین لگتا ہوگا۔“ صوفیہ نے کہا۔

”میں نے ایک مہربان نوجوان سے کہا ہے کہ وہ تین افراد کے ناشتے کا انتظام کردے۔ چنانچہ تم نہا کر عرشہ پر آجاؤ۔“

”ہم آرہے ہیں۔“ میں نے لاشعوری سے کہا۔ اور کچھ دیر کے بعد عرشہ پر پہنچ گئے جہاں انکل ڈیزل ہمارے استقبال کے لئے موجود تھے۔ ناشتے کے دوران باتیں شروع ہوگئیں انکل ڈیزل نے چائے کے بڑے بڑے سپ لے کر اپنا کپ خالی کردیا پھر بولے۔

”یہ سچ ہے کہ روشاق کو شدت سے ہارون دانش کی تلاش ہے۔ اور وہ صرف اس وجہ سے نشاء کو نگاہ میں رکھنا چاہتا ہے لیکن دوسرا سچ یہ بھی ہے کہ اگر ہارون دانش اسے حاصل ہوجائے تو ہارون اپنا مشن کبھی پورا نہ کرسکے گا۔

”پا پا مشن.....؟“ میں نے سوال کیا۔

”سوفیصدی۔“

”کیا آپ اس مشن کے بارے میں جانتے ہیں انکل۔“

”بچکانہ سوال ہے۔ ویسے یا تو تم مجھے بتانا بھول گئیں۔ یا پھر روشاق سے غلطی ہوگئی۔“

”کیا انکل۔“

ڈیزل سوچ میں ڈوب گیا پھر اچانک بولا۔ ”روشاق نے یہ نہیں پوچھا کہ ہم لوگ الجزائر کیوں جارہے ہیں؟“

”..... نہیں..... یہ نہیں پوچھا۔“

”شاید بھول گیا۔ لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے وہ دوسری ملاقات پر تم سے یہ سوال کرے۔“

”مجھے کیا جواب دینا ہے انکل۔“

”یہ کہ تم اس بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔“

”انکل کچھ سوالات میرے ذہن میں ہیں۔“

”مجھ سے پوچھنا چاہتی ہو۔“

”جی.....“

”اس گفتگو سے متعلق ہیں۔“

”ہاں۔“

”سوری بے بی۔ شاید میں اس کا جواب نہ دے سکوں۔“ ڈیزل کے انداز میں ایک بے رخی سی پیدا ہوگئی جو مجھے ناگوار گزری۔ اس نے اس ناگواری کو محسوس کیا اور وہ مسکرادیا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تمہیں میرا جواب ناگوار گزرا ہے۔ لیکن بے بی۔ یقین کرو بہت سے سوالات کے جواب ابھی میرے پاس بھی نہیں ہیں۔“

”اگر ہوں بھی انکل۔ تو میرے پاس کیا حق ہے کہ میں کسی کو اس کی مرضی کے خلاف کچھ بولنے پر مجبور کروں۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”نہیں نشاء یہ بات نہیں ہے۔ یوں بھی سمجھو کہ جو ہدایات مجھے تمہارے ڈیڈی نے دی ہیں میں انہیں کے مطابق ہر قدم اٹھا رہا ہوں۔ لفظ بہ لفظ سوائے ایک معمولی سی غلطی کے اور اس کا مجھے جو خمیازہ بھگتنا پڑا؟ میرا دل جانتا ہے۔“

”خمیازہ.....؟“

”ہاں اس جہاز پر۔“ سسٹر صوفیہ نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں۔“

”اس بارے میں بھی نہیں بتائیں گے۔“

”میں اپنے ایک پرخلوص دوست سے محروم ہوگیا۔ مجھ سے ایک چھوٹی سی حماقت ہوگئی تھی۔“

”محروم ہوگئے۔“

”ہاں۔ وہ میری وجہ سے مارا گیا۔“

”کون انکل۔“

”البرونوس۔ میرا چودہ سال پرانا دوست۔ جو اس سفر میں میرا ساتھ دے رہا تھا۔“

”او مائی گاڈ..... البرونوس۔ آپ کا ساتھی تھا۔ لیکن انکل۔“

”انہیں مجبوریوں کا ذکر تم سے کرتا ہوں۔ ورنہ میں اپنی زندگی بھی تم پر قربان کرسکتا ہوں۔“

”سوری انکل۔ ویری سوری۔“

”میں نے اپنی زندگی تمہارے لئے وقف کردی ہے۔ میرا کوئی قدم تمہارے خلاف نہیں اٹھے گا۔ بس مجھ پر اعتماد ضروری ہے۔ ویسے احمر جنیدی اور عدنان ثنائی کی موجودگی کی تصدیق ہوگئی ہے۔“

”آپ نے خود دیکھا۔“

”ہاں۔ تقریباً ..... میں ایک پلاننگ کررہا ہوں۔ لیکن اس شکل میں تم مجھ سے مطمئن ہو۔“

”میں سوری کرچکی ہوں انکل۔ آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔“

”او کے نشاء بیٹی۔ تمہارا تعاون ہماری مشکلوں کا حل ہوگا۔ اور میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ آرام سے وقت گزارو۔ تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

”لیکن انکل آپ کو اپنی حفاظت ضرور کرنی چاہئے۔“

”میری بالکل فکر مت کرو۔ او کے۔“ وسکن ڈیزل نے کہا اور پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔ میں نے صوفیہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی مجھے دیکھ رہی تھی پھر اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

”البرونوس انکل ڈیزل کا ساتھی تھا۔“

”ہاں سسٹر۔ پتہ نہیں کون کیا تھا اور کیا ہے لیکن ایک اور بات سمجھ میں آتی ہے۔“

”کیا.....“

”اسپین میں ہمیں طویل قیام کرنا پڑا تھا۔ اس دوران وہ تابوت وہاں منگوائے گئے تھے اور یقیناً وہ وسکن ڈیزل کے کہنے پر وہاں لائے گئے تھے اور یہ کام البرونوس نے کیا ہوگا۔“

”سوفیصد۔“

”آہ، دماغ کے پرخچے اڑ گئے ہیں کوئی بات جو سمجھ میں آتی ہو۔“

”اب تو تمہیں..... بھی خوف محسوس ہونے لگا ہے نشاء..... روشاق کیا کہہ رہا تھا تم مصر کی چھ ہزار سالہ تاریخ کا یہ اسرار باب ہو۔“ صوفیہ نے کہا اور میں ہنس پڑی۔

”ہاں۔ آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ اب یہی رہ گیا ہے کہ لوگ مجھ سے خوف کھائیں۔“

مارشل بدستور سفر کررہا تھا۔ لوگ۔ بحری قزاق کو اپنا دیوتا مان چکے تھے۔ اس کا بے احد احترام کیا جارہا تھا اس نے اصول بھی ایسے اپنائے تھے کہ جو نہ ہونی تھی جہاز کے پرانے خلاصیوں کو تجربے کار ہونے کی حقیقت سے اقدام دیا جاتا تھا۔ وہ دوسروں کو ہدایت دیتے تھے اور دوسرے ان پر عمل کرتے تھے لیکن سب اصول پسندی زندگی کے حصول کے لئے تھی۔ گارساں کے بارے میں اب کوئی بدلے انداز یں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

اس دن جہاز کے معمولات بدستور جاری تھے کہ اچانک جہاز پر سب لاؤڈ اسپیکر چیخ اٹھے اور سب متوجہ ہوگئے۔

”متوجہ ہوں۔ میں آپ کا کپتان گارساں آپ

سے مخاطب ہوں مارشل کے تمام مسافروں سے درخواست کرتا ہوں کہ سب عرشے پر جمع ہو جائیں کیبن خالی کر دیئے جائیں۔ ایک ایک فرد باہر آ جائے مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

جہاز پر موجود ہر شخص کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی مختلف کام کرتے لوگوں کے ہاتھ رک گئے لوگ ایک دوسرے کو خبر کرنے لگے۔ میں اور صوفیہ بھی اس طرف چل پڑے جہاں "دوسرے لوگ جمع ہو رہے تھے ۔سسٹر صوفیہ نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"خدا خیر کرے کہ جانے وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔"

"ایک بات پر آپ نے غور نہیں کیا سسٹر۔"

"کیا؟"

"اصولی طور پر تو اب احمر جنیدی اور عدنان ثنائی کو بھی باہر آنا پڑے گا۔"

"شاید۔"

میں خاموش ہو گئی۔ بڑی سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ بھاگ بھاگ کر عرشے پر جمع ہو رہے تھے عرشے پر رش ہو گیا تھا روشاق کی جھلک بھی نظر آئی تھی لیکن ابھی تک احمر جنیدی اور عدنان ثنائی نہیں نظر آئے تھے۔ میری نگاہیں ان دونوں کو تلاش کر رہی تھیں کچھ لمحوں کے بعد گارساں بھی سامنے آ گیا اس نے ہاتھ میں میگافون پکڑا ہوا تھا۔ ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر اس نے مجمع پر نگاہ ڈالی پھر بولا۔

"سب آ گئے دوستو! ایک اہم بات کہنا چاہتا ہوں آپ سے۔ مارشل بالکل ناکارہ ہو چکا تھا لیکن اب وہ ایک بہترین جہاز ہے اور خوش اسلوبی سے اپنی منزل پر جا رہا ہے میرا بدنما روپ فرانس کے سپاہی کے کہنے کے مطابق شیطان کا دوسرا روپ تھا اور اس کا کہنا ٹھیک ہی تھا۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں ٹھیک کہہ رہا ہوں میری خواہش تھی کہ آپ لوگوں کو آپ کی منزل تک پہنچا دوں۔ آج کا سفر الجزائر اور اس سے آگے کے راستوں پر تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ الجزائر تو نہیں جاؤں گا کیونکہ حکومت الجزائر میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے موت کے پھندے تیار کئے بیٹھی ہے اس لئے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں مارشل کو کیمرون، یا نائیجیریا لے جاؤں گا۔ ان دونوں ممالک میں مجھے خطرہ نہیں تھا۔ وہاں مجھے عزت دی جاتی۔ لیکن۔

وہ رکا تو بہت سے مسافر بیک وقت چیخ اٹھے۔

"لیکن کیا مسٹر گارساں۔"

"لیکن کیا کیپٹن؟"

"ٹیم نے جہاز کے انجن ٹھیک کر لئے۔ لیکن اس کے کمپاس ٹھیک نہیں کر سکے وہ میری طرح ٹوٹ پھوٹ گئے۔ اور دوبارہ قابل استعمال نہیں ہو سکے۔ ہمارے پاس ستاروں کے تعین کے لئے آلات نہیں ہیں۔ میں نے اس کے لئے ستاروں کا سہارا لینے کی کوشش کی کیونکہ یہ علم بھی مجھے آتا ہے لیکن مجھے کچھ پراسرار مشاہدے ہوئے ہیں۔ سمندری طوفان نے جہاز کو کسی ایسے روٹ پر ڈال دیا ہے جو عام سمندری راستوں سے ہٹا ہوا ہے آپ لوگوں کو خود بھی اندازہ ہوا ہوگا ممکن ہے آپ نے اس بارے میں بھی نہ سوچا ہو کہ اس طویل سفر کے دوران ہمیں نگاہ کی آخری حد تک کوئی جہاز سفر کرتا ہوا نظر نہیں آیا اس سے میرے خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ ہمارا سفر نامعلوم سمندروں میں جاری ہے، ایک کپتان ایک جہاز راں ہونے کی حیثیت سے میں جانتا ہوں کہ ایسے لمحات میں کیا کرنا چاہئے اور وہی میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔"

لوگوں کے منہ سے بے معنی آوازیں نکلی تھیں، ان کے چہروں سے خوف نمودار ہو گیا تھا، گارساں نے کہا۔

"میرے پاس اس بارے میں بھی ایک تفصیل موجود ہے اور آپ لوگوں کا تعاون بھی مجھے حاصل ہے، اگر الیکٹرانک کمپاس ٹوٹ نہ گئے ہوتے اور انہیں کسی طرح دوبارہ قابل استعمال بنایا جا سکتا تو میں یقیناً ایسا ہی کرتا اور اس وقت ہمارے لئے یہ مشکل نہ رہتی، لیکن ایسا ہو چکا ہے تاہم میرے لئے ایک بہتر پہلو یہ ہے کہ آپ لوگوں کا تعاون مجھے حاصل ہے۔ مارشل غیر محتاط طریقے سے سفر کر کے ایک ماہ سمندر میں گزار سکتا ہے اور اگر ہم خصوصی احتیاط شروع کر دیں تو یہ عرصہ ڈبل یعنی دو ماہ

ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کیوں نہ ابھی سے احتیاط شروع کر دی جائے، غذائیں، دوا اور ایندھن ہر چیز میں احتیاط کی جائے، یقیناً اس عرصے میں ہم زمین تلاش کر لیں گے، میں اس بارے میں آپ کی رائے چاہتا ہوں۔

اور میں ستاروں کے ماہروں کو دعوت دیتا ہوں کہ اگر وہ راستوں کے تعین میں میری مدد کریں تو میں ان کا شکر گزار ہوں گا۔"

اس بار کہیں سے کوئی آواز نہیں ابھری تو گارساں نے پھر کہا۔ "گویا کوئی ستارہ شناس موجود نہیں ہے۔"

"بھتیجے اگر چچاؤں کو فراموش کر دیں تو ظاہر ہے مشکلات میں تو رہیں گے۔" ایک سمت سے روشاق کی آواز ابھری اور تمام گردنیں اس طرف گھوم گئیں، خود گارساں بھی ادھر دیکھنے لگا تھا۔ روشاق اپنے مخصوص ڈھیلے ڈھالے لباس میں ایک طرف کھڑا مسکرا رہا تھا اور دلچسپ بات یہ تھی کہ اس وقت اس کی خوف ناک بلی اس کے کاندھے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ گارساں نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

"معزز چچا! کیا تم دوسری بار بھی میری مدد کر سکتے ہو، ویسے میں تمہیں بھولا نہیں ہوں، بس دوسرے مسافروں کو یہ احساس میں دلانا چاہتا تھا کہ تم نے مجھے آزادی دلائی ہے اس لئے میں تمہیں خصوصی اہمیت دے رہا ہوں۔"

"حالانکہ میں اس کا حقدار ہوں۔" روشاق نے کہا۔

"اور میں اس حق کا مقروض ہوں چچا، لیکن اگر تم اس سلسلے میں کچھ کر سکو تو پھر جہاز کے تمام مسافر مقروض ہو جائیں گے۔"

"ہمیں زمین کی تلاش ہے ناں؟"

"بالکل۔"

"تو پھر میں اس ذہین سراغ رساں سے مدد لیتا ہوں جو میرے کاندھے پر موجود ہے اور جو بہت سی مشکلوں کا حل اور یہ یقیناً سب کی مشکل حل کر دے گا۔" اسی وقت روشاق کے کاندھے پر بیٹھی ہوئی بلی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اس نے حلق سے انتہائی خوف ناک آوازیں نکالیں اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ لوگ ساکت کھڑے ہوئے تھے، یہ سب کچھ شعبدہ گری ہی محسوس ہو رہی تھی لیکن اس شعبدہ گری نے پہلے بھی حالات کا رخ بدلا تھا اور اس وقت بھی لوگ اس سے متاثر ہوئے تھے، روشاق نے آہستہ آہستہ بلی کے کان میں کچھ کہا اور وہ روشاق کے چہرے کو چاٹنے لگی، پھر اس نے روشاق کے سر پر اگلے پاؤں رکھے اور اچھل کر اس کے سر پر چڑھ گئی، اس کی گردن حیرت انگیز طور پر چاروں طرف گھوم رہی تھی۔ روشاق اور دوسرے لوگ خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ سب پر ایک عجیب سی ہیبت طاری تھی، پھر بلی کا رخ ایک سمت ہو گیا اور اس نے اپنا ایک ہاتھ سامنے کی سمت اٹھا دیا، روشاق نے کہا۔

"تم دیکھ رہے ہو کیپٹن گارساں۔" گارساں کے منہ سے کوئی آواز نکلی، البتہ اس کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک تھی اور وہ روشاق کے سر کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کیا بلی نے کسی طرف اشارہ کیا ہے؟"

"ہاں معزز چچا اس نے ایک ہاتھ داہنی سمت اٹھایا ہے۔"

"اور تمہیں جہاز کا رخ اسی سمت کرنا ہوگا، سمجھے، تمہیں جہاز کا سمت اسی رخ کرنا ہوگا۔"

"چچا معاف کرنا جو کچھ تم کہہ رہے ہو کیا یہ سچ ہے؟"

"سب سے بڑی بات یہ ہوتی ہے بھتیجے کہ انسان عقل سے کام لے۔ میں کوئی شعبدہ گری یا تماشہ نہیں کر رہا، میں نے ایک دعویٰ کیا ہے اور تم کوشش کرو۔"

"ہوں، گویا جہاز کا رخ تبدیل کر لیا جائے۔"

"یہ تم پر منحصر ہے، اگر تم ان باتوں پر یقین کرو۔"

"نہیں چچا، اس وقت تو ہم تنکے کا سہارا بھی تلاش کریں گے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر رخ تبدیل کر لو۔" روشاق نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ یقین شاید گارساں کو بھی نہیں تھا، لیکن وہی ڈوبتے اور تنکے والی مثال تھی وہ ہدایات نشر

کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد جہاز کے انجن بند ہو گئے اسے کسی خاص طریقے سے رخ بدلنے کی کارروائی کی جارہی تھی۔ بہرطور وقت گزرتا رہا اور جہاز کا رخ تبدیل کیا جانے لگا۔ سب لوگ منتشر ہو گئے تھے۔ میں بھی صوفیہ کے ساتھ کیبن میں واپس آ گئی تھی۔ صوفیہ کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے، تھوڑی سی مایوسی کا اظہار ہونے لگا تھا اس کے چہرے سے، اس نے مدہم لہجے میں کہا۔

"کیا ہماری کہانی سمندر میں ہی ختم ہو جائے گی نشاء؟"

میں نے ایک گہری سانس لی اور کہا۔ "میری کہانی کا تو شاید آغاز اور انجام ہی نہیں ہے سسٹر، لیکن آپ یقین کریں میں آپ کے لئے افسردہ ہوں۔"

"اور جب تم بار بار یہ الفاظ کہتی ہو تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے اس خیال کے تحت کہ اپنی زندگی تمہارے نام کرنے کے باوجود میں وہ مقام نہیں حاصل کر سکی جو مجھے ملنا چاہئے تھا تمہاری نگاہ میں۔"

"ارے نہیں نہیں سسٹر..... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟"

"تو پھر جو ہونا ہے ہم دونوں کے ساتھ بھی ہوگا بلکہ جہاز کے تمام مسافروں کے ساتھ، پھر تم میرے لئے کیوں افسردگی کا اظہار کرتی ہو؟"

نجانے کتنا وقت ہمیں یہاں گزرا تھا کہ یکا یک کیبن کے دروازے پر دستک ہوئی اور صوفیہ نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا، ایک ادھیڑ عمر کا شخص کھڑا ہوا تھا اس نے کہا۔

"آپ مس نشاء ہیں۔؟"

"ہاں بولو کیا بات ہے؟" صوفیہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"مسٹر وسکن ڈیزل آپ کو ڈیک پر بلا رہے ہیں، براہ کرم میرے ساتھ آیئے۔"

صوفیہ نے میری شکل دیکھی اور میں نے گردن ہلا دی۔

"چلتے ہیں۔" میں نے کہا اور اٹھ کر دروازے پر آ گئی۔ "کیا کہا ہے مسٹر ڈیزل نے؟"

"آپ میں سے جو بھی نشاء ہو، وہ میرے ساتھ چلے۔" وہ شخص بولا۔

"صرف نشاء؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں انہوں نے یہی تاکید کی ہے۔"

"گویا ہم دونوں نہیں جا سکتے؟"

"جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ میں نے آپ سے عرض کر دیا، آگے آپ کی مرضی ہے۔" وہ شخص بولا اور میں ایک لمحہ کے لئے سوچنے لگی، پھر میں نے سسٹر صوفیہ سے کہا۔

"نجانے کیا بات ہے سسٹر میں جاتی ہوں، آپ آرام کریں۔"

میں نے لباس وغیرہ درست کیا اور باہر نکل آئی، برابر میں انکل ڈیزل کا کیبن تاریک تھا، ماحول پر گھمبیر سناٹا طاری تھا، نجانے کیا بات تھی کہ اندرونی طور پر میں کچھ گھبراہٹ سی محسوس کر رہی تھی جیسے کچھ ہونے والا ہو لیکن کیا ہو سکتا ہے آخر، وسکن ڈیزل کا پیغام لانے والا میرے آگے آگے چلتا ہوا عرشے پر آ گیا، اس نے تھوڑے فاصلے پر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ مسٹر ڈیزل موجود ہیں۔"

جس سمت اس نے اشارہ کیا تھا وہاں نیم تاریکی تھی اور کپتان گارساں نے بہت کم روشنیاں جلائی تھیں۔ تاہم دھندلاہٹوں میں انکل ڈیزل کا ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی یہ فاصلہ عبور کر کے ان کے قریب پہنچ گئی۔ پیغام دینے والا شخص اب میرے پیچھے ہو گیا تھا۔ ادھر انکل ڈیزل ریلنگ پر ہاتھ جمائے سمندر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کیا بات ہے انکل خیریت؟" میں نے حیران لہجے میں پوچھا اور وسکن ڈیزل نے رخ بدل کر مجھے دیکھا، لیکن تاریکی اتنی بھی نہیں تھی کہ میں انہیں نہ پہچان سکتی، وہ انکل ڈیزل نہیں تھے، میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، یہ شخص احمر جنید تھا، احمر جنیدی نے چند لمحات

خاموشی اختیار کی پھر بولا۔

"تم سے بہت اہم گفتگو کرنا چاہتا ہوں نشاء۔" اس کا ہاتھ برف کی طرح سرد تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے، آپ نے مجھے دھوکے سے بلایا ہے مسٹر احمر جنیدی، یہ شخص مجھے وسکن ڈیزل کے حوالے سے یہاں بلا کر لایا ہے۔"

"مجبوری تھی، ورنہ شاید تم آنے سے گریز کرتیں۔"

"لیکن اس دھوکہ دہی کی ضرورت کیوں پیش آئی آپ کو؟"

"ایک بات کا جواب دو، کیا مجھے اس جہاز پر دیکھ کر تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟"

"آپ جیسے جرائم پیشہ لوگ کہیں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ سمجھ رہے ہیں آپ مسٹر احمر جنیدی، مگر میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"بات کرو یا نہ کرو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سن لو، سمجھیں، ہم سب بہت خطرناک جال میں گرفتار ہونے والے ہیں، یہ آخری موقع ہے بالکل آخری، میں نے زندگی کی بازی لگا کر مارشل سے فرار کا انتظام کیا ہے، نیچے ایک اسٹیمر موجود ہے، یہ سیڑھی رکھی ہوئی ہے جو تمہیں نیچے پہنچا دے گی، ہم مارشل چھوڑ کر زندگی بچا سکتے ہیں، ورنہ جہاز کا ایک ایک مسافر گارساں کے ہاتھوں فنا ہونے والا ہے، میں اس کا منصوبہ سن چکا ہوں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مارشل کو کوئی ساحل ہی نہ ملے اور ہم لوگ اس کے ہاتھوں فنا ہو جائیں، لیکن میں تمہیں یہ پیشکش کر رہا ہوں کہ میرے ساتھ چلو ہم خشکی تلاش کر لیں گے، اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ نشاء وقت بالکل نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے آپ پاگل ہو گئے ہیں احمر جنیدی، دماغ خراب ہو چکا ہے آپ کا، میں تھوکتی ہوں آپ کی صورت پر، میرا آپ سے واسطہ کیا ہے؟" میں نے غرا کر کہا۔

"بہت گہرا واسطہ ہے نشاء، بہت ہی گہرا واسطہ ہے۔" احمر جنیدی نے کہا اور پھر جو کچھ ہوا میرے لئے غیر متوقع تھا، اچانک ہی عقب میں موجود قوی ہیکل شخص نے جو مجھے بلا کر لایا تھا مجھے دبوچ لیا اور دوسرے لمحے میں اس کے ہاتھوں میں بلند ہوتی گئی، میرے حلق سے بے اختیار چیخ نکلی تو احمر جنیدی نے کہا۔

"او گدھے کے بچے اور احمق تو نے اس کا منہ کھلا چھوڑ دیا ہے، منہ بند کر"

لیکن اس کی نوبت نہیں آئی، دیو ہیکل شخص مجھے اسی طرح اٹھائے ہوئے کنارے پر آیا اور پھر ریلنگ پر چڑھ کر اس نے گہرائی میں چھلانگ لگا دی، میرے حلق سے نجانے کتنی چیخیں نکل گئی تھیں، مجھے یوں لگا تھا جیسے آسمان سے گری ہوں، قوی ہیکل شخص گرتے ہوئے مجھے چھوڑ دیا اور دوسرے لمحے میں میں چھپاک سے پانی میں جا گری۔ نمکین اور مرچیں لگانے والا پانی میری آنکھوں میں لگا پھر حلق میں بھر گیا اور میرا سانس بند ہونے لگا، لیکن اس شخص نے بڑی ٹیکنیک سے کام لیا تھا وہ میرے ساتھ ساتھ نیچے آیا تھا اور یقینی طور پر وہ کوئی ماہر تیراک تھا چنانچہ اس نے مجھے گہرائی میں نہ جانے دیا اور ایک بار پھر مجھے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔

میرے ہوش و حواس بحال نہیں تھے اس کے باوجود میں نے اسٹیمر کے انجن کی آواز سنی وہ قریب آیا تو مجھے اس میں اچھال دیا گیا، یہاں اور کوئی بھی موجود تھا جس نے مجھے سنبھال کر اوندھا لٹا دیا اور غالباً میرے پیٹ سے پانی نکالنے کا عمل شروع کر دیا گیا، لیکن پانی میرے پیٹ تک نہیں جا سکا تھا بس حلق اور ناک میں بھر گیا تھا، میں نے تڑپ کر اس شخص کو لات ماری اور وہ پیچھے لڑھک گیا اسی اثناء میں دوسرا شخص اوپر چڑھ آیا تھا۔ میں اچھل کر کھڑی ہوئی تو ان دونوں نے جھپٹ کر مجھے دبوچ لیا، سامنے احمر جنیدی مجھے رسی کی سیڑھی سے اترتا نظر آ رہا تھا، مجھے دبوچنے والوں نے ایک بار پھر مجھے نیچے گرا دیا اور ان میں سے ایک نے میرے دونوں ہاتھ موڑ کر میری پشت پر کس دیئے، دوسرا اسٹیمر سنبھالنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ احمر جنیدی نے اسٹیمر میں چھلانگ

لگادی اور اس کے بعد اسٹیمر آگے بڑھ گیا۔ ہاتھوں کے بعد میرے پاؤں بھی رسی میں جکڑ دیئے گئے پھر اس شخص نے مجھے گھسیٹ کر ایک طرف بٹھایا، مجھ سے کچھ فاصلے پر کوئی اور بھی بیٹھا ہوا تھا جس کے خدوخال تاریکی میں نظر نہیں آرہے تھے، اسٹیمر نے ایک زبردست جھٹکے سے رخ تبدیل کیا تھا اور ایک سمت اختیار کر کے آگے بڑھ گیا تھا۔

میری کیفیت عجیب وغریب ہورہی تھی، شدید غصہ بھی تھا اور خوف بھی تھا، مجھے احمر جنیدی نے مارشل سے اغوا کیا تھا اور موت کے سفر پر چل پڑا تھا اب کیا ہوگا۔ لیکن یہ سوچنے کا موقع نہیں ملا، اچانک مارشل کے برج پر سرچ لائٹ جل پڑی اور اس کی تیز شعاعی روشنی سمندر پر پڑی اور پھر وہ اسٹیمر کا تعاقب کرتی ہوئی آگے بڑھنے لگی اور آن کی آن میں اس نے اسٹیمر کو اپنی گرفت میں لے لیا، ہم سب تیز دودھیا روشنی میں نہا گئے۔ احمر جنیدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''اوہ! راز کھل گیا، انہیں پتہ چل گیا، رفتار تیز کردو، رفتار تیز کردو۔''

''اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے سر۔'' اسٹیئرنگ پر کھڑے ہوئے شخص نے کہا۔

اچانک روشنی بجھ گئی، خاموشی چھا گئی، بڑی سنسنی کا احساس ہورہا تھا، سر چکرا رہا تھا آنکھیں بند ہوئی جارہی تھیں، اسٹیمر پر موجود لوگ بھی سکتے کی سی کیفیت میں تھے، ایک ایک لمحہ چیختا ہوا گزر رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ اسٹیمر روشنی میں تو آ گیا ہے، پھر ادھر سے کوئی کارروائی کیوں نہیں ہوئی۔ میرے اندازے کے مطابق کوئی پندرہ منٹ گزر گئے پھر اچانک اسٹیئرنگ پر کھڑا ہوا شخص دہشت بھرے لہجے میں بولا۔

''کارروائی شروع ہوگئی ہے۔''

''کیا کہا؟'' احمر جنیدی کا لہجہ بھی خوف سے بھرپور تھا۔ اسٹیمر چلانے والے کے جواب دینے کی ضرورت نہیں پیش آئی، تین سمت سے مدہم مدہم روشنیاں سفر کرتی ہوئی نظر آئی تھیں، یقیناً یہ بھی اسٹیمر تھے جو اس اسٹیمر کے تعاقب میں چلے تھے، میرے دل کی دھڑکن ہوئی، یہ سخت خوف زدہ ہوگئے تھے، اچانک ہی سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا شخص بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کھیل ختم ہوگیا جنیدی۔''

''میں آخری دم تک کوشش جاری رکھوں گا۔'' احمر جنیدی نے جواب دیا پھر اسٹیمر چلانے والے سے بولا۔

''رفتار تیز کردو ان کے نرغے میں آنے سے بچو۔''

''عجیب بات کررہے ہیں آپ سر، اس کی رفتار اس سے زیادہ نہیں ہے میں کیا کروں۔''

''اوہو..... وہ آخر، وہ دیکھو ان کا فاصلہ تو کم ہوتا جارہا ہے، آخر ان کی رفتار اتنی تیز کیوں ہے؟''

''ان کی رفتار تیز نہیں ہے بس انہوں نے ہمیں گھیرنے کے لئے خاص طریقہ کار اختیار کیا ہے۔''

''مشکل ہے نکلنا مشکل ہے، وہ بحری قزاق ہے، سمندروں کا کیڑا۔'' سامنے والے آدمی نے کہا اور میں نے آواز پہچان لی، یہ عدنان ثنائی تھا، احمر جنیدی سے ہوئے انداز میں تین سمتوں سے آنے والی روشنی کو دیکھ رہا تھا۔ صاف اندازہ ہورہا تھا کہ انہوں نے فرار ہونے والے اسٹیمر کو گھیر لیا ہے۔ دفعتہً ان پر سرچ لائٹیں روشن ہوگئیں، گو ان روشنیوں نے بھی ہمارے اسٹیمر کا احاطہ نہیں کیا تھا لیکن بس چند لمحات تھے جب وہ اسٹیمر تک پہنچنے والی تھیں اور یہ لمحات بھی گزر گئے، سب کو آنکھوں پر ہاتھ رکھنے پڑے تھے، میں نے بھی گردن جھکا کر آنکھیں بند کرلیں، پھر میگافون پر آواز ابھری جو پہلے تو واضح نہیں تھی لیکن پھر صاف سنائی دینے لگی۔

''تم لوگ مشین گنوں کی زد پر ہو، صرف ایک منٹ دیا جاتا ہے اسٹیمر کا انجن بند کردو اور ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہوجاؤ۔ کسی نے حرکت کی تو فائر کھول دیا جائے گا، یہ سمندر شارک مچھلیوں سے بھرا پڑا ہے، پانی میں کودے تو بدترین موت مارے جاؤ گے، پانچ منٹ گزر گئے ہیں وارننگ پھر سن لو۔ وہی الفاظ پھر دہرائے

گئے اور اچانک اسٹیمر کا انجن خاموش ہوگیا۔

''یہ کیا کیا تم نے گدھے کے بچے۔'' احمر جنیدی چیخا۔

''آپ کا دماغ خراب ہے مسٹر جنیدی، ہم کتے کی موت مرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔'' اسٹیمر چلانے والے کے دوسرے ساتھی نے کہا اور جنیدی اس کے بعد کچھ نہ بول سکا، تینوں اسٹیمر ہمیں روشنی کی زد میں لئے ہوئے ہمارے قریب آگئے، پھر ان پر سے رسی اور آنکڑے پھینک کر اسٹیمر کے کناروں میں پھنسائے گئے اور اس کے بعد چند افراد اسٹیمر پر آگئے، انہوں نے پھرتی سے اسٹیمر پر موجود چاروں افراد کو قبضے میں لے لیا، مجھے دیکھ کر ان میں سے ایک نے کہا۔

''اوہ مائی گاڈ یہ ایک لڑکی کو بھی اغوا کر کے لے جارہے تھے۔''

''کھولو اسے، لڑکی ان کے علاوہ اور بھی کوئی اسٹیمر میں موجود ہے۔'' دوسرے آدمی نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتی۔''

''کوئی اور ہے تمہارے ساتھ؟'' پہلے آدمی نے سوال کیا۔

''نہیں اور کوئی نہیں ہے۔'' اس بار عدنان ثنائی نے کہا۔ چلو دوسرے اسٹیمر پر چلو۔

''میں لنگڑا ہوں براہ کرم مجھے سہارا دو۔''

ان لوگوں کو دوسرے اسٹیمر پر پہنچا دیا گیا مجھے بھی ایک اور اسٹیمر پر منتقل کر دیا گیا تھا جس اسٹیمر پر جنیدی فرار ہورہا تھا اسے بھی سنبھال لیا گیا اور پھر چاروں اسٹیمر مارشل کی جانب چل پڑے۔ اوپر جانے کے لئے مجھے بھی رسی کی سیڑھی استعمال کرنی پڑی تھی، مارشل پر زیادہ ہنگامہ نہیں ہورہا تھا، لیکن ڈیک پر سسٹر صوفیہ، وسکن ڈیزل، عسکری اور دوسرے چند افراد کے ساتھ گارساں بھی موجود تھا، عسکری ہاتھ اٹھا کر آگے بڑھا اس نے مجھے سہارا دینا چاہا لیکن میں نے اس سہارے کو قبول نہیں کیا، البتہ سسٹر صوفیہ مجھ سے لپٹ گئی اور بری طرح سسکنے لگی۔

''تم ٹھیک ہو نا ڈارلنگ تم ٹھیک ہو نا۔''

اسی وقت گارساں بولا۔ ''کیا یہ لڑکی بھی فرار ہونے والوں میں شامل ہے؟''

''نہیں کیپٹن یہ لوگ اسے اغواء کر کے لے جارہے تھے۔ اسٹیمر میں یہ ہمیں رسی سے بندھی ہوئی ملی تھی ہم نے اسے کھولا تھا۔''

''تمہارا کیبن نمبر کیا ہے بے بی؟'' گارساں نے پوچھا، لیکن میرے بجائے سسٹر صوفیہ نے انہیں کیبن کا نمبر بتایا اور بولی۔

''ہم دونوں ساتھ رہتے ہیں۔''

''اسے لے جاؤ اس وقت تک اپنے کیبن سے باہر مت نکلنا جب تک میں تمہیں طلب نہ کرلوں۔ کوئی اور کیبن میں نہ جائے ان پر پہرہ لگا دیا جائے۔''

''او کے کیپٹن۔''

''ان لوگوں کو نیچے لے جاؤ اور سنو، ان کے لباس اتروالینا تاکہ.....'' یہ کہہ کر گارساں عجیب سے انداز میں ہنسا احمر جنیدی کے منہ سے ایک آواز نکلی تھی، لیکن گارساں پلٹ کر واپس چل پڑا، سسٹر صوفیہ مجھے لے کر کیبن کی جانب چل پڑیں، کیبن میں داخل ہوتے ہی وہ بے اختیار ہوگئیں اور مجھ سے لپٹ کر زاروقطار رونے لگیں۔ میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی، لیکن اس وقت مجھے صوفیہ کی محبت کا احساس ہورہا تھا، یہ احساس کچھ عجیب سا تھا، جب ان کا دل ہلکا ہوا تو وہ میرے لئے دوسرا لباس نکال کر بولیں۔

''چلو کپڑے بدل لو۔''

''جی۔'' میں نے کہا، پھر جب میں کپڑے تبدیل کر کے باہر آئی تو صوفیہ کنگھے سے میرے بال سنوارنے لگیں، پھر بولیں۔

''کیا ہوا تھا نشاء..... کیا ہوا تھا میری جان؟''

''احمر جنیدی نے مجھے اغوا کیا تھا۔''

''آخر کیسے..... یہ کیسے ہوا تھا؟''

''مجھے دھوکے سے بلایا گیا تھا انکل ڈیزل کے نام پر، لیکن مجھے بلانے والا احمر جنیدی تھا، اور پھر میں نے

صوفیہ کو ساری تفصیل بتائی، وہ چند لمحاتے خاموش رہنے کے بعد بولیں۔

"تمہیں دیر ہوگئی تو میں پریشان ہوکر عرشے پر گئی، وہاں کچھ کارروائی ہورہی تھی، مجھے شبہ بھی نہیں تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ ہوا ہے، میں اس کارروائی کو نظر انداز کرکے تمہیں تلاش کرتی پھری، تب اچانک ہی مجھے مسٹر ڈیزل مل گئے، انہوں نے بتایا کہ کچھ لوگ ایک اسٹیمر لے کے فرار ہوئے ہیں، میں نے بے قراری سے تمہارے بارے میں پوچھا تو وہ دنگ رہ گئے اور پھر کہیں دوڑے چلے گئے، میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا تمہاری تلاش میں ناکام ہوکر میں وہاں کھڑی ہوگئی اور پھر مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی واقعہ پیش آیا ہے، اب مجھے یقین ہوگیا نشاء خدا کی قسم اب مجھے یقین ہوگیا ہے۔"

"کیا؟"

"میرے باپ، میرے مالک، میرے رہنما، میرے دیوتا، اے کے ہمدانی کے ساتھ وہ وحشیانہ سلوک احمر جنیدی ہی نے کیا ہے وہ اور اب میں اس سے انتقام لوں گی۔ ہمدانی میرا باپ تھا، میرا باپ تھا وہ، میرا رہنما تھا، اس نے مجھے نئی زندگی سے روشناس کرایا تھا۔" صوفیہ شدید جذبات کے عالم میں خاموش ہوگئی تھیں۔

"اور وہ کمبخت بھیڑ کی کھال میں بھیڑیا، وہ لنگڑا پروفیسر وہ بھی یقیناً اس سے مختلف نہیں ہوگا۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔ سسٹر صوفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر ہم دونوں بہت دیر تک خاموش رہے اس کے بعد سسٹر صوفیہ بولیں۔

"میرا خیال ہے اب نہ تو کسی کو ہمارے پاس آنے دیا جائے گا نہ ہم باہر جاسکیں گے گارساں سخت اور بااصول آدمی ہے۔"

رات گزر گئی، نیند تو بالکل نہیں آئی تھی ایک لمحے کے لئے پلک جھپکتی تو خود کو پانی میں ڈوبتا محسوس کرتی، اور دہشت زدہ ہوکر جاگ اٹھتی، پھر آہستہ آہستہ روشنی نمودار ہوگئی، پھر صبح کو سسٹر صوفیہ نے تجربہ کرکے دیکھ لیا، وسکن ڈیزل کی تلاش میں باہر نکلی تھیں لیکن انہیں دروازے پر روک دیا گیا۔

"آپ کا ناشتہ ابھی آرہا ہے میڈم، براہ کرم آپ باہر نکلنے کی کوشش نہ کریں۔"

"میں برابر والے کیبن میں جانا چاہتی ہوں۔"

"آپ اپنے کیبن کا دروازہ بھی اس وقت تک مت کھولیں جب تک کیپٹن سے ملاقات نہ کرلیں۔" جواب ملا۔

ناشتہ تھوڑی دیر کے بعد آگیا کیپٹن گارساں نے دن کے بارہ بجے مجھے طلب کیا تھا۔ کھلی عدالت لگائی تھی اس نے، تمام مسافر عرشے پر جمع تھے، درمیان میں احمر جنیدی عدنان ثنائی اور وہ دونوں افراد موجود تھے جنہوں نے مجھے اغواء کیا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں، اوپری بدن بے لباس تھے اور ان کے چہرے دھواں ہورہے تھے۔ ہمیں گارساں کے سامنے پیش کیا گیا، کچھ فاصلے پر روشاق عسکری کے ساتھ کھڑا ہوا تھا اس کے چہرے پر تمسخرانہ انداز کے آثار تھے، کیپٹن گارساں نے پراحترام انداز میں مجھے مخاطب کیا اور بولا۔

"معزز خاتون! آپ سے چند سوالات کروں گا، براہ کرم سچ جواب دیجیے گا۔"

"جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"فرار کے منصوبے میں آپ کا کتنا حصہ تھا؟"

"مسٹر گارساں، میں کسی فرار وغیرہ کے بارے میں نہیں جانتی، اس شخص نے دھوکہ دے کر مجھے عرشے پر بلوایا یہ شخص....." میں نے اس شخص کی طرف انگلی اٹھائی جو مجھے وسکن ڈیزل کے حوالے سے عرشے پر لے گیا تھا، میں نے گارساں کو پوری تفصیل بتائی اور گارساں نے عدنان ثنائی کی طرف رخ کرکے کہا۔

"کیا یہ لڑکی سچ بول رہی ہے؟"

"ہاں یہ سچی ہے۔" عدنان ثنائی نے جواب دیا۔

"تم اسے کیوں لے جانا چاہتے تھے؟"

"ہمیں راستے کے انتظامات کے لئے ایک

خاتون کی ضرورت تھی۔" احمر جنیدی نے جواب دیا۔

"اسی کا انتخاب کیوں کیا گیا تھا؟"

"بس ہمیں یہ اطمینان تھا کہ یہ اس نام کا حوالہ دینے سے آجائے گی، اس کی اور کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔"

"کہاں جانا چاہتے تھے؟"

"کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا بس ہم زندگی کی جدوجہد کرنا چاہتے تھے، آزادی کے ساتھ تمہاری غلامی میں نہ رہ کر اور سنو تم بھی کبھی کوئی منزل نہیں پاسکو گے مائی ڈیئر گارساں مارشل اسی طرح سمندر میں ڈولتا رہے گا، اس کے تمام مسافر آہستہ آہستہ مرجائیں گے ہم زندگی کی جدوجہد کرنے کے لئے فرار ہورہے تھے اور کوئی منصوبہ نہیں تھا ہمارا۔" احمر جنیدی نے کہا۔

"یہ جرم ہے میرے دوست، سمندری اصولوں کے مطابق جرم ہے یہ اور اس کی سزا ہوتی ہے، تم نے ایک قیمتی اسٹیمر لے کر فرار ہونے کی کوشش کی تھی، گرفتار ہوگئے اور اگر تمہارے پاس اسلحہ ہوتا تو تم اسلحہ استعمال کرتے، خیر تم نے جدوجہد نہیں کی اس لئے تمہاری سزا بہت معمولی ہے، تم چاروں جہاز کے فرش صاف کرو گے۔ تمام کیبنوں کے باتھ روم دھوؤ گے، منتظمین تمہاری ڈیوٹیاں تمہیں بتاتے رہیں گے، او کے، ان کی ہتھکڑیاں کھول دی جائیں اور ہاں سنو! آخری بات، تعمیل حکم نہ ہوئی تو دس دس کوڑے مارے جائیں گے تین بار اور اس کے باوجود حکم عدولی ہوئی تو تمہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا جائے گا بس منتشر....." گارساں نے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے، پھر میری طرف رخ کرکے بولا۔

"کیا یہ سزا مناسب ہے ان کے لئے لڑکی تم اسے قبول کرتی ہو، او کے اب جاؤ آرام کرو۔"

گارساں کے اندر ایک خاص بات محسوس کی تھی میں نے وہ حتمی فیصلہ کرتا تھا اس اعتماد کے ساتھ کہ یہ فیصلہ آخری فیصلہ ہے، غرض یہ کہ سب لوگ منتشر ہوگئے بعد میں وسکن ڈیزل نے بتایا تھا کہ وہی شخص ان کے پاس بھی آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ احمر جنیدی اس سے ایک خاص موضوع پر بات کرنا چاہتا ہے۔

"گڈ..... پھر۔ میں نے پوچھا۔"

"انکل کہہ رہے تھے کہ یہ بدترین سازش تھی۔"

"لیکن میں۔ وہ مجھے کیوں ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔"

"تم.....!" سسٹر صوفیہ مسکرا کر بولیں۔ "تم مصر کی چھ ہزار سالہ تاریخ کا ایک پراسرار ترین باب ہو۔"

"کبھی کبھی دل چاہتا ہے سسٹر کہ میں کسی وزنی ہتھوڑے سے اپنا سر پاش پاش کرلوں۔"

"کیوں۔"

"تاکہ اس میں جتنے راز پوشیدہ ہیں، باہر آجائیں۔"

"وقت اپنے ہاتھوں سے اپنی تحریر لکھتا ہے ڈارلنگ۔"

"نہ جانے وہ کون تھے جو احمر جنیدی اور عدنان ثنائی کا ساتھ دے رہے تھے۔"

"کوئی بھی ہوسکتے تھے کرائے کے لوگ، یا پھر اس فرار کے ہمنوا۔"

اس شام جب فضا میں دھندلکے اتر رہے تھے ہم نے روشاق کو برج پر جاتے ہوئے دیکھا۔ وہاں نہ جانے کیا میٹنگ ہوئی ان دونوں میں گہری دوستی ہوگئی تھی ہم دونوں ایک طرف کھڑے یہ سب دیکھ رہے تھے کہ پیچھے سے عسکری کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو نشاء مجھے کچھ وقت دوگی۔"

"کیا مطلب۔"

"میں تنہائی میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"سوری۔ اس وقت دل نہیں چاہ رہا۔"

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"آخر کیوں.....؟" میں جھلا کر بولی۔

"پچھلی رات تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا وہ میرے منہ پر طمانچہ تھا۔ دراصل میں۔"

"آپ زبردستی میرے باڈی گارڈ بننے کی کوشش

کرتے ہیں عسکری۔ میں صوفیہ سے باتیں کررہی ہوں ۔آپ بلاوجہ ہمارے درمیان۔"

"اوہ....." وہ شرمندگی سے بولا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا میں نفرت بھری آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی تھی مارشل کا سفر بدستور جاری تھا اس وقت شام کے پانچ بجے تھے کہ اچانک جہاز کے سائرن بجنے لگا۔ بڑی ہولناک آواز تھی۔ لوگ بھاگ بھاگ کر عرشہ پر جانے لگے بہت سے لوگ عرشے پر ہی تھے ہم بھی اوپر پہنچ گئے تبھی مائیکروفون پر گارساں کی آواز ابھری۔

"مارشل کے مسافر۔ خوشخبری سنو! ہم نے زمین دیکھ ہی ہے۔ طاقتور دوربینوں سے زمین دیکھ لی گئی ہے۔ ابھی آپ لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے ہم نے فاصلوں کا تعین کرلیا ہے کل صبح تک ہم اس زمین کے قریب پہنچ جائیں گے یہ خبر پورے وثوق سے دی جارہی ہے۔"

وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ زندگی کو ترسے ہوئے لوگ پھر سے خوشیوں میں ڈوب گئے۔ اور طرح طرح سے اس کا اظہار ہونے لگا۔

ہم تو صرف دیکھنے والے تھے۔ ویسے میں سوچ رہی تھی کہ روشاق، احمر جنیدی سے کہیں زیادہ چالاک اور خطرناک تھا احمر جنیدی اپنی حماقت سے عذاب میں گرفتار ہوگیا تھا جبکہ روشاق نے گارساں جیسے خطرناک آدمی کو اپنی مٹھی میں لے لیا تھا۔

جہاز کے مسافر نہ جانے کیا کیا کرتے پھر رہے تھے بیشتر تو ساری رات نہیں سوئے تھے اور عرشہ پر ہی رہے تھے صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ زمین کی صورت نظر آگئی۔ میں اور صوفیہ بھی زندگی سے اتنے بیزار نہیں تھے کہ زمین کی خوشخبری کے باوجود گہری نیند سوجاتے۔ ہم نے بھی عرشے پر مسافروں کے ہجوم میں جگہ بنا کر ان ساحلی ٹیلوں کو دیکھا جو زرد اور بدنما شکل رکھتے تھے ان کے دامن میں کالی چٹانیں بکھری نظر آرہی تھیں۔

مارشل کی رفتار سست ہوگئی تھی اور ساحل پر نگاہ رکھتے ہوئے سفر کیا جارہا تھا۔

صوفیہ بھی میرے ساتھ موجود تھی۔ اس نے کہا۔ "کیا خیال ہے نشاء۔ اس جگہ کے بارے میں کیا کہتی ہو۔"

"شاید کوئی جزیرہ ہے۔"

"شاید۔ غیر آباد سا لگتا ہے۔"

"ابھی کافی دور ہے۔"

"ایں۔ لگتا نہیں ہے۔ مجھے تو بے حد خوف محسوس ہورہا ہے۔"

"کیوں....."

"میں نے سمندروں میں ایسے جزائر کے بارے میں پڑھا ہے جو نامعلوم اسرار رکھتے ہیں اگر ایسا ہوا تو۔"

"تو ہم ایک نئے عذاب میں گرفتار ہوجائیں گے۔"

"یقیناً۔ ایسے جزائر میں آبادی کا نام ونشان نہیں دنیا کو ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا۔"

"ایسی دل ہلا دینے والی باتیں نہ کریں سسٹر۔"

"پلیز۔ ڈرامت کرو۔ لیکن میرے اندر جو خوف ابھر رہا ہے میں اسے دبا نہیں پارہی ایک خوف ناک خیال میرے دل میں آرہا ہے پہلے سمندر کے قیدی تھے اب ایک ویران اور غیر آباد جزیرے میں قید ہوجائیں گے۔ اپنی دنیا سے دور اور۔ اور۔" سسٹر صوفیہ ایک گہری سانس لے کر خاموش ہوگئی۔

"پلیز۔ ایسی خوف ناک باتیں نہ کریں سسٹر۔ ہوسکتا ہے آپ کا خیال غلط ہو۔"

"تم دیکھ رہی ہو۔ مارشل ساحل کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ ابھی تک کوئی عمارت یا ایسی کوئی شے نہیں نظر آئی جس سے یہاں انسانی وجود کا پتہ چل سکے۔"

"پتہ نہیں۔" میں نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ جہاز کے دوسرے مسافروں کے ذہنوں میں کیا تھا اس کا اندازہ مشکل تھا ممکن ہے دوسرے لوگ بھی ہماری طرح ہی سوچ رہے ہو۔ اب سورج خوب چمکنے لگا تھا اور ہر شے صاف نظر آرہی تھی مارشل پورے

جزیرے کا چکر لگا رہا تھا پھر اس کا یہ چکر پورا ہوگیا اور روشن دن میں اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ یہ کوئی غیر آباد جزیرہ تھا۔

اس دوران تجربے کار کپتان نے مارشل لنگر انداز کرنے کے لئے مناسب جگہ کا انتخاب کرلیا تھا۔ چنانچہ چکر مکمل کرنے کے بعد منتخب جگہ مارشل کے انجن بند کردیئے گئے جو جگہ منتخب کی گئی تھی وہاں دو بلند دبالا پہاڑ اپنی وسعتوں کا آغاز کرتے تھے ان کے درمیان ایک وسیع درہ بالکل اس طرح نظر آرہا تھا جیسے جزیرے کا داخلی دروازہ ہو۔ مارشل کے لنگر ڈال دیئے گئے۔ مسافروں میں جو سنجیدہ اور تجربہ کار افراد تھے وہ صورت حال کا اندازہ کرچکے تھے لیکن زیادہ تر ایسے تھے جو زمین مل جانے سے خوش تھے اور انہوں نے بعد میں پیش آنے والی صورت حال پر غور ہی نہیں کیا تھا۔

گارساں بھی عرشہ پر آگیا تھا۔ آخر اس نے کہا۔

"دوستو!..... زمین ہمارے سامنے ہے اور اس کے اطراف کا چکر لگانے سے ہمیں اندازہ ہوگیا ہے کہ یہ صرف ایک جزیرہ ہے۔ ہمیں اس کی نوعیت کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ بظاہر یہ غیر آباد معلوم ہوتا ہے لیکن بہرحال یہاں ہمیں سمندر کے بے معنی سفر سے نجات حاصل ہوئی ہے۔ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ جزیرے کے اندرونی حصے میں ہمیں آبادی مل جائے ہوسکتا ہے کسی جدید ملک نے یہاں اپنا کوئی ریسرچ کیمپ قائم کیا ہوا ہو۔ میں محسوس کررہا ہوں کہ آپ میں سے کئی شخص جزیرے پر اترنے کے لئے بے چین ہیں۔ میں نے آپ کی بحفاظت خشکی پر پہنچانے کی ذمہ داری قبول کی تھی جسے میں نے پورا کردیا ہے میں آپ کا حکمران نہیں ہوں لیکن میں آپ کی اپنی زندگی اور بہتری چاہتا ہوں۔ اور اس کے لئے ایک بار پھر میں آپ کی اجازت چاہتا ہوں۔"

جہاز کے تمام مسافر گارساں سے خوش تھے۔ انہوں نے اسے بخوشی اجازت دے دی کہ وہ رک کے آئندہ کے راستے منتخب کرے تب گارساں نے کہا۔

"میں آپ کے ساحل پر جانے کے انتظامات کرتا ہوں۔ کوئی شخص بے اعتدالی کی کوشش نہ کرے۔ اور میری اجازت کے بغیر ساحل سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ تمام مسافر زمین پر ایک جگہ جمع ہوجائیں پھر آگے کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔"

آہستہ آہستہ لانچیں پانی میں اتاری جانے لگیں اور مسافر پورے منظم کے ساتھ ساحل کی طرف چل پڑے۔ گارساں بے وقوف نہیں تھا۔ عدنان ثنائی، احمر جنیدی، اور دونوں ..... پر خاص نگاہ رکھی گئی تھی میں اور سسٹر صوفیہ بھی ساحل پر پہنچ گئے اس خوشی سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا جو زمین پر قدم رکھ کر حاصل ہوئی تھی۔

صوفیہ نے گہری سانس لے کر کہا۔ "خداوند عالم تو نے انسان کو کیا بنایا ہے۔ کیسا عجیب لگ رہا ہے زمین پر قدم رکھ کر۔ شارک مچھلیوں کی خوراک بننے سے۔ یا سمندر میں بھوک پیاس کے مرنے سے بچنے کے بعد یہ زندگی کتنی اچھی لگ رہی ہے۔ لیکن۔"

"جی سسٹر۔"

"آگے کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔"

"گارساں نے ایک اور بات بھی تو کہی تھی۔"

"ہاں کسی ملک کی تجربہ گاہ۔ یا ریسرچ کیمپ کے بارے میں نا۔"

"ہاں۔"

"ممکن نہیں ہے۔ اتنا بڑا جہاز ساحل سے آلگا ہے۔ اور کسی نے اس طرف متوجہ ہونے کی کوشش نہیں کی جبکہ یہ ایک فطری عمل تھا۔

سسٹر صوفیہ کی دلیل وزنی، لیکن خوف ناک تھی۔ میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر دوسروں کو دیکھنے لگی عسکری، وسکن ڈیزل، رواشق وغیرہ بھی نظر آرہے تھے۔ پتہ نہیں ان کی سوچوں کیا تھیں۔ سب ہی اپنے طور پر اس جزیرے کا جائزہ لے رہے تھے ایک بار پھر صوفیہ کی آواز ابھری۔

"نشاء جان۔" میں نے چونک کر صوفیہ کو دیکھا۔ اس کے چہرے کے پیلاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ حد سے زیادہ خوف زدہ ہے۔ مجھے اس پہ رحم آنے لگا۔ میں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اس سے کہا۔ "مجھے معاف کرنا میں تمہیں بہت پریشان کر رہی ہوں۔"

"آج ایسے کیوں کہہ رہی ہو۔" سسٹر میرے لئے یہ شرمندگی میں کافی ہے کہ آپ میری وجہ سے اس مصیبت میں پھنسی ہیں۔"

"پتہ نہیں مجھے کیا ہو رہا ہے۔ یہ جزیرہ مجھے اس ہولناک سمندری سفر سے زیادہ خوف ناک لگ رہا ہے تم نے ایک خاص بات نہیں محسوس کی۔"

"کیا۔"

"یہاں زندگی کا نام ونشان نہیں ہے۔ ورنہ ایسی جگہوں پر سمندری پرندے سی گل وغیرہ ضرور نظر آتے ہیں۔"

"لیکن یہاں تم دیکھ رہی ہو؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور گارساں واقعی انتظامی اور کا بادشاہ نظر آ رہا تھا اس نے دس دس آدمیوں کے گروپ بنائے اور انہیں اس راستے کی طرف روانہ کر دیا یہ گروپ کا ایک دوسرے سے سوگز کا فاصلہ رکھا گیا تاکہ باقاعدہ اور محتاط طریقے سے پیغام رسائی ہو سکے باقی لوگ ساحل پر اتر کر بیٹھ گئے۔ اور دوسرے امور سرانجام دیئے جانے لگے۔ مارشل پر گارساں کے ایسے ساتھی موجود تھے جو اسلحہ اور خوراک کی حفاظت کر رہے تھے۔

آخر کار روانہ ہونے والے گروپوں کی طرف سے خبریں موصول ہونے لگیں جن کا لب لباب یہ تھا جزیرے کے دوسری طرف کھجوروں کے جنگل میں فضا میں جو میٹھی میٹھی کھجوروں کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے وہ اسی وجہ سے ان کی جھاڑیوں میں پیلے پیلے سنگروں جیسے پھلوں کے جھاڑ بکھرے ہوئے ہیں اس طرف پرندے موجود ہیں بڑے جانور نہیں نظر آئے زیادہ تر بڑے سے طوری چٹانیں نظر آ رہی ہیں کہیں کوئی انسانی وجود یا عمارت نہیں نظر آئی۔

"جزیرہ غیر آباد ہے۔" گارساں نے اعلان کیا۔ "ہمارا دوسرا عمل یہ ہوگا کہ ہم پہاڑ کے دوسری طرف منتقل ہو جائیں۔ جہاز کی اہم خوراک کو محفوظ رکھا جائے گا کھجور مکمل غذا ہوتی ہے ان پھلوں کا عملی تجزیہ کیا جائے گا۔ پہلے کچھ دیر آرام کیا جائے گا پھر دوسرے فیصلے کئے جائیں گے۔"

جزیرے کے مسافر چل پڑے۔ ہم بھی انہیں میں شامل تھے۔ صورت حال بڑی غم انگیز تھی۔ ہر چیز سے نفرت محسوس ہو رہی تھی صوفیہ یہاں آ کر حوصلہ ہار گئی تھی۔ رات کو وہ سسک سسک کر رو پڑی تھی میں اسے دلاسہ دینے لگی مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ ہمارے پیچھے عسکری بھی موجود ہے۔

"خود کو سمجھایئے میڈم صوفیہ۔ آپ نے بہت بڑی ذمہ داری قبول کی ہے۔" میں نے چونک کر پیچھے دیکھا اور میرے دل میں شدید نفرت پیدا ہو گئی۔

"تم ہمارے سر پر کیوں مسلط رہتے ہو۔ یہاں سے دور چلے جاؤ۔"

"یہاں آ کر تو ہم خود بخود ایک دوسرے سے دور ہو گئے ہیں ..... رہنے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ تھوڑے دن گزر جانے دیں پھر دیکھئے لوگ کس طرح ایک دوسرے کے التفات کو ترسیں گے۔"

"اس کے باوجود میں تم سے رجوع نہیں کروں گی۔ دوسری بات اگر روشاق نے تمہاری ڈیوٹی مجھ پر لگا رکھی ہے تو اسے بتا دینا کہ جو کچھ میں اسے بتا چکی ہوں اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم اسے مایوسی ہوگی۔"

"تمہارا شکریہ نشاء تمہارے طرز عمل نے میرے احساس شرمندگی میں کمی کر دی ہے میں نے اپنی غربت مندی پریشانیاں دور کرنے کے لئے روشاق سے رجوع کیا تھا۔ بعد میں تم سے محبت ہو گئی تو اپنے عمل کو گناہ سمجھ کر اس کا کفارہ ادا کرنے میں مصروف ہو گیا۔ لیکن اب میں مظلومیت کی منزل میں داخل ہو گیا ہوں تم اب زیادتی کرنے لگی ٹھیک ہے اب میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

گارساں اب بھی سارے انتظامات سنبھالے ہوئے تھا کھانے وغیرہ کا بندوبست اسی باقاعدگی سے کیا گیا تھا کھردری زمین پر بیٹھنے کا تجربہ بھی کیا تھا لیکن وقت سب کچھ کرا لیتا ہے جوں جوں رات بھیگتی جا رہی تھی فضا میں سردی اترتی جا رہی تھی ہوا مدھم لیکن خشک تھی پھر پتہ نہیں کیسے نیند آ گئی صبح جاگی تو جسم اکڑا ہوا تھا بدن میں درد ہو رہا تھا چائے پینے دی گئی جس کے ساتھ دو دو بسکٹ تھے۔ ناشتہ کے بعد لوگ ٹولیاں بنا کر جنگل میں نکلے تھے۔ گارساں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

جنگل میں دور تک نکل جانے والے جب واپس آئے تو کوئی اچھی خبر نہیں لائے تھے۔ انہوں نے تصدیق کی کہ جزیرے پر کوئی آبادی نہیں ہے۔ میں نے صبر وسکون سے یہ خبر سنی تھی گارساں نے خوراک پر سختی شروع کر دی پہلے پھل اور کھجوریں خوراک کا حصہ بنائی گئیں شام کے جھٹپٹے میں وسکن ڈیزل ہمارے پاس آ بیٹھا۔ اس نے کہا۔

"وہ مشکل مرحلہ آ گیا ہے جس کے آگے میری سوچ کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ میں تم لوگوں کو کوئی دلاسہ نہیں دے سکتا۔"

"ٹھیک ہے انکل ہم نے اپنی تقدیر سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"مگر میری تقدیر کیوں کالی ہو گئی ہے میں کیا کروں۔" اچانک صوفیہ پھٹ پڑی اور ہم دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ ڈیزل نے کہا۔

"مارشل پر جتنے مسافر ہیں ان میں سے کسی کو یہ خبر نہیں تھی کہ وہ ایسی کسی شکل کا شکار ہو جائیں گے جو کچھ ہوا ہے سب کی توقع کے خلاف ہوا ہے جھنجھلاہٹ کا شکار ہونے کے بجائے تقدیر کے فیصلے کا انتظار کرو۔"

"ہاں۔ کالی تقدیر کے فیصلے کا انتظار۔" صوفیہ نے نفرت بھرے لہجے میں کہا میں ششدر رہ بیٹھی تھی وسکن ڈیزل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اس کے باوجود۔ خود پر کنٹرول رکھیں میڈم صوفیہ..... ہو سکتا ہے تیسری کوئی صورت نکل آئے۔"

"آپ نے زبان پر تالے کیوں لگا رکھے ہیں مسٹر ڈیزل، آپ ہمیں کیوں نہیں بتاتے کہ آپ کو آئندہ کیا کرنا تھا آپ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ ہارون دانش نے ہمیں آپ کے پاس کیوں بھیجا تھا؟ عجیب پراسرار کھیل چل رہا ہے زندگی بار بار موت سے ہمکنار ہو رہی ہے اور اس راز کا انکشاف نہیں کیا جا رہا جس کے لئے یہ سب عذاب مول لیا گیا ہے۔" صوفیہ نے کہا۔

"اس راز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے بے بی۔" ڈیزل نے تحمل سے کہا۔

"وہ تو میں بھی جانتی ہوں مگر کیا کروں، پاگل پن سوار ہو گیا تھا دیوانی ہو گئی تھی لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے مجھے آگے کا حال معلوم ہونا چاہئے۔" صوفیہ نے جنونی لہجے میں کہا۔

"تمہاری مختصر عقل کچھ نہیں سمجھ پائے گی۔ او کے....." ڈیزل نے کہا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ صوفیہ کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

"سسٹر۔"

"سوری نشاء۔ ویری سوری۔ بس بہت ہو گیا اس سے زیادہ کچھ ممکن نہیں ہے۔ سوری....." وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھ گئیں۔

"سسٹر۔ پلیز! میں نے رندھی ہوئی آواز میں کئی بار اسے پکارا لیکن صوفیہ تیز تیز قدم اٹھاتی کافی دور چلی گئی اور پہلی بار میری آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ میں خوب روئی پھر خود ہی چپ بھی ہو گئی۔ رونے والوں کو کوئی دلاسہ نہیں دیتا۔ میں اکیلی ہی تھی مسافر عورتوں میں سے اکثر بے اختیار رو پڑی تھیں اور خود ہی خاموش بھی ہو جاتی تھیں ہر ایک کے رونے کی وجہ مختلف تھی میرے ساتھ جو کچھ تھا وہ میرے رونے کے لئے کافی تھا اب تو عسکری بھی ناراض ہو گیا تھا۔ صوفیہ بھی چھوڑ گئی تھی وسکن ڈیزل نے بھی بے بسی کا اظہار کر دیا تھا اب..... اب کیا ہوگا کیا ہوگا؟"

(جاری ہے)

مسکن

علی صباء-حیدرآباد

کمرہ اندیھرا تھا کہ اچانک ایک دہشت ناک اور بھاری چیخ سنائی دی، پھر چند منٹ بعد ہی ایک بلے کی خوفناک آواز جس نے گھر کے مکینوں کو دہلا کر رکھ دیا۔ مگر پھر اللہ والے کی آواز سنتے ہی وہ......

حدود سے تجاوز انسان کے لئے کبھی کبھار جان لیوا ثابت ہوتا ہے، کہانی پڑھ کر تو دیکھئے

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے، بارش کی بوندوں کو اپنے ساتھ لاتے اور جسم کو بھگو جاتے، مجھے بارش بہت پسند ہے اور مون سون کی بارشیں میں ایسے ہی چھوڑ دوں ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ میرا کہنا تھا کہ بارش آئے اور ہم کمروں میں بند ہو کر بیٹھ جائیں یہ بارش کے ساتھ ناانصافی ہے اور اتنی بڑی ناانصافی میں نہیں کر سکتی۔ بارش کی ایک ایک بوند کو خود میں جذب کر لینا ہی بارش کا اصل حق ادا کرنا ہے۔ میری اس منطق پر ہر کوئی ہنستا تھا اور مجھے پاگل خطاب دے دیا جاتا۔ لیکن گھر میں ایک ہستی تھی جو میرے اس پاگل پن میں بھی میرا ساتھ دیتی تھی اور وہ تھیں میری دادی جان، عمر کے اس پڑاؤ پر اب تو وہ بارش کو بس دور بیٹھ کر دیکھ ہی پاتی تھیں لیکن بارش کے موسم کے شروع ہوتے ہی گھر میں انواع واقسام کے کھانے ان ہی کی بدولت پکنے شروع ہو جاتے اور میرے تو مزے آ جاتے۔

دادی کہا کرتی تھیں۔ ”زینی مجھے تجھ میں اپنی جوانی دکھتی ہے مجھے بھی بارش جنون کی حد تک پسند تھی اور تیری ہی طرح بارش کی ہر بوند کے ساتھ انصاف کرنا جیسے میرا فرض تھا۔ اور اس فرض کو پورا کرنے میں میں اکیلی نہیں ہوتی تھی زینب بھی میرا پورا ساتھ دیتی ہم دونوں بہنیں جیسی بھی بارش ہو رہی ہوتی، ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوتیں 24 گھنٹوں میں سے جس وقت بارش ہو رہی ہوتی ہم اپنی جگہ سے نہیں ہلتی تھیں اور اپنے آنگن میں لگے پیڑ پر پٹی بیل کے ساتھ خود بھی لپٹی رہتیں۔ اماں ہزار منع کرتیں پر وہ ہم ہی کیا جو مان جائیں۔“ دادی کے ایسا کہنے پر میں کھلکھلا کر ہنس پڑتی۔

”اور کہتی دادی جان میں آپ پر ہی تو گئی ہوں۔“

میں محسوس کرتی دادی یہ سن کر خوش تو ہوتی ہیں لیکن ساتھ ہی چپ چپ سی ہو جایا کرتی ہیں اور یہ کہہ کر اٹھ جاتیں۔ ”ٹھیک ہے میں تیرے لئے پکوڑے لاتی ہوں۔ پھر ہم دادی پوتی مل کر کھائیں گے۔“ اور میں ہزار بار کوشش کرنے کے باوجود بھی دادی کی اس خاموشی اور فکر کی وجہ پوچھ نہ پاتی۔

لیکن ایک بار جب مون سون کی بارشیں شروع ہوئیں تو مجھے موقع مل ہی گیا۔ اس بار بارش بھرپور انداز میں اپنا جلوہ دکھا رہی تھی ہر چیز دھلی دھلی نکھری نکھری نظر آ رہی تھی دادی لان میں بنی چھتری کے نیچے کرسی پر بیٹھی بارش سے لطف اندوز ہو رہی تھیں اور میں ان کے سامنے ہی بارش میں کھڑی بارش کی بوندوں سے کھیل رہی تھی کہ دادی کی اچانک آواز سے چونک پڑی وہ مجھے آواز دے کر اپنے پاس بلا رہی تھیں میں جلدی سے

بھاگ کر دادی کے پاس پہنچی اور دادی کی طرف دیکھا تو وہ تھوڑی پریشان دکھائی دیں۔

”کیا ہوا دادی جان۔؟“ میں نے فکرمندی سے پوچھا تو بولیں ”کچھ نہیں بس خانساماں چاٹ کی پلیٹ دے کر گیا ہے اس لئے میں نے سوچا تمہیں بلا لوں، چاٹ کھانے کا اصل مزہ تو بارش میں ہی ہے ناں پھر بارش ختم ہونے کے بعد مزہ نہیں آئے گا۔“

مجھے دادی پر پیار آ گیا اور فوراً چاٹ کی پلیٹ اٹھا لی۔ اور پھر خیال آیا تو دادی کی پلیٹ، میں ان کی طرف بڑھا دی۔ دادی نے پلیٹ ہاتھ میں لے تو لی تھی لیکن ان کے چہرے سے پریشانی گئی نہیں تھی۔ وہ مسلسل کچھ سوچ رہی تھیں اور مجھے چاٹ کھاتے ہوئے بھی دیکھ رہی تھیں اور اس بار میں نے ہمت کر ہی لی۔ ”کیا بات ہے دادی جان آپ کچھ پریشان نظر آ رہی ہیں؟“

میرے پوچھنے پر انہوں نے پھر ایک نظر مجھے دیکھا ایک لمبی سی سانس لے کر بولیں۔ ”نہیں میں پریشان نہیں ہوں لیکن تھوڑی فکرمند ہوں۔“

مجھے اندازہ ہو گیا کہ آج دادی بولنے کے موڈ میں ہیں لہٰذا وجہ پوچھنے لگی۔ ”دادی جان کس بات کی فکر ہے آپ کو مجھے بتائیں ناں۔“ میرا خیال تھا کہ وہ فوراً کچھ بولیں گی لیکن جب خاموشی طویل ہونے لگی تو میں نے ہی خاموشی کو توڑا۔

”دادی جان سچ سچ بتائیں ناں کیا بات ہے میں آپ سے ہمیشہ سے ہی یہ پوچھنا چاہتی تھی لیکن ہمت نہیں ہوئی۔“

میں دادی سے دوستی کا بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی۔ دادی نے نگاہیں میری طرف اٹھائیں اور بولیں! ”میں تمہارے لئے فکرمند رہتی ہوں گڑیا۔“

مجھے سخت حیرانی نے گھیر لیا۔ ”میرے لئے......؟ لیکن کیوں دادی جان مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے کیا......؟“

”ارے نہیں تم تو میری جان ہو تمہاری ہر غلطی سر آنکھوں پر ......بس میں تمہیں کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی۔“ دادی نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ رکھا تو میری رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔ ”ضرور دادی آپ کی ہر بات سر، آنکھوں پر۔ بلکہ کوئی بات تھی تو آپ مجھے پہلے ہی کہہ دیتیں آپ کا سمجھانا مجھے اچھا لگتا ہے۔“ دادی نے پیار سے میری طرف دیکھا اور بولیں۔ ”تمہاری یہی عادتیں تو مجھے بے حد پسند ہیں۔“

میں دادی کے اور قریب آ کر بیٹھ گئی تو دادی نے

کہنا شروع کیا ان کی کہانی ان ہی کی زبانی سنیے۔

''یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اور زینب ابھی کالج کے آخری سال میں تھیں۔ وہ دن بھی کیسے دن تھے۔ ہماری ایک دوسرے میں جان بستی تھی شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ہماری ہر پسند، ناپسند ایک جیسی تھی۔ ہمیں بارشوں کے موسم سے عشق تھا۔ اماں لاکھ منع کرتیں۔ لیکن وہ ہم ہی کیا جو مان جاتیں۔ اور پھر جیسا کہ میں تمہیں بتاتی ہی رہتی ہوں کہ جب بھی بارش ہوتی ہم وقت نہیں دیکھا کرتیں تھیں اور کھلے آنگن میں کھڑی گھنٹوں بارش سے لطف اندوز ہوتی رہتیں۔ یہ ایسا کوئی غلط فعل یا عمل بھی نہیں لیکن بہرحال احتیاط ہر چیز میں ہونا بہت لازمی ہے۔ اس بار گرمی نے سب کا برا احال کیا ہوا تھا۔ ہر چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ لوگ بارشوں کی دعائیں کررہے تھے اور ہم دونوں تو بارشوں کے انتظار میں دن گن رہی تھیں لہٰذا اس بار جب بارشیں ہوئیں تو ہم نے سارے گھر کو سر پر اٹھالیا۔ اماں، ابا کی ہم جان تھیں سو وہ منع کرتے کرتے بھی ہماری خوشی کے آگے چپ ہوجاتے تھے۔ اس بار گرمی بھی تو بہت سخت تھی لہٰذا گھٹائیں بھی اسی حساب سے بے حساب برس رہی تھیں اور ہم من موجی نہ دن دیکھتے نہ رات اور جب گھٹائیں چھاتیں باہر آنگن کی طرف رخ کرتیں۔

اس وقت بھی بارش زور وشور سے ہورہی تھی اور ہم دونوں ایک دوسرے میں مگن خوب شور مچا رہی تھیں کہ وقت کا پتا ہی نہ چلا کہ کب دن ڈھلا اب تو عصر سے مغرب ہونے کو آرہی تھی اماں کئی بار ہمیں ٹوک چکی تھیں اور آواز دے چکی تھیں لیکن ہم خود میں مگن تھیں کہ ایک بار پھر اماں کی آواز آئی وہ مجھے بلا رہی تھیں کہ شاید میری کسی دوست کا فون آیا تھا لہٰذا میں زنیب کو وہی چھوڑ کر اندر بھاگ آئی۔

فون پر میری عزیز دوست تھی اور میں اس سے باتوں میں مگن ہوگئی کاش میں اس وقت زینب کو ساتھ ہی لے آتی یا ہم اماں کا کہنا مان لیتیں تو اس وقت وہ سب نہ ہوتا جس کا ہم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا شاید اماں اس لئے بھی منع کرتی تھیں لیکن کاش کے کھل کے ایک بار سمجھا دیتیں، بتا دیتیں تو زینب اس کھڑے وقت سے بچ جاتی۔ یا کاش ہم خود ہی اماں کی آواز سن کر اندر آجاتیں۔

خیر اس وقت عصر اور مغرب دونوں کا وقت مل رہا تھا اور زینب اپنی دھن میں بارش میں کھڑی اچھل کود کررہی تھی کہ اچانک سامنے سے ایک بہت ہی خوبصورت بلی آتی نظر آئی، بلی سے بھی بھلا کوئی ڈرتا ہے لہٰذا ایک عجیب بات ہوئی کہ وہ زینب کے پیروں سے آکر لپٹ گئی وہ زینب کے چاروں طرف چکر لگا رہی تھی زینب اپنی دھن میں مست تھی، لہٰذا بلی کا اتنا لگاؤ دیکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئی اور اسے گود میں بیٹھا کر پیار کرنے لگی۔

اب مغرب کی اذان ہورہی تھی اور میں کھڑکی سے زینب کو دیکھ رہی تھی کہ اماں نے مجھ سے کہا ''بہت دیر ہوگئی ہے اندھیرا ابھی چھا رہا ہے زینب کو اندر لے آؤ؟'' اماں کی بات سن کر مجھے بھی خیال آیا اور فون رکھ کر آنگن کی طرف بھاگی۔ زینب ابھی تک بلی کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ میں نے زینب کو پکارا تو وہ ایسے چونکی جیسے کہ سے خواب سے جاگی ہو۔ میری آواز پر بلی نے ایک نظر زینب کو دیکھا میاؤں میاؤں کی آواز نکالی اور دوسری طرف چھلانگ لگادی۔

اور زینب ایک خواب کے سے عالم میں اندر آگئی۔ اماں ہمیں مسلسل ڈانٹ رہی تھیں لیکن زینب ایسے کھڑی تھی جیسے اسے کچھ سنائی ہی نہ دے رہا ہو۔ میں نے اسے ہلایا۔ ''کیا ہوا زینب؟''۔

لیکن اس نے میری بات کا جواب نہ دیا اور وہیں فرش پر بیٹھ گئی اور میری اور اماں کی صورت دیکھنے لگی ہم دونوں پوری بھیگی ہوئی تھیں اس لئے اماں کو اور غصہ آگیا لیکن زینب کے منہ سے اچانک بہت درد بھری آواز نکلی۔ ''اماں میرا سر.....'' زینب کی آواز میں بہت غیر معمولی پن تھا۔

تبھی اماں ایک دم خاموش ہوگئیں اور لپک

کر زینب کی طرف بڑھیں ''کیا ہوا تم ٹھیک تو ہو.....؟'' اماں پوچھ رہی تھیں اور میں بھی زینب کے سامنے موجود تھی اور اسے بھرپور نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ زینب نے بامشکل ایک بار پھر کہا۔

''اماں میرے سر میں شدید درد ہورہا ہے۔'' اماں کی نظر اس کے بھیگے کپڑوں پر گئی تو بولیں۔ ''چلو اٹھو پہلے کپڑے بدل لو ورنہ ٹھنڈ لگ جائے گی سر میں درد بھی اسی لئے ہورہا ہوگا۔'' فرش سے زینب اٹھنے کی کوشش کرتے کرتے نیچے گری اور بے ہوش ہوگئی۔

اور پھر جب زینب کو ہوش آیا تو وہ نارمل ہوچکی تھی لیکن اماں نے سختی سے ابا سے کہہ کر پابندی لگادی کہ اب ہم بارش میں نہیں نکلیں گی یہ سن کر مجھے تو بہت افسوس ہورہا تھا اور میں ابا کو اماں کو منانے کی ترکیب سوچنے لگی مگر لگتا تھا کہ زینب کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا میرے لاکھ بار پوچھنے پر بھی وہ صرف مجھے گھورتی رہتی تھی۔ لگتا تھا اسے اپنا ہی کوئی ہوش نہیں ہے۔ ہر وقت خلاؤں میں گھورتی رہتی، کوئی ضد نہ کرتی بارش آتی اور چلی جاتی لیکن وہ چپ چاپ بیٹھی رہتی۔ مجھ سے بھی باتیں کرنا بند کردیا تھا۔

اماں اور میرا خیال تھا کہ وہ ناراض ہوگئی ہے لہٰذا اماں اسے منانے کے لئے اس کی پسند کی ساری چیزیں بناتیں لیکن وہ ان میں سے کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگاتی تھی میں اکیلے کمرے میں بیٹھی رہتی۔ اس کی اس پراسرار خاموشی سے مجھے بھی ڈر لگنے لگا تھا جب وہ رات کو کمرے میں اندھیرا کرکے سوتی تو میں لائٹ جلانے کو کہتی کیونکہ ہمیں روشنی کرکے سونے کی عادت تھی اور زینب کو تو اندھیرے سے بہت ڈر لگتا تھا لیکن اندھیرے میں ہی وہ مجھ سے کہتی ''تم باہر جاکر سوجاؤ۔'' اور میری ہمت نہ ہوتی کہ میں زینب کو کچھ کہہ سکوں کبھی وہیں سوجاتی اور کبھی خاموشی سے اٹھ کر اماں کے پاس آکر سوجاتی۔ کہاں تو زینب کی فرمائش ہی ختم نہ ہوتی تھی اور اب لگتا ہے وہ گھر میں ہی موجود نہیں ہے

ڈرڈائجسٹ کی مشہور و معروف کتابیں

پراسرار کہانیاں		75/-
دہشت ناک کہانیاں		75/-
حیرت انگیز کہانیاں		75/-
خوفناک کہانیاں		75/-
ڈراؤنی کہانیاں		75/-
آسیبی کہانیاں		75/-
بھیانک کہانیاں		75/-
خوفزدہ کہانیاں		75/-
ناگ دیوتا	(مکمل ناول)	75/-
پشپاز دیوی	(مکمل ناول)	75/-
پھندا	(مکمل ناول)	75/-
قیدی روحیں	(مکمل ناول)	75/-
غیبی آواز	(مکمل ناول)	75/-
روح بیتی	(مکمل ناول)	75/-
بوقاف	(مکمل ناول) مجلد	150/-
مداری	(مکمل ناول) مجلد	150/-
طلسم زاد	(مکمل ناول) مجلد	150/-
بنت فرعون	(مکمل ناول) مجلد	150/-
ہمزاد کا عشق	(مکمل ناول) مجلد	150/-
بھنور	(مکمل ناول) مجلد	150/-
جادوگر	(مکمل ناول) مجلد	450/-
اوتار	(مکمل ناول) مجلد	200/-
لمبے ہاتھ		60/-
بھٹکتی روح		60/-
لاش کا ہنگامہ		60/-

شمع بک ایجنسی اردو بازار کراچی

فون: 32773302

ہمارے ساتھ ساتھ ابا نے بھی اس کی خاموشی کو محسوس کیا اور زینب سے کئی بار بات کرنے کی کوشش کی لیکن وہ صرف گھورتی رہتی جس سے ابا اور پریشان ہو جاتے۔

اماں، ابا کا خیال تھا کہ سر کے درد اور بے ہوشی کی وجہ سے زینب کے دماغ پر شاید کچھ اثر پڑا ہے لہٰذا کئی ڈاکٹرز کو دکھایا لیکن سب نے اسے صحت مند قرار دیا اور کہا۔ ''بچی نے شاید آپ کی باتیں دل پر لے لی ہیں کچھ دنوں میں خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔''

لیکن زینب کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی میلے کپڑے کئی کئی دن تک پہنے رہتی، بال بھی بکھرے رہتے اماں مجھے سمجھاتیں بہن کو اکیلا مت چھوڑا کرو اپنے ساتھ کام میں لگائے رکھا کرو تاکہ اس کا دل بہلے اور خود بھی کام کرتے وقت زینب کو اپنے ساتھ بیٹھا لیتی اماں کی عادت تھی کہ نماز کے بعد سورۃ یاسین ضرور پڑھتی تھیں۔

ایک بار ایسا ہوا کہ جیسے ہی اماں نے سورۃ یاسین پڑھنا شروع کی زینب کی حالت بگڑنا شروع ہوگئی اور وہ چیخ کر کمرے سے باہر بھاگ گئی۔

میں اور اماں اس کی حالت دیکھ کر سکتے میں آ گئی ابا کو بتایا تو ابا کچھ سوچ کر مولوی صاحب کو بلا لائے، مولوی صاحب نے زینب کو اپنے پاس بیٹھایا اور کچھ حساب لگانے لگے۔ زینب کی آنکھیں ویران پڑی تھیں۔ وہ حساب لگاتے لگاتے چونک پڑے اور قرآنی آیات پڑھتے پڑھتے زینب کی ہتھیلی کھول کر کچھ دیکھا۔ مولوی صاحب کے چہرے پر پریشانی دیکھی جا سکتی تھی۔

وہ بولے! ''بچی کا پچھلے دنوں کیا کہیں اکیلے جانا ہوا ہے یا پھر کوئی ایسی جگہ جہاں وہ کچھ وقت اکیلے رہی ہو؟''

اماں ابا دونوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ گھر میں کوئی پالتو جانور ہے جو بچی کے ساتھ رہتا ہو؟'' مولوی صاحب نے پھر پوچھا۔

اماں نے اس بار بھی نفی میں سر ہلا دیا۔

''بیٹی آپ مجھے نہیں بتاؤ گی کہ کیا بات ہے، کیا کوئی چیز آپ کو پریشان کر رہی ہے؟'' مولوی صاحب اس بار زینب سے مخاطب ہوئے تو زینب ایک دم بے چین ہو کر اٹھی لگتا لگتا تھا، شاید وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

زینب کی حالت دیکھ کر مولوی صاحب نے اس سے اور کچھ نہیں پوچھا اور اٹھ کر باہر چلے آئے، مولوی صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور فکرمندی سے گویا ہوئے مجھے بچی پر کسی چیز کا سایہ محسوس ہو رہا ہے اور وہ بچی پر جانور کی شکل میں۔ آپ مجھے بتائیں کہ اس کی یہ حالت کب سے ہے۔

اماں نے اس دن کا سارا واقعہ کہہ سنایا لیکن اماں بارش والی بات کے بارے میں نہیں جانتی تھیں لہٰذا میں نے مولوی صاحب کو اس کے بارے میں مکمل روداد سنادی تو انہیں کوئی شک نہ رہا اور جاتے جاتے وہ واپس آنے کا کہہ کر چلے گئے اور ساتھ ہی پانی پر دم کر کے زینب کو پلایا اور ایک تعویز بھی اس کے گلے میں ڈال گئے۔

تعویز ڈالتے ہوئے زینب نے مولوی صاحب کا ہاتھ بہت سختی سے پکڑ لیا تھا جسے انہوں نے نظر انداز کر کے کچھ پڑھا اور زینب پر پھونک ماری تو اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور اس کے گلے میں تعویز ڈال کر چلے گئے۔

زینب کی حالت دن بہ دن بگڑتی جا رہی تھی وہ ہر وقت چیختی چلاتی رہتی کہتی۔ ''اس تعویز کو میرے گلے سے ہٹا دو میرا دم گھوٹ رہا ہے۔'' کبھی کہتی۔ ''کوئی میرا گلہ دبا رہا ہے میری سانس بند ہو رہی ہے۔''

اس دوران اماں مسلسل روتی رہتیں اور میں کبھی اماں اور کبھی زینب کو سنبھالتی۔ مولوی صاحب نے تعویز کسی صورت بھی گلے سے اتارنے سے منع کیا تھا مغرب تک زینب کی حالت ایسی ہی رہتی پھر وہ بے ہوش ہو جاتی اور جب ہوش آتا تو خلاء میں گھورتی رہتی۔

ہمیں مولوی صاحب کا بے چینی سے انتظار

تھا۔ دوسرے دن وہ چلے آئے تو ہمیں روشنی کی کرن نظر آئی اور امید ایک بار پھر جاگ اٹھی، مولوی صاحب کے ساتھ ایک بزرگ بھی تھے۔

مولوی صاحب میرے ابو سے بولے ''جمشید صاحب آپ پریشان نہ ہوں آپ دیکھئے گا زینب بیٹی کو اس جن سے فوراً نجات مل جائے گی۔'' مولوی صاحب نے ایک عزم سے کہا۔!

''آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا مجھ پر مولوی صاحب۔'' ابا بولے۔ ''آپ اندر آ جائیں۔'' ابا نے ان کے لئے راستہ چھوڑا تو وہ بزرگ بولے۔ ''اندر تو ہم آ ہی چکے ہیں۔ جنید صاحب آپ بس ذرا ہمیں بچی کا کمرہ دیکھا دیجیے۔ اب ذرا اس جن کی بھی خبر لوں۔''

ابا نے کمرے کی طرف اشارہ کیا تو بزرگ نے اپنی آنکھیں بند کیں اور کچھ پڑھتے ہوئے آگے بڑھے، ساتھ ہی ان کے ہاتھ میں جو تسبیح تھی اس کے دانے بھی گرانے لگے۔

کمرے کے قریب پہنچ کر مولوی صاحب نے کہا۔ ''ٹھیک ہے آپ دروازہ کھولئے۔'' ابا نے بہت کوشش کی لیکن دروازہ نہ کھلا ابا نے دروازہ بجایا لیکن اندر سے کوئی آواز نہ آئی تو بزرگ خود ہی آگے بڑھے اور اپنے دونوں ہاتھ دروازے پر رکھ کر کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ دروازہ پہلے تو ہلنے لگا اور پھر تھوڑی دیر بعد خود ہی کھل گیا۔ کمرے کی لائٹ آف تھی اور معمول سے زیادہ اندھیرا اور خاموشی تھی۔

مولوی صاحب نے ہم سب کو باہر رکنے کا اشارہ کیا تو اباجی سے رہا نہ گیا تو وہ آگے بڑھے تو انہیں روکا۔

بزرگ نے جیسے ہی کمرے میں قدم رکھا تو اندر سے زینب کی ایک بھیانک چیخ سنائی دی، ہم سب پر خوف طاری تھا۔ کسی بلے کی مسلسل آواز آنا شروع ہو گئی تھی۔ وہ بہت زور زور سے غرا رہا تھا۔ زینب بھی اب مسلسل چیخ رہی تھی۔ ''اماں مجھے بچاؤ یہ مجھے مار ڈالے گا، ابا مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے میری مدد کرو۔''

زینب کی آواز ایک دم بدل گئی۔ وہ بہت

استاد

استاد شاگرد سے۔ بتاؤ 1876ء کو کیا ہوا تھا۔

شاگرد۔ پتہ نہیں

استاد۔ قائداعظم پیدا ہوئے تھے۔

استاد۔ اچھا 1881ء کو کیا ہوا تھا۔

شاگرد۔ جناب قائداعظم 5 سال کے ہو گئے تھے۔

(صغیر حسین سرائے سدھو)

بھیانک انداز میں چیخی۔

''چلا جا یہاں سے ورنہ بہت برا ہوگا۔''

اس بار بزرگ بولے۔ ''چلے جائیں گے لیکن تو کیوں اندھیرے میں چھپتا ہے سامنے کیوں نہیں آتا؟''

''شکر کر میں سامنے نہیں آ رہا اگر سامنے آ گیا تو تیری خیر نہیں ہے جا چلا جا یہاں سے۔'' پھر آواز آئی تو بزرگ ایک قدم اور آگے بڑھے اور بولے۔

''میں کیوں چلا جاؤں تو کیوں نہیں چلا جاتا۔ یہ تیرا مسکن نہیں ہے۔''

''ہم اپنا مسکن خود تلاش کرتے ہیں۔ تو مجھے مت سیکھا۔ اب یہیں میرا بسیرا ہے۔''

''بزرگ کو غصہ آ گیا تھا اور اتنی دیر میں انہوں نے کچھ پڑھ کر اندھیرے ہی میں پھونک ماردی اور لائٹ جل اٹھی۔ زینب کمرے کے ایک کونے میں کھڑی غرا رہی تھی آنکھوں سے جیسے چنگاریاں نکل رہی تھیں ابا اس کے قریب جانے لگے تو انہیں روک دیا گیا۔ ''آپ قریب نہ جائیں۔''

''بزرگ بولے۔ ''یہ تیرا بسیرا نہیں ہے۔ اس بچی کو چھوڑ دے۔''

زینب بہت خوف ناک انداز میں ہنسی۔

"کتنا نادان ہے تو، کیا تو نہیں جانتا ہم جہاں بسیرا کرتے ہیں وہاں سے اتنی آسانی سے نہیں جاتے۔" اور یہ کہہ کر وہ پاگلوں کی طرح آگے بڑھی، اگر مولوی صاحب اور ابا نے اسے نہ پکڑ لیا ہوتا تو وہ بزرگ کا منہ نوچ چکی ہوتی۔ زینب بہت دھان پان سی لڑکی تھی۔ لیکن اس وقت اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ بزرگ مسلسل کچھ پڑھ رہے تھے۔ زینب کے قریب آتے ہی انہوں نے اس پر پھونک ماری اور اپنے ساتھ لائی ہوئی رسی سے اسے باندھ دیا۔ پھر انہوں نے ابا جی اور مولوی صاحب کی مدد سے اسے اٹھایا اور باہر آنگن میں لے آئے۔

زینب مسلسل چیخ رہی تھی بزرگ نے جلدی سے سب کے گرد ایک حصار کھینچا اور زمین پر بیٹھ گئے۔

بزرگ کی آواز سنائی دی "جا چلا جا یہاں سے جہاں سے تو آیا ہے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" لیکن زینب مسلسل چیختی رہی اور مولوی صاحب اور بزرگ کو برا بھلا کہتی رہی اس کے بعد بزرگ نے ہم سے ایک بالٹی پانی لانے کو کہا اور ساتھ ہی ساتھ کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد بزرگ نے اس جگہ ایک چھوٹا گڑھا کھودا اور پھر اس گڑھے میں بالٹی سے پانی نکال نکال کر اس گڑھے میں ڈالنے لگے۔ ہم سب حیران تھے کہ آدھی بالٹی پانی ڈالنے کے باوجود وہ گڑھا خشک تھا، پانی گڑھے میں پڑتے ہی غائب ہو جاتا تھا، یہ عمل بھی وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک کرتے رہے کہ زینب ایک دم سے خاموش ہو گئی۔

ہم سب حیران تھے کہ اچانک کچھ فاصلے پر سے ایک بلا نمودار ہوا اور بزرگ کے حصار سے کچھ دور آ کر بیٹھ گیا۔ وہ بزرگ کو گھور رہا تھا اور غرا رہا تھا بزرگ نے آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھا۔ "جا چلا جا یہاں سے ورنہ تیرا حشر بھی تیرے اس ساتھی جیسا ہوگا۔"

بلے نے حصار کے چاروں طرف ایک چکر کاٹا اور ہوا میں غائب ہو گیا، ہم سب خوف کے مارے تھر تھر کانپ رہے تھے اور اپنی اپنی جگہ جم کر رہ گئے تھے۔ ایسا منظر ہم نے اپنے خواب میں بھی کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن بزرگ اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھے تھے اور ان کے چہرے پر اب مسکراہٹ تھی۔ وہ مولوی صاحب اور ابا جی کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اب فکر کی کوئی بات نہیں ہے آپ بچی کو اندر لے جائیں اور سلا دیجیے جب یہ صبح اٹھے گی تو سب ٹھیک ہوگا۔"

ابا زینب کو اندر لے آئے تو اماں نے اپنے کمرے میں اسے سلا دیا۔

بزرگ ابا جی سے مخاطب ہوئے۔ "اس جن کا خاتمہ ہو چکا ہے اور جو باہر آپ نے دیکھا وہ اس کا ساتھی تھا لیکن اب وہ آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔"

یہ سن کر ابا اور ہماری جان میں جان آئی اور ہم نے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ کہ اگر وہ نہ ہوتے اور ہمارا ساتھ نہ دیتے تو نہ جانے زینب کا کیا ہوتا۔"

دادی نے اپنی کہانی ختم کی اور مجھے مخاطب کیا۔ "زینی میں تمہیں بس یہی سمجھانا چاہتی تھی کہ میری زندگی کا کوئی اعتبار نہیں کہ میں تمہارے ساتھ کب تک ہوں لیکن تم اپنا خیال خود رکھا کرو، ذرا سی احتیاط سے ہم بہت بڑی بڑی آزمائشوں سے بچ سکتے ہیں۔"

میں نے دادی کی یہ بات سنی تو دادی کے گلے لگ گئی اور وعدہ کیا "دادی ایسا نہ بولیں، اللہ! آپ کی عمر دراز کرے، میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کی ہر بات پر عمل کروں گی۔"

تمام بہنوں سے میری گزارش ہے کہ وہ بھی ذرا سی احتیاط سے خود کو محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے (آمین)۔

راج دلاری

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

آسمان پر اچانک دودھیا روشنی پھیل گئی، پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ روشنی آہستہ آہستہ زمین کی طرف آنے لگی، جب روشنی بالکل نیچے آگئی تو لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں اور پھر لوگوں کے سامنے اچانک.....

صدیوں پر محیط عجیب و غریب سوچ کی حامل ناقابل فراموش.....دل کو مسوستی کہانی

پہلی بار میں نے راج دلادی کا نام سنا تو کوئی توجہ نہیں دی۔ اس لئے کہ ہندوؤں میں عورتوں کے نام عام طور پر اسی قسم کے ہوتے ہیں۔

"راج دلاری"

لیکن جب دوسری بار یہی نام سنا تو سوچنے لگا کہ یہ راج دلاری ہے کون؟ لیکن پوچھنے کی پھر بھی اس وجہ سے ہمت نہیں ہوئی کہ ماتحت عملہ نہ معلوم کیا خیال کرے لیکن جب "راج دلاری، راج دلاری" کا نام بار بار سننے میں آیا تو پھر مجبور ہو گیا کہ معلوم کروں کہ راج دلاری ہے کون؟

مگر بات پھر بھی تشنہ رہی۔ کوئی بھی تفصیل سے نہیں بتا سکا کہ راج دلاری کون ہے؟ البتہ اتنا معلوم ہو سکا کہ کسی زمانے میں راج دلاری نام کی لڑکی رام پور میں تھی۔ جس کے متعلق طرح طرح کے مافوق الفطرت

کہانیاں منسوب تھیں۔ میں نے جو کچھ بھی اس کے بارے میں سنا اس پر یقین کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ یہ ایسی من گھڑت کہانیاں تھیں جن کو انسانی عقل کسی صورت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

میرا حال ہی میں رام پور میں تبادلہ ہوا تھا۔ یہ دو گاؤں کے مجموعہ کا نام ہے ان میں سے ایک رام ہے۔ یہاں بدھ مذہب کی بڑی بڑی یادگاریں۔ پہاڑ پر بہت بڑے بڑے اسٹوپ بنے ہوئے ہیں۔ محکمہ آثار قدیمہ نے دو میل سے زائد رقبے میں چہار دیواری تعمیر کرکے ان آثار کا حصار کرلیا ہے۔ جگہ جگہ گوتم بدھ کے بڑے بڑے بت رکھے ہوئے ہیں پتھروں کی سلوں پر تحریرات اور تصاویر کندہ ہیں۔ ان سب چیزوں کے علاوہ ایک عجائب گھر بھی پہاڑ پر بنا ہوا ہے۔ اس میں اس دور کی ہر چیز موجود ہے۔ یہاں موٹی موٹی کتابیں موجود ہیں جو بتوں اور متعلقہ چیزوں کی مکمل تاریخ ہیں۔

تاریخ اور آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے لوگ دنیا کے ہر حصے سے یہاں آتے ہیں۔ جن کے قیام کے لئے پہاڑی سے نیچے سرکاری ڈاک بنگلے بنے ہوئے ہیں۔ ان بنگلوں میں آسائش اور ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ اس کے علاوہ کھانے کے انتظام کے لئے باورچی اور نشی وغیرہ بھی موجود رہتے ہیں۔ ڈاک بنگلوں سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ آثار سے قریب پہاڑ پر ہی رام نام کا گاؤں آباد ہے۔ اسی پہاڑ سے نیچے پورنام کا گاؤں ہے۔ اس سے کچھ دور چل کر سڑک کے کنارے کا بھون نامی گاؤں ہے۔ یہ بھوپال کا سرحدی گاؤں ہے۔

یہ تمام علاقہ پہاڑی اور میدانی ہے۔ اونچے نیچے پہاڑوں اور میدانوں میں سرسبز تناور درخت کثرت کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں۔ بھون کے پہاڑی گھروں میں کھڑے ہوکر دیکھا جائے تو ریلوے لائن کے اس پار موضع منڈوائی دکھائی دیتا ہے۔ دوسری جانب موضع بھون ہے جس کے نیچے ایک کشادہ مذہبی بستی ہے۔ ان موضع جات میں کسٹم کے ناکے ہیں جہاں ناکیدار اور سپاہی تعینات ہیں۔

تبادلہ پر آنے کے دو ہفتے بعد میں گشت پر نکلا۔ اریا چوپڑہ اور بہار کا معائنہ کرتے ہوئے مجھے کئی دن صرف ہوگئے۔ یہ بارش کا موسم تھا اور ان دنوں موسلا دھار بارش ہونے کی وجہ سے ندی نالے طغیانی پر تھے جس کی وجہ سے مجھے کئی دن قیام کرنا پڑا۔ بہار سے جس وقت روانہ ہوا تو شام ہونے والی تھی۔ ناکے دار اور سپاہی نے مجھے روکا بھی لیکن میں نے کوئی خیال نہیں کیا اور گھوڑے پر بیٹھ کر روانہ ہوگیا۔ جس وقت پور اور رام پور کے درمیان پہنچا تو بارش میں تیزی آگئی۔ اندھیری رات ہونے کی وجہ سے قد آدم گھاس میں راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اندازے سے چلتا ہوا جب ایک جگہ پہنچا تو نالہ پورے شباب کے ساتھ طغیانی پر تھا۔ کچھ دیر تک کھڑا ہوا سوچتا رہا کہ کیا کرنا چاہئے؟ آخر یہی فیصلہ کیا کہ واپس ہوکر کسی طرح رام گاؤں پہنچا جائے۔ گھوڑے کو پلٹا کر اندازے سے روانہ ہوا لیکن اندازہ غلط ہی رہا۔ کافی دیر تک بھٹکنے کے بعد بھی پور تک پہنچے کی کوئی سبیل نظر نہ آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شاید آج تمام رات یونہی پانی میں بھیگتے ہوئے بھٹکنا پڑے گا۔

یکا یک ایک بارز ور سے بجلی چمکی جس کی روشنی میں کچھ دوری پر کسی سادھی پر بنی ہوئی چھتری دکھائی دی۔ میں نے اس وقت اس کو ہی غنیمت جانا۔ ویسے مرگھٹ میں اندھیری رات گزارنا کچھ خوش کن بات نہیں تھی لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق مرگھٹ کی جانب روانہ ہوگیا۔ کچھ دور چلنے پر مجھے چھتری کے پاس ایک ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی دکھائی دی۔

"کیا یہاں کوئی رہتا ہے؟" میں نے دل میں سوچا۔ "دیکھا جائے گا۔ اس وقت اگر کوئی بھوت بھی ہوتا تو میں اس کے گھر میں بھی ٹھہر جاؤں گا۔ اس بارش میں بھیگنے سے بہتر تو یہی ہوگا کہ تمام رات بھوت سے ہی دل لگی رہے۔"

یہی کچھ سوچتا ہوا میں مرگھٹ کی جانب بڑھتا رہا۔ لیکن جب میں مرگھٹ کے حدود میں داخل ہوا تو دیکھا کہ سادھی کی چھتری کے قریب ایک کٹیا بنی ہوئی ہے جس میں سے وہ روشنی آرہی تھی۔ ظاہر تھا کہ اس میں کوئی انسان ہی رہتا ہوگا ورنہ بھوت کو مکان میں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ روشنی اور گھر دیکھ کر گھوڑا دور سے ہنہنایا۔ وہ غریب بھی مسلسل کئی گھنٹے سے بارش اور کیچڑ میں پھرتے ہوئے پریشان ہو رہا تھا۔

گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سن کر کٹیا کا دروازہ کھلا اور گیروا (گہرے پیلے) رنگ کی کفنی پہنے ایک سادھو باہر نکل کر آیا۔ یہ بہت ضعیف آدمی تھا۔ سر کے اور داڑھی کے بالوں کے علاوہ بھنویں تک سفید تھیں۔ اس نے پہلے مجھے بڑے تعجب کے ساتھ دیکھا پھر آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ "حضور اتنی رات کو آپ کہاں؟"

میں نے سادھو کو بغور دیکھا اور پھر گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ "مہاراج۔ بارش کی وجہ سے ندی نالے پورے طغیانی پر ہیں اس لئے آج رات شاید آپ کے پاس ٹھہرنا ہوگا۔"

"بڑی خوشی کی بات ہے حضور۔ مگر آپ کو شاید آپ کی شان کے مطابق آرام نہ مل سکے گا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"آپ اندر چلیں میں گھوڑا باندھ کر ابھی آتا ہوں۔"

گھوڑے کی لگام سادھو کو دے کر میں کٹیا میں داخل ہوگیا ایک کونے میں صاف ستھرا بستر بچھا ہوا تھا۔ درمیان میں آگ جل رہی تھی۔ پاس میں ہی مرگ چھالا بچھا ہوا تھا۔ سادھو کے دھونی لگانے کا ڈنڈا اٹھا تھا۔ میں نے برساتی اور ہیٹ اتار کر دروازے کے قریب لٹکا دیا۔ جوتے اور موزے اتار کر ایک طرف رکھے اور خود آگ کے پاس جا بیٹھا۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی کہ سادھو بھی گھوڑا باندھ کر میرے قریب آ بیٹھا۔

"یہاں سے رام کتنی دور ہے؟" میں نے سادھو سے پوچھا۔ "دو کوس (چار میل)"

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں چار میل کے اندر ہی اب تک چکر لگاتا رہا۔ بہر حال اب تو پریشان ہو چکا تھا اور اس وقت دوبارہ روانہ ہونا بھی کچھ مناسب نہیں تھا اس لئے رات یہیں کاٹنے کا فیصلہ کرلیا۔

"حضور کھانے کے لئے کچھ پیش کروں؟" سادھو نے پوچھا "نہیں مہاراج۔ اس کی ضرورت نہیں ہے تم کسی بات کی فکر نہ کرو۔ یہ تو بتاؤ کہ کس کی سادھی ہے؟"

"گنگا چمار اور اس کی بیوی کی۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرانگی سے پوچھا۔ چمار کی اور سادھی؟ یہ کیسی انوکھی بات تھی اور پھر اس پر سادھو استعان یہ بات سمجھ میں آرہی تھی۔

"مطلب یہ ہے کہ جن کی یہ سادھی ہے وہ اتنی عظیم شخصیتیں تھیں کہ ان کا ثانی ابھی تک کوئی پیدا نہیں ہوسکا ہے۔ اور آج سینکڑوں برس سے ہمارا خاندان اس سادھی کی خدمت کررہا ہے۔ ہم برہمن لوگ اس سادھی کی خدمت کرتے ہیں یہ واقعی تعجب کی بات ہے لیکن اس سادھی کے باشی لاکھوں برہموں سے بہتر تھے۔"

"مہاراج بات سمجھ میں نہیں آئی ذرا تفصیل سے بتاؤ۔"

"حضور یہ لمبی لیکن حقیقت پر مبنی کہانی ہے۔ کیا سنیں گے؟"

"ضرور سنوں گا۔" میں نے کہا ویسے مجھے بھی رات گزاری کے لئے یہی صورت بہتر معلوم ہوئی کہ زیادہ سے زیادہ وقت باتوں میں گزارا جائے۔

"آج سے سینکڑوں برس پہلے کی بات ہے۔" مہاراج نے کہانی شروع کرتے ہوئے کہا۔ "رام پور میں ایک لڑکی راج دلاری تھی۔"

"راج دلاری؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تو یہ بھی راج دلاری کا قصہ ہے۔"

"ہاں بیٹا یہ راج دلاری کا ہی قصہ ہے۔ راج

دلاری گنگا چمار کے یہاں پیدا ہوئی۔ لیکن پیدائش کے وقت ایسے عجیب وغریب اور پراسرار حالات رونما ہوئے جس کی بناء پر ماں باپ کے علاوہ گاؤں والے بھی پریشان ہوگئے۔

جس رات یہ لڑکی پیدا ہوئی وہ پورنماشی کی رات تھی۔ لیکن اس دن شام کے وقت سے ہی تیز ہوائیں چلنا شروع ہوگئیں اور پھر جیسے جیسے رات زیادہ ہورہی تھی اسی طرح سے ہوا بھی تیز ہوتی جارہی تھی۔ دس گیارہ بجے رات کو ہوا نے طوفانی صورت اختیار کرلی تھی۔ ہوا کی وجہ سے اتنا گرد وغبار اٹھا کہ چاند چھپ گیا مگر ہلکی ہلکی روشنی پھر بھی باقی تھی۔ درختوں کے پتوں میں سے گزرتی ہوائیں سیٹیاں بجارہی تھیں اور ان سیٹیوں کی آوازوں میں ایسا معلوم ہورہا تھا کہ ہزاروں بھوت ناچ رہے ہیں۔ اور یہ غلط بھی نہیں تھا۔ اس لئے کہ بھوتوں کو ناچتے ہوئے تو نہیں دیکھا جاسکا لیکن ہر شخص کو محسوس ہورہا تھا کہ جیسے انسان کی قسم کے کچھ لوگ آسمان سے اتر کر زمین پر آجارہے ہیں۔ ان آنے جانے والوں کو لوگ دیکھنے کے بجائے صرف محسوس کررہے تھے۔

طوفانی ہواؤں کی وجہ سے عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لے کر گھروں میں چھپ گئی تھیں لیکن مردوں کو ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جیسے کوئی نئی بات ہونے والی ہے۔ طوفان سے انہیں کوئی ڈر نہیں تھا اس لئے کہ اس قسم کے طوفان تو آتے ہی رہتے ہیں لیکن حیات کی بناء پر ان کے دل بے چینی محسوس کررہے تھے اور ہر شخص یہی سوچ رہا تھا کہ دیکھو آگے کیا ہونے والا ہے۔

رات کو کوئی گیارہ بجے یعنی لڑکی کی پیدائش سے ایک گھنٹہ قبل ہلکی ہلکی روشنی کے ہالے آسمان سے اترنا شروع ہوئے۔ ہر شخص ان کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ ان سب کا رخ گنگا چمار کے گھر کی جانب تھا۔ گاؤں کے سب مرد یہی یہ کرشمہ دیکھ رہے تھے لیکن کسی کے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہورہا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ان بادلوں میں ایک خاص صورت پیدا ہوگئی تھی۔ ہالے جس طرح اتر رہے تھے اسی طرح ان میں سے کچھ واپس بھی جارہے تھے اور اب صرف آنے والوں کا ہی نہیں بلکہ جانے والوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا۔

ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ ایک اور چیز رونما ہوئی یعنی اب بادلوں کے بجائے انسان اترتے ہوئے معلوم ہورہے تھے ان کے جسم تو اچھی طرح دکھائی دے رہے تھے لیکن ان جسموں کے متعلق سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کس قسم کے جسم ہیں جو ہوا میں تحلیل ہونے کے بعد بھی جسم ہی معلوم ہورہے تھے۔ سب سے پہلے تو کچھ ایسے مرد اترے جو صرف ساڑھی نما دھوتی باندھے ہوئے تھے اور اس دھوتی کا ایک پلوان کے کاندھوں پر تھا۔ سر، داڑھی اور مونچھ کے بال بالکل صاف تھے۔ ان کے ایک ہاتھ میں عجیب طرز کا برتن تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں پانی ہے اور دوسرے ہاتھ میں پھولوں کی ڈالیاں تھیں۔ لیکن جس طرح سے ان لوگوں کی ہر چیز تعجب خیز تھی اسی طرح یہ پھول بھی عجیب قسم کے تھے۔ کسی نے بھی ایسے پھول کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ اس قسم کے پھول ہزاروں سال قبل کبھی ہوتے ہوں لیکن اب ان کا وجود ختم ہوچکا ہے۔ آنے والوں کی تعداد پندرہ بیس تھی لیکن حلیے اور وضع قطع سے یہ مذہبی آدمی معلوم ہوتے تھے یا پھر یہ اس زمانے کے ویدہوں گے لیکن یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔

ان لوگوں کے اترنے کے بعد عورتوں کے اترنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ عورتیں انتہائی حسین نوجوان اور نورانی معلوم ہورہی تھیں۔ وہ بھی ساڑھیاں باندھے ہوئے تھیں مگر ان کے ہاتھوں میں کچھ دوسری چیزیں تھیں۔ سب سے آگے جو عورت تھی اس کے ہاتھ میں عود دان تھا جس سے نورانی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ اس میں شاید عود وعنبر قسم کی کوئی چیز ڈال کر جلائی جارہی تھی۔ عود دان سے نکلی ہوئی خوشبو کی لپٹوں سے پوری فضا معطر ہورہی تھی۔ چاروں طرف عطر بیز ہوائیں چل رہی تھیں اور جو خوشبو سب لوگ سونگھ رہے تھے وہ ایک قسم کی نہیں تھی بلکہ کبھی ایک قسم کی خوشبو آتی اور کبھی دوسرے قسم کی۔

اس عورت کے پیچھے کثرت سے عورتیں تھیں جو منظم طریقے سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں عجیب عجیب قسم کے سامان تھے لیکن ان کو دیکھنے کے بعد اندازہ یہی ہورہا تھا کہ یہ سب سامن زچگی سے متعلق ہے۔ یہ عورتیں کورس کے انداز میں کوئی گیت گارہی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کسی قسم کی دعا ہو لیکن الفاظ کی ادائیگی سے خوشی کا اظہار ہورہا تھا۔

ابھی اس قسم کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری تھا کہ یکایک آسمان پر روشنی کا ایک بہت بڑا گولہ نمودار ہوا۔ سب لوگ گھبرا کر اس کی جانب دیکھنے لگے کہ دیکھو اب کیا ہوتا ہے۔ جس وقت یہ گولہ زمین کی طرف آرہا تھا۔ اس وقت آدھی رات کا وقت تھا۔

جب وہ نورانی گولہ زمین کے قریب پہنچا تو اس وقت لوگوں کی سمجھ میں آیا کہ جس کو وہ گولہ سمجھ رہے تھے وہ ایک اتنا بڑا ہالہ تھا جس کی وسعت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس ہالے میں آگے آگے کافی تعداد میں سپاہی گھوڑوں پر سوار تھے۔ یہ ایک ہاتھ میں راس اور دوسرے میں نیزہ پکڑے ہوئے تھے۔ پہلو میں چوڑے پھل کا خنجر لٹک رہا تھا۔ پیٹھ پر ڈھال اور کاندھے پر کمان تھی۔ ترکش اچھے قسم کے تیروں سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ فوجی بڑے منظم طریقے سے نیچے اتر رہے تھے۔

گھڑ سواروں کے پیچھے رتھوں کی قطار تھی۔ ان میں بھی فوجی سوار تھے۔ ان رتھ سواروں کی بھی شان نرالی تھی۔ ہر ایک فوجی اسلحہ سے لیس گھوڑوں کی باگیں پکڑے ہوئے رتھ میں کھڑا تھا۔

رتھوں کی لائن ختم ہونے کے بعد پھر کچھ لوگ سامان لئے ہوئے نظر آئے۔ اس سامان کو اٹھانے والے شکل وصورت سے غلام دکھائی دے رہے تھے۔ تمام سامان قیمتی اور عجیب وضع کا تھا۔ اس کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی بچے کی پیدائش کے سلسلہ میں لایا جارہا ہے۔ اس سامان میں ایک بہت قیمتی گہوارہ تھا۔ اس میں چھوٹے چھوٹے گدے تکیے لگے ہوئے تھے۔ تھالوں میں چھوٹے چھوٹے کھلونے اور گھنٹیاں تھیں۔ کچھ تھالوں میں بچے کے نئے جڑاؤ زیورات اور کپڑے تھے۔ ایک تھالی میں چھوٹا سا تاج بھی رکھا ہوا تھا۔ یہ تمام لوازمات کسی بچے کے لئے ہی ہوسکتے تھے۔

ابھی لوگ یہ سب چیزیں دیکھ ہی رہے تھے کہ ہالے کی روشنی تیز ہونا شروع ہوگئی۔ پھر وہ روشنی اتنی زیادہ تیز ہوئی کہ آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ یکا یک کچھ اور ہی نقشہ نظر آیا۔ وہ تھا تخت شاہی۔ اس کو چالیس آدمی اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ چھپر شاہی پورا کا پورا سنہری تھا اور اس میں کثرت سے چھوٹے بڑے، رنگ برنگے ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ان کی جگمگاہٹ پر آنکھ نہیں ٹھہر رہی تھی۔ اس تخت پر ایک دیوتا اور ایک دیوی بیٹھے ہوئے تھے دونوں کے سروں پر جڑاؤ تاج تھے دیوتا کے ہاتھ میں ایک جڑاؤ چھڑی بھی تھی۔

تخت شاہی سیدھا گنگا چمار کے گھر پر اترا۔ اس وقت ٹھیک آدھی رات تھی۔ یکا یک فضا میں ایک گولہ بلند ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف نورانی، ہلکی ٹھنڈی اور دودھیا سی روشنی پھیل گئی۔ روشنی کے پھیلتے ہی گنگا چمار کے گھر سے سوپ بجنے کی آواز سنائی دی۔

دیہات میں دستور ہے کہ گھر میں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو پیدائش ک بعد اگر لڑکا ہو تو تھالی اور لڑکی ہو تو دائی فوراً سوپ بجاتی ہے۔ اس سے آس پاس کے گھروں میں معلوم ہوجاتا ہے کہ کیا پیدا ہوا ہے۔

سوپ کی آواز سن کر سب کو معلوم ہوگیا کہ گنگا کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ لیکن ابھی سوپ کی آواز بند ہی ہوئی تھی کہ یکا یک فضا میں سازوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ کس قسم کے ساز تھے کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ بہرحال جس قسم کے بھی ہوں، تھے کچھ عجیب سے جن کو شاید نہ تو کسی نے دیکھا ہوگا اور نہ سنا ہوگا۔ کوئی بھی سمجھ نہیں پارہا تھا کہ کیا بجایا جارہا ہے لیکن جو کچھ بھی بجایا جارہا تھا اس میں ایک قسم کی کشش

تھی۔ ایسا معلوم ہورہا تھا کہ روح کھینچتی چلی جارہی ہے۔ ابھی یہ ساز بج رہے تھے کہ گنگا چمار کے گھر میں سے کورس کی دھن میں آواز آنا شروع ہوئی۔ اس میں عورتوں اور مردوں دونوں کی آوازیں شامل تھیں۔ مگر اس کورس میں کیا تھا؟ اس کے ناتو الفاظ سمجھ میں آرہے تھے اور نہ معنی ومطلب کا اظہار ہورہا تھا۔ لیکن اندازہ یہی ہورہا تھا کہ شاید یہ بچی کی پیدائش کے بعد کی دعا ہے۔

رات کے تین بجے کورس ختم ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ساز کی آوازیں بھی آنا بند ہوگئیں اور پھر گنگا چمار کے گھر سے اٹھتے ہوئے ہالے فضا میں بلند ہوگئے۔ چار بجے صبح دیوتا اور دیوی بھی اپنے تخت پر بیٹھے ہوئے واپس ہوگئے لیکن اس وقت دونوں بہت زیادہ خوش نظر آرہے تھے۔

دن نکلنے پر سب لوگ گنگا کے گھر پہنچے تاکہ معلوم ہوسکے کہ تمام رات کیا تماشہ ہوا ہے۔ گنگا چمار کو دیکھا تو اس کی حالت بھی غیر تھی۔ بہت ہی گھبرایا اور پریشان تھا۔ لوگوں کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ بچی کی پیدائش کے وقت اس کی بیوی کے پاس صرف آسمان سے اتری ہوئی عورتیں تھیں۔ ان کے ہاتھوں ہی بچی کی پیدائش ہوئی۔ پیدائش کے بعد بچی کو کسی خوشبودار پانی میں نہلایا گیا۔ آسمان سے لائے ہوئے کپڑے پہنائے گئے۔ دیوتا اور دیوی نے اتر کر خود لڑکی کے سر پر تاج رکھا۔ پھر عورتوں اور مردوں نے مل کر گانا شروع کردیا۔ فوجی اور دوسرے لوگوں نے لڑکی کو سجدے کئے۔

دیوتا نے کہا۔ ”میں دیوتا برہسپت (Jupiter) اور میری بیوی، دیوی جونو (Juno) جو بیکھنٹھ کی رانی ہے آج بہت خوش ہیں کہ ہماری بیٹی یورانیا (Urania) جو علم ہیت کی دیوی ہے پانچ ہزار سال بعد پھر دنیا میں واپس آئی۔ جس گھر میں یہ پیدا ہوئی ہے ہم اسے وہاں سولہ سال تک رہنے دیں گے۔ پھر اسے ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ آج میں اور میری بیوی بہت خوش ہیں۔“

اور پھر چار بجے سے پہلے پہلے دیوتا اور دیوی بچی کو پیار کرنے کے بعد اپنے تخت پر بیٹھ کر واپس ہوگئے۔

اس واقعہ کے بعد گنگا چمار تو کیا بلکہ نوزائیدہ بچی راج دلاری کی وجہ سے پورے گاؤں کی حالت بدل گئی۔ فصل اچھی ہونے لگی۔ لوگوں کے پاس روپے پیسے کی بہتات ہوئی۔ جتنے بیمار تھے سب اچھے ہوگئے۔ ہر شخص ہنسی خوشی کھا پی رہا تھا لیکن خود بچی کی یہ حالت تھی کہ ایک بار بھی اس نے ماں کا دودھ نہیں پیا۔ ماں نے جب بھی دودھ پلانے کی کوشش کی تو کسی نامعلوم طاقت نے اس کو اس کوشش کو ناکام بنادیا۔ بڑی ہونے پر اس نے کبھی کوئی چیز نہیں کھائی جب بھی اسے کھانے کی خواہش ہوئی غیبی طاقتوں نے ہی اسے کھلایا پلایا۔ وہی اس کو نہلاتے کپڑے تبدیل کراتے پیدائش کے بعد سے ماں باپ یا کسی اور نے سوائے اس کے چہرے اور ہاتھ پیروں کے جسم کا ایک بال بھی نہیں دیکھا تھا۔

اس کے اختیارات اور احکامات کو دیکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود بھی ایک عظیم طاقت کی مالک ہے۔ وہ جس وقت جو چاہتی وہی ہوتا۔ ویسے وہ کسی کو نقصان بھی پہنچاتی تھی۔ بڑی ہونے کے باوجود اسے بچوں سے بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ وہ ان کے ساتھ کھیلتی اور ان سے نامعلوم زبان میں باتیں کرتی۔

ایک روز صحن میں بیٹھی ہوئی ایک بچی کو کھلا رہی تھی کہ نامعلوم اس کے دل میں کیا آیا۔ اس نے کسی اجنبی زبان میں کسی کو کچھ حکم دیتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ لمحہ بھر کے اندر ہی دو سانپ آموجود ہوئے۔ یہ ایسے نایاب سانپ تھے جو صرف بھوپال کے علاقہ میں ہی ہوتے ہیں اور وہ بھی بہت کمی کے ساتھ ان میں سے ایک گھوڑا پچھاڑ اور دوسری چارانگلی کی ناگن تھی۔ یہ دونوں اس قدر خطرناک سانپ ہیں کہ ان کا کاٹا پانی بھی نہیں مانگتا۔

ان دونوں سانپوں کو دیکھ کر سب لوگ گھبرا گئے

بول کر کچھ بھی نہ سکتے تھے۔ یہ سانپ پہلے تو تن کر سیدھے کھڑے ہوئے پھر انہوں نے اپنے پھن اس طرح زمین پر رکھے جیسے وہ راج دلاری کو سجدہ کررہے ہوں۔

لڑکی کے حکم پر دونوں سانپوں نے ناچنا شروع کردیا۔ ان کے سامنے وہ اس طرح ناچ رہے تھے کہ جیسے اس کے ازلی غلام ہوں۔ ویسے ان کا ناچ تھا بھی بہت دلچسپ جسے وہ خود اور پاس میں بیٹھے ہوئے بچے دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہورہے تھے۔

ایک ہی واقعہ نہیں بلکہ ہر روز کوئی نہ کوئی ایسا نیا واقعہ پیش آتا جس کو گاؤں والے حیرت سے دیکھتے رہ جاتے اور یہ سب ہی ایسے ہوتے جن کے وجود کو عقل تسلیم کرنے کے لئے کبھی بھی تیار نہیں ہوسکتی تھی۔

دوسری طرف لوگ اس کو حاصل کرنے کی کوشش میں دیوانے ہورہے تھے۔ ان کا یہ حال تھا کہ وہ بوڑھا ہو یا جوان، ناممکن تھا کہ اسے دیکھے اور نظر جھکالے۔ وہ تو ایک ایسا حسن تھا جس کا ثانی اس دنیا میں ممکن ہی نہیں۔ اس کا شباب ایسا ناقابل تسخیر قلعہ تھا جس پر دنیا کی بڑی سے بڑی فوج بھی قابض نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے باوجود لوگوں کے دلوں میں اس کو پانے کا ایک جذبہ تھا، ولولہ تھا۔ جوش تھا، آرزو تھی۔ دلوں میں چبھے ہوئے کانٹے کسی پل ان کو چین لینے نہیں دے رہے تھے۔ اسی بے چینی کے ہاتھوں مجبور ہوکر وہ اس کے گھر پھیرے لگاتے مگر دور تک کسی طرح رسائی نہیں ہوتی۔ گاؤں تو پھر گاؤں تھا لیکن آس پاس کے گاؤں کے لوگ بھی حسن ملکوتی کی ایک جھلک کے لئے اس کے گھر کا پرکما (طواف) کرتے۔ لیکن راج دلاری ایسی سستی نہیں تھی جو کسی میں دلچسپی لیتی یا توجہ سے دیکھتی۔ یہی وجہ تھی کہ کسی شخص کو بھی بات کرنے یا آنکھ ملانے کی ہمت نہیں ہوتی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آس پاس کے مالدار لوگ راج دلاری کی پوشیدہ طاقتوں سے واقف نہیں تھے یا پھر اس کی طاقت کو اپنی طاقت کے آگے ہیچ سمجھتے تھے۔ شاید اسی لئے منڈوائی کے پٹیل کے لڑکے رنجیت سنگھ نے اس پر ڈورے ڈالنے کی کوشش شروع کردی۔ ویسے رنجیت سنگھ بذات خود بہت حسین جواں تھا۔ لیکن تھا آوارہ..... روپے پیسے کی کمی نہیں تھی۔ جوانی کا نشہ چڑھا تو گاؤں میں ہاتھ پیر نکالنا شروع کردیئے۔ پہلے تو اس نے نیچ ذات کنیاؤں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا جب یہاں کچھ مہارت حاصل ہوگئی تو اونچی پروازیں شروع کردیں۔ یہاں تک کہ اپنے گاؤں کے علاوہ آس پاس کے بھی اس کی پہنچ سے باہر نہیں رہے۔

راج دلاری کی پیدائش اور اس سے متعلق مافوق الفطرت حالات ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ دور دور تک ان کی شہرت پھیل چکی تھی۔ ان کی بناء پر سب ہی اسے دیوی مانتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جس سے یہ دیوی خوش ہوجائے وہ نہال ہوسکتا ہے لیکن جس سے یہ ناراض ہوجائے اس پر بڑی سے بڑی مصیبت آسکتی ہے لیکن نوجوان طبقے کو اس پر یقین نہیں تھا اور نہ وہ راج دلاری کی طاقت کو گردانتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ رنجیت سنگھ نے رام پور کی ہیرا پھیری شروع کردی۔ انوپ سنگھ اپنے بیٹے کے کرتوت خوب جانتا تھا۔ اس کے علم میں جب یہ بات آئی تو بیوی کو پابند کیا کہ وہ بیٹے کو سمجھائے۔ لیکن رنجیت سنگھ کو تو اپنی جوانی اور طاقت پر گھمنڈ تھا۔ ماں کی بات ماننے کے بجائے اپنی جوانی کا زعم دکھانے لگا وہ تو یہ سمجھے ہوئے تھا کہ کوئی بھی اس کے مقابلہ میں نہیں آسکتا۔

انوپ سنگھ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بیٹے نے ماں کی بات کی کوئی پرواہ نہیں کی تو اسے سخت افسوس ہوا۔ وہ پہلے ہی بیٹے کی بدکردار اور تکبر کی وجہ سے نالاں تھا مگر اسے یہ امید تھی کہ ممکن ہے کہ وہ راہ راست پر آجائے اور باپ دادا کو رسوا کرنے کے بجائے ان کا نام روشن کرے لیکن یہ امید موہوم تھی بظاہر اس کے پورے ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ صاحبزادہ نے راج دلاری کے چکر میں رام پور کے پھیرے لگانا شروع کردیئے ہیں تو اسے

سخت فکر ہوئی۔ پھر اس کے سمجھانے پر بھی جب بیٹا نہیں مانا تو وہ سمجھ گیا کہ اب اس پر کوئی سخت مصیبت آنے والی ہے۔ یہ اس کا تجربہ تھا کہ کمین کو اگر سمجھایا جائے تو اکثر بات اس کی سمجھ میں آجاتی ہے لیکن جب کوئی شریف زادہ بے لگام ہوجائے اور گری ہوئی حرکتیں کرنے لگے تو اس کی سمجھ میں پھر کوئی بات نہیں آتی ہے اور وہ سمجھانے والے کو بے وقوف اور کمزور سمجھتا ہے۔

پہلے تو رنجیت سنگھ کئی دنوں تک رام پور کے پٹیل کے گھر جاتا رہا پھر اس نے گنگا چمار کے گھر کے چکر لگانا شروع کردیئے۔ لیکن ان چکروں سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ راج دلاری یا اس کے گھر والوں نے اس کے چکر لگانے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ آخر مجبور ہو کر ایک روز رنجیت سنگھ نے رام پور پہنچنے کے بعد گنگا چمار کو پٹیل کی بیٹھک میں بلوالیا۔

پٹیل اور اس کے لڑکوں کو رنجیت سنگھ کی یہ حرکت بہت بری معلوم ہوئی۔ اب تک صرف اس خیال سے کہ یہ بھی منڈوائی کے پٹیل کا لڑکا ہے اور اس کے باپ کے ساتھ بھی گھریلو تعلقات ہیں یہ لوگ اس کی آؤ بھگت کرتے رہے۔ لیکن اس کے بار بار آنے اور پھر گنگا چمار کے گھر کے پھیرے لگانے سے یہ ناراض تھے۔ دوسرے دیہاتوں میں بہن یا بیٹی کی عزت و آبرو کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے خواہ وہ کسی قوم اور گھرانے کی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ وہ رنجیت سنگھ کی آمد کو اچھا خیال نہیں کرتے تھے اور ان باتوں کی اطلاع وہ انوپ سنگھ کو دینے والے تھے لیکن ان کے اطلاع دینے سے پہلے ہی رنجیت سنگھ نے آدمی بھیج کر گنگا کو بلالیا۔ رام پور کے پٹیل نے جب گنگا کو بیٹھک میں آتے دیکھا تو انہیں بڑا تعجب ہوا اس لئے کہ گنگا ہونے کو اب بھی چمار ہی تھا لیکن راج دلاری کے جنم لینے کے بعد سے جو واقعات پیش آرہے تھے ان کی بنا پر اس کو جو عزت و منزلت تھی اس کا لحاظ ہر چھوٹا بڑا کرتا تھا۔

"کہو گنگا کیسے آنا ہوا؟" پٹیل نے پوچھا۔

"سرکار، ان منڈوائی والے چھوٹے بھیا جی نے آدمی بھیج کر بلایا ہے۔" گنگا نے رنجیت سنگھ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ بات سن کر رام پور کے پٹیل کو بڑا تعجب ہوا۔ لیکن گنگا آہی گیا تھا اس لئے کچھ کہنا سننا بیکار تھا۔ یہی بہتر سمجھا کہ خاموشی کے ساتھ تماشا دیکھیں لیکن دل میں ضرور ڈر رہے تھے کہ دیکھو اب کیا تماشا ہوتا ہے۔

"کہو گنگا جی خیریت سے تو ہو؟" رنجیت سنگھ نے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ پوچھا۔

"بھگوان کی کرپا سے سب کچھ ٹھیک ہے۔"

"میں نے اس لئے تکلیف دی تھی کہ تم سے کچھ باتیں کرنی تھیں۔"

"کہو چھوٹے بھیا جی؟"

"یہ تو تم جانتے ہی ہو گنگا جی کہ اپنے گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔"

"ہاں جانتا ہوں بھیا جی۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تم راج دلاری کو میرے ساتھ بھیج دو۔ اس کو کسی بات کی تکلیف نہیں....."

ابھی رنجیت سنگھ اپنی بات پوری کرنے نہیں پایا تھا کہ کسی پوشیدہ طاقت نے اس کے منہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ اس کے تین چار دانت ٹوٹ کر باہر گر پڑے اور ابھی وہ سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ کسی نے اسے اٹھا کر بیٹھک سے باہر ہوا میں اچھال دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پچاس ساٹھ گز دور ایک گڑھے میں جا گرا۔

یہ پورا کھیل زیادہ سے زیادہ ایک دو منٹ میں ختم ہوگیا۔ بیٹھک میں موجود آدمیوں کی سمجھ میں اب تک کچھ نہیں آیا تھا۔ کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اور جب ان کی سمجھ میں آیا تو رنجیت دور گڑھے میں پڑا ہوا تھا۔

گنگا یہ تماشا دیکھ کر خاموشی سے اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ راج دلاری کا غصہ کی وجہ سے منہ سرخ ہو رہا ہے۔ اور وہ طیش کے عالم میں آنگن میں ٹہل رہی ہے۔ گنگا رام خاموش کھڑا ہوا بیٹی کو دیکھتا رہا پھر اپنی کوٹھری میں چلا گیا۔

"شریف ماں باپ کی کمین اولاد کا یہی حشر ہوتا ہے۔" پٹیل نے حسرت اور افسوس کے ساتھ دوسرے لوگوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہر حال جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا۔ اب چل کر اسے اٹھا کر انوپ سنگھ کے پاس روانہ کردو۔"

لوگ ہمت کر کے آگے بڑھے لیکن گڑھے کے پاس پہنچ کر سب کے منہ سے یکا یک چیخیں نکلیں اور وہ فوراً تیزی سے پلٹ کر دوڑتے ہوئے بیٹھک میں آگئے۔ ڈر کی وجہ سے سب کے چہرے سفید ہو رہے تھے۔ ان لوگوں کی چیخیں سن کر گاؤں کے اور لوگ بھی وہاں پہنچ گئے لیکن کسی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ کچھ لوگوں نے ان سے پوچھنے کی کوشش بھی کی لیکن خوف کی وجہ سے ان کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

یکا یک رنجیت سنگھ کے جسم میں حرکت شروع ہوئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تمام لوگ اس کے ہلنے جلنے پر گڑھے کی جانب دیکھنے لگے۔ رفتہ رفتہ وہ کوشش کر کے کھڑا ہوگیا۔ کھڑے ہوتے ہی اس کا پورا لباس بدن سے ڈھلک کر نیچے گر گیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے بدن سے کپڑے اتار کر کسی نے نیچے ڈال دیئے ہوں۔

کپڑوں کے نیچے گرتے ہی سب دیکھنے والے چیخیں مارتے ہوئے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کچھ نوجوان لاٹھیاں اور بلم لئے ہوئے ایک جگہ اکٹھا ہو کر مقابلہ کے لئے تیار کھڑے ہوگئے۔ لیکن یہ تمام ہنگامہ صرف رنجیت سنگھ کی وجہ سے تھا۔ اس لئے کہ جب اس کے جسم سے کپڑے پھسل کر نیچے گرے تو لوگوں نے دیکھا کہ اس کا سر منہ، ہاتھ، پیر، پیٹھ غرض جسم کے ہر حصے میں بڑے بڑے پھوڑے ہیں اور ہر پھوڑے میں سے ایک ناگ اپنی گردن باہر نکالے زبان کو ہوا میں لہرا رہا ہے۔ اس منظر کو دیکھنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی اور وہ چیخیں مارتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

مشہور و معروف رائٹر اسلم راہی کی مفید کتابیں

خالد بن ولید	50/-
عمر بن عبدالعزیزؒ	40/-
حجاج بن یوسف	40/-
محمد بن قاسم	40/-
طارق بن زیاد	40/-
ہارون الرشید	40/-
مامون الرشید	40/-
رکن الدین بیبرس	40/-
سلطان ملک شاہ سلجوقی	40/-
سلطان الپ ارسلان	40/-
سلطان عماد الدین زنگی	40/-
سلطان نور الدین زنگی	40/-
سلطان صلاح الدین ایوبی	40/-
سلطان محمود غزنوی	40/-
شہاب الدین غوری	40/-
قطب الدین ایبک	40/-
شمس الدین التمش	40/-
غیاث الدین بلبن	40/-
جلال الدین خلجی	40/-
علاؤ الدین خلجی	40/-
سلطان محمد تغلق	40/-
فیروز شاہ تغلق	40/-
تیمور لنگ	40/-
قبلائی خان	40/-
اسکندر لودھی	40/-

شمع بک ایجنسی اردو بازار کراچی
فون: 32773302

رنجیت سنگھ کھڑے ہونے کے بعد چاروں طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس کے منہ سے دل ہلا دینے والی بھیانک چیخیں بلند ہونا شروع ہوئیں۔ اور وہ پاگلوں کی طرح چیختا ہوا جنگل میں دوڑتا ہوا چلا گیا۔ دوسرے دن جب اس کی لاش جنگل میں ملی تو پوری کی پوری ایسی کالی تھی جیسے کسی نے کالک مل دی ہو۔

رام پور میں رنجیت سنگھ کی جو درگت بنی تھی اس کا چرچا گاؤں گاؤں ہو رہا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ان اوباش نوجوانوں نے جو راج دلاری کو رام کرنے کی فکر میں تھے اپنے ارادے بدل دیئے اور اب کوئی بھی رام پور کے راستے سے گزرنے کو تیار نہیں تھا۔

کچھ دن کے بعد رام کے ایک برہمن کی لڑکی کی شادی تھی۔ بارات مرہٹے گاؤں سے آئی تھی۔ ایک تو گاؤں کی لڑکی کی شادی اور وہ بھی برہمنوں کے یہاں اسی لئے گاؤں کے سب ہی لوگ ہنسی خوشی شریک ہوئے تھے۔ بارات کے آنے پر بڑی چہل پہل تھی۔ شہنائیاں بج رہی تھیں۔ مہمانوں کا سواگت کیا جا رہا تھا۔ ہر شخص کسی نہ کسی کام میں لگا ہوا تھا۔ باراتی کھانے پینے سے فارغ ہونے کے بعد تفریح میں وقت گزارنے لگے۔ بڑے بوڑھے جگہ جگہ بیٹھے باتوں میں مصروف ہو گئے نوجوان لڑکے گاؤں کی گلیوں میں گھومنے پھرنے لگے۔ ان ہی لڑکوں میں ایک لڑکا جگدیش نارائن بھی تھا۔ اس میں ویسے تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ عام لڑکوں کی طرح وہ بھی ایک لڑکا تھا۔ چھریرہ بدن، سانولا رنگ معمولی خدوخال مگر تھا بہت مہذب اور شرمیلا عمر بھی کچھ زیادہ نہیں تھی۔ یہی کوئی پندرہ سولہ سال کا ہوگا مزاج اور طبیعت عام لڑکوں سے ہٹ کر تھی۔ نہ کبھی شرارت کرتا نہ کھیل کود میں شریک ہوتا۔ اسے تنہائی بہت زیادہ پسند تھی۔ گھر پر بھی یا تو سب سے الگ اپنی کوٹھری میں رہتا یا پھر جنگلوں اور کھیتوں کی جانب ٹہلنے نکل جاتا۔ اس کی اس عادت کو گھر کے لوگ پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ اکثر ٹوکتے بھی رہتے لیکن ایسا معلوم ہوتا کہ جگدیش کو انسانوں سے یا تو نفرت ہے یا پھر وہ ان سے خوف کھاتا ہے۔ گھر میں بھی تنہا پڑا خلاء میں یوں گھورا کرتا، جیسے کسی چیز کو تلاش کر رہا ہو۔ جب بھی اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو وہ ٹال گیا۔

یہی وجہ تھی کہ وہ بارات کے ساتھ رام پور آنے کے بعد کچھ دیر تک لڑکوں کے ساتھ گاؤں کی گلیوں میں پھرا پھر ان سے علیحدہ ہو کر ندی کے کنارے ٹہلتا ہوا چلا گیا۔ اس کی یہ پرانی عادت ہونے کی وجہ سے کسی نے اس کی جانب توجہ بھی نہیں کی۔

جب وہ اپنے خیالوں میں ڈوبا ہوا کافی دور نکل گیا تو یکا یک اسے احساس ہوا کہ وہ بہت دور آ گیا ہے۔ اس نے جائزہ لینے کے لئے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ وہ اس وقت ندی کے کنارے کھڑا ہوا تھا، ہر طرف کھیت تھے لیکن فصل کٹ چکی تھی اس لئے دور دور تک کسی آدم کا وجود نہیں تھا۔ اس نے پلٹ کر رام پور کو دیکھا۔ گاؤں کافی فاصلہ پر نظر آیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ٹہلتا ہوا کئی میل دور نکل آیا تھا۔ دھوپ کافی تیز تھی اس لئے سوچا کہ کسی سایہ دار درخت کے نیچے تھوڑی دیر آرام کے بعد گاؤں واپس چلے۔ اس نے چاروں طرف دیکھا لیکن کوئی سایہ دار درخت قریب میں نہ تھا۔ یکا یک اس کی نظر ایک جانب پڑی چند قدم کے فاصلہ پر ایک شکستہ مندر تھا۔ اس کو بڑا تعجب ہوا کہ خیالوں میں ڈوبے رہنے کی وجہ سے اس نے اس مندر کو ابھی تک دیکھا ہی نہیں۔

یہ ایک چھوٹا سا مندر تھا جس کی عمارت پتھر کی بنی ہوئی تھی لیکن اب آدھے سے زیادہ منہدم ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ صدیوں سے یہاں کوئی آیا ہی نہیں۔ جگدیش نے سوچا کہ چلو اسے دیکھیں تو یہ کیسا مندر ہے؟ یہیں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد گاؤں واپس چلے چلیں گے۔ یہ سوچ کر وہ مندر کی جانب بڑھا۔ لیکن مندر کی بناوٹ دیکھ کر بڑا تعجب ہو رہا تھا کہ یہ کس قسم کا مندر ہے۔ اس طرح کا مندر تو اس نے آج تک دیکھا نہیں تھا۔

یکا یک اس کے خیالات نے پلٹا کھایا اور وہ

سوچنے لگا۔ ”یہ غلط ہے کہ میں نے اس بناوٹ کا مندر آج تک نہیں دیکھا ہے میرا خیال ہے کہ میں ایسے مندروں کو جانتا ہوں۔ میں ان کو مدتوں سے دیکھتا آ رہا ہوں۔ اپنے جنم لینے سے بھی ہزاروں سال پہلے میں ان میں جاتا تھا۔ لیکن ایسے مندر کہاں دیکھے ہیں، کب سے نہیں جانتا ہوں؟“ یہ بات اسے بالکل یاد نہیں آ رہی تھی اور جیسے جیسے وہ یاد کرنے کی کوشش کرتا اس کا دماغ الجھتا جاتا۔ مگر دماغی کشمکش میں مبتلا ہونے کے باوجود وہ مندر کی جانب اس طرح بڑھ رہا تھا جیسے کوئی نامعلوم طاقت اسے کھینچ کر وہاں لے جا رہی ہو۔

”اوہو..... اب یاد آیا“ یکا یک اس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ”اس قسم کے مندروں کی تصویریں اس نے اپنے باپ کی پشتک میں بنی ہوئی دیکھی ہیں۔ اور ان کے بارے میں پتا جی نے بتایا تھا کہ بیٹے یہ پشتک اپنے باپ دادا اور ان کے بھی باپ دادا ؤں سے ہمارے پاس چلی آ رہی ہے۔“ اس کو یاد آیا کہ یہ پشتک کاغذ کے بجائے کسی جانور کی کھال پر لکھی ہوئی تھی۔

وہ یہی سوچتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ جس طرح کی تصویریں اس نے پتا کی پشتک میں بنی ہوئی دیکھی تھیں۔ یہ مندر بھی بالکل اسی طرح کا تھا۔ مندر کے بارے میں یاد آ جانے پر جو حیرانگی اور ایک نامعلوم سا خوف اس کے دل میں تھا اس کے بجائے اب ایک قسم کی خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس وقت اس کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اپنے جانے پہچانے مندر میں ہی جا رہا ہے۔

جگدیش جس وقت سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا تو یکا یک ایک تیز جھونکا اندر سے آیا اور پھر ایسا محسوس ہوا کہ فضا میں ایک عجیب قسم کی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کس قسم کی خوشبو ہے۔

ایسی خوشبو اس نے کبھی نہیں سونگھی تھی۔ کتنی اچھی ہے یہ خوشبو بھینی بھینی، میٹھی میٹھی، مست کرنے والی خوشبو۔ ایسی خوشبو جس کے سونگھنے سے آنکھیں بوجھل ہو کر بند ہونے لگیں اور پھر آدمی سو جائے۔

اور واقعی وہ سونے لگا تھا۔ اس کو اتنا احساس تو ضرور تھا کہ خوشبو کے اثر سے اس کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں اور اب وہ دالان میں کھمبے سے ٹیک لگا کر سو رہا ہے۔

مگر یہ اس کی بھول تھی۔ بظاہر وہ سو رہا تھا لیکن اس کے دل و دماغ برابر کام کر رہے تھے اور پھر چند لمحوں کے بعد اس کے کانوں میں سازوں کی عجیب قسم کی دھنیں سنائی دینے لگیں۔ ان دھنوں کو وہ سمجھ تو نہیں پا رہا تھا لیکن ان دھنوں پر اس کو اپنی روح کھنچتی اور بیدار ہوتی معلوم ہو رہی تھی۔

ابھی خوشبو اور سازوں کے بارے میں وہ کچھ سوچ بھی نہیں پایا تھا کہ یکا یک اسے پورے مندر میں نورانی روشنی پھیلتی ہوئی معلوم ہوئی جس میں تیزی کے علاوہ ایک قسم کی خنکی اور لطافت بھی تھی۔ دودھیالی ہونے کے باوجود ہر چیز بالکل صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس نورانی روشنی میں شکستہ مندر اور دیوار پر بنی ہوئی کسی دیوتا کہ شبہہ کو اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔ مگر پلک جھپکتے ہی جب اسے نے دوبارہ دیکھا تو منظر ہی دوسرا تھا۔

اب وہاں شکستہ مندر کے بجائے ایک بہت بڑے مندر کی عمارت تھی۔ سامنے کی دیوار ہٹ چکی تھی اور حد نظر تک مندر ہی مندر دکھائی دے رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مندر کے ساتھ ساتھ کسی دیوتا کے رہنے کی جگہ بھی ہے۔ لوگ اس میں بڑی آزادی کے ساتھ چل پھر رہے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی۔ یہ لوگ بڑے اچھے قسم کی ریشمی ساڑھیاں باندھے ہوئے تھے لیکن عورتوں اور مردوں کے باندھنے کا انداز جدا جدا تھا۔ یوں دکھائی دیتا تھا کہ آج یہاں یا تو کوئی تہوار ہو یا کسی بات کی خوشی ہے۔ سب ہی خوش خوش نظر آ رہے تھے۔ اور ہر ایک کے ہاتھ میں پھولوں کی ڈالیاں تھیں۔

جگدیش ابھی یہ سب کچھ دیکھ ہی رہا تھا کہ یکا یک اس کی نظر اپنے جسم پر پڑی۔ حیرت کی وجہ سے

اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وہ تعجب کے ساتھ اپنے جسم کے لباس کو دیکھ رہا تھا۔ جو لباس وہ پہن کر آیا تھا اس کے بجائے وہ بھی اب ایسی ساڑھی باندھے ہوئے تھا جیسے اس وقت اور لوگ باندھے ہوئے چل پھر رہے تھے اور ساڑھی کا ایک پلو اس کے کاندھے پر پڑا ہوا تھا۔ پیروں میں سنہری کھٹ پٹیا تھیں۔ ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ سر پر ایک چھوٹا تاج بھی تھا اور وہ زمین کے بجائے پالکی نما کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے خود کو دیکھنے کے بعد جب آس پاس نظر دوڑائی تو اپنے چاروں طرف خادم کھڑے ہوئے نظر آئے۔ یہ لوگ بھی نفیس ساڑھیاں باندھے ہوئے تھے اور ان کے ہاتھوں میں بھی پھولوں کی ڈالیاں تھیں۔

ان سب لوگوں نے جگدیش کی جانب دیکھتے ہوئے خوشی کے تین نعرے بلند کر کے کرسی اپنے کاندھوں پر اٹھالی اور پھر بھجن گاتے ہوئے مندر کے اندر چلنے لگے۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ جس سمت سے اس کی سواری گزرتی لوگ ادب کے ساتھ گردنیں جھکا کر کھڑے ہو جاتے اس وقت جگدیش کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آرہی تھی۔ اسے بالکل نہیں معلوم تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے اور کس لئے ہو رہا ہے؟ لیکن مشکل یہ تھی کہ اس کے لئے ہر شخص نیا تھا اس لئے کسی سے وہ کوئی بات بھی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ لوگ کافی دیر تک چلنے کے بعد اس کی سواری لئے ہوئے ایک بڑے دروازے پر پہنچے۔ دروازہ بند تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو آگے جانے کی ممانعت ہے۔ خادموں نے اس کی سواری زمین پر رکھی اور پھر سب لوگ سینوں پر ہاتھ باندھ کر خاموش کھڑے ہو گئے۔

یکا یک دروازہ آہستہ آہستہ کھلنا شروع ہوا اور پھر اسے سامنے ایک چبوترہ نظر آیا۔ جہاں ایک دیوتا بیٹھا ہوا تھا۔ ایک آدمی اندر سے اس کے پاس پہنچا۔ ادب کے ساتھ کرسی سے کھڑا کرتے ہوئے اسے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

دروازہ بند ہونے پر جگدیش نے چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا سامنے کے چبوترے پر تخت نما چار کرسیاں تھیں۔ ان میں سے بیچ کی کرسیوں پر ایک دیوتا اور ایک دیوی بیٹھے ہوئے تھے۔ دیوی کے پاس ہی کرسی پر ایک بارہ برس کی بہت خوبصورت لڑکی بیٹھی ہوئی تھی اور دیوتا کے پاس والی کرسی خالی تھی۔ اس کے قریب پہنچنے پر دیوتا نے ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا "آؤ میرے بیٹے میں تو ہزاروں سال سے تمہارے آنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ میں دیوتا برہسپت (JUPITER) اور دیوی سیملے (SEMELE) کا بیٹا شراپ کا دیوتا باکس (BACHUS) ہوں۔ تم میرے بیٹے، مسرت وشادمانی کے دیوتا کومس (COMUS) ہو۔ یہ تمہاری ماں دیوی سرسے (CIRCE) ہے اور یہ برہسپت کی لڑکی یورانیا ہیت کی دیوی ہے۔

بیٹا جو کچھ میں نے بتایا اس میں حیران ہونے کی بات نہیں ہے۔ ایک بات یاد رکھو کہ دیوتاؤں کی طاقت بھی ایک حد پر پہنچنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ پھر وہاں سے ایک عظیم طاقت شروع ہوتی ہے جو ہر طاقت پر حاوی ہے۔ اسی عظیم طاقت نے تمہیں بھی ہزاروں سال بعد پیدا کیا اور آج کا دن تم سے ملنے کے لئے مقرر کیا۔ آؤ یہاں میرے پاس بیٹھو یہ کرسی تمہارے لئے ہے۔"

دیوتا باکس کی بات ختم کرنے کے بعد ایک راہب جگدیش کو لئے ہوئے آگے بڑھا۔ راہب نے پہلے اسے باپ کے قدموں میں جھکایا۔ اس کے جھکتے ہی دیوتا نے اس کے سر اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ باپ کے ہاتھ پھیرتے ہی چاروں طرف سے سازوں کی آوازیں آنے لگیں اور فوراً ہی اوپر سے پھول برسنا شروع ہو گئے۔

دیوتا باکس کے ہاتھ پھیرنے کے بعد راہب

نے اسے دیوی سیملے کے قدموں میں جھکایا۔ دیوی نے بھی پہلے تو سر اور پیٹھ پر ہاتھ پھیرا پھر اسے اٹھا کر سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ بیٹے کو سینے سے لگانے کے بعد ماں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہنے لگے۔ لیکن اس کے آنسو زمین پر نہیں گر رہے تھے بلکہ گالوں سے ڈھلک کے نیچے جاتے تو دو بہت ہی خوبصورت چڑیاں آگے بڑھ کر ان کو اپنی چونچوں میں لے لیتیں۔ بڑی دیر کے بعد جب ماں بیٹوں کا جی سنبھلا تو دیوتا باکس نے کہا۔ "بیٹے میری خواہش تو یہ تھی کہ تم دیوتاؤں کے گھر ہی پیدا ہوتے لیکن اس عظیم طاقت نے جس کے آگے دیوتا بھی مجبور ہیں تمہیں فانی انسان کے یہاں پیدا کیا۔ ویسے جہاں تمہیں پیدا کیا گیا ہے وہ بھی دیوتاؤں کی اولاد ہیں لیکن اب وہ فانی ہیں۔ تمہارے اصل ماں باپ ہم ہیں وہ لوگ نہیں۔ یورانیا بھی ایک فانی انسان کے یہاں پیدا ہوئی اس کے اصلی ماں باپ دیوتا ہیں لیکن اب جس کے یہاں اس نے جنم لیا ہے وہ بھی دیوتاؤں کی اولاد ہیں مگر فانی ہیں۔

ہزاروں سال پہلے پچھلے جنم میں تمہاری شادی یورانیا کے ساتھ طے ہوئی تھی لیکن اس وقت یہ کام تکمیل تک پہنچنے میں اس عظیم طاقت کی مرضی نہیں تھی اس لئے دیوتاؤں کی کوشش کے باوجود تم دونوں مر گئے۔

اب پھر تم دونوں نے جنم لیا ہے لیکن دیوتا برہسپت تو یورانیا کو آب حیات لا کر غسل دے چکا ہے۔ اس لئے وہ نورانی ہو چکی ہے لیکن تمہیں اولمپیا پہاڑ پر جا کر آب حیات کا چشمہ تلاش کرنا ہے۔ اگر تم چشمہ تلاش کر کے غسل کر سکے تو پھر تمہاری اور یورانیا کی شادی ہو جائے ورنہ تم فانی ہونے کی وجہ سے دنیا میں زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ سکو گے اور یورانیا کو تمہارے دوبارہ جنم لینے تک انتظار کرنا ہوگا۔ تمہارا آب حیات میں غسل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ فانی اور غیر فانی اکٹھا نہیں رہ سکتے۔"

دیوتا باکس کی بات ختم ہونے پر یورانیا اپنی جگہ سے اٹھ کر جگدیش کے قریب پہنچی۔ وہ بھی اسے آتا دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ یورانیا اپنے ہاتھ میں پھولوں کی ڈالیاں لئے ہوئے تھی۔ اس نے آدھی ڈالیاں جگدیش کو دیتے ہوئے کہا "کومس۔ میں ہزاروں سال سے تیری آمد کی منتظر تھی۔ تیرے دوبارہ جنم لینے پر میری دلی خواہش تو پوری ہو گئی لیکن افسوس ہے کہ تو ابھی تک فانی ہے اس لئے میں تجھے پیار نہیں کر سکتی کیونکہ میرے بوسے کی لمس سے تیری سانس ختم ہو جائے گی اور مجھے پھر ہزاروں سال تیرے دوبارہ جنم لینے کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"بیٹے کومس اب تم روانہ ہو کر اولمپیا جاؤ لیکن راستے میں بڑی مشکلات ہیں۔ جاؤ ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

یکا یک جگدیش کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے جھٹکا دے کر نیند سے بیدار کر دیا ہو۔ اس نے نیند سے بوجھل آنکھوں کو زور زور سے ملا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ دھوپ کی تیزی کی وجہ سے آنکھیں چند ھیا رہی تھیں۔ کچھ لمحوں کے بعد جب وہ دیکھنے کے قابل ہوا تو یہ دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی کہ جو کچھ وہ اب تک دیکھتا رہا تھا اس کے بجائے اب وہی شکستہ مندر تھا جہاں وہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے آیا تھا۔ اس نے وقت کا اندازہ کیا تو اپنا معلوم ہوا کہ جیسے ابھی آ کر ہی بیٹھا ہے۔ وہ اسی شش و پنج میں تھا کہ یکا یک اس کی نظر اپنے پر پڑی جس میں نامعلوم قسم کے پھولوں کی بڑی خوبصورت ڈالیاں تھیں۔ جو کچھ دیکھا وہ سب صحیح تھا مجھے آب حیات کے لئے اولمپیا جانا ہی ہوگا۔ میری یورانیا اور میرے ماں باپ میرا انتظار کر رہے ہونگے۔" جگدیش نے اپنے دل میں کہا اور پھر اس کے منہ سے نامعلوم زبان میں الفاظ نکلنا شروع ہو گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ وہ جگدیش ہی نہیں جواب سے کچھ لمحوں پہلے یہاں آیا تھا۔

وہ پھولوں کی ڈالیاں ہاتھ میں لئے ہوئے رام پور روانہ ہو گیا۔ گاؤں میں جب وہ گنگا چمار کے گھر کے قریب پہنچا تو چلتے چلتے یکا یک ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ ایسا

معلوم ہورہا تھا کہ جیسے آگے بڑھنے کے لئے اس کے قدموں میں جان ہی نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے صحن میں راج دلاری کھڑی ہوئی تھی۔ وہی صورت، وہی قد، وہی رنگ روپ تھا جس کو ابھی مندر میں دیکھ کر آیا تھا۔ راج دلاری کے ہاتھ میں بھی وہی پھولوں کی ڈالیاں تھیں جو اس کے ہاتھ میں تھیں ''یورانیا'' یکا یک اس کے منہ سے نکلا۔

''کومس'' اس کو جواب سنائی دیا۔ ''آؤ تم اپنی یورانیا سے دور کیوں کھڑے ہو؟''

اور پھر ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جیسے مقناطیسی طاقت جگدیش کو کھینچ رہی ہے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے راج دلاری کے پاس پہنچا اور پھر دونوں بے اختیار ہوکر ایک دوسرے سے ایسے لپٹ گئے جیسے ہزاروں برس کے بچھڑے ہوئے مل رہے ہوں۔ یہ بات غلط بھی نہیں تھی۔ یکا یک محبت کے سیلاب میں بہتے ہوئے اور جذبات سے مغلوب ہوکر راج دلاری نے جگدیش کو پیار کرلیا..... لیکن یہی پیار جگدیش کے لئے پیام اجل تھا۔ اس کی حالت غیر ہونے لگی اور چند لمحوں کے بعد ہی وہ مردہ حالت میں اس کے ہاتھوں میں جھول رہا تھا۔

راج دلاری نے جگدیش کو مردہ حالت میں دیکھ کر ایک زوردار چیخ ماری اس چیخ کو سن کر عورتیں اور مرد گنگا چمار کے گھر کی جانب دوڑے۔ وہاں پہنچنے کے بعد ہر شخص دور کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا کہ جگدیش مردہ حالت میں راج دلاری کے ہاتھوں میں جھول رہا ہے۔ لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور وہ جگدیش کی لاش کو سینے سے لگائے ہوئے بڑبڑا رہی ہے ''اوہ کومس یہ میں نے جذبات کی رو میں بہہ کر کیا کیا مجھے تمہیں پیار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ تم تو فانی تھے اسی وجہ سے میں نے دیوتا باکس کے دربار میں بھی پیار نہیں کیا تھا۔ مگر محبت کے جوش میں مجھ سے کیسی بھول ہوئی۔ اب پھر مجھے تمہارا ہزاروں سال انتظار کرنا ہوگا۔ میرے کومس تم عظیم طاقت سے کہنا کہ تمہاری یورانیا تمہارا انتظار کررہی ہے۔ اس لئے وہ تم کو جلد ہی بھیج دیں۔

اپنی بات پوری کرنے کے بعد اس نے جگدیش کی لاش کو نیچے رکھا۔ جھک کر آخری بار پیار کیا۔ ہاتھ میں تھامے ہوئے پھول سینے پر رکھے کھڑے ہوکر اسے بغور دیکھ کر ایک زوردار چیخ ماری اور روتی ہوئی اپنی کوٹھری میں چلی گئی۔

جگدیش کے ماں باپ اور عزیز واقارب کی حالت غیر تھی۔ گاؤں کا ہر فرد افسردہ اور پریشان تھا۔ راج دلاری کے کوٹھری میں چلے جانے کے بعد لوگ جگدیش کی لاش اٹھا کر لے گئے اور پھر اس کے کریا کرم میں آس پاس کے تمام گاؤں کے لوگ شریک ہوئے۔ سب ہی طرح طرح کی باتیں کررہے تھے لیکن کسی کو بھی اصلیت کا پتہ نہیں تھا۔

اس واقعہ کے بعد لوگوں نے بہت کم راج دلاری کو دیکھا۔ ماں باپ اس کی صورت کو ترس گئے۔ ہفتوں وہ کوٹھری سے باہر نہیں آتی۔ اور اگر آتی بھی تو کچھ دیر کے لئے اور پھر واپس کوٹھری میں چلی جاتی۔

غرض اسی طرح سولہ برس پورے ہونے کو آئے۔ کہ چاند کی چودہ تاریخ کی رات میں یکا یک آسمان سے پھر ہالے اترنا شروع ہوئے۔ ان ہالوں سے نورانی مخلوق کی آمد شروع ہوئی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی ان لوگوں کی وضع ایلچیوں جیسی تھی۔ ان کے ساتھ فوجی سوار دستے بھی تھے۔ یہ سب کے سب گنگا چمار کے گھر میں اترے۔ ان لوگوں نے پہلے تو راج دلاری کو سجدہ کیا دوبارہ کھڑے ہونے کے بعد ایک آدمی فرمان لئے ہوئے آگے بڑھا اور پھر دوزانو ہونے کے بعد اس نے یہ فرمان راج دلاری کو پڑھ کر سنایا۔ اس عرصہ میں راج دلاری خاموشی کے ساتھ کھڑی سنتی رہی۔ فرمان ختم ہونے کے بعد وہ سب گردن جھکائے خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔

شاید وہ جواب کے منتظر تھے۔

راج دلاری خاموش کھڑی ہوئی کسی بات پر غور کررہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دماغ میں کوئی ایسی الجھن ہے جس کی بنا پر کوئی فیصلہ نہیں کرپارہی تھی۔ آخر کچھ دیر بعد اس نے نظر اٹھا کر سب کو دیکھا۔ چند قدم آگے بڑھی اور پیامبر کے سامنے اپنے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر گردن خم کردی۔ اس کے گردن خم ہوتے ہی سب لوگوں نے ایک نعرہ بلند کیا۔ لیکن یہ نعرہ کیا تھا کوئی بھی سمجھ نہ سکا۔ جب یہ لوگ نعرہ لگا کر خاموش ہوئے تو راج دلاری نے اپنی گردن سیدھی کرکے ایک ہاتھ دراز کیا اور ساتھ ہی نامعلوم زبان میں کچھ الفاظ کہے جن کو سن کر نورانی مخلوق نے پھر نعرہ بلند کیا اور راج دلاری کے سامنے سجدے میں جھک گئے۔ اور پھر سجدے سے اٹھنے کے بعد جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس ہوگئے۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد راج دلاری سونے کے بجائے تمام رات ٹہلتی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی خاص بات اسے پریشان کئے ہوئے تھے۔ آخر دن نکلنے پر اس نے ماں کی جانب دیکھتے ہوئے کہ۔

''ماں''

''میری بیٹی۔ میری لاڈو'' ماں نے بے قرار ہوتے ہوئے کہا ''ماں'' راج دلاری بے چین ہوتے ہوئے بولی اور پھر دوڑ کر ماں سے لپٹ گئی۔

جب سے راج دلاری پیدا ہوئی تھی یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ اس طرح ماں سے لپٹی تھی۔ دونوں ماں بیٹی بڑی دیر تک ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی روتی رہیں۔ آخر جب کچھ آنسو تھمے تو ماں سے علیحدہ ہونے کے بعد راج دلاری نے باپ کے پیر پکڑتے ہوئے کہا۔

''پتا جی''

''بیٹی'' گنگا چمار نے اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اس وقت خود اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

''پتا جی..... میرے جانے کا وقت آگیا ہے''

''کیسا وقت بیٹی؟'' ماں باپ نے یک زبان ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ماں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں دیوتا برہسپت کی بیٹی ہوں۔ البتہ دنیا میں دوبارہ آنے کے لئے میں تمہارے پیٹ میں رہی اور تمہارے یہاں پیدا ہوئی اس لئے تم بھی میرے ماں باپ ہو یہی وجہ ہے کہ تمہیں چھوڑتے ہوئے دکھ ہورہا ہے۔

رات کو دیوتا پتا اور دیوی ماتا کے پاس سے بلاوے کا سندیسہ آیا تھا۔ میں اگلے مہینے آج کی رات چلی جاؤں گی۔ لیکن وعدہ کرتی ہوں کہ ہر سال پورنماشی کی رات تمہارے پاس آیا کروں گی۔ اس کے علاوہ جب بھی تم بلاؤ گی میں ہر حالت میں تمہارے پاس آؤں گی لیکن خواب میں۔ اور جب تم اس دنیا میں نہیں رہو گے تو بھی میں تمہاری سمادھی پر آؤں گی۔

میرے جانے کے بعد بھی تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تمہاری حفاظت کے لئے میں ایک ایسی طاقت چھوڑ جاؤں گی جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی دوسری طاقت نہیں کرسکے گی۔

لیکن اس ایک مہینے میں راج دلاری کی عجیب حالت تھی۔ کبھی وہ خوش ہوتی اور کبھی روتی۔ ماں باپ کے ساتھ بھی وہ بہت زیادہ گھل مل گئی تھی۔ اب وہ اکثر ماں کے سینے پر سر رکھ کر سو جاتی۔

گھر کا کام بھی وہ بڑی محنت کے ساتھ کرنے لگی تھی۔ پورے مہینے اس نے کام میں ماں کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ کھانا پکاتی، برتن صاف کرتی، جھاڑو دیتی، ماں کے کپڑے دھوتی۔ جس طرح اور گھر گرہست لڑکیاں گھروں میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی اور کام کاج کرتیں لیکن رونا اور ہنسنا اب بھی اس کا بند نہیں ہوا تھا۔

آخر کار وہ رات آ ہی گئی جس کی آمد سے راج دلاری کے ماں باپ خوف زدہ اور پریشان تھے۔ کئی دن پہلے سے ماں باپ نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ راج دلاری بڑی محنت سے کھانا تیار کرتی اور پھر بڑی چاہت کے ساتھ ماں کے منہ میں نوالہ ڈالتی۔

مگر گنگا چمار اور اس کی بیوی کو کسی حالت قرار نہیں تھا۔ پریشانی کی وجہ سے ان کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ جب دونوں یہ سوچتے کہ ان کی جوان بیٹی ہمیشہ کے لئے ان سے جدا ہونے والی ہے تو ان کے کلیجے پھٹنے لگتے۔ وہ انتہائی بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں تھے لیکن کر کچھ بھی نہیں سکتے تھے۔

پورنماشی کی رات میں ایک بار پھر آسمان سے ہالے اترنا شروع ہوئے وہی سازوں کی آوازیں تھیں اور پہلے کی طرح آج بھی فضا معطر تھی۔

تخت اترنے کے بعد راج دلاری اپنی کوٹھری میں سے نکلی اس وقت وہ نور میں نہائی ہوئی حریری لباس میں ملبوس اپسرا دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے ساتھ نورانی لڑکیاں تھیں جو اس کے لباس کو تھامے ہوئے چل رہی تھیں۔

تخت کے قریب پہنچ کر وہ خاموشی سے نظر جھکائے ادب کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ دیوتا اور دیوی اپنے تخت سے اترے۔ ان کے ہاتھ میں ایک بہت ہی خوبصورت تاج تھا جس کو انہوں نے راج دلاری کے سر پر رکھ دیا۔

تاج سر پر رکھتے ہی عورتوں مردوں کو ملا جلا کر کورس شروع ہوا۔ کورس کے خاتمہ پر راج دلاری دیوتا اور دیوی کے درمیان جا کھڑی ہوئی۔ چند منٹ خاموش کھڑے رہنے کے بعد تینوں آگے بڑھتے ہوئے اس جگہ پر پہنچے جہاں گنگا چمار اور اس کی بیوی بت بنے ہوئے خاموش کھڑے تھے۔ یہ لوگ پہلے توان کے پاس خاموش کھڑے رہے۔ اس کے بعد دیوتا اور دیوی نے اپنے اپنے سیدھے ہاتھ پھیلا کر ان سے کچھ کہنا شروع کیا۔ پھر بات ختم کرنے کے بعد گردنیں جھکا کر کھڑے ہوگئے۔

یکا یک راج دلاری آگے بڑھی اور پھر زمین دوز ہوتے ہوئے اس نے ماں کے پیر پکڑ لئے۔ ماں نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور پھر دونوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

بڑی دیر رونے کے بعد راج دلاری نے ماں کے سینے سے علیحدہ ہو کر باپ کے پیر پکڑ لئے۔ گنگا چمار کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہہ رہی تھیں اس نے بیٹی کو کھڑا کیا اور بڑی دیر تک اس کی پیٹھ اور شانوں پر ہاتھ پھیرتا رہا۔

دیوی دیوتا اب بھی سر جھکائے ہوئے کھڑے تھے۔ یکا یک نقیب نے روانی کا اعلان کیا اس اعلان کو سنتے ہی راج دلاری ایک بار پھر ماں سے لپٹ کر جھول گئی۔

نقیب کے اعلان کے دہرانے پر راج دلاری ماں کے سینے سے علیحدہ ہو کر دیوی دیوتا کے بیچ میں آ کھڑی ہوئی۔ تینوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے تخت پر جا بیٹھے۔ یکا یک فضا سازوں کی طربیہ دھن سے گونج اٹھی اور پھر جس ترتیب سے یہ نورانی مخلوق اتری تھی اسی طرح روانہ ہوگی۔

راج دلاری کے جانے کے بعد دونوں میاں بیوی کئی برس زندہ رہے لیکن ان کا پورا سال پورنماشی کے انتظار میں گزرتا اور پھر وہ دن گزرنے کے بعد دوبارہ اس کا انتظار دیکھنے لگتے۔

راج دلاری ان کے ساتھ نہیں تھی لیکن دونوں کے دل راج دلاری کی یاد سے آباد تھے۔

یہ گنگا چمار اس کی بیوی اور جگدیش کی سادھی ہے۔ اب بھی ہر پورنماشی کی رات کو راج دلاری پابندی کے ساتھ پہلے ماں باپ کی سادھی پر آتی ہے اور پھر جگدیش کی سادھی پر صبح تک رہنے کے بعد واپس چلی جاتی ہے۔"

سادھو کہانی ختم کرنے کے بعد خاموش ہوگیا۔ وہ اس وقت خلا میں اپنی آنکھیں لگائے ہوئے نہ معلوم کیا تلاش کر رہا تھا۔

صبح ہونے والی تھی۔ پانی بھی تھم گیا تھا اس لئے میں بھی روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگا۔

ناگ منی

سیما امیر۔ امانگڑہ

بین کی آواز سنتے ہی نوجوان پر گھبراہٹ طاری ہوگئی، چہرے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوگئے اور پھر وہ زمین پر لیٹتے ہی ایک خوفناک ناگ میں تبدیل ہوگیا۔ لیکن پھر ایک اور ناقابل یقین منظر رونما ہوا۔

خوف کے لبادے میں لپٹی خونی وادی کی طرف محو پرواز ذہن پر سکتہ طاری کرتی انوکھی کہانی

"ارے اب تو ناگ منی کو سیت کرنے کا منتر بتا دے۔" پرتاب تمہیں یہاں اس کھنڈرات میں قید کئے ہوئے پندرہ سال ہو چکے ہیں۔ کیوں اپنے آخری عمر میں اپنے آپ کو اور اپنی پتنی کو اذیت دے رہے ہو۔"

"نہیں تری کال! کبھی نہیں، میں مر جاؤں گا لیکن ناگ منی کو سیت کرنے کا منتر تجھے کبھی نہیں بتاؤں گا۔"

"دیکھو پرتاب تمہیں اس منی سے کوئی فائدہ نہیں، لیکن میں رشی بننا چاہتا ہوں، میں نے تین سال ویران غاروں مندروں اور ناگ دیوتا کی تپسیا کی ہے تب یہ تعویز حاصل کیا ہے۔" اس نے اپنے گلے میں بندھے ایک ترشول نما تعویذ کی طرف اشارہ کیا۔ "منی تو میں نے تجھ سے حاصل کر لی لیکن اس کو سیت کرنے کا منتر صرف تو جانتا ہے کیونکہ ناگیشور نے وہ منتر صرف تجھے بتایا تھا۔ اس ناگ منی کو حاصل کرنے کے لئے کتنے سادھو کتنے مہاپرش

اور کتنے اچھا داری سانپ آئے لیکن وہ منی نہیں لے جا سکے کیونکہ جہاں یہ منی قید ہے اس کے آس پاس کی جگہ کو میں نے اپنے منتروں سے کنڈل میں کر دیا ہے اس لئے جو بھی اس منی کے قریب جائے گا وہ جل کر بھسم ہو جائے گا میں تجھے تیرہ دن اور دیتا ہوں سوچ لے، آج سے ٹھیک پندرہ دن بعد ناگ پنچویں ہے، اس ناگ پنچویں کے دن ہی مجھے وہ ناگ منی سیت کرنی ہے۔"

چندر گڑھ میں ناگ دیوتا کا ایک بہت قدیم اور پرانا مندر ہے یہ تو ابھی تک کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مندر کب بنا اور کس نے تعمیر کیا؟ اپنے وقت میں یہ مندر بہت خوبصورت رہا ہوگا لیکن اب تو اس مندر کے صرف کھنڈرات ہی باقی ہیں، اور مندر کے اندورنی ہال میں ایک بہت بڑے ناگ کا مجسمہ بنا ہوا ہے جو آج بھی اپنی اصل حالت میں ہے، ایسا لگتا ہے کہ گزرے ہوئی سمے نے اس پر کوئی اثر نہیں چھوڑا، ہر ناگ پنچویں کو اس مندر میں ہزاروں سانپ پوجا کرنے آتے ہے جس اچھا داری سانپ کی تپسیا سے ناگ دیوتا خوش ہو جائے وہ اسے منی دان کر دیتا ہے۔

ایسے ہی خوش نصیبوں میں ایک اچھا داری ناگ ناگیشور تھا جس کی سو سال کی تپسیا سے ناگ دیوتا اتنا خوش ہوا کہ اسے ناگ منی دان کر دی۔

☆.....☆.....☆

ایک دن ٹھاکر پرتاب سنگھ اس کی پتنی رملہ دیوی اور سات سال کا بیٹا شام چندر گڑھ میں اپنے ایک عزیز کو ملنے جا رہے تھے کہ اچانک موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جب وہ گھر سے چلے تھے تو گہرے بادل چھائے ہوئے تھے لیکن انہوں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہ دی بارش کے ساتھ تیز ہوائیں بھی چلنا شروع ہو گئی تو ٹھاکر پرتاب کو گاڑی چلانا دشوار ہو گیا۔ موسم کے بپھرے ہوئے تیور دیکھ کر ٹھاکر پرتاب نے اپنی پتنی سے کہا۔ "رملہ ایسا لگتا ہے کہ اس طوفانی بارش میں گاڑی آگے نہیں جا سکے گی۔ سامنے کسی عمارت کے آثار نظر آ رہے ہیں، وہاں کچھ دیر انتظار کر لیتے ہے، جیسے ہی بارش میں کمی آئے گی تو ہم آگے سفر کر لیں گے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" رملہ دیوی بولی۔

گاڑی مندر کے سامنے ایک جھٹکے سے رکی۔ یہ وہی ناگ دیوتا کا مندر تھا جس میں سانپ پوجا کرنے آتے ہیں۔ وہ لوگ مندر کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے کہ "بھائی صاحب" کی آواز پر ٹھاکر پرتاب چونک کر پلٹے ایک آدمی جس نے چمکدار لباس پہنا تھا۔ لباس ایسا تھا جیسے سانپ کی کینچلی ہو، اس کے سر پر ایک بڑا سا سنہرا تاج چمک رہا تھا جو سانپ کی شکل کا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" ٹھاکر پرتاب نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"گھبرائیے نہیں، بھائی صاحب!" اس آدمی نے کہا۔ "میں ایک اچھا داری ناگ ہوں، میری سو سال کی تپسیا سے خوش ہو کر ناگ دیوتا نے مجھے یہ ناگ منی دان کر دی ہے،" اس نے ٹھاکر پرتاب کو اپنی مٹھی میں موجود منی کو دکھاتے ہوئے کہا۔ جیسے ہی اس نے منی کو سامنے کیا اس منی سے اتنی تیز روشنی پھوٹ رہی تھی کہ ان کی آنکھیں چندھیا گئیں تو بے ساختہ ٹھاکر اور رملہ دیوی نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"آپ میری بات سنیئے" اس آدمی کی آواز میں التجا تھی۔ "آپ اس ناگ منی کو اپنے پاس رکھ لیں کیونکہ میرے پیچھے ایک سپیرا تری کال لگا ہوا ہے وہ مجھ سے یہ ناگ منی لینا چاہتا ہے تاکہ وہ تری کال رشی بن جائے اور اگر ایسا ہوا تو یہ انسانیت کے لئے ایک بڑا کشٹ ہوگا۔" اس آدمی نے جو دراصل ناگیشور تھا، وہ منی ٹھاکر پرتاب کے ہاتھوں میں تھما دی۔

ٹھاکر پرتاب جو ابھی تک سکتے کی سی حالت میں تھے یک دم ہوش میں آ گئے۔

"بھائی صاحب یہ ناگ منی میری آپ کے پاس امانت ہے آج سے ٹھیک پندرہ سال بعد ناگ پنچویں کے دن، میں یہ آپ سے واپس لے لوں گا کیونکہ میرے پاس ابھی اتنی شکتی نہیں کہ میں تری کال کا مقابلہ کر سکوں مگر دھرتی کے پاتال میں چھپنے جا رہا ہوں اگر ٹھیک پندرہ سال

بعد، میں نہ آیا یا مجھے کچھ ہو گیا تو آپ اس منی کو اکھنڈ امرناتھ کے چرنوں میں رکھ دینا۔" ناگیشور نے کہا۔

اچانک ہی بین کی آواز سنائی دی۔ "اچھا اب میں چلتا ہوں تری کال یہاں پہنچنے والا ہے۔"

ایک دم سے ٹھاکر پرتاب نے کہا۔ "اس منی کو سیت کرنے کا منتر کیا ہے؟"

ناگیشور نے جلدی سے ٹھاکر کو منی سیت کرنے کا منتر بتایا۔ "یہ منتر پڑھ کر منی پر پھونک مارو گے تو یہ سیت ہو جائے گی۔" یہ کہتے ہوئے ناگیشور اچانک ایک سنہرے سانپ میں تبدیل ہو کر رینگتا ہوا جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔

بین کی آواز لمحہ بہ لمحہ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی اور پھر تری کال بین سمیت مندر میں داخل ہوا، وہ ایک خوفناک شکل کا تانترک تھا۔ ایک ترشول سے مشابہہ تعویز تھا، جو اس نے کالی ڈوری میں پرو کر اپنے گلے میں ڈالا ہوا تھا۔ اس کے جیسے ہی نظر ٹھاکر پرتاب اور ان کی پتنی رملہ پر پڑی تو اس نے بین بجانا بند کر دی۔ "اچھا تو تیرے پاس ہے وہ منی، وہ منی میرے حوالے کر دے۔" تری کال نے ٹھاکر پرتاب سے کہا۔

"نہیں میں ایسا نہیں کروں گا یہ میرے پاس ناگیشور کی امانت ہے وہ پندرہ سال بعد مجھ سے واپس لینے آئے گا۔"

"ہا..... ہا..... ہا" تری کال نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ارے تو پندرہ سال کی بات کرتا ہے، میں اسے پندرہ منٹ بھی زندہ نہیں رہنے دوں گا میں اسے مار دوں گا میں پھر بھی ناگ منی تیرے حوالے نہیں کروں گا تو منش نہیں شیطان ہے۔" ٹھاکر پرتاب نے کہا۔

"اچھا نہیں دے گا بھولو جنگی۔" اس نے ساتھ آئے اپنے دو چیلوں سے کہا۔ "اس کے ہاتھ سے ناگ منی چھین کر ہمارے حوالے کر دو۔" چشمہ زدن میں وہ دونوں ٹھاکر پرتاب پر بل پڑی۔

شام جوان سب باتوں سے خوفزدہ ہو کر ایک ستون کے پیچھے چھپا ہوا تھا ایک دم سے آ کر باپ کو بچانے لگا، اس نے جنگی کے ہاتھ پر زور سے دانتوں سے کاٹا۔

"ارے کتے کے پلے۔" جنگی نے غصے میں آ کر شام کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا اور گھما کر ایک دیوار پر دے مارا شام کا سر اتنی زور سے دیوار سے ٹکرایا کہ اس کے سر سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

جنگی اور بھولو نے منی تری کال کے حوالے کر دی تری کال منی کو پا کر خوشی سے ناچنے لگا ناچتے ناچتے اچانک اس کو ایک خیال آیا، اس نے ٹھاکر پرتاب سے کہا۔

"ناگ منی تو تم سے لے لی اب اس کو سیت کرنے کا منتر بھی بتا دو۔"

"نہیں تری کال نہیں! منی تو تم نے حاصل کر لی لیکن جب تک اس کو سیت کرنے کا منتر تمہیں نہیں آتا یہ منی ایک پتھر کے موتی کے سوا کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور وہ منتر صرف میں جانتا ہوں، تم مجھ سے وہ منتر کبھی نہیں اگلوا سکتے، میں مر جاؤں گا لیکن منتر تمہیں نہیں بتاؤں گا۔" ٹھاکر پرتاب کا ٹھاکروں والا خون جاگ اٹھا۔

"اچھا یہ بات ہے، بھولو اور جنگی اسے لے جاؤ ان دونوں کو کھنڈرات کی کال کوٹھری میں بند کر دو جب تک یہ منتر نہیں بتا دیتا یہ میری قید میں رہیں گے۔

اور اس طرح 15 سال سے ٹھاکر پرتاب اور اس کی پتنی تری کال کی کال کوٹھری میں قید ہیں لیکن ٹھاکر نے وہ منتر تری کال کو نہیں بتایا ہے اور نہ ہی بتائے گا۔

☆.....☆.....☆

سادھو شری رام اپنے بھگتوں کے ساتھ چندر گڑھ کے اس پرانے مندر میں ہر سال سانپوں کے لئے دودھ لاتے تھے۔ سادھو کے دواہ کو 22 سال ہو چکے تھے مگر ابھی تک اس کی پتنی راگنی کی گود سونی تھی، سادھو نے اپنے اور اپنی پتنی کے بہت علاج کرائے ہر مندر میں گئے، سادھو خود بھی ایک بہت بڑا تانتری تھے، ہر کسی کے کام آتے تھے مگر بھگوان نے ان کو اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تھا، وہ ہر سال سانپوں کو دودھ پلانے ناگ دیوتا کے اس مندر میں آتے تھے، تری کال کے جانے کے کچھ دیر بعد شری رام نے اپنے بھگتوں کے ساتھ وہاں آئے سب سے

پہلے انہوں نے ناگ دیوتا کے مجسمے کو دودھ سے نہلایا پھر چھوٹی چھوٹی کٹوریوں میں دودھ بھر کر مندر کے ہر کونے کھدروں میں رکھ دیا جیسے ہی وہ مندر کی پچھلی دیوار کی طرف آئے انہیں زمین پر ایک بچہ بے ہوش پڑا ملا جس کے سر سے خون بہت تیزی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ انہوں نے اپنے بھگتوں کی مدد سے اسے جلدی سے اٹھایا اور وید کے پاس لے گئے اس کا علاج کرایا۔

ہوش میں آنے کے بعد شری رام نے اس بچے سے بہت پوچھنے کی کوشش کی کہ وہ کون ہے اور اس ناگ دیوتا کے مندر میں کیسے پہنچا؟ مگر وہ بچہ صرف اتنا ہی بتا پایا کہ۔ ”وہ بین والا میرے ماتا پتا کو لے گئے ہیں۔“

شری رام نے اپنے طور پر معلوم کر کے کوشش کی تو اس بچے کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا پھر انہوں نے یہ سوچ کر کہ ”شاید بھگوان اب ہمیں مزید بے اولاد نہیں رکھنا چاہتا۔“ انہوں نے اور ان کی پتنی راگنی نے اس بچے کو اپنا بیٹا بنا لیا، یوں شام کی پرورش سادھو شری رام کے گھر میں ہونے لگی۔

ایک دن کالی ماتا کے مندر میں پوجا ہو رہی تھی مندر کے بڑے ہال کے اندر سارے گاؤں کے لوگ جمع تھے۔ سادھو شری رام آنکھیں بند کر کے بھجن گا رہے تھے کہ اتنے میں ایک سنہرے رنگ کا سانپ مندر کے بیرونی دورازے سے اندر آیا اور آخر شری رام کے قدموں میں کنڈلی مار کر بیٹھ گیا جیسے وہ سادھو شری رام سے آشیرواد لینا چاہتا ہو، جیسے ہی لوگوں کی نظر اس سانپ پر پڑی لوگ سانپ سانپ کہہ کر ایک دوسرے کو دھکیلتے ہوئے مندر سے باہر جانے لگے شور شرابے کی آواز سن کر شری رام نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو اپنے قدموں کے ساتھ اتنے بڑے سانپ کو دیکھ کر گھبرا گئے، اور قریب ہی پڑا پیتل کا لوٹا اٹھا کر سانپ پر دے مارا لوٹا جیسے ہی سانپ پر پڑا تو انسانی چیخیں گونجنے لگیں سادھو کی نظر ایک دم زمین پر پڑے سانپ پر پڑی تو ان کے ہاتھ کپکپانے لگے کیونکہ جس سانپ کو انہوں نے لوٹا مارا تھا۔ اب وہاں ایک آدمی جس نے چمکدار لباس پہنا تھا اور جس کے سر پر سانپ کی شکل کا شہزادی تاج تھا وہ دراصل ناگیشور تھا۔

ناگیشور نے اکھتی ہوئی سانسوں کے درمیان شری رام کو مخاطب کر کے کہا۔

”میں ایک اچھا داری ناگ ہوں، میں نے اپنی ناگ منی کسی کو امانت کے طور پر دی تھی اس سے وہ منی تری کال نے چھین لی ہے، مجھ میں اتنی شکتیاں نہیں تھا کہ میں تری کال کا سامنا کر سکتا اس لئے میں نے خود کو زمین کے پاتال میں چھپا لیا تھا۔ آج میں پہلی دفعہ 15 سال بعد دھرتی پر آیا تا کہ آپ سے آشیرواد لے کر وہ ناگ منی حاصل کر لوں مگر آپ نے میری ہتھیا کر ڈالی۔“

سادھو شری رام یہ سن کر ناگیشور کے پاؤں پر گر گئے۔ ”مجھے شما کر دیں، مجھ سے بہت بڑی بھول ہو گئی، میں آپ کو دیکھ کر گھبرا گیا تھا، مجھے شما کر دیجئے، یہ مجھ سے کیسا پاپ ہو گیا، مجھے شما کر دیں۔“ شری رام ہاتھ جوڑ کر گڑگڑاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

”آپ کے شما مانگنے سے میری جان واپس نہیں آ سکتی۔ آپ کو ایک ہی صورت میں ناگ ہتھیا سے مکتی مل سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اب آپ میرے شریر کو اپنے پاس سنبھال کر رکھیں اور وہ ناگ منی لا کر میرے شریر کے اوپر رکھ دیں گے تو مجھے جیون دان مل سکتا ہے۔“ ناگیشور نے کہا۔

”مجھے آپ کی ہر بات منظور ہے۔“ شری رام نے کہا۔ مسلسل تین مہینے ہو گئے کہ سادھو شری رام مختلف گاؤں بستیوں میں جا کر تیری کال کا پتہ معلوم کرتے رہے مگر ناکام واپس آ جاتے اب تو وہ بھی مایوس ہو چکے تھے، کہ ایک دن شری رام ایک سپیروں کی بستی میں گئے وہاں جا کر انہوں نے ایک بوڑھے سپیرے سے تری کال کا پتہ پوچھا۔ اس نے کہا۔ جنوب کی سیدھ میں پہاڑوں کے اوپر تری کال کی بستی ہے۔ ابھی سے چلنا شروع کرو گے تو شام سے پہلے وہاں پہنچ جاؤ گے۔“

تری کال اپنے بھگت جنگی کے ساتھ بیٹھا تھا کہ دور سے ایک سادھو آتے ہوئے نظر آئے جب شری رام قریب پہنچے تو انہوں نے تری کال کے حلیئے سے پہچان لیا

کہ یہ ہی تری کال ہے۔ شری رام نے تری کال سے کہا۔ ”وہ منی مجھے دے دو میں اس سے ایک شب کام لینا چاہتا ہوں۔“

ناگ منی کا نام بھی کوئی اپنی زبان پر لاتا ہے تو میں اس کی زبان کاٹ ڈالتا ہوں۔“ تری کال نے کرخت لہجے میں کہا۔ ”جنگی اس کو مار ڈال۔“

شری رام یہ دیکھ کر وہاں سے بھاگے تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے جنگی، ان کے پیچھے لپکا شری رام گھنی جاڑیوں میں الجھتے بھاگ رہے تھے کہ ایک دم سے ان کا پیر ایک جھاڑی میں اٹک گیا اور وہ دھڑام سے زمین بوس ہو گئے، جیسے ہی جنگی قریب پہنچا شری رام نے ایک دم کہا۔

”اے بھولے ناتھ میری رکھشا کریں۔“ آسمان میں اچانک بجلی چمکی، جنگی نے جیسے ہی بجلی کی طرف دیکھا اسے دیکھائی دینا بند ہو گیا اور وہاں سے بھاگ نکلے گھر پہنچے تو ان کا برا حال تھا۔

شام نے جب اپنے پتا کی یہ حالت دیکھی تو اس نے کہا۔

”آج سے میرا آپ کو یہ وچن ہے کہ وہ ناگ منی میں تلاش کروں گا۔“

”نہیں پتر میرا جیون تو ڈھلتی دھوپ ہے اور تو چڑھتا سورج شری رام نے کہا۔ ”ایسے سورج کا کیا فائدہ جو آکاش پر چمک نہ سکے میں وہ منی ضرور حاصل کروں گا بس آپ صرف اتنا بتا دیں کہ یہ تری کال رہتا کہاں ہے؟“

شام تری کال کے گاؤں کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہ ابھی گاؤں سے تھوڑی دور تھا کہ راستے سے ہٹ کر جھاڑیوں میں زور کی نسوانی چیخ سنائی دی۔ وہ آوازیں اس کے دائیں طرف سے آ رہی تھیں وہ تیز تیز قدم اٹھاتا گھنی جھاڑیوں کی طرف بڑھا شام نے جیسے ہی جھاڑیاں ہٹائی تو ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی جس کی عمر 16,17 سال ہو گی ایک آدمی نے دبوچ رکھا تھا اور اس کے ساتھ دست درازی کر رہا تھا۔

شام نے اس آدمی کو پیچھے سے پکڑ کر گھسیٹا تو وہ بری طرح بوکھلا گیا اور گھبرا گیا، شام نے اس پر خنجر اٹھا لیا تو اس آدمی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔

وہ لڑکی جو دراصل تری کال کی بیٹی میرو تھی کپڑی جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”اے اجنبی تم کون ہو؟ جو اس سے بھگوان بن کر میری عزت بچانے کے لئے آ پہنچے۔“

شام جو بڑی محویت سے میرو کو تک رہا تھا ایک دم چونکا۔ ”جی میں پردیسی ہوں ماتا پتا پر لوگ سدھار چکے ہے، میں کام کے سلسلے میں ادھر آ نکلا تھا کہ آپ کی چیخوں سے ادھر آیا۔“

میرو بولی۔ ”آپ کا بہت بہت دھنے واد، میں یہاں کے بڑے تانترتری کال کی اکلوتی بیٹی میرو ہوں، میں یہاں لکڑیاں چننے آئی تھی کہ اس دشٹ نے مجھے اکیلا پا کر میری عزت لوٹنی چاہی اگر تم نہ ہوتے تو آج یہ میری عزت لوٹ چکا ہوتا۔“

شام کا ذہن تو اس ایک بات میں اٹک گیا کہ یہ تری کال کی بیٹی ہے اس نے سوچا۔ ”اس لڑکی کو اپنے پریم جال میں پھنسا لو، تو ناگ منی اسی کے ذریعے حاصل کر سکتا ہوں۔“ اس نے میرو سے کہا۔ ”آپ بہت سندر ہیں، اس طرح اکیلی گھر سے نہ نکلا کریں، آپ ہیں ہی اتنی سندر کہ جو دیکھے گھائل ہو جائے۔

میرو اپنی اتنی تعریف سن کر شرما گئی اور ویسے بھی میرو کو شام ایک ہی نظر میں اچھا لگنے لگا تھا۔

”اجنبی میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں اپنے باپو سے ملاتی ہوں، وہ تمہیں ضرور کوئی کام دے دیں گے۔“

شام تو یہی چاہتا تھا، فوراً میرو کے ساتھ چل پڑا۔

”باپو“

”ہاں بیٹی! مگر میرو یہ اجنبی کون ہے اور تم اسے کیوں یہاں لائی ہو؟“

”باپو جب میں لکڑیاں چننے گئی تھی تو بھولو نے میری عزت لوٹنی چاہی، یہ اجنبی کام کی تلاش میں ادھر آ رہا تھا کہ میری چیخیں سن کر میری مدد کی اور مجھے بھولو کے چنگل

سے آزاد کیا۔" اور میرو سسک پڑی۔

"بھولو کی یہ مجال کہ اس نے تری کال کی بیٹی کی عزت پر ہاتھ ڈالا۔ جنگی!" تری کال نے جنگی کو آواز دے کر بلایا۔ "جنگی بھولو کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ہمارے سامنے لے آؤ میں اسے ایسی سزا دوں گا کہ وہ جیون بھر یاد رکھے گا۔"

"جی سرکار!" بھولو نے کہا۔

"بیٹی تم اس اجنبی کو پانی وانی پلاؤ میں اس سے بعد میں بات کروں گا۔" تری کال نے کہا۔

باپ کی بات سن کر میرو شام سے بولی۔ "اجنبی میرے ساتھ چلو۔" اور شام کو لے کر میرو دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے میں پہنچ کر میرو بولی۔ "اجنبی تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام شام ہے۔" شام بولا۔

"بیٹی تم جاؤ۔" تری کال نے شام کو اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

"اجنبی تم نے ہم پر جو احسان کیا ہے ہم سو بار بھی جنم لیں تو تمہارا یہ احسان نہیں اتار سکتے آج سے تم ہماری بستی میں رہو گے اور میں کھنڈرات سے جنگی کو ہٹا کر تمہیں وہاں کا پہرہ دار بناتا ہوں۔

"ویسے تمہارا نام کیا ہے؟"

"جی میرا نام شام ہے۔" شام نے کہا۔

شام کی تو جیسے من کی اگیا پوری ہوئی یہ وہی کھنڈرات تھے جن میں تری کال نے ناگ منی کو چھپا کر ایک خفیہ جگہ رکھا ہوا تھا۔

جنگی بھی میرو کو دل ہی دل میں پسند کرتا تھا۔ جنگی سمجھ چکا تھا کہ شام سے میرو پریم کرنے لگی ہے اور دوسری طرف تری کال نے کھنڈرات کی پہرہ داری بھی شام کے سپرد کر دی۔ جنگی کے دل میں شام کے لئے نفرت پیدا ہوگئی اور وہ اسکی ہتھیا کرنے کا منصوبہ بنانے لگا۔

ایک دن شام ایک درخت کے نیچے بیٹھا ناگ منی کو حاصل کرنے کے طریقوں پر غور کر رہا تھا کہ جنگی نے اپنے ایک خاص ناگ۔ پنی ناگ کو شام کو ڈسنے کے لئے بھیجا، پنی ناگ تیزی سے رینگتا ہوا شام کو ڈسنے جا رہا تھا، ناگ جیسے ہی شام کے پاس پہنچا اور اسے ڈسنے کے لئے جیسے ہی اپنا پھن اٹھایا اچانک ایک سنہرے رنگ کے خوبصورت سانپ نے اس پر حملہ کر دیا دونوں سانپ زبردست پھنکاریں مارتے ہوئے ایک دوسرے پر پل پڑے، ان کی خوفناک پھنکاریں سن کر شام ایک دم اپنے خیالوں کی دنیا سے لوٹ آیا اس کے نظر جیسے ہی اپنے سامنے موجود لڑتے ہوئے دو سانپوں پر پڑی تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

ایک کالا خوفناک سانپ شام کی طرف بڑھتا اور جیسے اسے ڈسنا چاہتا ہو، دوسرا سنہرا خوبصورت سانپ اس کا راستہ روک لیتا جیسے وہ شام کی حفاظت کر رہا ہو، آخر کار سنہرا سانپ، کالے سانپ پر غالب آ گیا اور اس کا خاتمہ کر دیا۔ سانپ کو مارنے کے بعد سنہرا سانپ تیزی سے شام کی طرف بڑھا تو شام ڈر کے مارے بھاگنے اور چیخنے لگا۔

"اجنبی ڈرو نہیں، میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔" اپنے پیچھے ایک نسوانی کھنکتی آواز سن کر شام نے جیسے ہی پلٹ کر دیکھا اس کی آنکھیں جیسے پھٹ پڑی کیونکہ اب وہاں پر سنہری سانپ کے بجائے ایک بہت خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔ وہ بولی "اجنبی مجھ سے مت ڈرو، میں ایک اچھا ناگن ہوں، میں اکثر یہاں آتی ہوں تری کال کو ڈسنے کے لئے۔"

"لیکن تم کیوں تری کال کو ڈسنا چاہتی ہو ناگن بہن۔" شام نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

"جب تم نے مجھے بہن کہہ دیا تو آج سے تم میرے بھائی ہو، میں تیری کال کو اس لئے ڈسنا چاہتی ہوں کہ اس نے میرے پتی ناگیشور سے ناگ منی چھین لی ہے، اور میرے پتی کے پاس اس وقت اتنی شکتی نہیں تھی کہ وہ تری کال سے مقابلہ کر کے اپنی منی حاصل کر سکے اس لئے وہ دھرتی کے اندر خود کو چھپا لیا ہے۔ جیسے ہی وہ باہر آئیں گے، تری کال کو ختم کر کے منی حاصل کر لیں گے میں نے وہ منی حاصل کرنے کے لئے بہت کوشش کی لیکن

جہاں وہ منی موجود ہے اس کے آس پاس کی زمین کو تری کال نے اپنے منتروں سے کنڈل قائم کر دیا ہے، جو بھی اس کنڈل کے قریب جاتا ہے جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔" ناگن نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

یہ سب سن کر شام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس نے کہا۔ "مجھے ابھی پتہ چلا ہے کہ ناگیشور تمہارا پتی تھا۔"

"بھیا تم ناگیشور کو کیسے جانتے ہو کیا وہ دھرتی سے باہر آ گئے ہے، بتاؤ بھیا وہ کہاں ہیں؟" ناگن جس کا نام مونی تھا نے خوشی سے مغمور لہجے میں کہا۔

"مونی بہن مجھے بہت افسوس ہے کہ میرے دھرم پتا سے انجانے میں ناگیشور کی ہتھیا ہو گئی ہے۔"

"کیا؟" مونی ایک دم سے زمین پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں مونی بہن! میں اس لئے یہاں تری کال کی اس بستی میں آیا تھا تا کہ وہ ناگن منی لے کر ناگیشور کو جیون دان دے سکو۔" تب ہی میرے دھرم پتا کی انجانے میں ہوئے پاپ سے چھٹکارہ مل سکتا ہے۔"

موہن ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ "اگر میرے ناگیشور کو ناگ منی سے جیون دان مل سکتا ہے تو وہ ناگ منی اب ہی تمہیں ملے گی۔"

"لیکن وہاں تو تری کال نے! شام نے کچھ کہنا چاہا لیکن مونی ایک دم سے اپنی جگہ سے غائب ہو گئی۔ شام تیزی سے کھنڈرات کی طرف بھاگا کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ مونی منی حاصل کرنے کے لئے کھنڈرات کی طرف گئی ہو گی جب شام وہاں پہنچا تو اردگرد آگ لگی ہوئی تھی شام سمجھ چکا تھا کہ مونی اس آگ کو بھلانگ کر منی لینے گئی ہے۔

جیسے ہی شام کی نظر اوپر اٹھتی ہوئی آگ کے شعلوں میں گھری ہوئی مونی پر پڑی، اس نے جلدی سے بھاگ کر اس کو ایک بھیگی بوری کے ٹکڑے میں لپیٹ لیا، آگ کے شعلے بجھ گئے تو مونی نے اکڑی ہوئی سانسوں کے درمیان شام کو منی دے دی۔" مونی بہن یہ تم نے کیا کیا؟"

"بھیا اگر ایک منش ناری اپنے پتی کے لئے ستی ہو سکتی ہے تو ایک ناگن کیوں نہیں۔ اپنے پتی کے جیون کے لئے اپنا جیون تیاگ سکتی ہے۔ جا کر یہ منی میرے ناگیشور کے پاس لے جا کر اسے جیون دان دے دو۔" یہ کہتے ہوئے مونی کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔

یہ سب باتیں کھنڈرات کی کال کوٹھری میں بند پرتاب ٹھاکر اور ان کی پتنی نے بھی سنی۔ شام جیسے ہی اس کال کوٹھری کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کوٹھری کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ شام نے ادھر ادھر دیکھا تو اس کو کچھ آوازیں سنائی دی۔ اس نے غور کیا تو آوازیں کال کوٹھری سے آ رہی تھیں۔ اس نے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور کوٹھری کے دروازے کا تالہ توڑ دیا جیسے ہی تالا توڑ کر شام اندر داخل ہوا تو ٹھاکر پرتاب اور رملہ دیوی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے تھے۔ دونوں کے بال جھاڑ جھنگاڑ میں تبدیل ہو گئے تھے اور مسلسل تری کال کی اذیتوں نے ان کے حلیئے بگاڑ دیئے تھے۔

لیکن شام نے ایک ہی نظر میں پہچان لیا کہ یہی میرے ماتا پتا ہیں۔ اس کے ذہن میں وہ سب کچھ تازہ ہو گیا جب مندر میں ناگیشور سے ملاقات ہوئی تھی اور تری کال اس کے ماتا پتا کو لے گیا تھا ان دونوں کو اس حال میں دیکھ کر شام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ ٹھاکر پرتاب نے جو اس کی یہ حالت دیکھی تو اس کو اٹھا کر پوچھا۔ "نوجوان تم کون ہو اور تمہیں کیا ہوا؟"

"کتنا خوش نصیب ہوں میں کہ آپ لوگوں کے درشن ہوئے۔"

"میں ہی آپ کا پندرہ سال سے بچھڑا ہوا بیٹا شام ہوں۔"

"ماتا پتا دونوں شام سے لپٹ کر زار و قطار رونے لگے۔ شام بیٹے! میں نے تمہاری اور مونی کی تمام باتیں سن لی ہیں اس سے پہلے کہ تری کال یہاں آ جائے ہم لوگوں کو یہ ناگ منی ناگیشور کے پاس لے کر جانا چاہئے۔"

"جیسے ہی وہ کال کوٹھری سے باہر نکلے تو

میرو کو کھڑے ہوئے پایا۔ ''میرو وہ وہ'' شام نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

''نہیں شام! کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے میں نے سب کچھ دیکھ اور سن لیا ہے، مجھے وشواس نہیں ہو رہا کہ میرا اپنا پتا اتنا پاکھنڈی ہے میں اپنے پتا سے نفرت کرنے لگی ہوں، میں تم سے پریم کرتی ہوں اگر تم مجھے سویکار کرتے ہو تو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔''

ہاں میرو! پہلے تو میں نے تم سے پریم کا ناٹک کیا لیکن بعد میں مجھے پتہ چلا کہ میں بھی تم سے سچ مچ پریم کرنے لگا ہوں، آؤ ہمارے ساتھ۔''

وہ لوگ وہاں سے سیدھے کالی ماتا کے مندر گئے کیونکہ سادھو شری رام نے ناگیشور کا شریر کالی ماتا کے مندر کے تہہ خانے میں چھپایا ہوا تھا شری رام نے جیسے ہی ناگ منی ناگیشور کے سینے پر رکھی تو اس سے تیز روشنی کی صورت میں شعاعیں خارج ہو کر ناگیشور کے جسم پر پڑیں تو ناگیشور مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اس نے شام اور پرتاب ٹھاکر کا شکریہ ادا کیا۔

ادھر تری کال جب اپنے مخصوص وقت پر کھنڈرات میں پہنچا تو نہ تو ناگ منی تھی اور نہ ہی پرتاب اور اس کی پتنی یہ دیکھ کر تری کال غصے سے پاگل ہو گیا۔'' جس بات کا ڈر تھا وہی ہوا۔'' پھر اس نے اپنے منتروں کے ذریعے سارے معاملات کا پتا کر لیا۔

اس نے اپنی بین اٹھائی اور اس راستے پر چلا جو کالی ماتا کے مندر کی طرف جاتا تھا۔ وہ بین بجاتا ہوا جا رہا تھا جب وہ مندر کے قریب پہنچا تو بین کی آواز سنتے ہی ناگیشور کی حالت غیر ہونے لگی اور وہ زمین پر گر کر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ ٹھاکر پرتاب نے کہا۔ ''شام بیٹے تم کسی طرح تری کال کے گلے میں موجود تعویذ اتار لو تو اس کی ساری شکتیاں ختم ہو جائیں گی اور پھر ناگیشور اس کو ڈس سکتا ہے نہیں تو یہ ناگیشور کو مار کر اس سے دوبارہ یہ منی حاصل کر لے گا اور اگر ایسا ہوا تو یہ انسان سے دشٹ بن جائے گا۔''

شام دوڑ کر مندر کے بیرونی دروازے کے پیچھے چھپ گیا، تری کال اپنے منتروں اور بین کی طاقت کے نشے میں چور، جیسے ہی مندر میں داخل ہوا شام نے پیچھے سے ایکدم اس پر چھلانگ لگا دی اور آناً فاناً اس کے گلے سے تعویذ جھپٹ لیا۔ تری کال جب تک سنبھلتا تعویذ شام کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا تھا جیسے ہی تری کال کے گلے سے شام نے تعویذ اتارا، ناگیشور کی حالت ایک دم سے ٹھیک ہو گئی اور وہ اچانک اٹھ بیٹھا، اس کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا اور وہ دھیرے دھیرے تری کال کی طرف بڑھا۔

تری کال نے جب یہ دیکھا تو چیخے مارتا ہوا اپنی جان بچانے کے لئے دوڑ پڑا، اس سے پہلے کہ وہ مندر سے باہر جا پاتے ناگیشور نے ایک دم سے سانپ کی شکل اختیار کر کے ہوا میں اڑتا ہوا تری کال کی گردن میں لپٹ گیا اور پھنکارتے ہوئے اس کے ماتھے پر ڈس لیا۔ ناگیشور کا ڈسنا تھا کہ اچانک اس جگہ سینکڑوں کی تعداد میں نہ جانے کہاں سے سانپ نکل نکل کر تری کال کو ڈستے رہے۔ جب سارے سانپ ڈسنے کے بعد وہاں سے ہٹ گئے تو شام اور ٹھاکر پرتاب نے ایک خوفناک نظارہ دیکھا۔ اگر کوئی کمزور دل کا انسان ہوتا تو وہ شاید برداشت بھی نہ کرتا کیونکہ تری کال کا جسم ایک گندے رقیق مادے میں تبدیل ہو چکا تھا اور اس میں سے بالکل چھوٹے چھوٹے کیڑے نکل نکل کر غائب ہو رہے تھے۔

شام اور پرتاب کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سارے کیڑے ایک دم سے سمٹ کر ایک چھوٹے سے سانپ میں تبدیل ہو گئے۔

اور پھر اس سانپ نے جیسے ہی اپنا پھن اوپر کو اٹھایا تو ناگیشور نے پھرتی سے اس کا سر اپنے پیروں سے کچل دیا۔ اس طرح تری کال کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ ناگیشور نے ان سب کا ہاتھ جوڑ کر شکریہ ادا کیا اور آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے مندر سے نکلتا چلا گیا۔ اس کے بعد ٹھاکر پرتاب نے شام، میرو اور اپنی پتنی کے ساتھ اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔

مہمان

عبیرہ فاطمہ۔ کراچی

موسلا دھار بارش نے اس علاقے کے لوگوں کو ہلکان کر کے رکھ دیا تھا، دو بھٹکے ہوئے مسافر ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک بوڑھے نے دروازہ کھول دیا، وہ رات بھر اس گھر میں آرام کرتے رہے، مگر پھر صبح کا اجالا پھیلتے ہی وہ دہشت زدہ ہو گئے آخر کیوں؟

کیا برسوں پہلے مرے ہوئے لوگوں کی روحیں اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہتی ہیں

شدید طوفانی بارش تھی، اور آگے راستہ بالکل ناگزیر تھا۔

ڈاکٹر واصف نے سوالیہ نظروں سے اپنے اسسٹنٹ کی طرف دیکھا۔ جیسے پوچھ رہا ہو کہ اب کیا کریں.....!

''میں کسی حد تک اس جگہ سے واقف ہوں۔'' اسسٹنٹ حامد نے اس کی نظریں بھانپ لیں۔ ''آپ گاڑی کو یہاں سے موڑ لیں..... آگے جا کر سیدھے ہاتھ سے راستہ اندر جا رہا ہے..... میرا خیال ہے کہ وہ جگہ کچھ بہتر رہے گی۔''

''مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ واپسی میں اس قدر بارش کا سامنا ہوگا.....'' ڈاکٹر واصف بڑبڑایا۔

حامد خاموش ہی رہا تھا، بہرحال ڈاکٹر واصف نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور کار کو گھما کر تھوڑا راستہ

طے کرنے کے بعد سیدھے ہاتھ پر دکھائی دینے والی سڑک پر ڈال دیا۔

اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ اتنی رات گئے ہونے والی موسلا دھار بارش نے تو راستے مسدود کر دیئے تھے۔

وہ دونوں ایک دور دراز قصبے سے لوٹے تھے۔ انہیں وہاں ایک مریض کو دیکھنا تھا۔

موسم تو شام سے ہی ابر آلود تھا، لیکن کسی کو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ ہلکی بوندا باندی سے شروع ہونے والی بارش آہستہ آہستہ طوفانی شکل اختیار کر لے گی۔

ویسے تو اس کا اسسٹنٹ حامد اچھی طرح جانتا تھا کہ بہت معقول قسم کی فیس ڈاکٹر واصف کو جہنم میں بھی جانے کے لئے تیار کر سکتی تھی۔

دونوں اطراف میں اونچے اور گھنے درختوں کی قطاریں تھیں، کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں سامنے کا منظر دیکھنا کافی دشوار گزار ثابت ہو رہا تھا۔

کار ایک نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھی۔

"ایک منٹ.....!" دفعتاً حامد تیز آواز میں بولا۔ "ڈاکٹر صاحب..... وہ دیکھیں..... وہ..... سامنے کوئی عمارت ہے شاید....."

اس کی بات سن کر ڈاکٹر واصف نے بھی ذرا گردن آگے کر کے غور کیا۔

"ہاں بھئی..... کوئی عمارت ہی ہے..... میرے خیال سے..... میں کار کو ادھر ہی لے چلتا ہوں۔ بڑی اچھی بات ہے، اگر کوئی وقتی پناہ گاہ مل جائے۔"

عمارت کی وضع قطع بتا رہی تھی کہ وہ کوئی ریسٹ ہاؤس ہے۔

اور وہ ریسٹ ہاؤس ان کیلئے اندھیرے میں روشنی کی کرن ثابت ہوا تھا۔

ویسے حامد کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ اس وقت ڈاکٹر واصف کی کوئی نیکی کام آ گئی تھی۔

وہ لالچی ضرور تھا، لیکن حامد جانتا تھا کہ کسی انسانی جان کو خطرے سے نکالنے کے لئے ڈاکٹر واصف اپنا خون پسینہ ایک کر دیتا تھا۔

اپنی کار کو درختوں کی آڑ میں کھڑی کرنے کے بعد دونوں جلدی جلدی قدم بڑھا کر ریسٹ ہاؤس کے دروازے پر پہنچے۔

اتنی سی دیر میں ہی دونوں کے کپڑے پانی سے شرابور ہو چکے تھے۔

حامد نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹکھٹایا، پہلی دستک تو خالی ہی گئی، دوسری بار بھی ندارد۔

"اندر کوئی موجود تو ہے۔" ڈاکٹر واصف بڑبڑایا۔ "وہ دیکھو..... اندر روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ زرا زور سے پیٹو دروازے کو....."

اب کی بار کوشش بار آور ہوئی اور اندر سے کھڑپڑ کی آوازیں آئیں۔

جلد ہی ایک بوڑھی سی مردانہ آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"کون ہے.....؟" ابھی دروازہ کھولا نہیں گیا تھا۔

"ہم مسافر ہیں....." ڈاکٹر واصف نے بلند آواز سے کہا۔ "بارش بہت تیز ہے..... ہمیں بارش رکنے تک پناہ چاہئے....."

"چور ڈاکو تو نہیں ہو ناں.....؟" سوال کیا گیا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی، پھر حامد بولا۔

"جی نہیں....."

"ٹھیک ہے....." آواز آئی۔

اور پھر دروازہ آہستہ سے کھلتا چلا گیا۔

ان کے سامنے سفید لباس میں ایک دبلا پتلا سا بوڑھا آدمی کھڑا تھا۔ وہ فوراً ہی بولا۔

"آؤ..... آؤ..... آ جاؤ..... اندر آ جاؤ..... غضب کی بارش ہے۔"

وہ دونوں اندر آ گئے۔

"دروازہ بند کر دینا..... اور یہاں سے آگے

آ کر بائیں جانب والے کمرے میں چلے جانا..... تمہارے کپڑے گیلے ہیں۔ کپڑے تو نہیں مل سکیں گے..... البتہ وہاں آتشدان موجود ہے۔ تمہارے گیلے کپڑے سکھانے میں وہ تمہاری مدد کرے گا..... تم لوگ وہاں جاؤ..... میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

یہ ہدایات دے کر بوڑھا آگے بڑھ گیا، ڈاکٹر اور اس کے اسسٹنٹ نے دیکھا کہ یہاں کئی کیروسین لیمپ لگے ہوئے تھے جن کی روشنی اندرونی حصے کو جگمگا رہی تھی۔

فی الحال تو اندھے کو دو آنکھیں دستیاب ہو چکی تھیں۔ ان دونوں نے اسی کمرے کا رخ کیا، جس کے بارے میں بوڑھے نے بتایا تھا۔

یہاں بھی کیروسین لیمپ روشن تھا اور ایک کونے میں آتشدان میں آگ جل رہی تھی۔

"واہ..... مزا آ گیا....." ڈاکٹر واصف کے منہ سے نکلا۔ "سردی بھی محسوس ہو رہی تھی..... آؤ..... ادھر ہی بیٹھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب....." حامد نے سر ہلایا۔

یہاں ایک بڑا سا پلنگ موجود تھا، قریب میں ایک میز بھی رکھی تھی۔

"یہ بڑے میاں کہاں غائب ہو گئے۔؟" آگ کے قریب بیٹھنے کے بعد ڈاکٹر واصف بڑبڑایا۔

"کہہ تو گئے ہیں کہ تم لوگ بیٹھو..... میں آتا ہوں۔" حامد نے یاد دلایا۔

ڈاکٹر واصف نے سر ہلا دیا بارش اب بھی زور و شور سے جاری تھی۔

پھر کافی دیر بعد دروازے پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

بوڑھا کمرے میں داخل ہوا، لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔

سفید ہی رنگ کے لباس میں ملبوس اس کی ہم عمر ایک بوڑھی عورت بھی اس کے ساتھ تھی۔

دونوں کے ہاتھوں میں کھانے کے برتن تھے۔

"چلو بھئی..... تم لوگ بھوکے ہو گے..... کھانا بھی کھا لو....." بوڑھے نے کہا۔

واصف اور حامد بے ساختہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ارے..... آپ نے یہ تکلیف کیوں کی.....!" ڈاکٹر واصف نے کہا۔

"تکلیف کیا بھئی.....؟" بوڑھا مسکرایا۔ "تم لوگ تو آج ہمارے مہمان ہو....."

پھر ان دونوں نے برتن میز پر رکھ دیئے۔ بوڑھی عورت کھانا لگا کر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"چلو بھئی شروع ہو جاؤ....." بوڑھے نے انہیں مخاطب کیا۔

کھانے کی بڑی اشتہا انگیز خوشبوئیں کمرے میں پھیل رہی تھیں۔

"آپ بھی آئیں ناں.....؟" ڈاکٹر واصف نے لقمہ لیتے ہوئے کہا۔

"نہیں....." بوڑھے نے طویل سانس لی۔ "میرے نصیب میں جو کچھ تھا۔ میں کھا چکا۔"

"کیا مطلب.....؟" حامد چونکا۔

بوڑھے نے بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ پھر یکدم ہی مسکرا کر بولا۔

"میں پہلے کھا چکا ہوں۔ اور یہ کھانا تم لوگوں کے لئے ابھی تیار کیا گیا ہے۔"

"اوہ..... اچھا....." حامد نے سر ہلایا۔

"پھر بھی..... آپ تھوڑا بہت تو ہمارا ساتھ دیتے....." ڈاکٹر واصف نے کہا۔

"اجازت نہیں ملے گی....." بوڑھے نے مایوسی کے عالم میں سر ہلایا۔

"اجازت.....! کس سے نہیں ملے گی۔؟"

"پیٹ سے....." بوڑھا مسکرایا۔

"یہ سن کر وہ دونوں کھانے میں مصروف ہو گئے کھانا بے حد لذیذ تھا۔ دونوں نے ڈٹ کر کھایا۔ بوڑھا

انہیں خاموشی سے کھاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

"کھانا تو بہت زبردست تھا....." حامد نے تعریف کی۔

ڈاکٹر واصف نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"واقعی..... آنٹی کا ہاتھ بہت باکمال ہے۔"

"ہاں..... یہ بات تو میں بھی مانتا تھا....." بوڑھے نے جواب دیا۔

"مانتے تھے؟..... کیا مطلب ہے؟" ڈاکٹر واصف نے پوچھا۔

"بھئی گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے....." بوڑھے نے جواب دیا۔ "شادی سے پہلے جب میں اس کے ہاتھ کے بنے ہوئے کھانے کھاتا تھا۔ تو خوب تعریفیں کرتا تھا۔ شادی کے بعد پھر کبھی تعریف نہیں کی۔"

دونوں بے ساختہ ہنس پڑے۔

"یہ بتاؤ..... تم دونوں کیا کرتے ہو.....؟"

جواباً ڈاکٹر واصف نے اپنا اور حامد کا تعارف کروایا۔ بوڑھے کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہو گئے۔

"واہ..... بھئی واہ....." بوڑھے نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ "ہمیں کسی ماہر ڈاکٹر کی ہی تلاش تھی۔ اچھا ہوا تم مل گئے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے..... آپ حکم کریں..... ہم حاضر ہیں....." ڈاکٹر واصف نے خندہ پیشانی سے کہا۔

"اچھا..... یہ بتاؤ..... اگر کوئی کسی حادثے میں مر جائے۔ تو تم اس کا علاج کر سکتے ہو.....؟ اسے دوبارہ زندگی دلوا سکتے ہو.....؟" بوڑھے نے عجیب سا سوال کیا۔

"جی.....!" ڈاکٹر واصف نے حیرت سے کہا۔ "میں آپ کی بات نہیں سمجھا....."

"لیکن میں نے تو بہت آسان اردو بولی ہے....." بوڑھے کے لہجے میں بھی حیرت تھی۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی حادثے میں مر ہی گیا ہے، تو اس کا علاج کیسے ہو سکتا ہے..... موت کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے..... کیونکہ موت کوئی مرض نہیں ہے بلکہ قدرت کا عمل ہے....." اس نے تفصیل بتائی۔ حامد خاموشی سے دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔

"اوہ....." بوڑھے کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ "پھر تو تم سے بات کرنا بیکار ہے..... میں جا رہا ہوں..... اب تم دونوں بھی سو جاؤ..... ظاہر ہے کہ اب اتنی رات گئے تو تم لوگ جاؤ گے نہیں..... اسی پلنگ پر لیٹ رہو..... اب صبح ہی واپس جانا..... ٹھیک ہے ناں.....؟"

"جی بالکل.....!" ڈاکٹر واصف نے جلدی سے سر ہلایا۔ "یہ بھی آپ کی مہربانی ہے....."

"مہربانی کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے....." بوڑھے نے جواب دیا۔ "تم لوگ ہمارے مہمان ہو۔ اچھا اب میں جا رہا ہوں تم لوگ آرام کرو....."

یہ کہہ کر بوڑھا کھانے کے خالی برتن اٹھا کر کمرے سے نکل گیا۔

"ڈاکٹر صاحب.....!" اس کے جاتے ہی حامد نے سرگوشی کی! "مجھے..... مجھے تو ڈر لگ رہا ہے.....!"

اسی وقت ایک زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی بہت غضب کی بجلی چمکی تھی..... یہ دھماکہ بادلوں کی گڑگڑاہٹ کا تھا۔

ڈاکٹر واصف نے چونک کر حامد کی شکل دیکھی وہ واقعی خوف زدہ سا دکھائی دے رہا تھا۔

"کیوں..... ڈر کیوں لگ رہا ہے تمہیں.....؟" اس نے پوچھا۔

"آپ نے بوڑھے کی باتوں پر غور کیا.....؟ اور پھر..... کچھ عجیب سا ہی احساس ہو رہا ہے مجھے..... میں اس احساس کو کوئی نام دینے سے قاصر ہوں....." حامد کے لہجے میں الجھن تھی۔

"اوہ....." ڈاکٹر واصف بے ساختہ ہنسا۔ "تو تم اس لئے ڈر رہے ہو..... دیکھو..... اس عمر میں اکثر لوگ

کچھ بے معنی سی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کا تعلق لاشعور سے ہوتا ہے..... جب اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں تو 24 گھنٹے جاگنے والا ذہن کمزور پڑ جاتا ہے..... میں بھی ان کی باتیں سن رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ یہ بے معنی سی بات ہے..... یہی وجہ تھی کہ میں نے انہیں کریدا نہیں..... ورنہ وہ کسی قسم کی داستان لے کر بیٹھ جاتے۔

ہمیں یہاں صرف یہ رات گزارنی ہے..... اور بس..... اس لئے کوئی کھڑاک پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے..... دوسری بات یہ بھی ہے کہ شاید اس ماحول کا تم پر اثر ہوا ہے..... یہی وجہ ہے کہ تم خوف محسوس کر رہے ہو..... ہر قسم کے حالات کو ذہن سے نکال دو..... لیٹ جاؤ..... اور سونے کی کوشش کرو..... اوکے.....!"

حامد نے سمجھ جانے والے انداز میں سر ہلایا اور پلنگ پر دراز ہو گیا بارش..... اب بھی جاری تھی۔

دونوں بے خبر ہو کر سوئے تھے۔ صبح سب سے پہلے حامد کی آنکھ کھلی، اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

صبح کے 9 بج رہے تھے، ذہن صحیح طرح بیدار ہوا تو اسے بیتی ہوئی رات کے مناظر یاد آئے۔

ساتھ ہی اس نے چاروں طرف دیکھا، اور پھر بوکھلا کر ڈاکٹر واصف کی طرف جھپٹا۔

وہ ابھی تک بے خبر سو رہا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب.....! ڈاکٹر صاحب.....!"

"آں..... ہاں..... ہاں..... وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"ہم کہاں سوئے تھے ڈاکٹر صاحب.....؟" حامد نے فوراً ہی اس سے پوچھا۔

ڈاکٹر واصف نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا، پھر سر ہلا کر بولا۔

"ہم..... یہیں تو سوئے تھے.....!"

"جی ہاں....." حامد نے سر ہلایا۔ "لیکن وہ پلنگ کہاں ہے.....؟ ہم تو فرش پر پڑے ہیں.....!"

مشہور و معروف رائٹر اسلم راہی کی مفید کتابیں

ابراہیم لودھی	40/-
بہلول لودھی	40/-
ظہیر الدین بابر	40/-
ہمایوں	40/-
شیر شاہ سوری	40/-
جلال الدین اکبر	40/-
چاند بی بی	40/-
نور الدین جہانگیر	40/-
نور جہاں	40/-
شاہ جہاں	40/-
اورنگ زیب عالم گیر	40/-
بہادر شاہ ظفر	40/-
سلطان حیدر علی	40/-
ٹیپو سلطان	40/-
احمد شاہ ابدالی	40/-
حمورابی	40/-
سائرس اعظم	40/-
سکندر اعظم	40/-
ہنی بال	40/-
قلوپطرہ	40/-
چنگیز خان	40/-
ہلاکو خان	40/-
ہیلن آف ٹرائے	40/-
نپولین بوناپاٹ	40/-
ہٹلر اعظم	40/-

شمع بک ایجنسی اردو بازار کراچی

فون: 32773302

"ارے..... واقعی ....." ڈاکٹر واصف چونک اٹھا۔

وہ دونوں ہی ننگے فرش پر پڑے ہوئے تھے دونوں نے جلدی سے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔

نہ پلنگ تھا، نہ وہ کھانے کی ٹیبل اور..... آتشدان بھی اس طرح اجاڑ پڑا تھا جیسے اس میں برسوں سے آگ نہ جلی ہو۔

یہ ..... یہ ..... سب کیا ہے.....؟" ڈاکٹر واصف کے منہ سے نکلا۔

"حامد کے چہرے پر تو ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"ہم نے رات کو خواب دیکھا تھا....." اس نے کہا۔

"دو انسان ایک ساتھ ایک ہی خواب کیسے دیکھ سکتے ہیں۔" ڈاکٹر واصف نے اس کا خیال رد کردیا۔ "آؤ..... بڑے میاں اور ان کی بیگم کو دیکھتے ہیں....."

دونوں کمرے سے نکل آئے اور آواز دینے لگے۔

"بڑے صاحب.....! بڑے صاحب.....! بڑے میاں....."

لیکن سنتا کون.....؟ وہاں کون تھا..... ؟ وہ عمارت تو اس طرح خالی پڑی تھی جیسے ان دونوں کے علاوہ کسی ذی روح نے برسوں سے یہاں قدم نہ رکھا ہو۔

رات کو جو کیروسین لیمپ جل رہے تھے، وہ تک غائب تھے۔ دونوں سرپھروں کی طرح عمارت میں چکرا کر رہ گئے۔

آخر کار ان کے پاس ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے علاوہ کچھ نہ بچا تھا۔ بارش رات میں نہ جانے کس وقت تھم چکی تھی۔

"وہ دونوں آخر کہاں گئے..... ؟ اور سارا سامان.....؟" ڈاکٹر واصف بڑبڑایا۔

"جو احساس مجھے رات میں ہو رہا تھا۔ وہی اس وقت بھی مجھ پر حاوی ہو رہا ہے....." حامد نے پریشان کن لہجے میں کہا۔ "یہاں سے نکلیں ڈاکٹر صاحب.....!"

ڈاکٹر واصف کچھ نہ بولا۔ اس کے ماتھے پر سوچ کی شکنیں پڑ گئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔

"یار..... کھانے کے برتن تک غائب ہیں....."

"نکلیں یہاں سے ....." حامد زور دے کر بولا۔ "اب یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

"ہاں..... چلو....." ڈاکٹر واصف نے اثبات میں سر ہلایا۔

انہوں نے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئے۔ ان کی کار اسی حالت میں کھڑی تھی، جیسے رات انہوں نے اسے چھوڑا تھا۔

بارش کا پانی ابھی بھی اردگرد موجود تھا، لیکن اب مطلع صاف تھا اور دھوپ میں بھی تیزی تھی۔

دونوں کار میں بیٹھ گئے، ڈاکٹر واصف نے ڈرائیونگ سنبھال لی۔

ڈاکٹر واصف نے وہی راستہ منتخب کیا، چنانچہ کار اب آگے بڑھ رہی تھی۔

"رات میں تم کہہ رہے تھے کہ اس جگہ سے واقف ہو....." ڈاکٹر واصف نے اسے یاد دلایا۔

"جی ہاں....." اس نے جواب دیا۔ "لیکن یہ عمارت میرے ذہن میں ہرگز نہیں تھی..... اور ویسے بھی یہاں اکثر اسی ٹائپ کے روڈ ہیں....."

"تو پھر..... کیا گاڑی بیک کرلوں.....؟"

"نہیں..... اسی روڈ پر آگے بڑھتے رہیں....."

ڈاکٹر واصف نے سر ہلا دیا۔ انہوں نے ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ روڈ کے کنارے 2 مزدور ٹائپ کے بندے سامنے سے آتے دکھائی دئے۔

کچھ سوچ کر ڈاکٹر واصف نے کار کی رفتار کم کردی، اور پھر ان کے قریب جا کر بریک لگا دیئے۔

دونوں چونک سے گئے۔

"کیا حال ہے آپ لوگوں کا..... ؟ خیریت ہے.....؟" ڈاکٹر واصف نے ہانک لگائی۔

"جی ..... بالکل..... شکر ہے مالک کا.....

انہوں نے جواب دیا۔

"آپ لوگ یہیں رہتے ہیں.....؟"

"جی نیچے کے علاقے میں بستی ہے ہماری.....!"

"اوہ..... پھر تو آپ لوگوں کو معلوم ہوگا ....."

ڈاکٹر واصف کار سے باہر نکل آیا۔ حامد بھی دروازہ کھول چکا تھا۔

"جی..... پوچھیں.....!" ایک مزدور نے پوچھا۔

"یہاں سے تھوڑی دور ایک عمارت ہے....." ڈاکٹر واصف نے بات شروع کی۔ "وہاں ہمیں ایک بوڑھا آدمی اور ایک بوڑھی عورت....."

"اب وہ آپ کو کہاں ملیں گے جناب....." دوسرے مزدور نے اس کی بات ہی کاٹ دی۔ "ان کا تو پانچ سال ہوئے ..... انتقال ہوگیا..... وہ بے چارے اس دنیا میں کہاں رہے۔"

"بہت نیک میاں بیوی تھے صاحب....." پہلے مزدور نے بھی لقمہ دیا۔ "خاندانی لوگ تھے..... بہت ملن سار اور مہمان نواز تھے۔"

"لیکن..... لیکن..... ہم تو.....!!" حامد بولتے بولتے رک گیا۔

اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا بولے۔ خود ڈاکٹر واصف کو بھی گویا چپ سی لگ گئی تھی۔

رات کا منظر ان دونوں کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔

اگر یہ سچ تھا..... تو پھر رات والا واقعہ کیا تھا.....؟

اگر وہ خواب تھا تو دو ہوش مند انسان ایک جیسا خواب تو دیکھ نہیں سکتے۔

"کیوں صاحب..... کیا ہوا.....؟" پہلے مزدور نے تشویش سے پوچھا۔ "آپ دونوں کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں.....؟ ان سے ملنے آئے تھے آپ لوگ.....؟"

"یہ بتاؤ کہ ان کا انتقال کیسے ہوا.....؟" ڈاکٹر واصف نے کچھ سوچ کر اپنی زبان کھولی۔ مزدور کا سوال اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

"ایک خوفناک ٹریفک حادثے میں دونوں ہی دم توڑ گئے تھے۔" اس نے بتایا۔

"اوہ۔" ان دونوں کے منہ سے نکلا۔

بڑے میاں نے رات ان سے جو کچھ کہا تھا۔ اس کا مطلب اب سمجھ میں آ رہا تھا۔

ان دونوں کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی اور ماتھے سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھوٹ پڑا۔

"اور صاحب..... ہمارا پورا علاقہ ان کی عزت کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے گھر پر کسی نے قبضہ نہیں کیا۔ وہ گھر ان سے ہی آباد تھا، اور اب..... وہ نہیں رہے..... تو ہم لوگ دیواروں کا کیا کریں گے۔"

"کیوں..... صاحب.....؟"

"ہاں..... ہاں....." ڈاکٹر واصف نے چونک کر کہا۔ "ان کی زندگی میں ہم ان سے نہیں مل سکے، لیکن ہم یہ بات قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ واقعی بہت نیک اور مہمان نواز تھے۔ کیوں حامد..... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں.....؟"

"جی ..... جی

ہاں..... بالکل..... بالکل....." حامد بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

مزدوروں نے بڑی عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھا، جیسے انہیں ٹٹول کر اندازہ کر رہے ہوں کہ وہ پاگل تو نہیں ہیں۔

پھر ڈاکٹر واصف اور حامد نے جلدی سے مزدوروں کو ہاتھ ہلا کر الوداع کہا اور گاڑی میں آ گھسے۔

چند سیکنڈ میں ہی کار ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

ڈاکٹر واصف نے شاید کبھی زندگی میں اتنی رفتار سے اپنی کار نہیں چلائی ہوگی۔

مزدور اب بھی وہیں کھڑے ہو کر بڑی حیرت سے دور ہوتی ہوئی کار کو دیکھ رہے تھے۔

بلیک ٹائیگر

ایم الیاس

قسط نمبر 10

دھشت اور خوف کے افق پر جھلمل کرتی زیر زمین کے عجیب و غریب قانون کے لبادے میں لپٹی ہوئی، ناقابل یقین اور ناقابل فراموش، رگ و پے میں خون کو منجمد کرتی، لرزیدہ لرزیدہ تھرا دینے والی، خوف کا دریا بھاتی، دل میں کسک پیدا کرتی، اپنی نوعیت کی انوکھی اور شاھکار کھانی۔

تجسس اور سسپنس سے بھرپور واقعات جو پڑھنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیں گے

دوسرے صاحب نے ہمدردانہ لہجے میں اپنائیت کے انداز میں پوچھا۔

"تم دونوں نے کچھ کھایا پیا بھی.....؟ کہیں بھوکے تو نہیں.....؟"

"میں نے صرف چائے پی ہے..... میرے شوہر نے چائے دو گھونٹ لے کر چھوڑ دی تھی۔" عطیہ نے جواب دیا۔

ان صاحب نے اپنی بہو سے کہا جو ایک طرف کھڑی ہوئی تھی۔ "فوراً ان کے کھانے کے لئے کچھ لے آؤ۔ ان پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ دیکھو..... ان کی کیا حالت ہو رہی ہے؟"

تھوڑی دیر میں ان کی بہو ڈبل روٹی کے سلائس پر جام جیلی اور مکھن لگا کر..... لے آئی اور تھرماس بھی جس میں چائے تھی..... یوں تو رات کا کھانا بھی کچھ بچا ہوا تھا۔ چوں کہ موسم خوش گوار تھا اس لئے خراب نہیں ہوا تھا۔ جب ایک اسٹیشن پر گاڑی رکی تو مسافروں نے نہ صرف ناشتا کرایا۔ چائے پلائی، دل جوئی کی..... پھر اسے سمجھایا اور اس کا دکھ اس طرح بانٹتے رہے جیسے ان سے ان خونی رشتہ ہو..... انہیں عطیہ پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ یہ کس قدر حوصلہ مند اور صابر و شاکر عورت ہے۔

جسے زیورات چلے جانے سے زیادہ اپنے شوہر کی دل جوئی کی فکر ہے۔

یہ تو ٹائیگر جانتا تھا کہ یہ پراسرار لڑکی کیا چیز ہے..... دال میں کتنا کالا ہے۔

☆.....☆.....☆

بنگلور شہر سے دو تین گھنٹوں کی مسافت پر دیلور شہر کے ریلوے اسٹیشن پر ان کے ہمدرد ساتھی اتر گئے۔ ان برتھوں پر صرف وہ رہ گئے تھے۔ کچھ دیر تک ان کے درمیان گہرا سکوت طاری رہا۔ جب گاڑی چل پڑی تو عطیہ نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"انکل.....! کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟"

ٹائیگر تذبذب میں پڑ گیا۔ اسے اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کس قسم کی مدد چاہتی ہے۔ وہ ان دونوں کی مالی مدد کرنا نہیں چاہتا تھا۔ حالاں کہ ان کی مالی مدد کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس لئے کہ عطیہ اسے نہ صرف پراسرار خطرناک اور فراڈ لگ رہی تھی بلکہ ایک زہریلی ناگن کی طرح ڈس نہ لے۔ ایک طرح سے اس نے سرفراز کو ڈس ہی تو لیا تھا۔ وہ عیار لڑکی جو کسی لومڑی سے کم نہ تھی۔

ٹائیگر جواب دینے میں پس و پیش کرنے لگا۔ کیوں کہ سفر کے دوران اس لڑکی نے اس کا بڑا خیال

کیا تھا۔

وہ ٹائیگر کو تذبذب میں دیکھ کر تہہ میں پہنچ گئی۔ اس نے ٹائیگر کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔

"انکل..... ہمیں آپ کی مالی مدد کی ضرورت ہے۔"

پھر ٹائیگر نے متعجب ہو کر پوچھا۔ "فرمایئے میں کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"ہمیں فقط آپ کا سہارا اور تعاون چاہئے۔"

"کیسا سہارا....." ٹائیگر پھر بھی اس کی تہہ میں پہنچ نہیں سکا۔

"ہم بنگلور پہلی بار جا رہے ہیں..... بنگلور ہم دونوں کے لئے اجنبی شہر ہے۔" عطیہ نے جواب دیا۔

"کھل کر کہو کہ تم دونوں مجھ سے کیا چاہتے ہو.....؟"

میں یہ کہہ رہی ہوں کہ اتنے بڑے شہر میں ہمارا کوئی بھی واقف کار نہیں ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے لئے آپ کے ساتھ رہیں۔ ہم جلد ہی کوئی کرائے کے مکان میں منتقل ہو جائیں گے..... ہمیں یہ نہیں معلوم کہ کون سا محلہ اچھا ہے..... آپ کی رہنمائی میں مکان تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس ایڈوانس دینے کے لئے رقم موجود ہے۔"

ٹائیگر نے مشکوک ہو کر اس کے چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے پوچھا۔

آخر تم دونوں نے اس نئے شہر میں رہنے کا فیصلہ کس لئے کیا ہے جب کہ یہاں تمہارا نہ تو کوئی رشتہ دار اور واقف کار بھی نہیں ہے..... کسی سے مشورہ تو کیا ہوتا.....؟ اس لئے کہ کسی اجنبی شہر میں جا کر رہنا مذاق تو نہیں ہے.....؟ پہلے سرفراز کو چاہئے تھا کہ وہ یہاں آ کر مکان تلاش کرتا..... پھر تمہیں بلا لیتا۔"

عطیہ نے جواب دینے سے پہلے سرفراز کی طرف دیکھا۔ اس کی منشا یہ تھی کہ سرفراز ٹائیگر کے اس سوال کا جواب..... ٹائیگر نے جان لیا تھا کہ وہ سوال کا جواب کیا دیتا..... اس پر ایک گہری خاموشی طاری تھی۔

وہ اپنے غم اور سوچوں میں گم آنسو بہا رہا تھا۔

پھر عطیہ سرفراز کو چپ پا کر بولی۔ "یہ فیصلہ سرفراز نے کیا..... میں نے نہیں کیا انکل.....! میں پھر کیا کرتی؟"

"یہ فیصلہ سرفراز نے کیوں اور کس لئے کیا.....؟" ٹائیگر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس لئے کہ اسے اپنے شہر کے علاوہ میرے ماں باپ سے بھی سخت نفرت ہے۔" عطیہ بولی۔

"کیا بڑے بوڑھوں سے بھی نفرت کی جاتی ہے.....؟ جب کہ وہ بزرگ کی حیثیت اور مقام رکھتے ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

"جو بڑوں کی عزت اور ان کا احترام کرتا ہے۔ دنیا میں بھی وہ عزت اور احترام پاتا ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" عطیہ کہنے لگی۔ "کوئی کسی سے نفرت کرتا ہے تو اسے سمجھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں سرفراز سے کہتی رہتی تھی کہ دیکھو محبت بھی ایک جادو ہے۔ اس کے سامنے دنیا کا بڑے سے بڑا جادو بھی ہیچ ہے..... لیکن میری بات کبھی اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔"

"کیا عطیہ تمہارے بارے میں سچ کہہ رہی ہے.....؟" ٹائیگر نے غم زدہ سرفراز سے پوچھا۔

"جی..... جی ہاں....." سرفراز نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ "وہ سچ بول رہی ہے۔ اس نفرت کے سبب میں نے بنگلور منتقل ہونے کا فیصلہ کیا..... ورنہ میں ہرگز اپنا شہر نہیں چھوڑتا....."

"یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔" وہ بولا۔ "کیا بنگلور شہر میں واقعی تمہارا کوئی واقف کار یا دوست نہیں ہے؟"

"دو ایک دوست اور کچھ دور کے رشتہ دار بھی موجود ہیں۔ لیکن وہ کیا کرتے ہیں کہاں رہتے ہیں۔ مجھے کچھ علم نہیں۔ وہاں سے چلتے وقت مجھے ان کے گھر والوں سے پتا لینا یاد نہیں رہا۔ اتنے بڑے شہر میں انہیں کہاں ڈھونڈوں.....؟ کیسے تلاش کروں۔" اس نے

جواب دیا۔ "میں سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں۔"

"تم نے بڑی غلطی کی جو چلتے وقت ان کا پتا نہیں لیا۔" ٹائیگر نے کہا۔ "جب بھی کسی نئے شہر میں جوان بیوی کے ساتھ جاؤ تو واقف کار کا پتا ہونا چاہئے۔ کہیے جاؤ تو فکر کی بات نہیں ہوتی ہے..... میاں بیوی کا کسی ہوٹل میں ٹھہرنا بھی اچھا نہیں ہوتا۔ لوگ مشکوک ہو جاتے ہیں..... خیر اب جو ہوا سو ہوا..... آئندہ ایسی غلطی نہیں دہرانا..... ورنہ بہت پریشانی اٹھاؤ گے۔"

ٹائیگر کو اس جوڑے کو اپنے ہمراہ لے جا کر کچھ دنوں تک ساتھ رکھنے میں کوئی قباحت اور خوف نہیں تھا..... وہ اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے..... البتہ وہ ان دونوں کے لئے کسی بھی خطرے کے باعث بن سکتا تھا..... وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ ان دونوں سے کسی بھی صورت سے رابطہ رکھے تاکہ قانونی حوالے پورے کرنے میں آسانی ہو..... وہ انہیں بغیر کسی ثبوت کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔

آج کے کسی بھی اخبار میں ممبئی شہر میں ہونے والی ڈکیتی کی کوئی خبر نہیں چھپی تھی۔ جب کہ اس شہر میں روز ہی ڈکیتی کی وارداتیں ہوتی تھیں..... اور پھر سرفراز نے جو ڈکیتی کی واردات کی تھی وہ لاکھوں کی تھی۔ اس نے آج کا اخبار دیلور اسٹیشن پر خرید کر اس کا ایک ایک کونا دیکھ لیا تھا۔ آئے دن جو چھوٹی بڑی وارداتیں ہو رہی تھیں وہ اس قدر عام ہو گئی تھیں کہ اب اخبارات انہیں زیادہ توجہ نہیں دیتے تھے..... جرائم اور سیاسی خبریں چھاپتے تھے۔ لیکن یہ واردات ستر اسی لاکھ کی مالیت تھی جو معمولی نہ تھی جسے اخبارات نظر انداز کر دیں۔ اس ڈکیتی کی خبر اخبار میں کیوں شائع نہ ہوئی۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی۔ کیوں کہ بعض اوقات کسی مصلحت کی بنا پر بھی ایسی خبروں کو دبا دیا جاتا تھا۔

ایک ہی بات اس کے ذہن میں بار بار آ رہی تھی..... وہ یہ تھی کہ اگر واردات ممبئی کی نہیں ہے تو پھر اس لڑکی نے اپنے گھر یا اس لڑکے نے ضرور صاف ہاتھ لیا ہے..... یہ بھی تو ممکن تھا کہ ضرور کسی کوٹھی یا بنگلے پر ڈاکہ مارا ہو..... یا کسی فلمی اداکار یا اداکارہ..... کسی کروڑ پتی کے ہاں ملازمت کرتے ہوں..... لڑکا ڈرائیور اور لڑکی ملازمہ ہو..... لیکن ایسا نہیں تھا۔ کیوں کہ دونوں مہذب اور اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور پھر کروڑ پتی لوگ اس قدر زیور نہیں رکھتے..... اور پھر کسی فلمی اداکارہ کو چھوٹ دی گئی تھی تو اس نے اس لئے پولیس سے رسائی حاصل نہیں کی کہ انکم ٹیکس والے رسید طلب کرتے اور رقم کے بارے میں معلوم کرتے..... اگر اخبار میں ڈکیتی کی خبر ہوتی تو وہ انہیں اسٹیشن پر ہی قانون کے حوالے کر دیتا۔

"انکل.....! آپ کیا سوچنے لگے ہیں.....؟" عطیہ نے کہا تو اس کے خیالات کا سلسلہ بکھر گیا۔

اس نے چونک کر جواب دیا۔ "ممبئی میں میرے دوست کی ایک بیٹی ہے جو تمہاری ہم عمر ہوگی اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"آپ نے ہمارے بارے میں کیا سوچا اور فیصلہ کیا..... آپ مجھے بھی اپنے دوست کی بیٹی کی طرح ہی سمجھئے۔"

"میں نے وہی سوچا ہے جو ایک دوست کی بیٹی کے بارے میں سوچتا ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "بلکہ سوچنا بھی چاہئے..... لیکن ایک بات کا خیال رکھنا کہ میں ایک با اصول شخص ہوں۔ ذمے دار شخص ہوں۔ کسی بھی ملک میں جاتا ہوں۔ وہاں کے قانون کا احترام کرتا ہوں..... قانون کی بالادستی پر نہ صرف یقین رکھتا ہوں بلکہ اس پر سختی سے عمل بھی کرتا ہوں..... تم دونوں جتنے دن چاہو میرے ہاں رہ سکتے ہو۔ مجھے تم دونوں کی مہمان نوازی کر کے بہت خوشی ہوگی۔"

"انکل.....! آپ کس قدر سویٹ ہیں..... مجھے آپ سے اس خلوص اور محبت کی بالکل توقع نہیں تھی۔" وہ فرط مسرت سے بولی۔ "میں آپ کا احسان ساری زندگی بھلا نہ سکوں گی..... ایسا لگتا ہے کہ آپ ہمارے خاندان کے فرد ہیں۔"

بنگلور میں ٹائیگر کا ایک چھوٹا سا اثاثہ تھا۔ اس نے ایک کمرے میں دکان نکال کر اسے کرائے پر اٹھا دیا

تھا۔ اس کے پاس اب کل تین کمرے تھے۔ ان تین کمروں کے ایک کمرے میں جب کبھی اس کا بنگلور آنا ہوتا تھا۔ پڑوسی برکت اللہ بھائی اس کی صفائی کرادیتے تھے۔ وہ جب بھی آتا تھا۔ تن تنہا ہی آرام سکون سے رہتا تھا۔ چند قدم پر بازار تھا جس میں ہندو اور مسلمانوں کے ہوٹل تھے جن میں اچھے کھانے ملتے تھے۔ یوں بھی بنگلور شہر کے ہوٹلوں کے کھانے پورے ہندوستان میں مشہور تھے۔ اس لئے وہ ان میں تینوں وقت کھالیتا تھا۔ اس نے سوچا کہ ان دونوں کا اس کے ہاں کچھ دن تک ٹھہرنا اور انجام تک پہنچنا اس کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوگا۔ لیکن اس کے لئے سب سے بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ وہ اپنا فرض ادا کررہا تھا ایک پرائیویٹ سراغ رساں کی حیثیت سے..... اس فرض کی ادائیگی اس کے لئے سب سے بڑی ذمے داری تھی۔ وہ دونوں باطن میں بڑے خطرناک، پراسرار اور جرم پیشہ بھی تھے۔ ان کی گرفتاری اس کے لئے انعام تھا.....

☆.....☆.....☆

اس کا گھر کوئی پندرہ دنوں سے بند پڑا تھا۔ اس لئے کہ ان کے پڑوسی خاندان میں شادی شرکت کے لئے چنائے گئے ہوئے تھے۔ جب وہ گھر پہنچے تو کھانے کا وقت ہورہا تھا۔ اسے بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی اور مہمانوں کی خاطر مدارات بھی کرنی تھی۔ پھر وہ کھانا لانے محلے کے ہوٹل گیا۔ پندرہ بیس منٹ بعد واپس آیا تو عطیہ نے اتنی دیر میں نہ صرف باورچی خانے کی صفائی کردی بلکہ ایک کمرے کی صفائی کرکے اس قابل بنادیا کہ بیٹھا جاسکے۔ سہ پہر تک عطیہ نے گھر کی صفائی کرکے اس کا نقشہ ہی بدل دیا تو وہ دل میں اس کی سلیقہ مندی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ بہرحال وہ ایک ہیرا تھی۔ نایاب اور انمول ہیرا جو بہت کم گھروں میں ہوتا ہے۔ خال خال ہی ہوتا ہے۔ عورت آخر عورت ہوتی ہے..... لیکن دوسری طرف یہ کیا تھی.....

عطیہ نے رات کا کھانا اس کے منع کرنے کے باوجود تیار کرلیا تھا۔ جب وہ سوداسلف منگوارہی تھی تب میں نے اس سے کہا تھا کہ یہاں گول چانپ، بکرے کا پایا اور بریانی بہت اچھی ملتی ہے۔ اس نے ٹائیگر کی بات سن کر کہا تھا کہ عورت کے گھر میں ہوتے ہوئے کھانا ہوٹل سے آئے یہ بات ایک عورت کے لئے شرم کا باعث ہے۔"

وہ خود اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ گھر میں پکا کر کھالوں۔ اس لئے کہ اسے ہوٹلوں کے کھانے پسند نہیں تھے۔ کوئی اپنے گھر پر کھانے پر اسے مدعو کرتا تو وہ انکار نہیں کرتا تھا اور پھر روٹیاں پراٹھے بریانی اور سالن اڑوس پڑوس میں بنوالیتا تھا۔ پڑوس میں عطاء الرحمٰن کی جو بہو ہوتی وہ میرے لئے آلو اور قیمہ پراٹھے بنادیا کرتی تھی۔ عطیہ نے بڑی عمدہ ایسی روٹیاں بنائی تھیں کہ اس کا دل خوش ہوگیا۔ مونگ مسور کی دال ایسی زبردست ذائقہ دار پکائی تھی کہ اس نے اپنی انگلیاں چاٹ لی تھیں۔

رات گیارہ بجے ان تینوں نے مل کر چائے پی۔ جس وقت عطیہ چائے بنارہی تھی وہ کسی بہانے سے پاس ہی موجود تھا اس خیال سے کہ کہیں وہ چائے میں بے ہوشی کی دوا نہ گھول دے۔ اس کا پرس اس کے کمرے میں موجود تھا۔ گو کہ عطیہ کو اس کے گھر کچھ ہاتھ نہیں لگ سکتا تھا۔ پھر وہ چوکس اور محتاط رہنا چاہتا تھا۔ اس نے اندازہ کرلیا تھا کہ عطیہ سلیقہ مند اور سگھڑ لڑکی ہے۔ اس نے بہت عمدہ چائے بنائی تھی۔ کھانے پکانے میں طاق تھی۔ اس کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے اچھا کھانا پکانا بھی ایک ہنر ہے جس میں وہ بڑی ماہر تھی۔ سرفراز بھی بہت خوش قسمت تھا جو ایسی رفیق سفر..... عورت کا ظاہری حسن دیرپا نہیں ہوتا۔ اصل حسن باطنی ہوتا ہے۔

چائے پینے کے بعد وہ برتن سمیٹ کر باورچی خانے میں لے گئی۔ تاکہ انہیں دھوکر رکھ دے۔ کچھ دیر بعد جب عطیہ اس کے ساتھ والے کمرے میں سرفراز کے ساتھ سونے کے لئے گئی تو کسی قدر جھجک کر داخل ہوئی تھی۔ دروازہ اندر سے بند نہیں کیا بلکہ بھیڑ لیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں اندھیرا کرکے باہر آیا اور ان کے

کمرے کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ عطیہ کہہ رہی تھی۔

"سرفراز.....! تم حوصلہ کیوں ہار رہے ہو..... ایک مرد ہوکر....."

"دس بیس ہزار کے نہیں بلکہ لاکھوں کے زیورات چوری ہوگئے..... لیکن تمہیں اس کا غم ہے اور نہ احساس..... جب میں سورہا تھا تو تب تمہیں جاگتے رہنا تھا۔"

"تم نے ہی تو مجھ سے کہا تھا کہ تم سوجاؤ میں جاگتا رہوں گا۔" عطیہ نے جواب دیا۔ "اب اس کا غم کرکے کرنا کیا ہے.....؟ جب ایک چیز نصیب میں نہیں تھی رونے دھونے اور اس کے چلے جانے سے کیا حاصل ہے..... کیا رونے دھونے سے وہ چیز واپس مل جائے گی؟"

"میں حیران ہوں کہ اللہ نے تمہیں کس مٹی کا بنایا ہے.....؟" سرفراز نے کہا۔ "میں نے تم جیسی عورت اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔"

"اب تو تم نے دیکھ لی نا.....؟" وہ شوخی سے بولی۔ "اب آپ باہر تشریف لے جائیں..... صحن میں جو چارپائی پڑی ہے اس پر گھوڑے بیچ کر سوجائیں۔"

وہ صحن میں رکھے ہوئے مٹکے کی جانب تیزی سے پانی پینے کے بہانے بڑھا تو سرفراز دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ وہ اسے دیکھ کر ٹھٹکا۔ ٹائیگر نے انجان بن کر پوچھا۔ "کیا بات ہے.....؟ کیا کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

"اندر کمرے میں گرمی بہت ہے۔ مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔" وہ یہ کہہ کر چارپائی پر دراز ہوگیا۔

اس کا قیاس درست ثابت ہوا تھا۔ عطیہ نے غیر محسوس انداز سے کمرے کا دروازہ بند کرکے اندر سے چٹخنی لگادی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں آکر بستر پر دراز ہوگیا۔ اسے کچھ دیر تک نیند نہیں آئی۔ کیوں کہ وہ دونوں کے بارے میں سوچتا رہا..... یہ دونوں میاں بیوی نہیں تھے۔ اب یہ راز ظاہر ہوگیا تھا۔ انہوں نے سفر کے دوران اس پر اپنے آپ کو میاں بیوی ظاہر کیا تھا..... اور اس کے ہاں آکر عطیہ نے رات کے وقت اسے فائدہ اٹھانے نہیں دیا تھا۔ ان کے بارے میں وہ سوچتے سوچتے سوگیا۔ آنکھ کب لگی اسے پتا بھی نہیں چلا۔ اب تو اس کے لئے وہ دونوں اور پراسرار ہوگئے تھے۔

پھو پھٹنے سے پہلے ٹائیگر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھر کے سناٹے میں عطیہ کے کمرے سے عطیہ کے تیز تیز مگر دبی دبی باتوں کی گونج محسوس کی..... وہ سمجھا کہ سرفراز کسی بری نیت سے اس کے کمرے میں گھس گیا ہے اور اس سے دست درازی اور من مانیاں کرنے لگا ہے تو عطیہ برہم سی ہورہی ہے۔ مزاحمت اور مدافعت کررہی ہے۔ معلوم نہیں وہ عطیہ کے کمرے میں کیسے گھس گیا۔ شاید وہ تھوڑی دیر پہلے واش روم جانے کے لئے اٹھی ہو۔ واش روم صحن میں تھا۔ اس نے اس موقع اور وقت سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ یہ تو بڑی غلط بات اور نازیبا حرکت تھی۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ سرفراز ایک شریف لڑکی کو آلودہ کرے.....

میں ننگے اور دبے پاؤں صحن میں آیا تو عطیہ کی تیز آواز سنی وہ تپے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"میری بات کان کھول کر سنو..... صبح ہوتے ہی..... سب سے پہلے انکل کو اپنے بارے میں سچ سچ بتادینا..... ان سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ وہ ہمیں گھر سے نکال دیں.....؟ ان کا مزاج اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا۔" سرفراز نے کہا۔

"میں نے انہیں بہت اچھا، نیک اور مخلص پایا ہے۔" عطیہ بولی۔ "وہ اس مشکل میں یقیناً ہماری مدد کریں گے۔"

"اس لئے کہ انہوں نے ہمیں اپنے ہاں ٹھہرایا.....؟ تم مجھے سوچنے کی مہلت دو۔" سرفراز نے کہا۔

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟" عطیہ نے تیز لہجے میں کہا۔ "اب سوچنے کا وقت نہیں رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے..... تم کہتی ہو تو میں انہیں اعتماد میں لے کر سب کچھ بتادوں گا۔ لیکن یہ سب تم بھی تو بتا سکتی ہو۔" سرفراز نے تلخی سے کہا۔

"میں ایک لڑکی ہونے کے ناتے ان سے یہ سب کہنا نہیں چاہتی....."

عطیہ نے تنک کر کہا۔ "میں کسی بہانے سے تم دونوں کو تنہا چھوڑ دوں گی..... پھر تم انہیں سکون و اطمینان سے سب کچھ بتا دینا۔"

"ناشتے کے بعد میں ان سے کھل کر بات کروں گا۔ ابھی وہ گہری نیند سو رہے ہیں۔"

"تم سے ایک اور ضروری بات کہنا ہے؟" عطیہ بولی۔

"کیا بات ہے.....؟" سرفراز کے لہجے میں حیرت عیاں تھی۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے آج ہی پورا کر کے دکھاؤ۔" عطیہ کے لہجے میں سراسیمگی جھلکنے لگی۔

"زیورات اور کاغذات کی چوری نے میرا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا ہے۔ میں ساری رات ایک پل کے لئے بھی سو نہیں سکا ہوں۔" سرفراز نے بے رخی سے جواب دیا۔ "میری کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے..... ادھر تمہیں اپنی پڑی ہے۔"

"اب سوچ سوچ کر سینہ کوبی کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔" عطیہ نے اسے دلاسا دیا۔ "اب تم غم کو دل سے نکال پھینکو..... ہم دونوں مل کر حالات کا مقابلہ کریں گے..... تم مجھے پیچھے نہیں پاؤ گے۔"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ بریف کیس کی بازیابی تک شادی کو التوا میں ڈال دو۔" سرفراز کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"وہ کس لئے.....؟" عطیہ کا لہجہ تحیر زدہ سا تھا۔

"تم بھی عجیب و غریب شے ہو۔" سرفراز نے جھلا کر کہا۔ "تمہیں اپنے زیورات کے چوری ہو جانے کا ذرہ برابر بھی ملال نہیں..... تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس نے رو رو کر اپنا برا حال کر لیا ہوتا..... تمہیں صرف اپنی شادی کی فکر پڑی ہے۔" سرفراز کے لہجے میں زہر بھر گیا۔

"تم..... یہ بات کیوں نہیں سوچتے کہ میں ایک لڑکی ذات ہوں..... مجھے..... اپنے زیورات اور جان و مال سے کہیں..... زیادہ عزت و آبرو کی فکر ہے۔" عطیہ تنک کر کہنے لگی۔ "میں نے تم سے پہلے بھی ایک بار نہیں کئی بار کہا تھا کہ میں ایک پڑھی لکھی لڑکی ہوں..... پڑھی لکھی لڑکیاں گھروں سے نہیں بھاگتیں۔ انہیں اپنے حقوق حاصل کرنا آتا ہے..... کیوں نہ ہم اپنے اپنے دوستوں کی مدد سے باعزت طور پر شادی کر کے راستے میں آنے والی مشکلات کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں۔"

عطیہ نے شاید سانس لینے کے لئے توقف کیا تھا۔ پھر وہ چند ثانیوں کے بعد کہنے لگی۔ "لیکن تم نے ہمیشہ میری اس تجویز سے اختلاف کیا کہ میرے گھر والے کہیں تمہیں کسی کیس میں نہ پھنسوا دیں۔"

"اس بات کا امکان تھا اس لئے تو میں شادی کے لئے تیار نہ ہوا تھا۔" سرفراز نے درمیان میں کہا۔

"کیا یہ صرف یہ تمہارا خوف و خدشہ تھا؟" عطیہ نے ہذیانی لہجے میں کہا۔

"اس دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا.....؟ میں ایسی سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتا ہوں..... تمہارے گھر والے تم پر جبر و زیادتی کر کے میرے خلاف جھوٹا بیان دلا کر اغوا کا مقدمہ دائر کر دیتے۔" سرفراز نے زہر خند لہجے میں کہا۔

"تم مجھے اپنی بات پوری کر لینے دو۔" عطیہ نے ہیجان زدہ لہجے میں کہا۔ "تم نے کئی دنوں کی سوچ بچار کے بعد اپنا منصوبہ میرے سامنے رکھا۔ جب میں نے اس منصوبے پر عمل کرنے سے انکار کیا تو تم نے مجھے خودکشی کی دھمکی دی اور میں تمہاری بات ماننے پر مجبور ہوگئی۔ میں تمہاری ایما پر گھر سے وہ سارے زیورات لے آئی جس میں نہ صرف میری اور میری چھوٹی بہنوں کے لئے جہیز کے لئے رکھے گئے تھے کہ بلکہ ابو کی دکان کے بھی رکھے ہوئے تھے کہ آج کل دن دہاڑے

دکانوں پر ڈکیتی کی وارداتیں ہو رہی ہیں..... تم نے مجھے اپنے منصوبے کے بارے میں بار بار بتایا تھا کہ ہم بنگلور بیچ کر پہلے شادی کر لیں گے اور کچھ زیورات بیچ کر مکان خریدیں گے۔ پھر ہم دونوں ملازمت کر لیں گے..... اگر ملازمت نہیں ملی تو باقی بچے ہوئے زیورات بیچ کر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر دیں گے..... لیکن اب تم شادی کے لئے مکر رہے ہو.....؟ کیا شادی کے لئے زیورات کا ہونا اشد ضروری ہے.....؟ کیا اس کے بغیر شادی نہیں ہوتی ہے؟"

"تم اپنی تقریر بند کرو۔" سرفراز نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔ "آخر میں نے پچاس ہزار روپے دیئے تھے ان زیورات کے حصول کے لئے؟"

"تو کیا وہ زیورات صرف پچاس ہزار کی مالیت کے تھے.....؟" عطیہ تیزی سے بولی۔

"لیکن وہ ان پچاس ہزار کی بدولت ہی ہاتھ لگے تھے....." سرفراز نے چیں بہ چیں ہوتے ہوئے کہا تو اس کی آواز اونچی ہوگئی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا یا سچ کہ میری باجی الہ آباد سے اپنے سات عدد بچوں کے ساتھ اس کمرے میں دھرنا مار کر رہ رہی ہیں جہاں وہ الماری ہے جس کی تجوری میں زیورات بھرے ہوئے ہیں..... باجی..... ابو سے مکان کی خریداری کے لئے مزید پچاس ہزار مانگ رہی ہیں جب کہ ابو انہیں دو ماہ پہلے دو لاکھ دے چکے ہیں۔ ابو ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں..... اگر باجی کو کسی بہانے سے پچاس ہزار روپے دیئے جائیں تو وہ اسی دن چلی جائیں گی۔ راستہ صاف ہو جائے گا اور....."

عطیہ تیزی سے بات کاٹ کر بولی۔ "کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ایک ماہ اور انتظار کر لو۔ اس مدت تک باجی چلی جائیں گی لیکن تم نہیں مانے اور فوراً پچاس ہزار کا بندوبست کر کے مجھے دیئے اور کہا کہ اپنی باجی کو آج ہی دفع کر دو اور کل زیورات لے آؤ۔ ٹکٹ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میرا ایک قلی جاننے والا ہے۔ وہ بس گاڑی کا ریزویشن چاہے صرف بیس منٹ پہلے بھی دلا سکتا ہے۔ جب کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ ہوائی جہاز سے چلتے ہیں۔ لیکن تم اس وجہ سے تیار نہ ہوئے کہ کہیں کوئی چوری نہ ہو جائے۔ ہوائی جہاز سے سامان اتارنے والے چوریاں بھی کرتے ہیں۔ یہ شکایت عام ہے۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ زیورات اس قدر منحوس ثابت ہوں گے..... میری پچاس ہزار کی رقم لے ڈوبیں گے۔" سرفراز غصے سے بولا۔

"یہ سب کچھ تمہاری غفلت کی وجہ سے ہوا ہے۔" عطیہ کا لہجہ زخم خوردہ تھا۔ "لیکن میں نے پھر بھی کچھ نہیں کہا۔ اس لئے کہ تم میرے لئے ان لاکھوں کے زیورات سے کہیں قیمتی ہو۔ میں تمہاری محبت میں اندھی ہو کر خود غرض بن گئی..... میں نے نہ صرف اپنی بہنوں کے ساتھ سفاکانہ سلوک کیا..... ان کا مستقبل تاریک کر دیا بلکہ باپ کو بھی کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا..... آخر کس لئے.....؟ صرف تمہارے لئے.....؟ کیا اب بھی کوئی کسر رہ گئی ہے جو تم میری محبت آزمانے کے لئے میرا بڑا امتحان لینا چاہتے ہو.....؟ اب میرے پاس ہے کیا جو ایثار اور قربان کروں.....؟"

مگر عطیہ..... ! یہ بھی تو سوچو کہ میرے پاس جو سات سو روپے رہ گئے ہیں..... اس سے کیا ہوگا.....؟ کیا اس میں ہماری گزر بسر ہو جائے گی۔ یہ رقم کب تک ساتھ دے گی.....؟" وہ دل گرفتہ لہجے میں بولا۔

"اگر گزر بسر نہیں ہو سکتی ہے تو کیا تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے.....!" عطیہ کی آواز رندھ گئی۔ "میں فاقے کر سکتی ہوں..... بھوکی مر جاؤں گی..... لیکن تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی..... کسی حالت میں بھی نہیں..... تمہیں نہیں چھوڑوں گی..... تم جس حالت میں بھی رکھو گے اس میں خوش رہوں گی۔ تم میری آزمائش کر سکتے ہو۔"

سرفراز لاجواب ہو کر خاموش ہو گیا تھا..... ان دونوں کی گفتگو سے ان کی محبت بھری کہانی اور پس منظر ٹائیگر کے سامنے آ گیا تھا..... سرفراز کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ عطیہ سے شادی کرنے سے کترا رہا تھا..... لیکن

عطیہ ٹائیگر کے لئے اب بھی بے حد پراسرار معمہ بنی ہوئی تھی۔ یہ موقع اس معمہ کو حل کرنے کا نہیں تھا بلکہ اب اسے اس ڈرامہ میں اپنا کردار ادا کرنا تھا۔ اس نے اس لئے عطیہ سے ہمدردی اور اپنائیت کا اظہار کیا تھا اسے معاشرے کی لڑکیوں سے اس لئے اپنائیت سی تھی وہ مظلوم ہستی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔

☆.....☆.....☆

سرفراز..... عطیہ سے آج ہی شادی کرنے پر رضامند ہوگیا تھا..... لیکن ٹائیگر بھی ایک شرط پر ان دونوں کا نکاح کرانے پر تیار ہوگیا تھا۔ لیکن اس شرط پر رخصتی کی تقریب ممبئی میں باپ کے گھر میں باعزت طور پر منعقد ہوگی۔ عطیہ کے والدین اپنی بیٹی کو رسمی اور روایتی طریقے سے وداع کریں گے..... عطیہ کو سمجھانے کی ساری ذمے داری اس نے اپنے سر لے لی تھی..... سرفراز کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ کیوں کہ وہ تن تنہا تھا۔ اس نے وقت یہ طے کیا تھا کہ مغرب کے بعد اس کے پڑوس کے رشید صاحب کے ہاں دلہا بن کر آئے گا۔ نکاح کے بعد اس کے اور دوست محمد احمد جو پچھلی گلی میں رہتے تھے انکے ہاں جا کر رہے گا۔ تیسرے دن وہ تینوں ممبئی روانہ ہوجائیں گے۔

مغرب اور عشاء کا وقت بھی گزر گیا۔ رشید صاحب سرفراز کو لے کر نہیں آئے..... عطیہ سادگی سے دلہن بنی اس کے پڑوس کی دو ایک شادی شدہ عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ سراپا انتظار تھی۔ رات دس بجے رشید صاحب گھبرائے ہوئے اور بے حد پریشان اس کے ہاں آئے اور بتایا۔

''سرفراز جو چھ بجے حجامت بنوانے گیا تو لوٹ کر نہیں آیا۔''

وہ سمجھ گیا کہ اب وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔

اس نے عطیہ کے کمرے میں داخل ہو کر ان عورتوں اور لڑکیوں کو کسی حیلے بہانے سے رخصت کیا جو دلہا کے انتظار میں عطیہ کے ساتھ سوکھ رہی تھیں۔ ان عورتوں کے جاتے ہی عطیہ نے اس کے چہرے پر نظریں کر کے جیسے سب کچھ پڑھ لیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے قریب آ کر کہا۔

''انکل..... آپ میری خاطر پریشان نہ ہوں۔ سر راہ جو محبت کی جاتی ہے اس کا انجام ایسا ہی عبرت ناک ہوتا ہے۔''

اسے عطیہ کی بات پر یک لخت غصہ آ گیا۔ جب وہ ایسی سمجھ دار اور دور اندیش لڑکی تھی تو اس نے گہرے کنوئیں میں چھلانگ کیوں لگائی.....؟'' وہ اپنا غصہ ضبط نہ کر سکا۔ ''تمہیں جان بوجھ کر سراب کے پیچھے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟''

عطیہ پر کئی ثانیوں تک سوگواری طاری رہی۔

''آخر میں کیا کرتی انکل.....!'' اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ''میری قسمت میرے چہرے سے کہیں بدقسمت ہے..... کالی پیلی..... لڑکیوں کے ایک تو رشتے نہیں آتے ہیں..... اگر بالفرض رشتے آتے ہیں تو جہیز کا سوال زہر بن کر ماں باپ کے سینے میں پیوست ہو جاتا ہے۔ جہیز کی وجہ سے میری شادی نہ ہوسکی..... میرے والد جیولری شاپ کے مالک نہیں بلکہ سیلز مین ہیں۔ کمیشن ایجنٹ بھی ہیں۔ وہ بڑے گھرانوں کی بیگمات، لڑکیوں اور فلمی اداکاراؤں کے ہاں زیورات بھیجتے ہیں لیکن اپنی بیٹیوں کے لئے زیورات خرید نہیں سکتے ہیں..... سرفراز میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوگیا تھا کہ وہ میرے باپ کی دکان ہے۔ اس نے میرے ساتھ محبت کا فریب محض اس لئے کیا تھا کہ دکان کے زیورات کسی نہ کسی صورت سے ہتھیا کر کسی غیر ملک فرار ہوجائے..... اس نے ویزا، ٹکٹ اور پاسپورٹ تیار کئے تھے..... وہ مجھے بنگلور میں تن تنہا چھوڑ کر فرار ہوجانا چاہتا تھا..... یہ تمام باتیں بعد میں میرے علم میں آئی تھیں..... لیکن روانگی سے ایک دن پہلے ایک لڑکی نے بتائی تھیں جو میری سہیلی تھی۔ اس نے مجھے سرفراز کے ساتھ دیکھا تھا..... وہ سرفراز کو بہت قریب سے جانتی تھی۔ سرفراز نے اسے محبت کے نام پر تباہ کیا

تھا..... لیکن میں چاہتی تھی کہ سرفراز کسی طرح میرا شوہر بن جائے..... لیکن میری آرزو پوری نہیں ہوسکی۔ اس نے مجھ جیسی کئی لڑکیوں کو اپنی وجاہت، خوب صورتی اور دراز قد کے باعث تباہ و برباد کیا۔ لڑکیاں اسی آئیڈیل پر ریجھ کر برباد ہوتی رہیں..... لڑکیاں چوں کہ ان پڑھ اور سیدھی تھیں اور زمانہ شناس نہیں تھیں اس لئے دھوکا کھا گئیں..... اس دور میں ایک سیدھی لڑکی کو احمق بنانا اور اسے لوٹ لینا آسان نہیں تھا..... اس نے دو ایک مرتبہ موقع پا کر مجھے شکار کرنا چاہا لیکن میں اسے جل دے گئی..... اس احمق نے میرے لئے جو جال بچھایا تھا وہ خود ہی اس میں پھنس گیا..... میں نے اس پچھی کے تمام پرکاٹ دیئے۔''

''کیا تم اپنے آپ کو بہلانے اور فریب دینے کے لئے یہ سب کچھ تو نہیں کہہ رہی ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''میں اپنے آپ کو فریب دے کر کیا کروں گی.....؟'' عطیہ نے بھیگی بھیگی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''لیکن میں اس بات سے خوش ہوں کہ میری عزت اور دولت ایک بھیڑیے اور شیطان سے محفوظ رہی۔''

''تم نہ صرف جھوٹ بول رہی ہو بلکہ مجھ سے بہت کچھ چھپا رہی ہو۔'' ٹائیگر اس پر برس پڑا۔ ''کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے بریف کیس چلتی گاڑی سے باہر پھینکا تھا..... جس میں گھر سے چرائے ہوئے زیورات تھے..... تم نے پہلے سرفراز کے کاغذات کا لفافہ بریف کیس سے نکال کر اپنی اٹیچی میں رکھ لیا تھا..... آخر تم نے قیمتی زیورات باہر کیوں پھینک دیئے..... کیا اس علاقے میں تمہارے منصوبے کے مطابق بریف کیس لینے کے لئے کوئی موجود تھا۔''

عطیہ اچھل پڑی اور حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں..... ''تو کیا آپ اس وقت جاگ رہے تھے.....؟''

میں تو اس وقت بھی جاگ رہا تھا جب تم نے میری چائے میں بے ہوشی کی دوا ملائی تھی؟''

''انکل.....!'' جذبات سے اس کی آواز بھرا گئی۔ ''آپ نے اس واقعے کی جو پردہ پوشی کی ہے میں اس کا احسان عمر بھی نہیں بھولوں گی۔''

''لیکن تم نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ وہ بریف کیس پھینکا گیا تھا..... کیا وہ زیورات اس کے اصل مالک کو مل گئے.....؟''

عطیہ کے لبوں پر ایک فاتحانہ تبسم ابھر آیا۔ اس کی آنکھیں ہیروں کی طرح چمکنے لگیں اور چہرہ دمک اٹھا۔

سرفراز کے دیئے ہوئے پچاس ہزار کی رقم میں سے صرف دو ہزار نکال کر نقلی زیورات خریدے گئے تھے..... باقی رقم اس نے جہیز کے لئے رکھ لئے..... اگر سرفراز مجھ سے شادی کر لیتا تو جہیز کی صورت میں واپس مل جاتی..... اس کا پاسپورٹ جو تھا ساتھ میں امریکی ڈالر جو تھے تیس ہزار ڈالر تھے..... وہ اسے کبھی نہ دیتی بلکہ مستقبل کے لئے رکھ لیتی.....''

ٹائیگر دل میں عش عش کر اٹھا..... کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ''انکل میرے پاس اتنی رقم ہے کہ ٹرین سے ممبئی جاسکوں۔ آپ ٹکٹ کا بندوبست کر کے سوار کرادیں۔''

''میں تمہیں ریل گاڑی سے نہیں بلکہ ہوائی جہاز سے بھیجوں گا۔ ٹکٹ میری طرف سے ہوگا۔'' ٹائیگر نے کہا۔ ''اب جب کہ تم بنگلور آئی ہو تو کیا بنگلور شہر دیکھ کر نہیں جاؤ گی..... بڑا خوب صورت شہر ہے۔''

''بہت بہت شکریہ.....'' وہ ممنونیت سے بولی۔ ''آپ کتنے اچھے ہیں۔''

ٹائیگر نے اسے ہوٹل میں ٹھہرایا۔ تین دن تک اسے نہ صرف بنگلور شہر کی سیر کرائی بلکہ وہاں کے کھانے بھی کھلائے اور اسے گاڑی بھی کرائے پر لے کر سرنگاپٹم، ٹیپو سلطان اور حیدر علی کے مزاروں پر لے گیا۔ میوزیم دکھایا، برندادن گارڈن لے جا کر رات روشنیوں کا نظارہ کرایا۔ بنگلور کا میوزیم جو ہندوستان بھر میں مشہور تھا۔ پھر رام گڑھ سے میسو پاک پانچ کلو خرید کر دیئے۔ ایسا میسو پاک ہندوستان بھر میں نہیں بنتا تھا۔ یہاں میسو

پاک بنانے والے مسلمان خاندان صدیوں سے آباد ہیں اور پھر اسے پانچ ہزار کی شاپنگ بھی کرائی اس سے وعدہ لیا کہ شادی پر وہ اسے ضرور مدعو کرے گی۔

"انکل.....!" عطیہ نے کہا۔ "آپ بھی میرے ہاں کیوں نہ ممبئی چلیں.....؟"

"وہ کس لئے.....؟"

"اس لئے کہ میں آپ جیسے محسن کو..... اپنے والدین سے ملانا چاہتی ہوں..... آپ کی بدولت میری عزت محفوظ رہی۔"

"دیکھو بے بی عطیہ.....!" ٹائیگر نے بڑے پیار سے اس کا گال تھپ تھپایا۔ "میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا..... نہ یہاں میرے دوستوں اور ملنے والوں کا ایک وسیع حلقہ موجود ہے جس میں نہ صرف شکاری دوست بلکہ میڈیا سے بھی تعلق رکھنے والے ہیں..... چوں کہ ممبئی کی مشینی زندگی نہ صرف تھکا دیتی ہے بلکہ کولہو کا بیل بنا دیتی ہے۔ اس لئے میں سال ڈیڑھ سال کے عرصے میں ایک بار چکر ضرور لگا دیتا ہوں۔ اس لئے جب بھی آتا ہوں میرے دوست شکار کا پروگرام بناتے ہیں اور میں ان کے ساتھ شکار پر جاتا ہوں۔ جس سے مجھے ذہنی اور جسمانی سکون اور آرام ملتا ہے۔ لہٰذا میں معذرت خواہ ہوں..... ہاں جب میں واپس آؤں گا تب بھی تم سے اور تمہارے گھر والوں سے ملنے ضرور حاضر ہوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"تو آپ شکاری بھی ہیں.....؟" عطیہ خیریت سے بولی۔ "آپ اپنی زندگی میں کتنی بار شکار کھیل چکے ہیں؟"

"ہاں..... شکار میرا شوق، میرا کاروبار اور میرا کام رہا ہے۔" اس نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔ "میں شکار کھیلتا رہتا ہوں۔ ویسے جنگل میں متعدد مرتبہ شکار کھیل چکا ہوں۔"

عطیہ اس کی بات کی تہہ میں پہنچ نہیں سکی۔ اس نے مذاق سمجھا۔ پھر کہنے لگی۔

"میں نے افریقہ کے جنگلات میں بہت کچھ پڑھا اور سنا ہے۔ کیا آپ کو آپ کا شوق افریقہ بھی لے گیا؟"

"نہیں....." ٹائیگر نے سر ہلایا۔ "ویسے کبھی زندگی میں موقع ملا تو ضرور جاؤں گا۔"

"کیا میسور کا جنگل بھی افریقہ کے جنگلات کی طرح ہے.....؟" عطیہ نے پوچھا۔

"افریقہ..... بنگلہ دیش کے سندر بن جنگل..... برازیل اور جہاں جہاں بڑے جنگلات ہیں ان میں ایک قدر مشترک ہے۔" ٹائیگر کہنے لگا۔ "ویسے میری معلومات میسور کے جنگل کے بارے میں کچھ زیادہ ہیں..... ایک تو یہ جنگل سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا ہے اور بنگلہ دیش میں جو سندر بن جنگل واقع ہے اس سے جا کر ملتا ہے..... میسور کے جنگل میں انسانوں کی بستیاں بھی موجود ہیں..... چھوٹی بڑی ندیاں جن پر دریا کا گمان ہوتا ہے..... جادوگروں، شعبدہ بازوں، وحشیوں اور آدم خوروں کے گاؤں بھی ہیں..... قدم قدم پر میرا پراسرار علوم سے واسطہ پڑتا رہتا ہے..... اس کے علاوہ قاتل، چور اور ڈاکو بھی یہاں آ کر روپوش ہو جاتے ہیں تاکہ قانون کے ہاتھوں سے بچے رہیں..... اس کے علاوہ سرمایہ داروں نے یہاں عشرت کدے بنا رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں جوتا سازی کا کارخانہ اور شاید دو ایک کارخانے بھی ہیں۔ کبھی ان سے سابقہ نہیں پڑا۔ وہ بڑے مرمریں، خوب صورت اور نفیس اور گداز ہوتے ہیں۔ وہ بڑے ماہر کاری گروں کے ہاتھوں تیار ہوتے ہیں..... یہ جوتے بازاروں میں دستیاب ہیں اور غیر ممالک بھی بھیجے جاتے ہیں۔ اس قدر قیمتی ہوتے ہیں کہ ایک عام آدمی کی قوت خرید سے باہر..... صرف سرمایہ دار ہی خرید پاتے ہیں۔ ان کی پائیداری کا شاید ہی کسی غیر ملک کا بنا ہوا جوتا مقابلہ کر سکے۔"

"کیا حکومت ان چوروں، بدمعاشوں اور ڈاکوؤں پر ہاتھ نہیں ڈالتی.....؟" عطیہ بولی۔

"کوشش تو کرتی ہے..... لیکن اکا دکا ہی ہاتھ لگتے ہیں..... کیوں کہ جنگل اس قدر گھنا، تاریک ہے اور

موذی جانوروں کی بہتات ہے اس لئے پولیس اندر جانے سے خوف کھاتی ہے۔"

آپ کا سابقہ شکار کھیلنے کے دوران مجرموں، ڈاکوؤں اور خوف ناک قسم کے جانوروں سے پڑتا رہتا ہوگا؟"

اتفاق سے نہیں..... کیوں کہ ہم شمال جنوب میں جاتے ہیں جہاں کالا ہرن..... عام ہرن..... بطخیں اور مرغیاں کثرت سے ملتی ہیں..... پھر ہم ان کا شکار کر کے ایک طرح سے تفریح کا مقصد پورا کر کے چلے آتے ہیں۔"

جب وہ اسے رخصت کرنے ایئرپورٹ گیا تو عطیہ اس سے لپٹ کر دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

☆.....☆.....☆

ٹائیگر اپنے دونوں دوستوں سے ملنے پریس کلب پہنچا۔ جہاں اس کے نہ صرف تمام دوست بلکہ شکاری دوست بھی موجود تھے جو ہر شام جمع ہوتے تھے۔ ان کے دم سے بڑی رونق رہتی تھی۔ ماحول بڑا سہانا، رنگین اور خوش گوار ہو جاتا تھا۔ وہ ان سے نہ صرف ملنے آیا تھا بلکہ شکار کا پروگرام بنانے..... تین چار مہینے شکار کا موسم اس لئے ہوتا تھا ان مہینوں میں بارش بالکل نہیں ہوتی تھی۔ برسات کے دنوں میں دلدلوں کا پتا نہیں چلتا..... اس کے علاوہ خصوصاً کالا ہرن کا شکار مقصود ہوتا تھا کہ جوان سب کو بہت مرغوب تھا۔ کالا ہرن کا شکار میسور کے جنگل میں اس لئے ممنوع نہیں تھا کہ وہ بکثرت تھا اور حکومت کو ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا۔ ٹیکس ادا کرنے کی صورت میں اس کی کھال لے جانے کی اجازت ہوتی تھی۔

جب وہ پریس کلب پہنچا تو اس نے اپنے تمام دوستوں کو کلب کے کینٹین میں جو ایک بڑے کشادہ اور خوب صورت ہال کی ایک میز پر جو ایک گوشے میں تھی اور ان کے لئے مخصوص ہوتی تھی براجمان دیکھا۔ وہ حسب معمول پیپر سالہ ڈوسا کھا رہے تھے۔ ساتھ ساتھ باتیں کرتے جا رہے تھے اور نوک جھونک بھی کی جا رہی تھی۔ پیپر سالہ ڈوسا اس ہوٹل کی خاص ڈش تھی۔ یوں بنگلور کے تقریباً تمام ہوٹلوں اور ریسٹورنٹ اور کیفے میں بھی دستیاب ہوتی تھی۔ لیکن اس میں کینٹین والی بات نہ تھی۔ اس کا اپنا ایک مخصوص ذائقہ لذت تھی۔ اس لئے دو برسوں سے بلاناغہ ہر سہ پہر یہ کھانے کے لئے آتے تھے۔

ڈرون حملہ کا سنتے ہی سارے لوگ جو ہال میں موجود تھے حواس باختہ ہو گئے۔ ان سب کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ یہاں اس حملے کا کوئی تصور تک نہ تھا۔ کویتا کی اور میزوں کے لوگ بھی اپنی اپنی میزوں کے نیچے گھس گئے۔

"ڈرون حملہ.....؟" رنگا سوامی نے کویتا کی طرف دیکھا۔ وہ سنبھل چکا تھا۔ "نہ تو میزائل داغا گیا اور نہ....."

"ارے یہ ڈرون حملہ.....؟" رنگا سوامی نے کویتا کی طرف دیکھا۔ وہ سنبھل چکا تھا۔ "نہ تو میزائل داغا گیا اور نہ....."

"ارے یہ ڈرون حملہ نہیں تو کیا.....؟" کویتا نے ٹائیگر کی طرف اشارہ کیا جو میز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سب کی جان میں جان نہ آئی..... لوگ اپنی اپنی میزوں کے نیچے سے نکل آئے۔ کچھ ہنستے، مسکراتے اور غصے کی سی حالت میں سب نے بگڑ کر کویتا سے کہا۔

"تم اپنی شرارتوں اور حرکتوں سے باز نہیں آتی ہو..... تم نے تو ڈرا ہی دیا۔"

"ڈرانے والوں کو ڈرایا جاتا ہے..... یہ ٹائیگر..... کیا کسی ڈرون حملہ سے کم ہے..... اسے دیکھو..... آیا بھی ہے تو کسی ڈرون حملے کی طرح....." کویتا بولی۔

ٹائیگر جب میز کے پاس پہنچا تو تمام دوستوں نے کھڑے ہو کر بڑی گرم جوشی سے اس کا والہانہ استقبال کیا۔ مصافحہ کیا۔ جو مرد تھے وہ بغل گیر ہو گئے۔ کویتا، رادھنا اور سرسوتی نے مصافحہ کیا۔ آخر میں کویتا

نے کیا تھا۔ ٹائیگر نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا، وہ ان تینوں میں سب سے خوب صورت، پرشباب گداز بدن کی تھی۔

"کیا تم نے میرا ہاتھ ساری زندگی کے لئے تھام لیا ہے.....؟" کویتا شوخی سے بولی۔

"کیا تم مجھے اتنا احمق سمجھتی ہو کہ میں ایک حسین عورت کا ہاتھ ساری زندگی کے لئے تھام کر پیروں پر کلہاڑی ماروں گا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"لوگ میرا ہاتھ تھامنے اور جیون ساتھی بنانے کے لئے میرے سپنے دیکھتے ہیں..... بنتی کرتے ہیں....." وہ بولی۔ "تم بھی تو دیکھتے ہو۔ اس لئے تو آئے ہو۔"

"دنیا میں احمق کی کوئی کمی نہیں ہے..... اور پھر سپنے کوئی نہیں دیکھتا ہے....." ٹائیگر بولا۔ "میں جو سپنا دیکھتا ہوں..... وہ تمہارا نہیں بلکہ کالا ہرن اور مرغابیوں کا....."

"بلیک ٹائیگر ہو اس لئے..... کالا ہرن کا خواب دیکھتے ہو....." کویتا برجستہ بولی۔

"تم نے آتے ہی اس سے جھگڑا شروع کردیا۔" رادھنا ہنس کر بولی۔ "معلوم نہیں کیوں اس نے میرا ہاتھ پکڑ رکھا ہے.....؟"

"اس لئے کہ تم مجھے دیکھتے ہی بے ہوش نہ ہوجاؤ..... اس لئے کہ بلیک ٹائیگر کو دیکھ کر اچھے اچھوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔" ٹائیگر نے کہا۔

ٹائیگر کی کویتا سے بے حد تکلفی تھی۔ کویتا کے برابر جو خالی کرسی تھی اس پر بیٹھنے سے پہلے اس کی عریاں مرمریں کمر میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت کالی ساڑھی اور کالے مختصر سے سیاہ بلاؤز میں تھی جس کی آستین نہیں تھیں اور گریبان بھی آگے پیچھے سے بے حد کھلا ہوا تھا۔

ٹائیگر نے اس کا چہرہ اور سراپا نظروں کی گرفت میں لیا تو وہ ایک دم سے کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"تم اس طرح دیکھ رہے ہو جیسے میں اس سال کی مس ورلڈ ہوں۔"

"اگر تمہیں مس ورلڈ منتخب کرلیا گیا تو دنیا کی ساری بوڑھی اور معمر عورتوں میں خوشی کی لہر دوڑ ہوجائے گی کہ ان کی قسمت جاگ گئی ہے جو عورت اسی برس کی ہوگی وہ مس ورلڈ چن لی جائے گی۔"

"کیا میں اسی برس کی لگ رہی ہوں.....؟" وہ تنک کر بولی۔

"اس سے دو تین برس اور زیادہ..... ویسے تمہیں بوڑھی حسینہ کا خطاب مل جائے گا۔" ٹائیگر نے کہا۔

"میں جب سو برس کی ہوجاؤں گی تب میں تم سے ہر قیمت پر شادی کرکے رہوں گی۔"

"انگور کھٹے ہیں....." ٹائیگر ہنس دیا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں بخش دوں گی؟"

"کون جیتا ہے تیرے سفید زلفیں سر ہونے تک۔"

"میری زلفیں سفید نہیں ہوئی ہیں بلکہ تمہارا خون سفید ہوگیا ہے۔" کویتا نے کہا۔ "میری سیاہ اور لمبی لمبی خوب صورت ریشمی گھٹائیں..... کیا تمہیں ان میں سفیدی نظر آرہی ہے..... ایک تار تک چاندی کا نہیں ہے۔"

"یہ کیوں نہیں کہتی ہو خضاب کا کمال ہے.....؟" ٹائیگر کہنے لگا۔ "کیا میں نہیں جانتا کہ تمہاری عمر کیا ہے..... تم نا امید نہ ہو..... یہاں ایسے احمق بستے اور ملتے ہیں کہ..... بالوں کا دھوکا..... عمر کا دھوکا اور جسامت کا دھوکا کھا کر شادی کرلیں گے۔"

سرسوتی نے ان کی نوک جھونک کے درمیان ویٹر کو بلایا اور اسے پیپر ڈوسا کا آرڈر دینے لگی تو ٹائیگر نے کہا۔

"کھوپے کے دودھ کی بگھار والی چٹنی بھی لانا..... میں تین سے کم نہیں کھاؤں گا..... پہلے کے بعد دوسرا.....! دوسرے کے بعد تیسرا گرم گرم..... ہر ایک کے ساتھ چٹنی ضرور آئے گی..... اس کا بل مس کویتا کے

کھاتے میں جائے گا۔"

"ایسا کرو کہ چٹنی پانچ گیلن لاکر دے دینا....." کویتا ہنس پڑی۔ "تم بل کی پروا مت کرو..... دس بیس مدراسی کھاؤ گے تو بھی بل میں ادا کردوں گی..... ایک بات بتادوں..... بدہضمی ہوجائے تو فکر مت کرنا۔ میں اسٹور سے ہاضمولا کی شیشی منگوادوں گی....."

"ہاضمے کی گولی کھانے کے بجائے ایک اور سالڈوسا نہ کھالوں۔" ٹائیگر بولا۔

کینٹین کے کچن میں چار عدد باورچی پیپر سالہ ڈوسا تیار کررہے تھے۔ اس لئے ویٹر فوراً ہی لے آیا۔ ٹائیگر نے چھری کانٹا سنبھالا اور اس کے ساتھ انصاف کرنے لگا۔ سرسوتی نے کہا۔

"ٹائیگر.....! تم نے ممبئی میں بڑے زبردست ڈرون حملے کئے..... ایک ایک ڈرون حملے کو سنسنی خیز خبر بناکر کویتا اپنے اخبار میں چھاپتی رہی ہے..... جس نے نہ صرف صوبہ میسور بلکہ سارے ہندوستان میں دھوم مچادی ہے..... اور پھر رادھنا ٹیلی ویژن میں ان خبروں کو عام کیا اور لوگوں کو بتایا کہ کس طرح ٹائیگر اتنے بڑے کارنامے انجام دے رہا ہے۔"

"میں اپنی پبلسٹی اس لئے پسند نہیں کرتا کہ مجھے شہرت کا شوق ہے نہ اس سے کوئی دلچسپی ہے۔" ٹائیگر نے کہا۔ "میں انسانیت کی خدمت کرتا ہوں۔ میرا شروع ہی سے یہ مشن رہا ہے کہ مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچاؤں..... دولت کی بھی ہوس اور خواہش کبھی نہیں رہی۔ اس لئے کہ دینے والا چھپر پھاڑ کر دیئے جارہا ہے۔ سوچتا ہوں کہ اتنی دولت لے کر کیا کروں..... ویسے میں ضرورت مندوں، محتاجوں اور غریبوں کی دل کھول کر مدد کرتا رہتا ہوں۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی.....؟" کویتا نے سرخ ہوکر پوچھا۔ "جب کہ تمہارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔"

"اس لئے کہ ایک سراغ رساں کو شادی کرنا بڑا مہنگا پڑتا ہے..... اس لئے کہ وہ جیمز بانڈ کی طرح ہے جس کی زندگی میں لڑکیاں عورتیں ہوا کے جھونکوں کی طرح آتی رہتی ہیں..... گو کہ میں اب تک بہکا نہیں ہوں۔ شادی کے بعد بہک جاؤں تو اس کے ساتھ بد دیانتی ہوگی جو میں نہیں چاہتا..... پارسائی پر دھبا ایک مرتبہ لگ جاتا ہے..... وہ ایک بار پھسل جاتا ہے تو پھسلتا ہی جاتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" سبرا نیم نے سر ہلایا۔ "غلاظت کے دلدل سے نکلنا ناممکن ہوجاتا ہے۔"

"یہ سوال کویتا نے مجھ سے پوچھا ہے کہ تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی.....؟ میں یہی سوال اس سے پوچھنا چاہتا ہوں.....؟ اس کے امیدواروں کی کوئی کمی نہیں ہے..... اس جوڑی سے شادی کی تمنا میں لوگ بوڑھے ہوتے جارہے ہیں۔"

"ابھی میری عمر شادی کی کہاں ہوئی ہے....." کویتا شوخی سے بولی۔ "اگر شادی کی خواہش ہوئی تو صرف تم سے کروں گی۔"

"ویری گڈ..... میں انتظار کروں گا۔" ٹائیگر نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے قریب کرلیا۔

"کیا تم یہاں کسی خاص مشن پر آئے ہو.....؟" سرسوتی نے دریافت کیا۔ "کیا کسی نے تمہاری خدمات حاصل کرنے کے لئے بھیجا ہے؟"

"نہیں..... میں صرف شکار پر جانے کے لئے آیا ہوں..... کالا ہرن..... بطخیں اور مرغابیاں..... پھر تم سب کی یاد بے اختیار کھینچ لائی ہے..... اس لئے کہ ڈیڑھ برس سے زیادہ عرصہ ہوگیا۔"

"ایک شکاری نے دوسرے شکاری کو کھانے پر مدعو کرلیا۔" رنگا سوامی بولا۔

"یہ شکاری کہاں سے ہوئیں.....؟ اپنے اخبار کی نیوز ایڈیٹر..... میں ایک سراغ رساں جو درندہ صفت مجرموں اور جنگل کے جانوروں کا شکار کرتا رہتا ہوں..... ہم دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"شریمتی جی..... تم سے زیادہ خطرناک شکاری ہیں..... سیاست دانوں..... مفاد پرستوں..... مافیا اور

منشیات کا شکار کھیلتی رہتی ہیں۔ یہ لوگ جنگل کے درندوں سے کہیں خوفناک ہوتے ہیں...... ان سے مقابلہ سب سے زیادہ مشکل ہوتا ہے...... جان کے دشمن ہوتے ہیں اور سر پر موت کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔" رنگا سوامی نے کہا۔

"ہاں......" سرسوتی نے سر ہلایا۔ "میں نے کبھی اس پہلو پر غور نہیں کیا...... جب کہ کویتا کو دو ایک مرتبہ جان سے مار دینے کی دھمکیاں مل چکی ہیں۔ لیکن اپنے مشن سے باز نہیں آتی...... اس نے اپنی زندگی خطرے میں ڈال رکھی ہے۔"

زندگی کا کوئی مقصد تو ہونا چاہئے۔" کویتا کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ "وہی آدمی جیتتا ہے جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جیتا ہے...... ٹائیگر کا روزگار سراغ رسانی ہے جہاں اس کے قدم قدم پر خطرات اور موت منہ کھولے کھڑی رہتی ہے...... صحافت میں جو سچائی ہے ہر برائی کا مقابلہ کرتے ہیں وہ موت سے نہیں ڈرتے ہیں...... میں بھی نہیں ڈرتی۔ ٹائیگر نے مجھ سے دو ایک مرتبہ کہا تھا کہ موت صرف ایک بار آتی ہے اور اس کا دن، لمحہ اور وقت لکھا ہوتا ہے۔ اس لئے میں انسانی درندوں سے بالکل نہیں ڈرتی...... حق کی بات کرتی ہوں...... اس لئے بھی کرنا چاہئے کہ یہ صحافت کا اصول ہے۔"

"تمہارے ان گداز اور شیریں لبوں کو میں خراج پیش کرسکتا...... کاش......! یہ سنہرے الفاظ...... تنہائی میں......"

"تمہیں کیسے معلوم کہ میرے لب شیریں ہیں......" وہ بولی۔ "یہ کڑوے کسیلے اور زہریلے بھی ہیں؟"

"تصور میں اور انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے......"

"تم بدمعاشی سے باز نہیں آؤ گے......" وہ مصنوعی غصے سے بولی۔ "چلو...... وقت پر پہنچ جانا...... کھانے پر نہ میں تمہارا انتظار کروں گی...... اور نہ کھانا......"

سب نے اپنا اپنا بل ادا کیا...... کویتا نے اس کا اور اپنا...... سرسوتی کے منع کرنے کے باوجود...... وہ سب اس کے ساتھ پریس کلب سے نکلے...... پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک کویتا نے اسے زوردار دھکا دے کر گرا دیا۔

ٹائیگر حیران تھا کہ کویتا نے اسے دھکا دے کر گرا کیوں دیا...... وہ اس معمہ کو حل کر ہی رہا تھا کہ ایک گولی سن سناتی ہوئی اس کے اوپر سے گزر گئی...... اگر اسے کویتا نے دھکا نہ دیا ہوتا تو وہ لقمہ اجل بن چکا ہوتا......

ٹائیگر نے سنبھل کر دیکھا۔ حملہ آور پارکنگ لاٹ سے ایک گاڑی کی اوٹ میں کھڑا ہوا تھا۔ جہاں سے اس نے ٹائیگر کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ وہ گولی پریس کلب کی دیوار سے لگ کر زمین پر گر گئی...... وہ اسے نشانہ بنانے کے لئے نشست باندھ رہا تھا کہ کویتا اس کی سرعت سے لپکی اور ٹائیگر پر گر کر اسے ڈھال بنا لیا۔ دوسرا فائر بھی اس نے داغ دیا۔ اس کے باوجود کویتا خوف زدہ نہیں ہوئی...... ٹائیگر نے اسے پرے دھکیل دیا۔ دوسرا فائر خالی گیا تھا...... پھر وہ کھڑی ہو کر ٹائیگر کو پھر ڈھال بنانا چاہتی تھی کہ وہ تیورا کر زمین پر گرتے وقت اس کے منہ سے ایک دل خراش چیخ نکلی...... پھر وہ خوف و دہشت سے بے ہوش ہوگئی......

کویتا سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز میں تھی۔ گورا بدن تھا...... گولی اس کے شانے پر لگی تھی جس سے خون ابل پڑا تھا جس سے نہ صرف اس کا سفید لباس بلکہ اس کا دودھیا بدن بھی خون سے نہانے لگا۔

ایک نہیں دو بدمعاش تھے...... ان کی گاڑی پارکنگ لاٹ پر کھڑی تھی...... وہ یہ سمجھے کہ کویتا موت کی آغوش میں جا چکی ہے...... انہوں نے ٹائیگر کو دیکھا جو اپنی موت کی پروا کئے بغیر ان کی طرف کوندا بن کر لپک رہا تھا...... اسے نشانہ بنایا۔ ٹائیگر کی قسمت اچھی تھی۔ ان کے ریوالور کی نال سے شعلہ نہیں نکلا۔ صرف کلک کی آواز گونج کر رہ گئی۔ ان کے ریوالور میں شاید تین ہی گولیاں تھیں۔ جب ان بدمعاشوں نے ٹائیگر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ان کی گاڑی جھٹکے سے بڑھی۔ اس کا انجن اسٹارٹ ہی تھا...... وہ زناٹے سے آگے بڑھی اور مین روڈ پر آ کر مخالف سمت بڑھ گئی۔ چند لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

ٹائیگر ایک دم سے رک گیا۔ اگر وہ اپنے دوستوں میں سے کسی کی گاڑی لے کر ان بدمعاشوں کا تعاقب کرتا تو لاحاصل تھا۔ کیوں کہ وہ گاڑی جس تیز رفتاری سے گئی تھی اس نے اب تک کئی میل طے کر لئے ہوں گے...... اس کی گرد پانا اور کس سمت گئی یہ معلوم کرنا دشوار تھا۔ اس کی رگوں میں نفرت اور غصے سے لہو ابلنے لگا۔ کاش......! اس نے سوچا۔ اس کی جیب میں ریوالور ہوتا تو وہ کویتا کو نشانہ بننے نہیں دیتا۔ ان دونوں کی کھوپڑیوں میں سوراخ کر کے خون میں نہلا دیتا۔

یہ لرزہ خیز واقعہ جو ڈرون حملہ تھا چشم زدن میں پیش آیا تھا جس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا...... پریس کلب کے گیٹ پر مسلح چوکیدار بھی تھا۔ لیکن اس وقت پریس کلب کے احاطے میں کھڑا بیڑی پی رہا تھا۔ جتنی دیر میں وہ بندوق اپنی گیسٹ والی کوٹھری سے نکال کر لے آیا وہ بدمعاش فرار ہو چکے تھے۔ سرسوتی نے موبائل فون سے قریبی پولیس اسٹیشن پر رابطہ کیا اور وین آئی تو بدمعاشوں کی گاڑی کا نام و نشان تک نہ تھا...... پولیس وین ایک انداز سے ان بدمعاشوں کے تعاقب میں روانہ ہوئی...... رنگا سوامی پولیس پر بگڑ گیا تا کہ ان کی گاڑی جو شام کے وقت پریس کلب کے باہر کھڑی ہوتی ہے وہ کیوں موجود نہ تھی...... اس نے صاف صاف سب انسپکٹر سے کہہ دیا تھا کہ...... "آپ لوگ رشوت لینے اور کسی بے گناہ آدمی کو گرفتار کر کے تھانے لانے گئے ہوں گے۔"

ٹائیگر برقی سرعت سے کویتا کی طرف لپکا۔ وہ تین چار برسوں سے اس کی نہ صرف اس کی مخلص دوست تھی بلکہ بے حد بے تکلف بھی...... اس کے سراغ رسانی کے کارناموں کی جذباتی حد تک رسیا تھی۔ ان دونوں میں خوب بنتی تھی...... وہ تصور بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہی سوچ سکتا تھا کہ اس کی جان بچانے کے لئے اپنی زندگی کی پروا نہیں کرے گی...... کسے اپنی زندگی عزیز نہیں ہوتی ہے...... لیکن یہ کیا جذبہ تھا...... محبت تھی...... اس قدر ایثار...... وہ کویتا سے شادی کرنے سے اس لئے قاصر تھا کہ ان کے درمیان مذہب کی دیوار تھی، جسے وہ گرانا نہیں چاہتی تھی اور نہ ہی ٹائیگر...... وہ دونوں ابھی شادی بھی کرنا نہیں چاہتے تھے...... اس نے ایک لمحے میں یہ سب کچھ سوچ لیا تھا...... کویتا نے اس کی جان بچا کر اسے بن مول خرید لیا تھا...... اس پر ایک ایسا احسان کیا تھا جسے وہ ساری زندگی اتار نہیں سکتا...... اس کی عظیم محسن...... ان درندوں نے کویتا کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی...... اس بات کا بھی خیال نہیں کہ وہ ایک عورت پر گولی چلا رہے ہیں۔

کویتا کو زخمی حالت میں بے ہوش دیکھ کر اندر سے صدمے، غصے اور نفرت سے اس کا دل جیسے پاش پاش ہوا جا رہا تھا۔ وہ کویتا کے پاس دو زانو ہوگیا۔ اس نے پہلے تو نبض دیکھی لگا جیسے ڈوب رہی ہو...... پھر اس نے سینے پر دل کی جگہ اپنا کان رکھ دیا۔ اسے آکسیجن کی ضرورت تھی۔ اس نے کویتا کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیا...... چند لمحوں کے بعد کویتا کے دل کی دھڑکن میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے...... نبض خطرے سے نکل آئی تھی۔ خون ابھی بھی زخم سے بہہ رہا تھا۔

فائرنگ سے پریس کلب کے اندر اور باہر ایک بھونچال آ گیا۔ فوٹو گرافر تصویریں بنانے لگے...... لیکن ایک افراتفری اور چیخ و پکار سی مچ گئی۔ پریس کلب کے سبزہ زار پر جو لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے...... سالہ ڈوسا کھا رہے تھے۔ بھگدڑ تھی کہ قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ حالاں کہ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ بدمعاش فائرنگ کر کے فرار ہوگئے ہیں...... ہر کسی کا خوف و دہشت سے برا حال تھا۔ سب سے زیادہ متاثر لڑکیاں اور عورتیں تھیں...... وہ ایک تو بے ہوش ہوگئی تھیں۔ رادھنا اور سرسوتی ان سے کہہ رہی تھیں کہ اب خطرے کی

کوئی بات نہیں رہی..... لیکن خوف و ہراس نے انہیں حواس باختہ کر دیا تھا۔

رنگا سوامی ٹائیگر کے پاس آیا تو اس کا چہرہ بے لہو ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ''میں نے اسپتال فون کر دیا ہے۔ بس ایمبولینس آنے والی ہے۔'' وہ غمزدہ لہجے میں بولا۔ ''آپ کسی کو بھی قریب نہ آنے دیں۔ حالاں کہ ایمبولینس کو اب تک پہنچ جانا چاہئے۔''

سبرا نیم بولا۔ ''شام کا وقت ہے..... ٹریفک اکثر جام ہو جاتا ہے۔''

ایک پولیس وین جو اس وقت پریس کلب کے باہر آ کر رکی تھی اس میں سے دو پولیس افسران اترے۔ اس وقت کویتا کے پاس بھیڑ ہونے لگی تھی۔ ان افسروں نے بھیڑ کو ہٹانے اور دور رکھنے کی کوشش کی۔

''اوہ..... یہ مس کویتا ہیں.....؟'' ایک افسر نے حیرت سے کہا۔ ''ان پر بدمعاشوں نے گولیاں چلائیں.....؟''

''مس کویتا پر نہیں بلکہ ٹائیگر پر.....'' رنگا سوامی بولا۔

''لیکن..... یہ نشانہ کیسے بن گئیں۔'' دوسرے افسر نے پوچھا۔

''مس کویتا نے ٹائیگر کو بچانے کی کوشش کی تھی..... وہ ڈھال بن گئی تھیں..... لیکن ان قاتلوں کو ایک عورت پر رحم نہیں آیا۔''

اس وقت ایمبولینس سائرن بجاتی ہوئی آتی دکھائی دی۔ ایمبولینس کے اندر ڈاکٹر بھی تھی۔ اس نے فوراً ہی کویتا کو اسٹریچر پر ڈال کر اندر لائے معائنہ کیا۔ اس کے منہ پر آکسیجن ماسک لگا دیا اور ڈرائیور سے کہا۔ ''فوراً اسپتال لے چلو.....''

ٹائیگر رنگا سوامی کی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اسپتال پہنچتے ہی کویتا کو فوراً آپریشن کے لے جایا گیا۔ کیوں کہ گولی اس کے شانے میں اتر گئی تھی۔

سبرا نیم نے موبائل پر کویتا کے گھر والوں کو اس خونی حادثے کی اطلاع دے دی تھی۔ ڈاکٹروں، سرجنوں اور نرسوں کی ایک ٹیم کویتا کے اسپتال پہنچنے سے پہلے ہی موجود تھی..... کویتا پر قاتلانہ حملے کی خبر نہ صرف ریڈیو بلیٹن بلکہ ٹی وی بلیٹن پر بھی نشر کی گئی تھی۔ صحافیوں کے علاوہ ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے اور عوام میں ہر خاص و عام اسپتال پہنچ گئے تھے..... اس لئے کہ کویتا کوئی عام عورت نہ تھی۔ ایک بڑے معروف اخبار کی نیوز ایڈیٹر تھی۔ بے باک، نڈر اور بے خوف صحافی تھی۔ اس کی بڑی عزت و قدر تھی۔ بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ اس کے علاوہ کالم نویس بھی تھی۔ وہ اپنے کالم میں کسی کو بھی نہیں بخشتی..... سیاسی رہنماؤں، سیاسی پنڈتوں اور صاحب اقتدار کی پول کھول کر رکھ دیتی..... بے ضمیر، مفاد پرست اور مافیا بھی اس سے ڈرتی اور اس کی جانی دشمن بھی تھی۔

اس پر جو قاتلانہ حملہ ہوا تھا اس کا یہ تاثر لیا گیا تھا کہ اس کے کسی دشمن نے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی..... لیکن اصل بات کیا تھی کسی کے علم میں نہ تھی۔ لیکن دوسرے دن سرسوتی نے جو دکن ہیرالڈ کی ایڈیٹر تھی اس نے اپنے اخبار میں یہ خبر شائع کر دی کہ ممبئی کے مشہور پرائیویٹ سراغ رساں ٹائیگر میسور کے جنگل میں شکار کھیلنے آئے تھے۔ پریس کلب کی چار دیواری سے باہر آتے ہی دو بدمعاشوں نے ٹائیگر کو نشانہ بنانے کی کوشش کی تو کویتا نے ڈھال بن کر اپنے مہمان کو بچایا اور خود موت کی آغوش میں جاتے جاتے بچ گئی۔ اب اس کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ اس کے شانے میں جو گولی پیوست ہوئی تھی وہ با آسانی نکال لی گئی۔ اس لئے کہ وہ زیادہ اندر نہیں گئی تھی۔

لیکن ٹائیگر دل میں حیران تھا کہ اس پر قاتلانہ حملہ کس نے کیوں اور کس لئے کیا تھا؟ اس کی آمد کی خبر ان جانے دشمن کو کس نے دی.....! اس نے اچانک شکار پر جانے کے لئے پروگرام بنایا تھا اور کسی کو بتائے بغیر روانہ ہو گیا تھا۔

ٹائیگر نے جب اس بات کا اظہار سبرا نیم سے کیا تو اس نے کہا۔

''تم جس روز بنگلور پہنچے اور گاڑی یعنی ٹیکسی میں ایک جوان جوڑے کے ساتھ اپنے گھر جا رہے تھے۔ تمہاری ٹیکسی کے مخالف سمت کویتا اپنی گاڑی میں اپنے دفتر جا رہی تھی اس نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔ لیکن تم نے اسے نہیں دیکھا..... کویتا نے اخبار میں اپنی طرف سے یہ خبر چھاپ دی کہ بلیک ٹائیگر میسور کے جنگل میں شکار کھیلنے ہر برس کی طرح اس برس بھی آیا ہوا ہے حکومت کرناٹک کو چاہئے کہ اس کی خدمات حاصل کرے۔ بلیک ٹائیگر..... شیر بنگال سے کہیں خطرناک ہے۔ وہ بنگال کا ٹائیگر ہے۔ ایک پرائیویٹ سراغ رساں ہے۔ اس نے ممبئی میں نہ صرف بڑے بڑے خطرناک مجرموں بلکہ کئی مافیاز کو کیفر کردار تک پہنچایا ہے..... حکومت کرناٹک بہت پریشان ہے کہ اب تک نہ صرف ملکی اور غیر ملکی شکاری بلکہ نوجوان لڑکیاں عورتیں اور مرد جو پراسرار طور پر غائب ہو گئے ان کا پتا نہیں چل سکا۔ یہ لڑکیاں اور عورتیں دو ماہ پیشتر میسور کے جنگل دو تین مردوں کے ساتھ کالا ہرن اور مرغابیوں کے شکار کے لئے گئی تھیں..... ان کی پراسرار گم شدگی ایک معمہ بن گئی ہے۔ اگر بلیک ٹائیگر کی خدمات حاصل کی جائیں تو یہ معمہ با آسانی حل ہو سکتا ہے۔ وہ انہیں بازیاب کر کے اور اس گروہ کے سرغنہ کو جس نے انہیں اغوا کیا اور کر رہا ہے اور خیال یہ ہے کہ اس کے گروہ میں وہ قاتل، مجرم اور غنڈے بدمعاش ہیں جو مفرور ہیں جن کی حکومت کو بھی تلاش ہے انہیں کیفر کردار تک پہنچا کر دم لے گا..... ٹائیگر سراغ رساں نہ صرف زبردست سراغ رساں ہے بلکہ شکاری بھی ہے..... ملایا، آسام اور بنگلہ دیش کے سندر بن کے جنگل میں اس نے خطرناک گینڈے، تیندوں، شیر ببر، گینڈوں اور ریچھوں کا بھی شکار کیا ہے۔''

''لیکن ایک بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ایک گروہ نوجوان لڑکوں، مردوں اور نوجوان لڑکیوں عورتوں اور شکاریوں کو بھی کس لئے اغوا کر رہا ہے جو میسور کے جنگل میں موجود ہے..... کیا وہ ان سے دل بہلاتا ہے۔ لیکن جوان لڑکوں اور مردوں کو کس لئے..... اس نے اب تک جو جوان لڑکیاں عورتیں اغوا کی ہیں اور کر رہا ہے..... کیا وہ عام قسم کی تھیں یا حسین.....''

یہ معمہ حل نہیں ہو سکا کہ وہ لڑکیوں، نوجوان لڑکوں، مردوں کو کس لئے اغوا کر رہا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے..... لیکن ہو سکتا ہے کہ انہیں کھلونا بنانے کے لئے..... اب تک جتنی بھی لڑکیاں اور عورتیں اغوا ہوئی ہیں وہ نہایت حسین، نوجوان، جواں سال اور بے حد پرکشش تھیں جیسے نگینے ہوں..... بہرکیف یہ ایک معمہ اور اسرار ہے۔''

''کیا یہ امکان نہیں ہے کہ وہ ان لڑکیوں عورتوں کو کسی غیر ملک میں لے جا کر فروخت یا نیلام کر دیتا ہو..... دبئی..... قطر اور بھی کئی جگہ ایسی ہیں جہاں ہندوستانی حسن کی بڑی مانگ ہے۔'' ٹائیگر نے خیال ظاہر کیا۔

''اس امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا..... آج کا دور ایسا ہے کہ کون سی بات ناممکن ہے۔''

''کیا گائیڈ کی مدد سے بھی یہ پتا نہیں چلا کہ وہ کون پراسرار شخص ہے.....؟ کیسا تنظیم ہے جو اس قدر منظم ہے۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''اب جب کہ میں آیا ہوں تو اس کا سراغ لگا کر رہوں گا۔'' ٹائیگر نے کہا۔

''ٹائیگر.....! تم ذرا ہوشیار، چوکنا اور محتاط رہنا..... میرا خیال ہے کہ اس شخص نے بہت سارے اپنے لوگوں کو خرید کر چھوڑ رکھا ہے..... وہ تم پر کسی بھی وقت دوبارہ قاتلانہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔'' رنگا سوامی بولا۔ ''اس حملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تمہارے یہاں آنے سے سخت پریشان ہے..... خوف زدہ ہے..... اس لئے اس نے تمہاری جان لینے کی کوشش کی..... اپنی ناکامی پر بری طرح تلملا رہا ہوگا۔''

''یہ پراسرار نادیدہ دشمن جو نہایت ذہین اور خطرناک ہے وہ قانون کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا..... مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔ جب

وہ محتاط و مہربان بن جاتا ہے تو بڑے سے بڑا اور خطرناک بھی بال بیکا نہیں کرسکتا..... اس نے ہمیشہ میری حفاظت کی ہے..... میں جانے کتنی مرتبہ موت کے منہ میں جا کر آیا ہوں..... اللہ کا کرم تھا کہ میرا بال تک بیکا نہیں ہوا۔ مجھ پر آنچ تک نہیں آئی۔ ہمارے مذہب میں موت کا ایک دن معین ہے..... نہ موت پہلے آسکتی ہے اور نہ بعد میں..... وہ دس مرتبہ قاتلانہ حملے کیوں نہ کرے اسے کامیابی نصیب نہیں ہوگی۔"

پھر وہ اور رنگا سوامی اور سبرانیم کویتا کو دیکھنے اسپتال پہنچے۔ سب سے پہلے رنگا سوامی..... پھر سبرانیم نے باری باری اندر جا کر کویتا کی عیادت کی..... ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق نرس صرف ایک ملاقاتی کو اندر آنے دے رہی تھی۔ کویتا کے گھر والے بھی باہر راہ داری میں رکھی کرسیوں میں بیٹھے تھے۔ ان دونوں کے کویتا کو دیکھ کر آنے تک کویتا کے گھر والوں سے باتیں کرتا رہا کہ کویتا کا یہ احسان ایسا عظیم ہے کہ وہ ساری زندگی بھی اتار نہیں سکتا۔ کویتا کی ماں نے کہا۔

"اگر کویتا نے تمہاری جان بچانے کے لئے اپنی زندگی کی بھینٹ بھی دے دی تو کم نہیں ہوتا خوشی ہوتی..... میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ اس کے کارن جو تمہاری زندگی بچ گئی ہم سب کتنے خوش ہوئے اور ہیں..... کیا ہم تمہارا وہ احسان بھول سکتے ہیں جو تم نے کویتا کو بچانے کے لئے اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈالا تھا۔"

"میں نے کب کویتا کی خاطر جان کا خطرہ مول لیا تھا.....؟" ٹائیگر نے کہا۔ اس وقت اسے یاد نہیں آیا۔

"جب تم پہلی مرتبہ تین برس پہلے بنگلور آئے تھے اس وقت ایک سیاسی پنڈت نے پانچ اجرتی بدمعاشوں کی خدمات حاصل کی تھیں کہ کویتا کو اغوا کر کے نہ صرف اس کے ساتھ اجتماعی زیادتی کر کے فلم بنا کر بازار میں پھیلا دیتا..... اس لئے کہ کویتا نے اس کے اور اس کی بہن کے خلاف اخبار میں لکھا تھا۔ دونوں کا کرپشن ظاہر کیا تھا جس سے وہ دوبارہ الیکشن جیت نہ سکے تھے۔ کویتا جب کبن پارک کے ریسٹورنٹ سے نکل کر پارکنگ پر آئی تھی پانچ مسلح بدمعاشوں نے اسے نرغے میں لے کر حکم دیا تھا کہ وہ خاموشی سے سامنے کھڑی کالی وین میں سوار ہو جائے..... اتفاق سے تم وہاں سے گزرے تو کویتا نے تمہیں مدد کے لئے پکارا تھا..... کویتا حصار توڑ کر تمہاری طرف لپکی..... ان پانچوں بدمعاشوں کے پاس چاقو اور پستول تھے..... تم نے چاقو والے بدمعاش کو جو تمہیں چاقو گھونپنے اور راستے سے ہٹ کر جانے کی دھمکی دیتا ہوا بڑھا تو تم نے فضا میں اچھل کر چاقو والے ہاتھ پر ایک کک لگائی تو وہ لٹو کی طرح گھوم کر پستول والے بدمعاش پر جا گرا۔ اس بدمعاش کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گرا تو تم نے سرعت سے اٹھایا۔ دوسرے چاقو والے بدمعاش نے تمہارے بازو میں چاقو گھونپ دیا تو تم نے اس کی پیٹ میں لات ماری تو وہ اس کے ضرب کی تاب نہ لا کر لڑکھڑایا۔ زمین پر گر کر خاک چاٹنے لگا۔ دوسرے پستول والے بدمعاش نے تمہیں گولی چلانے کی مہلت نہیں دی اور اس نے فائر جھونک دیا۔ گولی تمہارے شانے کو زخمی کرتی نکل گئی۔ پھر تم نے ان بدمعاشوں پر گولیاں برسانا شروع کیں تو وہ چاروں اپنی وین کی طرف لپکے۔ چاقو والے زخمی کو چھوڑ کر فرار ہونے لگے تو تم نے فائرنگ کر کے گاڑی کا حشر نشر کر دیا۔ وہ چاروں گاڑی میں سے نکل کر مختلف سمتوں میں بدحواسی اور دہشت زدہ ہو کر بھاگ نکلے..... فائرنگ کی آواز سن کر پولیس کی موبائل آ گئی۔ اس زخمی بدمعاش کو گرفتار کر کے لے گئی۔ اس نے بتایا کہ یہ کسی کی ایما پر ان بدمعاشوں نے کویتا کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ تم اسپتال میں تین دن زیر علاج رہے..... کیا تمہارے اس احسان کا بدل کویتا کا احسان ہے..... نہیں کویتا کا احسان کوئی حیثیت نہیں رکھتا....."

"اوہ آنٹی.....!" ٹائیگر نے ہنس کر کہا۔ "مجھے تو یاد بھی نہیں..... آپ نے اس معمول سے واقعہ کا ذکر کر کے شرمندہ کر دیا..... یہ خوشی کی بات ہے کہ کویتا

خطرے سے باہر ہے۔ اسے سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹروں کی تاکید ہے کہ چوبیس گھنٹے تک اسے ملاقاتی نہ ملیں تو اچھا ہوگا۔"

جب ٹائیگر کویتا کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ ہوش میں تھی۔ چہرے سے ظاہر تھا کہ اس کی طبیعت کافی سنبھل چکی ہے۔ اسے خون دیا جا رہا تھا اور ڈرپ بھی لگی ہوئی تھی۔ ٹائیگر نے محسوس کر لیا تھا کہ اس پر نقاہت طاری ہے۔ اس لئے کہ خون خاصا بہہ چکا تھا۔ ٹائیگر کو دیکھ کر اس کے زرد چہرے پر دل کش مسکراہٹ کی سرخی دوڑ گئی۔

"آپ ٹائیگر ہیں۔ شیر بنگال....." نرس بولی۔

"انہیں ہوش آتے ہی پہلے آپ کی فکر ہوئی۔ جب سے اب تک کوئی بیسوں مرتبہ آپ کے بارے میں پوچھ چکی اور مسلسل پوچھے جا رہی ہیں..... میں نے بتایا کہ وہ خیریت سے ہیں۔ ان پر آنچ نہیں آئی..... لیکن شریمتی کو یقین نہیں آیا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ اگر خیریت سے ہیں تو مجھے دیکھنے کیوں نہیں آئے..... میں نے کہا کہ ڈاکٹروں نے ملاقاتیوں حتیٰ کہ آپ کے گھر والوں کو بھی منع کیا ہوا ہے۔ لیکن انہیں میری بات کا یقین نہیں آیا ہے..... کہا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں..... وہ بھی شاید اسی اسپتال میں زیر علاج ہیں..... شکر ہے آپ آ گئے۔" وہ کہہ کر ہنس دی۔

"وہ اس لئے بار بار پوچھ رہی تھیں کہ اس بدمعاش نے مجھے نشانہ بنا دیا ہوگا..... میں زندہ نہ بچ سکا ہوں گا۔"

"میں تھوڑی دیر میں ڈاکٹر سے مل کر اور ہدایات لے کر آتی ہوں۔" نرس بولی۔ "آپ انہیں زیادہ بولنے مت دیں۔"

ٹائیگر نے بستر کے پاس جا کر اس کا نرم و نازک خوب صورت اور سڈول ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

"کویتا.....! تم نے میری جان بچانے کے لئے اپنی جان کی پروا نہیں کی.....؟ مجھے بن مول خرید لیا۔" ٹائیگر اس کا ہاتھ چوم کر بولا۔

"مجھے تمہیں اپنے سامنے زندہ سلامت پا کر کتنی خوشی ہو رہی ہے کاش.....! میں الفاظ میں بیان کر سکتی۔"

"تم صحافی ہو..... تمہارے پاس الفاظ کی کیا کمی ہے....." ٹائیگر نے خوش دلی سے کہا۔

"میری آنکھوں کی زبان کیا کہہ رہی ہے تمہیں اندازہ نہیں ہو رہا ہے.....؟" وہ جذباتی لہجے میں بولی۔ "تم نے جب مجھے غنڈوں کے ہاتھوں اغوا ہونے سے بچایا اس دن سے تم میرے من کے خانے میں بسے ہوئے..... میں اس دن سے تمہاری....."

ٹائیگر اس کے چہرے پر جھک گیا تو اس کا جملہ نامکمل رہ گیا۔ اس کے ہونٹ دیر تک پیوست رہے اور بھی رہتے..... باہر آہٹ سن کر ٹائیگر نے اپنا چہرہ اوپر اٹھا لیا۔

"یہ کیا حرکت تھی.....؟" کویتا نے حیا آلود ہو کر کہا۔

"تمہارے شریمتی ہونٹوں کی شیرینی....." نرس نے دروازہ کھولا تو وہ خاموش ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

رات کے بارہ بج رہے تھے۔ ٹائیگر اپنے گھر میں اپنے بستر پر دراز اس نادیدہ دشمن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ آج دوسرا دن تھا۔ وہ اسپتال میں کویتا کے پاس بیٹھ کر بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔ ابھی اس کی کمزوری پوری طرح دور نہیں ہوئی تھی۔ زخم مندمل ہونے میں ابھی دو تین دن لگ سکتے تھے..... رنگا سوامی اور سبرانیم بھی تھے۔ ان تینوں نے رات کا کھانا ایک ہوٹل میں کھایا۔ جب وہ گھر جا رہا تھا اس نے ایک مشکوک شخص کو تعاقب کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب اس نے رنگا سوامی کو بتایا۔ رنگا سوامی اپنی گاڑی میں اسے چھوڑنے جا رہا تھا۔ وہ اسے اپنے گھر لے آیا۔ رنگا سوامی نے اسے اپنے ہاں رکنے کے لئے کہا لیکن وہ نہ مانا۔ اس نے کہا کہ وہ اس تعاقب کرنے والے بدمعاش کی خبر لے کر گھر چلا جائے گا..... پھر وہ رنگا

سوامی کے مکان کے عقبی حصے سے نکلا۔ پھر گھوم کر آیا تو اس نے اس شخص کو رنگا سوامی کے مکان کے سامنے کھڑے سگریٹ پیتے دیکھا۔ جس مکان کے سامنے وہ کھڑا ہوا تھا۔ وہ زیر تعمیر تھا۔ اس میں سے گھپ اندھیرا جھانک رہا تھا۔ گلی میں نیم اندھیرا تھا۔ وہ قد آور تھا۔ جب وہ لمبا سا کش لیتا تو اندھیرے میں اس کی ننھی سی روشنی میں اس کا چہرہ کچھ دکھائی دیتا۔ جب اس نے دوسرا سگریٹ نکال کر دیا سلائی دکھائی تو ساعت بھر کے لئے اس کا چہرہ روشن ہوگیا۔ وہ کوئی پیشہ ور قاتل لگتا تھا۔ اس کے چہرے پر درندگی تھی اور آنکھوں سے وحشیانہ پن جھانک رہا تھا۔ وہ اس زیر تعمیر مکان کے احاطے میں کھڑا اس کے رنگا سوامی کے مکان سے نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ گلی ویران اور سنسان پڑی تھی۔ چوں کہ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ اس لئے کوئی آمد و رفت بھی نہیں تھی۔ ٹائیگر گھوم کر اس کی طرف بڑھا تو اس کے ہاتھ میں کرکٹ کی گیند کے سائز کا ایک پتھر تھا۔ جب وہ اس کے قریب پہنچا تو بدمعاش نے اس کی طرف دیکھا۔ ٹائیگر نے چشم زدن میں پتھر اس کی پیشانی پر دے مارا۔ دوسرے لمحے وہ چکراتا ہوا زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

اس کی جیب میں ایک ریوالور..... اور پرس تھا اس کے اوپر کی جیب میں کچھ نوٹ تھے۔ پھر تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھر میں موجود تھا۔

ٹائیگر نے اسی پتھر سے اس کے سر پر ایک اور ضرب لگائی تھی کہ اس کی چوٹ دماغ کے اندر تک اثر کر جائے تاکہ اس کا ذہن مفلوج ہو کر رہ جائے۔ دو دن تک ہوش میں آنے کے قابل نہ رہے۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ کوئی اجرتی قاتل ہے۔ اس پر رحم نہیں آیا تھا..... پہلے تو اس نے ریوالور چیک کیا۔ اس کی نال پر سائی لینسر نصب تھا..... اس کے چیمبر میں چھ گولیاں بھری ہوئی تھیں..... پھر پرس کھول کر دیکھا جو بہت پھولا ہوا تھا۔ اس میں چھوٹے بڑے نوٹ تھے۔ اس کے علاوہ پونڈ کرنسی بھی تھی۔ اس نے ہندوستانی کرنسی گنی جو تیس ہزار تین سو اکیس روپے تھے..... سو سو پونڈ کے چالیس نوٹ تھے جس سے اس نے قیاس کیا کہ کسی انگریز سیاح سے اس بدمعاش نے گن پوائنٹ پر چھینا ہے۔ پرس میں جو ہندوستانی کرنسی تھی اس سے بھی یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اس نے کسی دکان یا گھر میں ڈکیتی کی واردات ورسر راہ رہزنی بھی کی..... اس کے کاغذات سے پتا چلا کہ اس کا نام مہی پال ہے..... اس پرس میں ٹائیگر کی ایک تصویر تھی۔ ایک خط تھا جس میں تحریر تھا۔

''مہی پال!

میں بیس ہزار کی رقم اور ایک انگریز سیاح جو میرے ہاں یرغمال ہے اس کی رقم جو تیس پونڈ کی ہے وہ سو سو کے چالیس نوٹ ہیں میں تمہیں بھیج رہا ہوں۔ ساتھ میں ٹائیگر کی تصویر بھی۔

ٹائیگر کون ہے میں تمہیں بتا دوں..... یہ بنگال کا شیر کہلاتا ہے اور ممبئی میں پرائیویٹ سراغ رساں کا دفتر کھولے بیٹھا ہے۔ یہ بہت ہی خطرناک، نڈر اور بہادر شخص ہے۔ اس نے بنگال اور ممبئی میں بڑے بڑے خطرناک مجرموں اور مافیا کا صفایا کر دیا ہے۔ وہ ہر برس بنگلور آتا ہے تاکہ شکار اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلے۔ اس بار بھی آیا ہے۔ لیکن اس مرتبہ کرناٹک صوبہ کا گورنر اس کی خدمات حاصل کرنے والا ہے تاکہ مجھے ختم کر دے۔ اس دنیا میں وہ واحد ایسا شخص ہے جو مجھے ختم کر سکتا ہے۔ ابھی ایسا کوئی مائی کا لال پیدا ہوا ہے نا ہوگا۔ لیکن یہ بلیک ٹائیگر ایسا مائی کا لال ہے جو مجھے موت سے ہمکنار کر سکتا ہے۔ اس کے کارنامے میں اخبارات میں پڑھ چکا ہوں اور سن بھی چکا ہوں۔ اسے ہر قیمت پر موت کی نیند سلانا ہے۔ تمہاری صوبہ کرناٹک میں بڑی دھاک ہے۔ تم سے نہ صرف بڑے بڑے خطرناک بدمعاش کانپتے ہیں بلکہ پولیس بھی..... میں تمہیں یہ رقم پیشگی ارسال کر رہا ہوں۔ میں تمہارے کارناموں سے واقف ہوں۔ تم اب تک تیس آدمیوں کو قتل کر چکے ہو..... سولہ لڑکیوں عورتوں کی

آبروریزی..... اس کے بارہ عدد ڈکیتی اور رہزنی کی وارداتیں اسی طرح تمہارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔

میں نے بنگلور کے دو خطرناک بدمعاش چندر اور رمیش کی خدمات حاصل کیں۔ انہیں بیس ہزار روپے بھی دیئے کہ ٹائیگر کو قتل کر دیں۔ لیکن درمیان میں وہ الو کی پٹھی کوبتا دیوی آ گئی۔ وہ ڈھال بن گئی۔ میں نے ان حرام زادوں سے کہا تھا کہ درمیان میں عورت، بچہ اور بوڑھا ہی کیوں نہ آئے اسے اڑا دو۔ لیکن وہ ٹائیگر کا بال تک بیکا نہ کر سکے۔ لیکن تم ایسا نہ کرنا۔ ٹائیگر کو قتل کرنے کی صورت میں تمہیں دو لاکھ روپے انعام دوں گا۔

نیچے نام نہیں لکھا ہوا تھا۔ اس خط کو پڑھنے کے بعد ٹائیگر کو اس بات سے خوشی ہوئی تھی کہ اس نے جس بدمعاش مہی پال کا حشر نشر کیا اس کی یہی سزا تھی۔ یوں بھی اس نے اس بدمعاش کو اس قابل نہیں چھوڑا تھا کہ وہ ہوش میں آئے۔ ہوش میں آ بھی گیا تو وہ کسی قابل نہیں رہے گا..... اس خط سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ شیطان اس سے بہت زیادہ خوف زدہ ہے۔

ٹائیگر کو سوچتے سوچتے کہ اس شیطان کے علاقے کا کیسے پتا چلائے اچانک اسے روندا کا خیال آیا جو میسور جنگل میں گائیڈ تھا۔

ٹائیگر کو اس کا خیال آتے ہی اس نے روندا کے ہاں جانے اور اس سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ اتفاق سے آج اتوار کا دن تھا۔ روندا چوں کہ بیس برس سے گائیڈ تھا اس کی معلومات اور تجربہ جتنا تھا کسی اور کو شاید ہی ہو سکتا تھا۔ اس نے صبح روندا کے ہاں جانے سے سودا سلف اور پھل خریدے اور گھر جا پہنچا۔

جب اس نے گھر کے دروازے پر دستک دی تو دروازہ نہیں کھلا..... البتہ اس نے گھر کے اندر کسر پھسر کی آواز سنی..... اس نے وقفے وقفے سے دو مرتبہ دستک دی..... اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ دروازہ کھلنے میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟

پھر اس نے چند لمحوں کے بعد دروازے پر دستک دیتے ہوئے آواز دی۔ ''روندا چچا..... میں ہوں۔ وسیم احمد.....''

چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا تو اس کی بیوی سادھنا کا چہرہ نمودار ہوا..... سادھنا بھی بڑی خوب صورت تھی۔ وہ اپنی بیٹیوں کی ماں نہیں بڑی بہن دکھائی دیتی تھی..... اس کی عمر چالیس برس کی تھی۔ لیکن چھریرے متناسب بدن کی وجہ سے اس پر کسی دوشیزہ کا دھوکا ہوتا تھا۔ چہرے پر بڑی تازگی اور شادابی بھی تھی۔

لیکن اب اس وقت وہ اپنی عمر سے دس بارہ برس بڑی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ بڑی باحوصلہ عورت تھی۔ حالات کا پامردی سے مقابلہ کر رہی تھی۔ وہ اور اس کی تینوں لڑکیاں گھر پر سلائی کڑائی کا کام کرتی تھیں تاکہ لڑکیوں کی شادی بیاہ کے لئے جہیز جمع ہو..... سادھنا کسی مرجھائے ہوئے پھول کی طرح لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سرخی تھی۔ نہ شادابی..... وہ رخصت ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھیں ویران تھیں اور کنائیوں میں آنسو بھرے بھرے تھے۔ وہ اسے دہشت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑے زور سے چونکی اور حیرت زدہ لہجے میں بولی۔

''وسیم بھیا.....! آپ.....'' اس کی زبان حیرت اور خوشی سے لڑکھڑائی۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا۔

''جی چاچی.....!'' ٹائیگر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''کیا بات ہے.....؟ آپ لوگ اس قدر ہراساں، پریشان اور خوف زدہ کیوں ہیں کہ تین چار دروازے پر دستک دینے کے باوجود دروازہ نہیں کھلا..... کیا غنڈے بدمعاش آپ کی لڑکیوں کو اٹھانے کے لئے گھر میں گھسنے والے تو نہیں تھے.....؟''

''نہیں..... نہیں.....'' سادھنا نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ ''اندر آئیں تو میں آپ کو بتاتی ہوں۔''

جب وہ اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ لڑکا اور تینوں لڑکیاں ایک طرف سہمی کھڑی ہوئی ہیں۔ ان

کے چہرے بے لہو ہو رہے تھے۔ آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ جیسے ہی انہوں نے اسے دیکھا ان کی جیسے جان میں جان آئی۔

''انکل.....! سب سے بڑی لڑکی بولی۔ ''اس وقت آپ نے یہاں آ کر بڑی کرپا کی..... میں بتا نہیں سکتی کہ آپ کے آنے سے ہمیں ایک نئی شکتی اور زندگی ملی ہے۔'' اس کی آنکھیں نم ناک ہوگئیں۔ دوسری لڑکیاں بھی جذباتی ہوگئیں۔

ٹائیگر نے سادھنا کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''کیا بات ہے۔ مجھے بتائیں چاچی.....! روندا چاچا کہاں ہیں؟''

وہ قریب آ کر اس کے کانوں میں سرگوشی سے آہستگی سے بولی۔ ''وہ اندر ہیں..... ان کی جان کو خطرہ ہے.....''

''کس سے.....؟'' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

''شیطان سے.....''

''شیطان سے.....؟ میں سمجھا نہیں..... شیطان کون ہے.....! کہاں ہے.....؟''

''تمہارے چاچا ہی تمہیں بتائیں گے کہ شیطان کون ہے.....'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا تو اس کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ ''دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''گھبرانے اور خوف زدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں.....'' ٹائیگر نے جیب سے ریوالور نکال لیا۔ ''شیطان آئے یا اس کا باپ..... میں اسے بھون دوں گا..... آپ لوگوں پر آنچ نہیں آئے گی۔''

منجھلی لڑکی دوڑ کر اس کے سینے سے آ لگی۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو ٹائیگر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''میری چھوٹی بہن.....! رو رتی کیوں ہو؟ میں نے کہا نا کہ وہ تم میں سے کسی کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا..... تمہارے پتا جی کو ہاتھ نہیں لگا سکتا..... تم سب کی رکھشا بھگوان کرے گا۔'' ٹائیگر نے دلاسا دیا۔

پھر اس نے سودا سلف اور پھل کے تھیلے سادھنا کی طرف بڑھایا۔

''آپ لوگوں کے فق چہروں سے ایسا لگ رہا ہے کہ کئی دنوں سے کھانا پینا چھوٹ چکا ہے..... بھوک پیاس مرگئی ہے..... چولہا ٹھنڈا رہنے لگا ہے۔ اب آپ غم، فکر اور خوف بالکل چھوڑ دیں..... اب آپ بے سہارا اور لاوارث نہیں رہے..... آپ لوگ جلدی سے پہلے تو ناشتہ اور چائے بنائیں۔ میں دودھ، انڈے..... ڈبل روٹی، چائے پتی، چینی اور ضرورت کی چیزیں لایا ہوں۔ تیل اور گھی بھی ہے..... چاول اور آٹا بھی..... پھل بھی..... کسی چیز کی ضرورت اور کمی رہ گئی ہے تو وہ منگوالیں.....'' اس نے بٹوے میں سے سو سو کے دس نوٹ نکال کر سادھنا کی طرف بڑھائے۔

سادھنا نے اس کے ہاتھ سے رقم نہیں لی۔ وہ جذباتی ہو کر منہ پر پلو رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ لڑکیاں بھی ماں کو دیکھ کر رونے لگی تھیں۔ اس نے بڑی لڑکی رکمنی کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں نوٹ دیئے۔

''رکمنی بہن.....! تمہاری ماں بہت زیادہ خوف زدہ اور پریشان ہے..... لہٰذا تم ناشتا تیار کرو اور کھانا بھی..... ہم سب ایک ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کریں گے..... دوپہر کا کھانا بھی..... میں اس وقت تک یہاں موجود رہوں گا۔ جب تک اطمینان و سکون نہیں ہو جاتا..... میں تمہارے پتا جی سے ملنے اندر جا رہا ہوں۔''

وہ اپنی بات کا ردعمل دیکھنے کے لئے نہیں رکا..... کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا۔ روندا چارپائی پر خوف زدہ حالت میں لیٹا ہوا اس کی باتیں سن لی تھیں۔ وہ قدرے پرسکون اور اطمینان بخش سا نظر آیا۔ اس کے پیچھے سادھنا آ کر بولی۔

''ناشتے میں دیر ہے..... میں پہلے چائے بنا لاتی ہوں۔''

روندا اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں رکھی کرسی سادھنا

چارپائی کے پاس رکھ کر چلی گئی۔ ٹائیگر نے اسے ناقدانہ نظروں سے دیکھا۔ وہ صرف گائیڈ ہی نہیں ایک طرح سے شکاری بھی تھا..... دراز قد..... مضبوط کسرتی جسم کا مالک..... وجیہہ بھی..... ایک شیر کی مانند..... صرف ایک ڈیڑھ برس کے عرصے میں ایک بوڑھے شیر کی طرح لگ رہا تھا۔ ڈھلک گیا تھا۔

وہ ٹائیگر کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں چومنے اور آنکھوں سے لگانے لگا اور بولا۔

''بیٹا.....! تم اوتار بن کر آئے ہو..... مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ میں کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں..... میری زندگی نہ صرف خطرے میں ہے بلکہ میری پتنی اور تینوں لڑکیاں اور لڑکے بھی.....''

''کس سے.....؟'' ٹائیگر نے حیرت سے پوچھا۔ ''چاچی کس شیطان کے بارے میں کہہ رہی تھیں..... وہ شیطان کون ہے.....؟''

''یہ وہی شیطان ہے..... درندہ صفت..... جس کی درندگی اور شقی القلبی انسانیت کے لئے بدترین داغ بن چکی ہے..... نہ صرف حسین و جمیل لڑکیاں عورتیں..... نوجوان لڑکے مرد..... ملکی غیر ملکی سیاح مرد اور عورتیں اغوا کر کے یرغمال بنائے جا رہی ہیں..... میں اس شیطان کی قید میں دو ماہ رہا ہوں..... میں ایک ہفتہ قبل اس کی قید سے فرار ہوا ہوں۔ میرے تعاقب میں اس کے غنڈے بدمعاش اور خون خوار کتے بھی لگے ہوئے تھے..... اپنی جان بچاتا کسی نہ کسی طرح یہاں پہنچنے میں کامیاب ہوا ہوں..... رات کے دو بجے پہنچا ہوں..... اس نے میری رہائی کے لئے ایک شرط رکھی تھی میں لڑکیوں کو اس کے حوالے کر دوں..... ورنہ میرے آدمی انہیں اغوا کر کے لے آئیں گے..... دنیا کی کوئی طاقت انہیں بچا نہیں سکتی.....

روندا نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔ سادھنا چائے اوپسکٹ لا کر رکھ گئی۔ جب وہ چلی گئی تو ٹائیگر نے پوچھا۔

''یہ جنگل میں کہاں رہتا ہے..... اس کی سکونت کا آج تک پتا نہیں چل سکا۔ کوئی کھوج نہیں لگا سکا۔''

''مجھے بھی اس کا علم بالکل نہ تھا۔ حالاں کہ میں بیس برس سے اس جنگل میں گائیڈ ہوں اور اس کے چپے چپے سے واقف ہوں..... لیکن یہ جنگل سینکڑوں میل تک پھیلا ہوا نہ صرف گنجان بلکہ تاریک اور چاروں سمتوں تک ہے..... اتفاق سے مجھے کبھی اس جزیرے پر جانے کا اتفاق نہیں ہوا جو جنوب کی مغربی سمت واقع ہے۔ وہ جزیرہ گھنے درختوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کا علم مجھے اس وقت ہوا جب مجھے قید کر کے لے جایا گیا..... اس جزیرے کا علم شاید ہی کسی کو ہو..... ایک بہت بڑی حویلی اور ایک شان دار اور وسیع و عریض کوٹھی بھی ہے..... مجھے جس حصے میں قید کیا ہوا تھا وہاں سے اس لئے نکل کر فرار نہیں ہو سکا تھا کہ خون خوار شکاری کتے دن رات پہرہ دیتے ہیں..... صرف وہی آمد و رفت کر سکتا ہے جن کے پاس شیطان کا دیا ہوا ایک چرمی نشان ہو..... اس سے ایک ایسی خوشبو پھوٹتی ہے اور وہ نشان دن رات میں ایسا چمکتا ہے کہ کتے دیکھ کر ڈرنا تک بھول جاتے ہیں۔ اس کی روک ٹوک نہیں کرتے ہیں۔ وہ کہیں بھی آ جا سکتا ہے..... یہ خون خوار کتے جو جسامت میں گینڈے نما ہیں تربیت یافتہ ہیں۔

اس حویلی میں ایک جدید ترین فلم اسٹوڈیو بنا ہوا ہے۔ ایک کمرے میں میں نے سو سے زائد طاقت ور اور جدید ترین قسم کے جنریٹر دیکھے..... وہاں کسی کو بھی سگریٹ پینے اور دیا سلائی اور لائٹر رکھنے کی اجازت نہیں..... اس کے آدمی جو تمباکو نوشی کے عادی ہیں وہ ایک مخصوص کمرے میں آ کر کر سکتے ہیں..... اس کے علاوہ نہ صرف خفیہ کیمرے بھی نصب ہیں اور ٹی وی سیٹ بھی آن ہیں۔ وہاں میری عمر کے دو آدمی تھے جنہیں رنگا پٹم سے اغوا کر کے لایا گیا تھا۔ ہم تینوں کا کام اسٹوڈیو میں صفائی اور لائٹنگ درست کرنا ہوتا تھا..... تقریباً روز ہی ممنوعہ فلم کی شوٹنگ ہوتی تھی..... تیرہ چودہ اور سولہ برس کی لڑکیاں اور جواں سال عورتیں بھی ان فلموں کا کردار

بنتی تھیں..... کم سن اور نوخیز عمر کی معصوم لڑکیاں جب ہدایت کار کی بات نہیں مانتی تھیں جبر و زیادتی سے عکس بندی کی جاتی تھی..... وہ شیطان بھی شوٹنگ پر موجود ہوتا تھا..... ان فلموں کے مرد کردار حیوانوں کی طرح تھے جنہیں دیکھ کر لڑکیاں کانپ جاتی تھیں۔ ان کے لئے فرار کی راہ نہیں ہوتی تھی۔

ایک اور بات جو میرے علم میں آئی تھی وہ یہ کہ میسور کے جتنے بھی اسپتال تھے..... سرکاری بھی..... لاوارث مردوں کو مردہ خانوں سے لایا جاتا تھا..... جو سڑکوں پر حادثے کی نذر ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے تھے وہ پراسرار طور پر غائب ہو کر یہاں پہنچ جاتے تھے..... اس کے علاوہ جو بارش، طوفان اور سیلاب سے مرنے والوں کو بھی.....

اس نے حویلی کے ایک سرے پر مردہ خانہ بنا رکھا ہے..... یہ مردہ خانہ ایئر کنڈیشن ہے۔ وہ ان مردوں کا کیا کرتا ہے علم نہ ہو سکا..... نہ میں نے اس بات کی کوشش کی..... نہ تو مجھے منوعہ فلموں کی عکس بندی سے کوئی دلچسپی تھی نہ لڑکیوں اور عورتوں سے..... میں تو وہاں فرار ہونے کے لئے منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس تاک میں تھا کہ وہ منقش چرمی بیج کسی طرح حاصل کروں۔ اس کا حصول آسان نہیں تھا۔

وہ بظاہر ایک مہذب انسان دکھائی دیتا تھا..... اسے کوئی شیطان کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیوں کہ اس کی باتوں سے اندازہ لگانا مشکل تھا۔ جب اس نے مہی پال کے سامنے میری رہائی کی شرط رکھی کہ میں اپنی لڑکیوں کو اس کے حوالے کردوں ورنہ مہی پال اور اس کے آدمی انہیں اغوا کر کے لے آئیں گے تو میری نیند حرام ہوگئی۔

دوسرے دن اتفاق سے شوٹنگ سے واپس آتے سے بھگوان نے میرے حال پر ترس کھایا۔ میرے پیر سے فرش پر گری کوئی چیز ٹکرائی۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ وہ منقش چرمی بیج تھا۔ جانے کس کا تھا..... کسی کا بھی تھا مجھے اس سے کوئی غرض نہ تھی۔

حیرت اور خوشی سے میرا برا حال تھا..... فرار ہونے کا سنہرا موقع تھا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ یہ تو میں نے دیکھا تھا کہ ندی کنارے موٹر بوٹس وغیرہ ہوتی تھیں۔ پھر میں ندی کنارے جانے کے لئے راہ داری سے گزر رہا تھا کہ ایک نسوانی چیخ سنی راہ داری میں اندھیرا تھا..... کمرے میں اتنی روشنی ہو رہی تھی کہ اندر کا ذرہ ذرہ دکھائی دیتا تھا۔ بستر پر میں نے اس شیطان کو ایک چودہ برس کی لڑکی کے ساتھ دیکھا۔ آخر اس بھیڑیے نے درندگی سے اس پر فتح پالی۔ وہ بے ہوش ہوگئی۔ پھر اس نے خنجر اٹھا کر اس کو بے ہوشی میں دیکھ کر اس کے سینے پر اس کی نوک سے سینے سے لے کر ناف تک ایک لکیر ڈالی..... جب اس زخم سے خون رسنے لگا تو اسے پینے اور چاٹنے لگا۔ پھر اس نے یک لخت اس کی نبض دیکھی اور بڑبڑایا..... ''ارے..... یہ تو مر گئی..... بے ہوشی کی حالت ہی میں..... اس لئے اس کا گرم گرم خون سرد ہونے لگا..... اس کا گوشت کیسا نرم اور ملائم ہے۔''

پھر اس نے اس لڑکی کو بازوؤں میں اٹھایا..... پھر اسے لے کر کمرے سے باہر آیا۔ اور پھر ایک دوسرے کمرے میں گھس گیا، اس کمرے میں بھی روشنی ہو رہی تھی۔

میں ایک ستون کی آڑ میں چھپ گیا تھا اس لئے اس کی نگاہ مجھ پر نہیں پڑی تھی۔ جب میں آگے بڑھنے لگا تو معاً میری نگاہ میز پر پڑی جس میں ایک پھولا ہوا بٹوا اور دو جڑاؤ انگوٹھیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جانے مجھے کیا خیال آیا..... ہمت آئی کہ میں نے اسے اٹھا لیا۔ مجھے اس کمرے کے سامنے سے گزرنا پڑا۔ جس میں وہ لڑکی کی لاش لے کر گھسا تھا۔ میں نے اس کمرے کے سامنے جو ستون تھا۔ اس کے عقب میں کھڑے ہو کر جھانکا۔ میری رگوں میں خون منجمد ہو گیا۔ وہ مذبح خانہ تھا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ لڑکی کا سر فرش پر گرا ہوا تھا۔ اس نے اس لڑکی کو ذبح کر دیا تھا۔

(جاری ہے)

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

ہونٹوں کی مسکراہٹ بنوں یا فقط دعا ہو جاؤں
کبھی تو میں بھی تیرے ہونٹوں سے یونہی ادا ہو جاؤں
کبھی دل کرے تو ڈھونڈ لینا آواز دے کر مجھے جاناں
یونہی بے خیالی میں اگر تم سے میں دور ہو جاؤں
(مریم ماہ منیر..... لاہور)

ہم تو سمجھے تھے دل لگی ہوگی
اس کو الفت نہیں کبھی ہوگی
کیا سے کیا ہوگیا ہے پل بھر میں
اب تو ہر حال میں خوشی ہوگی
(واجد نگینوی..... کراچی)

تیری نظروں کے تیروں نے میرے دل کو گھائل کر دیا
کچھ کہہ نہ سکا تجھ کو تیری قربت نے پاگل کر دیا
(عثمان غنی..... پشاور)

جس سے بندھے تھے دونوں وہ غم نہیں رہے ہیں
تم، تم نہیں رہے ہو، ہم ہم نہیں رہے ہیں
فکر معاش نے تو جذبوں کو روند ڈالا
عاشق وگرنہ ہم بھی کچھ کم نہیں رہے ہیں
(راجہ باسط مظہر..... گوجر خان)

مجھ سے بچھڑ کر خوش رہتے ہو میری طرح سے تم جھوٹے ہو
اک ٹہنی پر چاند ٹکا تھا میں یہ سمجھا تم بیٹھے ہو
مجھ کو شام بتا دیتی ہے تم کیسے کپڑے پہنے ہو سحر
تم تنہا دنیا سے لڑو گے بچوں سی باتیں کرتے ہو
(احسان سحر..... میانوالی)

بن تیرے ہر بات ادھوری لگتی ہے
بن تیرے برسات ادھوری لگتی ہے
کھو جاتاں ہو جب بھی تیری یادوں میں
مجھ کو میری ذات ادھوری لگتی ہے
(بلقیس خان..... پشاور)

شدت غم سے مری ہر سانس بوجھل ہوگئی
اس قدر ملنے کی تم سے آرزو کل ہوگئی
(آستر..... کراچی)

پیاس وہ تھی، کہ ''سمندر'' سے بھی نہ بجھنے پاتی
اور وہ تھا، کہ اک ''قطرہ'' بھی نہ دیتا تھا
خود ہی مائل تھا، اپنے بھی درمیان وہ دعا
کسی اور سمت جانے کا رستہ بھی نہ دیتا تھا
(ساحل دعا بخاری..... بصیر پور اوکاڑہ)

اے میرے احساس جنوں کیا مجھے دینا
دریا اسے بخشا ہے صحرا مجھے دینا
اک درد کا میلہ کہ لگا ہے دل و جاں میں
اک روح کی آواز کو رستہ مجھے دینا ہے
(شرف الدین جیلانی..... ٹنڈو الہ یار)

ہوئی شام تو آنکھوں میں بس گیا تو
کہاں گیا ہے میرے شہر کے مسافر تو
میں جانتا ہوں کہ دنیا تجھے بدل دے گی
میں مانتا ہوں کہ ایسا نہیں بظاہر تو
(مونا جاوید..... حیدر آباد)

رسم سجدہ بھی اٹھا دی ہم نے
عظمت عشق بڑھا دی ہم نے
دل کو آنے لگا بسنے کا خیال
آگ جب گھر کو لگا دی ہم نے
(فائزہ..... کراچی)

میری آوارگی لوگو نہیں بے جا قسم لے لو
اگر تم دیکھتے اس کو، تو میرے ہم قدم ہوتے
(ثاقب بشیر..... لاہور)

سنا ہے ریت پہ چل کے تم اکثر مسکراتے ہو
کہو تو اب کی بار میں زمیں گی دھول بن جاؤں
(محمد علی..... لاہور)

اسے کہنا کہ جفت اور طارق کا نہیں ہم سے واسطہ کوئی
ہمیں تو جب بھی لگی ضرف لگی، بس تقسیم ہوئے
(احمد علی..... لاہور)

☆☆

ایک ذرا سی بات پر اشکوں کا وہ چھاگل نکلا
کیا کہیں کسی کو یہ دل بھی کتنا پاگل نکلا
چار سو پھیل گئی تھی ایک بات کہ جب
جھونکا ہوا کا خوشبو کے مقابل نکلا
بے اختیار کہی تھی وہ حسیں مسکراہٹ پہ لیکن
زبان سے کھلتا ہر پھول داد کے قابل نکلا
چاہا تھا حنائی رنگ سجالیں ہاتھوں پر مگر
میری پوروں پہ میری آنکھوں کا کاجل نکلا
پیڑ جو میں نے چنا کڑی دھوپ میں سائے کے لئے
موسموں کے عذابوں کا وہ گھائل نکلا
تمنا تھی تیرے ساتھ موج موج لہرانے کی
میرا وہ خواب تو بس ریت کا ساحل نکلا
سونپ دیئے تھے سارے اختیار جسے میں نے
وہی ہاتھ میرے ارمانوں کا قاتل نکلا
واجد! وہ جسے ناز تھا اپنی خود داری پہ بہت
ہاتھ میں کاسہ لئے درد کا وہ مائل نکلا
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

سنور گیا تو مقدر سنور ہی جانا ہے
غموں کا قرض کسی دن اتر ہی جانا ہے
ملال کرتے بھی آخر تو کس لئے کرتے
یہ دل بصورت شیشہ بکھر ہی جانا ہے
ہماری دوستی صدیوں پرانی دھوپ سے تھی
گلاب بن کے ہمیں تو نکھر ہی جانا تھا
شہر میں ڈھونڈتا رہتا وہ نوکری کب تک
اسے تو لوٹ کے مایوس گھر ہی جانا تھا
وہ فائلوں میں کہیں بھی نظر نہیں آیا
اسے تو مجھ کو پریشان کر ہی جانا تھا
خیال شاخ کنول پر ہے تازگی عاطر
مگر ہماری تمنا کو مر ہی جانا تھا
(رانا حنیف عاطر.....جھڈو)

ساحل دل سے یادوں کی کشتیاں بھی لے جانا
ملن کی خوشیاں فرقت کی تلخیاں بھی ساتھ لے جانا
وہ رنگ و بو اور سندیسے جو قید ہیں کتابوں میں
وہ خط وہ گلاب اور وہ تتلیاں بھی لے جانا
تیری پلکوں پہ چمکتے ستارے اور ان آنکھوں میں جھلکتی
ٹوٹے ہوئے سپنوں کی کرچیاں بھی لے جانا
سانسوں میں بس گئی ہیں جو لہو میں رچ گئی ہیں
رگ و جاں میں پلتی یہ ویرانیاں بھی لے جانا
تیرے غم میں پلتی ہوئی یہ اداسی یوں پہروں اداس رکھتی ہے
دکھ درد کی وہ سبھی نشانیاں بھی لے جانا
تمہارے جھوٹے سہارے کہیں اور مغرور نہ کردیں مجھے
لفظوں کی یہ ناتواں سی بیساکھیاں بھی لے جانا
(انتخاب: نوشین خان.....کوٹ مظفر۔ میلسی)

اب جو درد ہوا ہے تو احساس ہوا ہے ہم کو
کہ وہ شخص میرے دل کے قریب کتنا تھا.....
جو وہ کہتا تھا وہی عکس ابھرتا تھا اس میں
میرے دل کا آئینہ بھی عجیب کتنا تھا.....!
اس کی آنکھوں میں دھنک رنگ خواب تلے جس کے
وہ شخص بھی لوگو! خوش نصیب کتنا تھا
شب ہجر کٹی، اپنی تو..... تارے گنتے.....
اس کے پہلو میں خوش، رقیب کتنا تھا
جب اس نے مجھے چھوڑا تو دل میں اتر آیا سکوت مرگ
روح میں جو پھیلا تھا، سناٹا مہیب کتنا تھا
ہر دعا فلک سے، بے نیل و مرام لوٹ آئی تھی دعا
نصیب بھی اپنا اس شب بدنصیب کتنا تھا
(ساحل دعا بخاری.....بصیر پور۔ اوکاڑہ)

مجھے یاد رکھو گے یا تم بھلادو گے؟
اس جرم محبت کی بولو کیا سزا دو گے؟

لے کر آئے ہیں دامن میں امید کے گلاب
کیا تم ان سب گلابوں کو جلادو گے؟
خون جگر سے لائے ہیں چہرے پہ نکھار
کیا میری ہر نگاہ کو آج تم بھلادو گے؟
تمہارا دل تو در حقیقت گھر ہے ہمارا
اب ہمارے گھر میں کسی اور کو بسادو گے؟
(اقصیٰ رباب.....فیصل آباد)

بدن ہی نہیں اہل روح بھی مرا کرتے ہیں
فرعون کے گھر میں موسیٰ بھی پلا کرتے ہیں
بن جاتے ہیں جو الاؤ میں مشکل کوہ
برسات میں اکثر وہی گھر جلا کرتے ہیں
ہاتھ نہیں پھیلاتے جو سفید پوش
بدلے میں بھیک کے وہ موت لیا کرتے ہیں
وہ قطرہ نہ سنبھالا جاسکا تم سے
دریا آنسوؤں کا ہم پیا کرتے ہیں
(انوری رمضان.....پنڈ دادنخان)

آج پھر اس کی یاد آئی ابھی ابھی
دل پھر بے قرار ہوا ابھی ابھی
اپنا تو سب کچھ لٹا چکے ہیں ہم
لئے وہ بھی سر بازار ابھی ابھی
جنوں عشق کی بات نہ کرے کوئی
حسن بیکا سرکار ابھی ابھی
وہ جو ہمیں زخم دے چکے تھے
ہو کے کامل آئے ہیں ابھی ابھی
یادوں کے پھول سوکھ چکے ہیں فاریہ
اشکوں سے آب کٹے ابھی ابھی
(فاریہ تبسم.....ٹھینگ موڑ قصور)

تمہارا نام کچھ ایسے میرے ہونٹوں پہ کھلتا ہے
اندھیری رات میں جیسے
اچانک چاند بادل کے کسی کونے سے باہر جھانکتا ہے
اور سارے منظروں میں روشنی پھیل جاتی ہے
کلی، جیسے لرزتی اوس کے قطرے پہن کر مسکراتی ہے
تو خوشبو باغ کی دیوار سے روکے نہیں رکتی
اسی خوشبو کے دھاگے سے مرا ہر چاک سلتا ہے
تمہارے نام کا تارا مری سانسوں میں کھلتا ہے
تمہیں میں دیکھتا ہوں جب سفر کی شام سے پہلے
کسی موسم کے دامن میں کسی خواہش کے پہلو میں!
تو اس خوش رنگ منظر میں تمہاری یاد کا راستہ
نجانے کس طرف سے پھوٹتا ہے
اور پھر ایسے مری ہر راہ، کے ہم راہ چلتا ہے
کہ آنکھوں میں ستارے کی گزرگاہیں بنتی ہیں
دھنک کی کہکشائیں سی
تمہارے نام کی ان خوشنما حرفوں میں ڈھلتی ہیں
(انتخاب: نائیک محمد عظیم رضوی.....کھاریاں)

آج کچھ سنو مجھ سے کہ دل کی حالت عجیب ہے
غمگین ہے طبیعت دل رنگ و چاہت عجیب ہے
اس کی باتیں اس کی آنکھیں بدل رہی ہیں
لگ رہا ہے شب ہجر قریب ہے
توڑ کر قسمیں وہ بدل رہا ہے نگاہیں
میں سمجھ گیا اب اس کے پاس رقیب ہے
بھلا کر مجھے اب رہتا ہے وہ اب خوش
اور مجھے وہ فرض دیا جس کا نہ کوئی طبیب ہے
مسلسل میرے دل پر غم یار کے ستم ہیں
یوں لگتا ہے، احسان کہ اب میری موت قریب ہے
(احسان سحر.....زادے خیلانوالہ)

تعلق ٹوٹ جائے گا میرا سارے زمانے سے
میرے اپنے خفا ہوں گے تجھے اپنا بنانے سے
تمہارے ساتھ رہنے سے مجھے تسکین ملتی تھی
بہت تکلیف ہوتی ہے تمہارے دور جانے سے
میرے گھر کو جلادینا مگر یہ ذہن میں رکھنا
اجالا مل نہیں سکتا کسی کا گھر جلانے سے

ہماری جان جائے گی تو پھر یہ جان جاؤ گے
کہ حاصل کچھ نہیں ہوتا کسی کا دل دکھانے سے
(ثاقب بشیر.....لاہور)

جو تجھے پسند آئے جو تیرے قریب ہو
یارب کوئی تو ایسا سجدہ نصیب ہو
یہ معجزہ بھی دیکھوں گر تیرا ہو کرم
میری شفاعت کو کھڑا تیرا حبیب ہو
اس راہ اطاعت میں یہ مرتبہ عطا کر
ہو تیرا جو رقیب وہی میرا رقیب ہو
جب تک یہاں رہوں حمد و ثناء لکھتا رہوں
پھر مکے اور مدینے میں پڑھنا نصیب ہو
(ایس امتیاز احمد.....کراچی)

سنبھال رکھا تھا جن کو دل میں خزینوں کی طرح
ڈبو گئے جاتے ہوئے دل ناتواں وہ سفینوں کی طرح
رات ساری وہ بن کے سپنا رہا مرے ساتھ ساتھ
روشنی کیا ہوئی چھپ گیا پردہ نشینوں کی طرح
سیلاب درد گزر ہی جاتے ہیں مگر بعد اس کے
رہ جاتی ہے خلش کوچہ جاناں میں مکینوں کی طرح
چھیڑیں جو کبھی مست ہوائیں تیرے ریشمی آنچل کو
تو زلف لہرائے گالوں پہ ترے نازنینوں کی طرح
اے عہد وفا کی ڈھلتی بجھتی بے رنگ سی شام
تو کبھی حسین تھی نگاہوں میں مری ماہ جبینوں کی طرح
تم ہو انا کے خمار میں تو ہم حجابوں کے حصار میں
دونوں ہیں اپنے محاذ پر پختہ عازمینوں کی طرح
ہم نے جو کیں بے تکی سی حرکتیں بے ارادہ سی گفتگو
کر گئیں روشن دل صحرا وہ آب گینوں کی طرح
(عصمت اقبال.....منگلا ڈیم)

بات جو دل کی سنو گے تو ہار جاؤ گے
ہم جیسا چاہنے والا پھر کہاں سے لاؤ گے
جان دینے کی بات تو ہر کوئی کرتا ہے
زندگی بنانے والا کہاں سے لاؤ گے
جو اک نظر دیکھو گے تم ہمیں
تو ہر طرف صرف ہم ہی کو پاؤ گے
یقین اپنی محبت پہ اتنا ہے مجھے
میری چاہت کو دیکھو گے تو لوٹ آؤ گے
میری آنکھوں کے سمندر میں ڈوب جاؤ گے
تم کہیں جانا بھی چاہو تو جا نہ پاؤ گے
(نورین اعظم.....راولپنڈی)

خود اپنے لئے بیٹھ کے سوچیں گے کسی دن
یوں ہے کہ تجھے بھول کے دیکھیں گے کسی دن
بھٹکے ہوئے پھرتے ہیں کئی لفظ جو دل میں
دنیا نے دیا وقت تو لکھیں گے کسی دن
اے جان تیری یاد کے بے نام پرندے
شاخوں پہ تیرے درد کے اتریں گے کسی دن
جاتی ہے جھیل کی گہرائی کہاں تک
آنکھوں میں تیری ڈوب کے دیکھیں گے کسی دن
خوشبو سے بھری شام میں جگنو کے قلم سے
ایک نظم تیرے واسطے لکھیں گے کسی دن
سوئیں گے تیری آنکھ کی صورت میں کسی رات
سائے میں تیری زلف کے جاگیں گے کسی دن
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

بے وفاؤں سے دل لگانا مجھے اچھا نہیں لگتا
ہر بات پر کرنا بہانہ مجھے اچھا نہیں لگتا
پہلے تو کہہ کر اپنا دل جیت لینا اس کا
پھر کہہ کر بیگانہ مجھے اچھا نہیں لگتا
وعدہ کرکے جانا کہ میں واپس آؤں گا
بعد جانے کے واپس نہ آنا مجھے اچھا نہیں لگتا
یہ دنیا دیکھ نہیں سکتی دو دوستوں کو نوری
اس لئے تو کہتا ہوں کہ زمانہ مجھے اچھا نہیں لگتا
(غلام نبی نوری.....کھڈیاں خاص)

☆☆

نفرتوں کے بیچ
محبتیں تلاش کرنا
مشکل تو ہے
پر ناممکن نہیں ہے
زندگی کی اندھیر راتوں میں
روشنی کی خواہش کرنا
پت جھڑ کے موسم میں
امید بہار رکھنا
دشمنوں کے جھرمٹ میں
دوستی کی تلاش کرنا
مشکل تو ہے
پر ناممکن نہیں ہے
(مریم ماہ منیر.....لاہور)

دکھ نہ ہوتے تو مرگئے ہوتے
ہم نہ روتے تو مرگئے ہوتے
شب گزاری ہے آسمان تلے
گھر جو ہوتا تو گھر گئے ہوتے
حق کا پرچم اگر اٹھا لیتے
کتنے لوگوں کے سر گئے ہوتے
دشمنوں نے کیا کرم، ورنہ
وار اپنے ہی کر گئے ہوتے
پھر نہ ملتا سراغ اپنا بھی
حوصلے جب بکھر گئے ہوتے
اوڑھ رکھا ہے بھوک کو ہم نے
ورنہ فاقے سے مرگئے ہوتے
ساتھ دیتا جو ناخدا اپنا
پار ہم بھی اتر گئے ہوتے
جب اٹھاتا نقاب رخ سے وہ
پھول سارے سنور گئے ہوتے
دید ہوتی نہ گر حکیم اس کی
خواب آنکھوں سے مرگئے ہوتے
(حکیم خان حکیم.....کامل پور موسیٰ)

کون ہے جو غم سے دو چار نہیں
زندگی ریت کی دیوار نہیں
نفرتیں ملتی ہیں دنیا میں ہمیں
ایک ملتا ہی ہمیں پیار نہیں
جو مرے گھر کو جلادے آکر
میرا ایسا تو کوئی یار نہیں
تیرے ملنے سے قرار آتا ہے
دل کسی کا بھی طلب گار نہیں
بات رانا ہے سمجھنے کی ایسی
زندگی سچ ہے وفادار نہیں
(قدیر رانا.....راولپنڈی)

مجھے یہ دعا ہی دیا کرو
کبھی بے بسی نا تمام ہو
تمہیں بھولنا کہاں بس میں ہے
میں یہ چاہوں، چاہو مجھے صنم
مجھے خود سے تم نہ جدا کرو
تیرے بن میں زندہ نہیں صنم
میرے جسم میں تم بسا کرو
مجھے لمحہ لمحہ نہ موت دو
مجھے لمحہ بھر میں فنا کرو
میرا دکھ تیرا سکھ بنے
مجھے دکھ ہی تم دیا کرو
لیکن پھر بھی میں یہ کہوں
کبھی بے بسی نہ تمام ہو
(بلقیس خان.....پشاور)

دل بے تاب ہے بکھر جانے کو
آنکھ سے آنسو گرا بہنے کو
کوئی دیتا نہیں ہے ساتھ اپنا
غم ہی ملے تھے پھر اٹھانے کو
دیئے تھے جو داغ تو نے وفا میں
ہم رہ گئے اسے پھر مٹانے کو
اب اور کیا رہ گیا زندگی میں
کچھ زخم رہ گئے تھے تجھے دکھانے کو
دل ٹوٹ کے ریزہ ریزہ ہوگیا آخر
پھول کانٹوں میں کھلا تھا مہکنے کو
پلٹ کے پھر کوئی خبر نہیں لیتا جاوید
ایک امید ہی رہ گئی تھی چراغ جلانے کو
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

ان سرد اندھیری راتوں میں
مرے دل کا مقام
زرد اور نیم مردہ ہے
وقت جیسے.....
سوکھے پتے پر جم سا
گیا ہے.....
اور.....یہاں.....
سوائے.....خالی پن کے
کچھ بھی.....
نہیں ہے.....
(شفق شیکی.....سیالکوٹ)

کل میرے گھر جو آیا چاند
ایک سے کو ٹھہرا چاند
درد کے گہرے دریا میں
ڈوب نہ جائے میرا چاند
تارو تم تو ٹھیک کہو
تم نے تو دیکھا ہوگا چاند
جھانک رہی تھی سوچ میری
کرنوں، کرنوں رویا چاند
سورج ہم کو چھوڑ گیا
پیلے آنگن، پیلا چاند
کتنے آنسو ساتھ گرے
ہاتھوں میں جب لکھا چاند
آنکھیں تھکتی جاتی تھیں
چاندنی بن کر اترا چاند
ہم نے ساتھ قمر تیرے
پہلی بار یہ دیکھا چاند
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

☆☆

مافوق الفطرت

عمران قریشی-کوئٹہ

اسٹیڈیم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا پڑا تھا، تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں تھی کہ اچانک دونوں مدمقابل رنگ میں آگئے اور ایک دوسرے کو فتح پانے اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے زور آزمائی شروع کردی کہ پھر اچانک ایسا ہوا کہ.....

کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی اور جاندار، اشرف المخلوقات انسان پر سبقت لے سکتا ہے

گزشتہ کچھ دنوں کے دوران جانور نے دنیا کے مقبول ترین باکسروں زولو اور بیگر کو شکست دے دی۔ اب یہ نیویارک کے سب سے بڑے ہڈسن ہال میں دنیا کے عجیب وغریب مقابلے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ کروڑوں پر مشتمل شائقین بلیک میں ٹکٹ خریدنے کو تیار ہیں۔ لیکن ہڈسن ہال کا ٹکٹ دستیاب نہیں ہورہا۔ گزشتہ کچھ دنوں کی چپقلش کیا رنگ لاتی ہے۔ اس کے نتیجے کے لئے صرف ایک دن باقی رہ گیا ہے۔ کیا جانور انسان کو ہرا کر چیمپئن شپ کا اعزاز حاصل کرپائے گا۔ شاید ایسا ہوجائے اور اگر ایسا ہوگیا۔ تب اشرف المخلوقات کہلانے والے انسان پر ایک جانور سبقت حاصل کرلے گا۔ یاد رہے گزشتہ کچھ ایام کے دوران یہ جانور انسانوں پر سبقت حاصل کرتا چلا آیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کل چیمپئن شپ کا اعزاز رکھنے والے ہارڈی ڈوم کو ہرا پاتا ہے..... یا نہیں..... لیکن گزشتہ روز شائع ہونے والے انٹرویو میں ہارڈی ڈوم کچھ نروس دکھائی دیتا تھا۔ انٹرویو کے دوران متعدد بار اس کی زبان لڑکھڑا گئی اور وہ جانور کے تذکرے پر جھنجھلا اٹھا۔ عوام جانور کو مافوق الفطرت قرار دے رہی ہے۔ بلکہ ایک افریقی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جانور میں ڈمبا دیوتا کی روح حلول کرگئی ہے اور اب انسانوں کو یقینی شکست سے ہمکنار کردے گی۔ بہرکیف کل کے مقابلے سے پہلے مزید کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن مقابلہ یقیناً سنسنی خیز ثابت ہوگا۔ ہڈسن ہال والوں کا کہنا ہے کہ ”آج سے پہلے کبھی بھی اتنی زیادہ تعداد میں کسی بھی مقابلے کے ٹکٹ فروخت نہیں ہوئے۔ یہ ریکارڈ سیل ہے۔ اس لئے مقابلے کا اہتمام بھی معیار کے مطابق ہوگا۔“

نیویارک ٹائمز 1970ء

یہ گدھانما جانور ایک پاکستانی نژاد جعفر کی تخلیق تھا۔ جعفر جسے عرف عام میں امریکی جیف کے نام سے پکارتے تھے۔ پچیس سالہ نوجوان تھا۔ اس کا باپ مسلمان جو کہ پاکستان کا رہنے والا تھا۔ جبکہ ماں افریقی تھی۔ اور اس کا انتقال ہوچکا تھا۔ افریقہ کے ایک چھوٹے سے ٹاؤن میں جعفر کی پرورش ہوئی۔ اس کا بوڑھا باپ چاول کی کاشت کا کام کرتا تھا۔ لیکن زمین کسی اور کی ہونے کی وجہ سے آمدنی محدود تھی۔ شادی سے پہلے جعفر کے باپ نے مختلف جگہ نوکری تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن شہریت نہ ہونے کے بدولت مقصد میں ناکام رہا۔ پھر اس کی ملاقات سیاہ فام

لڑکی ڈینی سے ہوئی۔ کچھ ہی ملاقاتوں کے بعد جعفر کے باپ نے جس کا نام جہانگیر تھا۔ ڈینی سے شادی کرلی اور اس کے آبائی ٹاؤن لونی ٹاؤن شفٹ ہوگیا۔ جہاں جعفر کے علاوہ دو لڑکیاں سونی۔ اور عینی پیدا ہوئیں۔

جانور کی تلاش کا آغاز کرنے سے پہلے یہ بتاتا چلوں کہ کہانی کے کرداروں کے نام اور رہائشی علاقوں کے نام مکمل طور پر تبدیل کردیئے گئے ہیں۔

بہرحال جانور کی تلاش کے دن آسمان سیاہ بادلوں سے مکمل طور پر گھرا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا بارش کی پیشن گوئی کررہی تھی۔ جعفر اپنے ٹاؤن سے کچھ دور کھاد کی مختصر منڈی میں موجود تھا۔ اس کے پاس زمیندار کا ٹریکٹر کھڑا تھا۔ جس میں کھاد کی بوریاں دھری جاچکی تھیں۔ ٹریکٹر کے پیچھے مختصر ٹرالہ بھی نصب تھا۔ بارش ہونے کے پیش نظر جعفر نے آنے سے پہلے بڑی سی ترپال ٹرالر میں رکھ دی تھی۔ یہ احتیاط اب کام آرہی تھی۔ اس نے کھاد کی رقم ادا کرنے کے بعد ترپال کو کھاد کی بوریوں کے اوپر ڈال دیا۔ اور ٹریکٹر کی جانب چل دیا۔ ٹریکٹر کی سیٹ کے اوپر لوہے کی مختصر چھت بنی ہوئی تھی۔ اور سامنے کی جانب بارش سے بچنے کے لئے مختصر شیشہ بھی موجود تھا۔ بارش موسلا دھار انداز میں برسنے لگی۔ دور موجود پہاڑوں پر بجلیاں کڑک رہی تھیں۔ لیکن جعفر مطمئن تھا۔ بارش اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ کھاد کی بوریوں کے اوپر ترپال تنی ہوئی تھی۔ اور اس کی سیٹ کے اوپر لوہے کی چھت بنی ہوئی تھی۔ وہ بارش سے مکمل طور پر محفوظ تھا۔ ابھی وہ اگنیشن میں چابی گھمانے نہیں پایا تھا کہ اچانک قریبی پرچون کی دکان سے اس کے ٹاؤن کا لڑکا نمودار ہوا۔ اس نے چلاتے ہوئے جعفر کو رکنے کا اشارہ کیا۔ اور ہاتھوں میں موجود راشن کے تھیلے سنبھالتا ہوا اس کی جانب بھاگتا چلا آیا۔ جعفر نے حیرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ پھر اگنیشن میں چابی گھما کر ٹریکٹر کو اسٹارٹ کردیا۔ لڑکا قریب آچکا تھا۔ اس کا نام ڈونی تھا۔ بارش طوفانی انداز اختیار کرتی جارہی تھی۔ اس مختصر بھاگ دوڑ کے دوران ڈونی مکمل طور پر بھیگ گیا تھا۔ اس نے قریب پہنچتے ہی جعفر سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم ٹاؤن واپس جارہے ہو؟" جعفر نے اثبات میں سر ہلادیا۔ "تو اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو کیا میں بھی تمہارے ہمراہ ٹاؤن کی جانب جاسکتا ہوں۔ بس ملنا ممکن نہیں ہے۔" جعفر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے خوش اسلوبی کے ساتھ جواب دیا۔

"کیوں نہیں..... پیچھے ٹرالر میں بہت جگہ خالی پڑی ہے۔ تم ٹرالر کے اندر بیٹھ کر ترپال کو اپنے اوپر اوڑھ لو۔ طوفانی بارش اور سرد ہوا تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گی۔" ڈونی نے مسنون نگاہوں سے جعفر کی جانب دیکھا۔ پھر راشن کے تھیلے اٹھائے ٹرالر کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ ٹرالر کے اندر کھاد کی بوریوں کے درمیان کافی جگہ خالی پڑی تھی۔ اس نے کھاد کی بوریوں کو ترتیب دیا اور ان کے درمیان بننے والے مختصر جگہ کے درمیان اپنا سامان رکھ کر ترپال کو اچھی طرح اوپر اوڑھ لیا۔ جعفر نے مسکراتے ہوئے ٹریکٹر کو گیئر میں ڈال کر کلچ کو چھوڑ دیا۔ ٹریکٹر جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ کھاد کی منڈی سے لونی ٹاؤن تک باقاعدہ سڑک موجود نہیں تھی۔ یہ سڑک کچی پکی تھی۔ بارش کی بدولت کیچڑ سے بھری جارہی تھی۔ لیکن طاقتور ٹریکٹر کو کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا تھا۔ وہ سڑک پر ہلکی رفتار میں با آسانی آگے بڑھنے لگا۔ کھاد کی منڈی سے کچھ آگے مختصر گھروں اور دکانوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ پھر میدانی علاقہ شروع ہوا اور اس کے بعد افریقہ کا گھنا جنگل.....

جنگل کے درمیان مختصر پگڈنڈی پر ٹریکٹر آگے بڑھتا چلا جارہا تھا۔ بارش کی سائیڈوں سے پڑنے والی پھوار سے جعفر کو سردی کا احساس ستانے لگا۔ اس نے ٹریکٹر کی رفتار کو آہستہ کیا۔ پھر نیچے موجود سیٹ پر سے گرم شال نکال کر اوڑھنے کی کوششیں کرنے لگا۔ وہ شال کو جسم کے گرد لپیٹنے کے دوران ایک ہاتھ کے ساتھ اسٹیئرنگ کو سنبھالنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس طرح اس کا دھیان دوجانب بٹ جاتا تھا۔

اچانک درختوں کے درمیان میں سے کوئی چیز تیر کی مانند باہر نکلی اور ٹریکٹر کے فرنٹ شیشے کے ساتھ ٹکرانے کے بعد اسی تیز رفتاری کے ساتھ دوسری جانب موجود درختوں کے درمیان غائب ہوگئی۔ جعفر نے گھبرا کر بریک پر پاؤں رکھ دیئے۔ اچانک بریک لگنے کی بدولت ٹریکٹر کیچڑ سے بھری پگڈنڈی سے پھسلتا ہوا پگڈنڈی سے نیچے اترتا چلا گیا۔ پھر ٹریکٹر کا پچھلا پہیہ کیچڑ سے بھرے ہوئے بہت بڑے دلدل نما گڑھے کے درمیان پھنس گیا۔ جعفر نے پریشان نگاہوں سے گڑھے کی جانب دیکھا۔ پھر ایکسی لیٹر پر دباؤ بڑھانے لگا۔ ٹریکٹر کو ہلکے ہلکے جھٹکے لگنے لگے۔ پھر اچانک ہی پہیہ گڑھے سے باہر نکل آیا۔ جعفر نے طویل سانس لیتے ہوئے پیچھے ٹرالر کی جانب دیکھا۔ ڈونی ترپال کو اٹھائے تفہیمی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ جعفر نے چلا کر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی جاندار چیز ٹریکٹر کے فرنٹ شیشے سے ٹکرائی ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز تھی۔ تم باہر آؤ۔ اسے قریبی درختوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ وہ یقیناً کہیں قریب ہی چھپ گئی ہوگی۔"

ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا اور ترپال کو ہٹا کر ٹرالر سے نیچے اتر آیا۔ اس کے بعد ان دونوں نے طوفانی بارش کے درمیان تمام اردگرد کا جنگل چھان مارا۔ لیکن وہاں کسی بھی قسم کا کوئی جاندار موجود نہیں تھا۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد دونوں مایوس قدموں کے ساتھ ٹریکٹر کی جانب چل دیئے۔ جعفر نے ٹریکٹر کو اسٹارٹ کیا اور ڈونی ترپال کو ہٹا کر اپنی جگہ پر بیٹھ کر باہر کا جائزہ لینے لگا۔ اب کی دفعہ وہ دونوں کسی بھی دشواری کے بعد لونی ٹاؤن پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔

جعفر کا گھر لونی ٹاؤن کے درمیان میں چند گھنے درختوں کے درمیان بنا ہوا تھا۔ اس نے گھر کے سامنے ٹریکٹر کو روکا۔ اور نیچے اتر کر لکڑی کا دروازہ کھولنے لگا۔ ڈونی بھی ٹرالر سے نیچے اتر آیا۔ لکڑی کے دروازے کے ساتھ کھاد۔ بیج اور کھیتی باڑی کے اوزار رکھنے والا کمرہ بنا تھا۔ جعفر اور ڈونی نے ترپال کے نیچے سے کھاد کی بوریاں نکالنی شروع کردیں۔ بارش کا زور ٹوٹنا شروع ہوگیا تھا۔ وہ اب بوندا باندی کی صورت اختیار کرنے لگی تھی۔ تقریباً دس کے قریب بوریاں نیچے اتارنے کے بعد جب جعفر نے آگے کی بوریاں ختم کرنے کے بعد پیچھے موجود بوریوں کا رخ کیا۔ تب "اُوک اُوک" کی آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔ اس نے حیرت بھری نگاہوں سے ترپال کے نیچے موجود مختصر بوریوں کی جانب دیکھا۔ ملگجے اندھیرے کے درمیان اسے ایک ننھا منا گدھے کا بچہ بوریوں کے درمیان بیٹھا نظر آیا۔ وہ حیرت انگیز طور پر اپنے منہ سے "اُوک اُوک" کی آواز نکال رہا تھا۔ اتنی دیر میں ڈونی اپنی بوری کمرے میں چھوڑ کر واپس آگیا اور استفہامیہ نگاہوں سے جعفر کی جانب دیکھنے لگا۔ جعفر مسکراتے ہوئے بولا۔ "میرے دوست..... یہاں تو ایک ننھا منا گدھے کا بچہ موجود ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ تمہارے راشن کے تھیلے کے اندر سے گاجر نکال کر کھانے میں مصروف ہے۔"

"گدھا اور گاجر....." ڈونی حیرت بھرے لہجے میں بولا۔ پھر چھلانگ لگا کر ٹریکٹر پر چڑھ گیا۔ اس نے جھٹکے کے ساتھ ترپال کو ہٹادیا۔ مختصر بوریوں اور راشن کے بکھرے ہوئے تھیلوں کے درمیان کنگرو کا چھوٹا سا بچہ اپنے اگلے دونوں ہاتھوں کے درمیان گاجر تھامے معصوم نگاہوں سے دونوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"اُوک اُوک....." اس نے ڈونی اور جعفر کی جانب دیکھتے ہوئے منہ سے آواز نکالی۔ جعفر نے زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر بولا۔

"کیوں میرے ننھے مہمان..... تم کب خاموشی کے ساتھ ٹرالر میں گھس آئے۔ یہ غیر قانونی بات ہے۔ اور تم نے ڈونی کے راشن کا تھیلا بھی تباہ کردیا۔"

کنگرو کے بچے نے حیرت بھری نگاہوں سے جعفر اور ڈونی کی جانب دیکھا۔ پھر ہاتھ میں موجود گاجر کو ایک جانب پھینک کر آگے بڑھ کر جعفر کے ہاتھ کو

اپنے اگلے چھوٹے ہاتھوں میں تھام کر لمبی تھوتھنی کے ساتھ چومنے لگا۔ جعفر نے اس عمل کے دوران گھبرا کر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے ہر اقدام میں جارحانہ پہلو کے بجائے محبت کا سمندر موجزن تھا۔ جعفر نے مسرت بھرے انداز میں جانور سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کنگرو نے حلق سے ''اُوک اُوک'' کی آواز نکالی۔ اور آگے بڑھ کر ڈونی کے راشن سے بھرے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر گاجر باہر نکالی اور کھانے لگا۔ اس کی جسامت بمشکل ایک فٹ سے کچھ زیادہ رہی ہوگی۔ کان گدھے کی مانند بڑے تھے۔ اور گلے میں سنہرے رنگ کی مضبوط زنجیر پہنی ہوئی تھی۔ جس پر اوڈیسن سرکس کا نام تحریر تھا۔ جعفر نے ڈونی کی جانب مڑتے ہوئے کہا۔

''میرے نئے دوست کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟'' ڈونی بولا۔

''یہ سرکس کا سدھایا ہوا کنگرو دکھائی دیتا ہے۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو۔ تب اسے واپس اوڈیسن سرکس والوں تک پہنچا دیتے ہیں۔''

جعفر نے انکار میں سر ہلایا اور بولا۔ ''اب یہ ممکن نہیں رہا۔ جب میں کھاد کی بوریاں لینے منڈی کا رخ کر رہا تھا۔ تب میں نے سرکس والوں کے قافلے کو شہر کی جانب جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اب تک تو وہ شہر پہنچ بھی گئے ہوں گے۔ بالفرض اگر انہوں نے دوبارہ لونی ٹاؤن کا رخ بھی کیا۔ تب بھی اپنے معصوم دوست کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔ اب یہ میرے ساتھ رہے گا۔'' ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ کنگرو کے بچے نے گاجر ختم کرنے کے بعد تھیلے کے اندر ہاتھ مارا اور دوسری گاجر نکال کر چبانے لگا۔ جعفر اور ڈونی اس کی اس حرکت پر کھلکھلا کر ہنس دیئے۔

کھاد کی بوریوں کو گودام کے اندر ایڈجسٹ کرنے کے بعد جعفر اور ڈونی نے گودام کے ایک کونے کو اچھی طرح صاف کیا اور کنگرو کے بچے کو زنجیر کی مدد سے کھونٹے کے ساتھ باندھ دیا۔ ڈونی نے سامان کے تھیلے اٹھائے اور اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ جبکہ جعفر اپنے گھر کے رہائشی حصے کی جانب چل دیا۔ باپ کو بچی ہوئی رقم اور کھاد کی بوریوں کا حساب کتاب دینے کے بعد اس نے ٹریکٹر کو اسٹارٹ کیا اور زمیندار کے گھر پر آنے کے بعد جب اس نے دوبارہ ڈونی کے ہمراہ گودام کا رخ کیا۔ تب انہوں نے کنگرو کو بے تاب پایا۔ وہ بھوکا دکھائی دیتا تھا۔ ڈونی اپنے ہمراہ گاجروں کا تھیلا لایا تھا۔ اس نے گاجریں جانور کے آگے ڈال دیں۔ پھر جعفر سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ یہ گاجروں کے علاوہ اور کیا کچھ کھا سکتا ہے؟ آج تو میرے پاس صرف گاجریں ہی موجود ہیں۔''

جعفر بولا۔ ''جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ کنگرو آسٹریلیا کے جنگلات میں پایا جاتا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ٹاؤن میں آسٹریلین نژاد باکسر بیلی بیکر رہائش پذیر ہے۔ کنگرو کو اس کے پاس لئے چلتے ہیں۔ وہ ہمیں اس کی پرورش سے متعلق مفید مشاورات سے نواز سکتا ہے۔'' ڈونی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور کنگرو کی زنجیر تھامے گودام سے باہر ٹاؤن کی جانب چل دیا۔ باہر مطلع مکمل طور پر صاف ہو چکا تھا اور اب شدید حبس کی بدولت دم گھٹتا محسوس ہونے لگا تھا۔ بیلی بیکر کا لکڑی سے بنا مختصر گھر ٹاؤن سے کچھ ہٹ کر دریا کے کنارے واقع تھا۔ وہ اپنے وقت کا ہیوی ویٹ چیمپئن رہ چکا تھا۔ اب بوڑھا ہونے کے بعد ریٹائرمنٹ کی پژمردہ اور گمنام زندگی افریقہ کے اس مختصر ٹاؤن میں بسر کر رہا تھا۔ یہاں اس کی زندگی گزر بسر کا کوئی معقول ذریعہ موجود نہیں تھا۔ وہ ٹاؤن کے بچوں کو باکسنگ کی مشق کرواتا تھا۔ جس کا اسے نا ہونے کے برابر معاوضہ مل جاتا تھا۔ جب ان دونوں لڑکوں نے بیلی بیکر کے لکڑی سے بنے گھر کے احاطے میں قدم رکھا۔ تب مکان کا احاطہ ٹاؤن کے لڑکوں سے بھرا پڑا تھا۔ وہ باکسنگ کی پریکٹس کرنے میں مصروف تھے۔ جعفر اور ڈونی کے ہمراہ کنگرو کو اچھلتے کودتے گھر کے احاطے

میں داخل ہوتا دیکھ کر سب لڑکے ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔ ان کے چہروں پر حیرت کے علاوہ جوش کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ بیلی بیکر نے بھی حیرت بھری نگاہوں سے کنگرو کی جانب دیکھتے ہوئے جعفر سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔

''جیف اسے کہاں سے پکڑ کر لائے ہو؟ مجھے یہ اوڈیسن سرکس کا سدھایا ہوا کنگرو دکھائی دیتا ہے۔''

''آپ کا اندازہ درست ہے۔ جعفر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میرا معصوم دوست اوڈیسن سرکس کا سدھایا ہوا کنگرو ہے۔ اس کے گلے میں سرکس والوں کا بیج موجود ہے۔ یہ وہاں سے فرار ہو کر ہمارے پاس چلا آیا ہے۔''

بیلی بیکر نے آگے بڑھ کر کنگرو کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس نے فوراً بیلی بیکر کے دونوں ہاتھوں کو تھاما اور پھر لمبی تھوتھنی کے ساتھ چومنا شروع کر دیا۔ لڑکوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اور کنگرو کے بچے کے اردگرد جمع ہو گئے۔

جعفر بولا۔ ''انکل بیکر ہمیں کنگرو کے متعلق کچھ معلومات درکار ہیں۔ مثلاً یہ کیا کھاتا ہے۔ کہاں رہائش رکھتا ہے۔ اسے کن وقتوں میں آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ چونکہ آپ کا تعلق اس کے دیس سے ہے۔ اس لئے ہمارے خیال کے مطابق آپ کو ضرور معلومات ہوں گی۔'' بیلی بیکر نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر بولا۔

''اس میں کوئی شک نہیں..... کہ کنگرو کا تعلق آسٹریلیا سے ہے اور میں اس کے متعلق کافی معلومات رکھتا ہوں۔ یہ کھانے میں گھاس، سبزی، کیلے اور بسکٹ چاکلیٹ وغیرہ سب کھا سکتا ہے۔ رات کے علاوہ دن میں تقریباً پانچ گھنٹے آرام کرتا ہے۔ علاوہ ازیں لمبی دوڑ لگانے کا شوقین ہے۔ ایک بات مزید جو تم میں سے کسی کو بھی معلوم نہیں ہوگی۔ وہ بھی بتائے دیتا ہوں۔ کنگرو پیدائشی باکسر ہوتا ہے۔ میں جوانی میں جب ہیوی ویٹ باکسر تھا۔ تب میرے پاس سدھایا ہوا ایک کنگرو موجود تھا۔ میں اس کے ہاتھوں میں گلوز باندھ دیتا تھا۔ اور وہ میرے ساتھ باکسنگ کا کھیل کھیلتا تھا۔'' بیلی بیکر نے ہاتھوں کو مکوں کی صورت دیتے ہوئے بتایا۔ ''لیفٹ ہک پر رائٹ ہک..... اس کے بعد زپ.....؟'' لڑکوں کے چہرے خوشی سے تمتمانے لگے۔ جعفر کے ساتھ موجود ڈونی نے پوچھا۔

''یہ زپ کیا ہوتا ہے؟'' بیلی بیکر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''رائٹ اور لیفٹ ہک کے بعد آخری زوردار وار کو زپ کرنا کہتے ہیں۔ یہ ہک وار آخری وار کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر حریف کو صحیح پڑ جائے تب وہ زپ ہو جاتا ہے اب میں تمہیں پریکٹیکل کر کے دکھاتا ہوں۔'' پھر اس نے اپنے شاگردوں کی جانب گھومتے ہوئے ایک لڑکے سے مخاطب ہو کر کہا۔

''اپنے گلوز مجھے دو۔'' لڑکے نے ہاتھوں میں موجود گلوز اسے تھما دیئے۔ بیلی بیکر نے آگے بڑھ کر دونوں گلوز تھوڑی سی محنت کے ساتھ کنگرو کے ہاتھوں میں باندھ دیئے۔ کنگرو کے چہرے پر خوشی کے تاثرات ابھرنے لگے۔ پھر اس کے منہ سے ''اُوک اُوک'' کی آواز ابھری۔ اور وہ پروفیشنل باکسروں کی طرح اپنے پچھلے دو پاؤں پر اچھلنے لگا۔ بیلی بیکر نے مسکراتے ہوئے اپنے دوسرے شاگرد سے گلوز مانگے۔ اور ہاتھوں میں پہن کر کنگرو کے بچے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پھر بولا۔

''آؤ میرے ننھے ساتھی..... ایک ہلکا سا مقابلہ ہو جائے۔ لیکن خیال رکھنا میرے ناک کی ہڈی کمزور ہے۔ کہیں اسے توڑ نہ دینا۔'' لڑکوں نے دل کھول کر قہقہہ لگایا اور ماضی کے ہیوی ویٹ باکسر نے بھی اپنے پاؤں پر اچھلنا شروع کر دیا۔ لڑکے مکمل دلچسپی کے ساتھ جانور اور انسان کو دیکھنے لگے۔ بیلی بیکر مسکراتے ہوئے بولا۔

''آؤ میرے دوست میاں سامنے آ جاؤ۔''

لڑکوں نے ادھر ادھر ہٹ کر جگہ خالی کر دی۔ اور کنگرو اچھل کر بیلی بیکر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پر مسرت کے تاثرات ابھرنے لگے تھے۔ بیلی

بیکر نے آگے بڑھ کر لیفٹ ہک اس کے چہرے پر رسید کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کنگرو نے چہرہ بائیں جانب گھما کر وار خالی کر دیا۔ پھر پھرتی کے ساتھ رائٹ ہک کا استعمال کرتے ہوئے سابقہ ہیوی ویٹ کی داہنی پسلیوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ یہ خطرناک داؤ تھا۔ لیکن اس کے سامنے اپنے وقت کا بہترین باکسر موجود تھا۔ اس لئے وہ جھکائی دے کر صاف بچ گیا۔ کنگرو اپنے ہی زور میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ تب بیلی بیکر نے ہلکا سا گھونسہ جانور کے چہرے پر رسید کر دیا۔ کنگرو نے اس کے گلوز میں پوشیدہ ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھاما اور ''اُوک اُوک'' کی آواز نکالتے ہوئے چومنا شروع کر دیا۔ تمام لڑکے مکمل محویت کے عالم میں یہ سنسنی خیز مقابلہ دیکھنے میں مصروف تھے۔ کنگرو کی اس حرکت پر کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔

بیلی بیکر پرجوش لہجے میں بولا۔

''یہ واقعی حیرت انگیز طور پر خداداد صلاحیتوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن اسے پالش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور وہ میں بخوبی کر سکتا ہوں۔ پہلے اس کا نام تجویز کرنا ہوگا۔ میرے خیال میں مٹلڈا ٹھیک رہے گا۔ یہ جنگلی جانور ہے۔ اور مٹلڈا جنگل کے مقدس دیوتا کا نام ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟'' اس نے جعفر کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جعفر نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر بولا۔

''انکل بیکر کیا ہمارا کنگرو باکسنگ کھیلنا سیکھ جائے گا۔'' بیکر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بے شک..... یہ ایک اچھے باکسر کی تمام صلاحیتوں کا مالک دکھائی دیتا ہے۔ لیکن بہرحال اسے کچھ نہ کچھ مزید سیکھنا ہوگا۔ جس کے لئے میری خدمات حاضر ہیں۔''

پھر مٹلڈا کی تربیت کا آغاز ہوگیا۔ چھ بجے سے لے کر رات آٹھ بجے تک جعفر اور ڈونی فارغ ہوتے تھے۔ وہ اس فارغ اوقات کے دوران مٹلڈا کو ہمراہ لے کر بیکر کی تربیت گاہ کا رخ کرتے وہاں سخت تربیت کا آغاز ہوتا۔ بیلی بیکر کو یہ جان کر بہت حیرت ہوتی کہ مٹلڈا کسی منجھے ہوئے باکسر سے کم حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ باکسنگ کے بیشتر اسرار و رموز سے پراسرار طور پر آگاہی رکھتا تھا۔ کم و بیش دو ہفتوں کی تربیت کے دوران مٹلڈا نے بیلی بیکر کے ایک سال سے تربیت لیتے تمام لڑکوں کو ہرا دیا۔ وہ ایک منجھے ہوئے تربیت یافتہ کھلاڑی کے طور پر اپنا نام نمایاں کرنے لگا۔ لونی ٹاؤن میں سالانہ میلے کا آغاز ہونے والا تھا۔ اس وسیع میلے میں باکسنگ کے کھیل کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا۔ باکسنگ کے کھیل میں اردگرد کے تقریباً پندرہ ٹاؤن کے لڑکے حصہ لیتے تھے۔ بیلی بیکر کا ارادہ اس کھیل میں شرکت کرنے کا تھا۔ وہ اس کھیل کا جیوری کا ممبر تھا۔ لیکن اس سال اس کی نظر انتخاب مٹلڈا کے چہرے تک محدود تھی۔ وہ اسے کھیل کا ونر بنانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پھر وہ دن بھی آ گیا۔ جب ٹاؤن سے باہر گھنے درختوں کے درمیان بنے وسیع و عریض میدان کے درمیان میلے کا افتتاح ہوا۔

لونی ٹاؤن کے تمام افراد میلے میں شرکت کر رہے تھے۔ میلے سے ایک دن پہلے جعفر اور ڈونی نے مٹلڈا کو نیلے رنگ کی مختصر بنیان زیب تن کی۔ اور میلے والے میدان کی جانب چل دیئے۔ بیلی بیکر کے مختصر شاگردوں کی بدولت یہ بات تمام ٹاؤن میں پھیل چکی تھی کہ کنگرو کا وہ بچہ جو گزشتہ کچھ دنوں سے تمام لونی ٹاؤن کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ وہ ٹاؤن کے سب سے بڑے میلے میں باکسنگ کے کھیل میں شرکت کرنے والا ہے۔ اس دن تمام میلے والوں کی توجہ کا مرکز باکسنگ کا کھیل رہا۔ درختوں کے درمیان رسیاں باندھ کر لکڑی کے اسٹیج کی منظر کشی کی گئی تھی۔ مقابلے کا آغاز صبح دس بجے ہوا۔ مختلف ٹاؤن کے مختلف لڑکے آتے گئے اور ہار کر رنگ سے باہر نکلتے گئے۔ شام چار بجے جس لڑکے کا انتخاب ہوا۔ اس کا نام ہنری تھا۔ اور اس کا تعلق قریبی ٹاؤن سے تھا۔

ہنری جسامت کے لحاظ سے چار فٹ چھ انچ جبکہ مضبوط بدن کا مالک ہونے کے علاوہ سفاک

طبیعت کا حامل لڑکا تھا۔ اس کے مقابلے میں مٹلڈا کا قد بہت چھوٹا اور طبیعت میں انکسار پایا جاتا تھا۔ ظاہری طور پر مٹلڈا مقابلے کے قابل نہیں تھا۔ لیکن باکسنگ کا یہ مقابلہ فری اسٹائل تھا۔ یہاں قانون وغیرہ کا کچھ زیادہ عمل دخل نہیں تھا۔ صرف طاقت کا استعمال زیادہ تھا۔ اور طاقت کسی کے پاس بھی ہو سکتی تھی۔ ہنری کے نمایاں پوزیشن لینے کے بعد جب کمپیئر نے اعلان کرنے والے انداز میں مجمعے میں موجود مزید باکسروں کو اکسانے کے لئے اسٹیج پر آنے کی دعوت دی۔ تب مجمعے پر گھمبیر خاموشی طاری رہی اور کسی نے بھی رنگ پر آنے کی کوشش نہیں کی۔

تب بیلی بیکر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ تمام مجمعے کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ مٹلڈا اس کے ہمراہ نہیں تھا۔ اسے مجمعے کے درمیان بیٹھانا ممکن نہیں تھا۔ وہ درختوں کے جھنڈ سے کچھ دور کھلے میدان میں جعفر اور ڈونی کے پاس بیٹھا چوک بار کھا رہا تھا۔ بیلی بیکر نے رنگ میں داخل ہو کر مائیک ہاتھوں میں تھاما۔ پھر سنجیدہ لہجے میں مجمعے سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''میں ہنری کو آج کی شاندار کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ یقیناً یہ ایک اچھا اور منجھا ہوا باکسر ہے۔ لیکن میں آج کے دن تجربے کے طور پر ایک مختلف مقابلے کا اہتمام کرنا چاہتا ہوں۔ جسے آپ سب بھی یقیناً پسند کریں گے۔ سب سے پہلے میں مقابلہ جیتنے والے ونر کے لئے انعام کا اعلان کرتا ہوں۔ وہ انعام پچاس ڈالر کی صورت میں میری جیب کے اندر موجود ہے۔ اس کے علاوہ اب ہنری کے حریف کا نام مٹلڈا ہے۔ جو جنگلوں کے دیوتا کا باعزت نام ہے۔ نام کی مناسبت سے ہنری کا حریف انسان نہیں بلکہ جانور ہے۔''

مجمعے میں چہ میگوئیوں کا آغاز ہوگیا۔ لونی ٹاؤن کے تمام لوگ مٹلڈا کی شخصیت سے واقفیت رکھتے تھے۔ اگر کچھ لوگ نہیں رکھتے تھے۔ تو وہ باہر کے مختلف ٹاؤن کے لوگ تھے۔ بیلی بیکر بولے جا رہا تھا۔ ''وہ میرا سدھایا ہوا کنگرو ہے اور ہمارے ٹاؤن کے مختلف لڑکوں کے ساتھ مقابلے میں اول نمبر حاصل کر چکا ہے۔ میں باکسنگ کے کھیل کی جیوری اور خاص طور پر ہنری سے اجازت طلب کرتا ہوں کہ وہ مقابلے کا آغاز کرنے کے لئے مجھے اجازت دیں۔ تاکہ ایک ایسے مقابلے کا آغاز کیا جائے۔ جو آج کی تاریخ میں پہلے کبھی نہ دیکھا گیا اور نہ ہی سنا گیا۔ جیوری کے سرکردہ افراد میں پہلے کا درجہ میں خود رکھتا ہوں۔ لیکن بقایا دو کی منظوری کی بھی ضرورت کو لازمی قرار دیتا ہوں۔'' جیوری کے دو ارکان اٹھ کر اسٹیج پر چڑھتے چلے آئے۔ ان دونوں کا نام جون اور ڈین تھا۔ دونوں کا تعلق باکسنگ کے شعبے سے رہ چکا تھا۔ جون مائیک ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔

''کیا یہ مقابلہ صرف تفریح طبع کے لئے ہوگا۔ یا پھر مکمل مقابلے کی حیثیت کا اختیار رکھتا ہوگا۔ میرے خیال میں صرف تفریح کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔ مقابلہ سخت اور مکمل ہونا چاہئے۔''

بیلی بیکر بولا۔ ''صرف تفریح کے لئے میں تیں قصبوں کے واحد ونر کا مذاق نہیں بنانا چاہتا۔ یہ مسلم حقیقت ہے کہ میرا سدھایا ہوا کنگرو ایک مکمل حریف ثابت ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقابلے کو مستقل سلسلے کے لئے منتخب کر لیا جائے۔ بہرحال میری نگاہوں میں ایک دلچسپ مقابلہ ہوگا۔'' جون نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اپنے دوسرے ساتھی ڈین کی جانب دیکھنے لگا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں.....'' ڈین بولا۔

''ہنری باکسنگ کا مقابلہ جیت چکا ہے۔ اب اگر تجربے کے طور پر ایک جانور سے مقابلہ کرنے کو تیار ہوتا ہے تب کچھ مضائقہ نہیں ہوگا۔ ہنری تم کیا کہتے ہو؟'' اس نے ہنری کی جانب مڑتے ہوئے کہا۔

''اگر جیوری اقرار میں فیصلہ دے چکی ہے تب میرے کچھ کہنے کے لئے باقی کیا بچا ہے۔'' اس نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔ وہ ایک جانور کے ساتھ مقابلے کرنے کو اپنی ہتک سمجھتا تھا۔ لیکن جیوری کا فیصلہ بہرحال آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ اس لئے اقرار کرتا ہوں۔ بیلی بیکر نے اگلی رو میں بیٹھے اپنے شاگرد کو اشارہ

کیا کہ وہ جعفر اور مطلڈا کو اسٹیج کی جانب لائے۔ پھر مجمعے سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ اس دلچسپ مقابلے سے ضرور لطف اندوز ہوں گے۔ یہ یقیناً نوعیت کے لحاظ سے منفرد مقابلہ ہوگا۔ میں جیوری کے ارکان کو اپنی سیٹوں پر واپس بیٹھنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اور ہنری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جس نے ہماری بات مان کر ایک ایسے مقابلے کے لئے ہاں کردی۔ جو آج سے پہلے کہیں منعقد نہیں ہوئے۔"

مجمع زوردار تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ اتنی دیر میں بیلی بیکر کا شاگرد جعفر ڈونی اور مطلڈا کے ہمراہ مجمعے میں داخل ہوا۔ لوگوں کی نظریں بے اختیار مطلڈا کی جانب اٹھ گئیں۔ جو مجمعے میں داخل ہونے کے بعد شوق بھری نگاہوں سے رنگ کی جانب دیکھنے میں مگن تھا۔ اس نے ہاتھوں میں گلوز پہنے ہوئے تھے۔ اسٹیج پر اب صرف بیلی بیکر اور ہنری موجود تھے۔ جیوری کے بقایا دونوں ارکان اپنی سیٹوں کی جانب واپس جا چکے تھے۔

"حاضرین..... میں آپ کا بہت مشکور ہوں گا۔ اگر آپ میرے تربیت یافتہ کنگرو کو اسٹیج پر آنے کے لئے راستہ دیں گے۔ تاکہ مقابلے کا باقاعدہ افتتاح کیا جاسکے۔" لوگوں نے فوراً راستہ چھوڑنا شروع کردیا۔

ہنری حیرت بھری نگاہوں سے مطلڈا کی جانب دیکھ رہا تھا۔ رنگ کے پاس پہنچ کر مطلڈا نے بھی چھلانگ لگائی۔ اور تقریباً ہوا میں اڑتا ہوا رنگ کے درمیان میں آ کھڑا ہوا۔ بیلی بیکر دوبارہ ہمکلام ہوا۔ "میں یہاں یہ بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ عام مقابلوں کی طرح یہ مقابلہ مختلف راؤنڈز پر مشتمل نہیں ہوگا۔ ہار اور جیت کا فیصلہ دونوں حریفوں میں سے ایک کے ناک آؤٹ ہونے پر ہی ہوگا۔ اب یہ سلسلہ طوالت اختیار کرتا ہے۔ یا پھر منٹوں کے اندر مکمل ہوتا ہے۔ اس کا انحصار دونوں حریفوں پر ہوگا۔ مطلڈا صرف بریک کہنے پر الگ کھڑا ہوجاتا ہے۔ وہ اصولوں کی پاسداری کرنا چاہتا ہے۔" بیلی بیکر نے مائیک کو نیچے موجود لڑکے کے حوالے کیا۔ اور رنگ سے باہر نکل کر اگلی رو میں موجود اپنی کرسی پر جا بیٹھا۔ ریفری نے پہلے ہنری کے دونوں گلوز چیک کئے اس کے بعد جھجکتے ہوئے مطلڈا کی چیکنگ کی۔ پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے راؤنڈ شروع کرنے کی وسل بجادی۔

ہنری نے اپنے پاؤں پر پنجوں کے بل اچھلنا شروع کردیا۔ اس کے دونوں گلوز چہرے کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ پھر جیسے بجلی چمکتی ہے۔ اس طرح اچانک ہی اس نے آگے بڑھ کر لیفٹ ہک مطلڈا کی پسلیوں کے درمیان مارنے کی کوشش کی۔ مطلڈا نے پھرتی کے ساتھ ایک جانب ہٹتے ہوئے وار خالی جانے دیا اور اپر کٹ اس کے چہرے کے دائیں جبڑے پر رسید کردیا۔ ہنری کو رنگ گھومتا ہوا دکھائی دیا۔ اور وہ لڑکھڑا کر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ مجمعے والوں کے منہ سے تحسین آمیز آوازیں خارج ہوئیں اور ریفری نے گنتی گننی شروع کردی۔ ابھی گنتی چھ تک پوری نہیں ہوئی تھی کہ ہنری سنبھل کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہوگیا۔ اس کے منہ کے دہانے کے پاس سے خون کی لکیر بہہ کر سفید بنیان کو سرخ کرنے لگی۔ اور چہرہ بگڑ کر سیاہ ہوگیا۔ اس نے دوبارہ پچھلے پنجوں پر اچھلنا شروع کردیا۔ اس دفعہ پہل مطلڈا نے کی۔ اس نے اچھل کر لیفٹ ہک ہنری کی پسلیوں پر رسید کیا۔ پھر ہاتھ روکا نہیں۔ بلکہ لگاتار بارش کی طرح اس کی پسلیوں پر برسانا شروع کردیا۔

ہنری کی ہمت پہلے پنچ کے ساتھ ہی ختم ہوگئی تھی۔ چار پانچ پنچ لگاتار لگنے کی بدولت وہ دوبارہ گھٹنوں کے بل زمین پر گرتا چلا گیا۔ اس کے ناک سے خون بہہ کر رنگ کی زمین کو سرخ کرنے لگا۔ مجمعے میں تحیر آمیز خاموشی طاری ہوگئی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک سرکس کا سدھایا ہوا جانور تربیت یافتہ باکسر کو ناک آؤٹ کردے گا۔ یہ بات بیلی بیکر کے وہم وگمان سے بھی پرے تھی۔ اتنی جلدی مقابلے کا اختتام..... اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اس مختصر لڑائی کے دوران وہ یہ بات اچھی طرح جان چکا تھا۔ کہ مطلڈا خداداد صلاحیتوں کا

مجموعہ تھا۔ جنہیں اگر مختصر محنت کے بعد اجاگر کیا جاتا۔ تو وہ اچھے اچھے باکسروں کے چھکے چھڑوا سکتا تھا۔

جعفر نے خوشی سے بے قابو ہو کر مطلڈا کا نام لے کر نعرہ لگایا۔ اور پھر تمام مجمع مطلڈا کے نعرے لگانے لگا۔ جیوری کے باقی دونوں ارکان ڈین اور جون کے منہ حیرت کے مارے کھلے ہوئے تھے۔ بیلی بیکر نے اپنی سیٹ کو چھوڑتے ہوئے مائیک کو تھاما۔ پھر رنگ کے درمیان میں کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

حاضرین..... آپ مقابلے کی اہمیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگا چکے ہوں گے۔ میرا سدھایا ہوا کنگرو خداداد صلاحیتوں کا حامل ہے۔ اس نے اپنے سے بڑی عمر کے باکسر سے مقابلہ کرکے اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ وہ ایسا بخوبی کرسکتا ہے۔ آج میں اس مقابلے کو مستقل مقابلے کی صورت دیتا ہوں۔ جیوری کے دونوں ارکان یقیناً میرے اس فیصلے کی حمایت کریں گے۔ اگر نہیں..... تو ابھی اپنے فیصلے سے آگاہ کردیں۔" جیوری کے ارکان خاموش بیٹھے رہے اور مجمعے نے ان کی خاموشی پر اپنی خوشی کا اظہار شور مچاتے ہوئے کیا۔

☆.....☆.....☆

تین سال مزید گزر گئے۔ یہ مقابلہ مقبول ترین حیثیت اختیار کرنے لگا۔ ان تین سالوں کے دوران مطلڈا کی قدامت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ وہ اب ساڑھے چھ فٹ کا لمبا تڑنگا اور صحت مند کنگرو تھا۔ آس پاس کے تقریباً تمام قصبوں کے باکسروں کو شکست دے چکا تھا۔ اور اس کی شہرت قصبوں سے ہٹ کر قریبی شہروں تک پھیلنے لگی تھی۔ لیکن ان مقابلوں کی بدولت بیلی بیکر یا جعفر کو مالی معاملات میں خاطر خواہ فائدہ نہ ہوسکا۔ سوائے اس کے کہ وہ کنگرو کی بدولت کسی حد تک جانے پہچانے جانے لگے تھے۔ گرمیوں کے اوائل میں اور بہار کی شروعات کے پہلے دنوں میں جون میری سرکس والوں نے قصبے میں ڈیرے ڈالے تب مطلڈا کی شہرت سے مسحور ہو کر بیلی کے گھر کی جانب کھنچے چلے آئے۔ جون میری سرکس کے کرتا دھرتا کا نام میری جون تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر اور تجربہ کار انسان تھا۔ مختصر سلام دعا کے بعد اس نے اپنے آنے کا مدعا یوں بیان کیا۔

"میں مطلڈا کی شہرت کے معلق سن کر یہاں آیا ہوں۔ ایسے جانوروں کی میری سرکس کو ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ اگر آپ اسے میرے ہاتھوں فروخت کرنا چاہئیں تو میں معقول معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں۔" بیلی بیکر مسکراتے ہوئے بولا۔

"سونے کا انڈہ دینے والی مرغی کو میں یکمشت ذبح کرنے کو بے وقوفی قرار دیتا ہوں۔ آپ بھلا مجھے اس کی کیا قیمت دے پائیں گے۔ پچاس ہزار ڈالر..... یا پھر ایک لاکھ ڈالر..... کل نہیں تو پرسوں وہ ختم ہوجائیں گے۔ لیکن ایک مستقل رقم دینے والا جانور تمہارے پاس بحفاظت موجود رہے گا۔ اور تم تمام زندگی فائدہ حاصل کرتے رہو گے۔ میں گھاٹے کا سودا کرنے کو تیار نہیں ہوں۔" میری جون اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"مجھے فائدے یا نقصان کی پرواہ نہیں ہے۔ میں صرف اپنے سرکس کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہاری نگاہ میں اگر کوئی اور سودا جنم لے رہا ہے۔ تو بلا جھجک مجھے بتاسکتے ہو۔ میں سودے پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ بات ہوئی ناں....." بیلی بیکر پرجوش لہجے میں بولا۔ "ہمارے باکسنگ کے ایکٹ کو تمام قصبوں میں سراہا جارہا ہے۔ بلکہ کچھ عرصہ پیشتر نیویارک ٹی وی کا نمائندہ بھی لوٹی ٹاؤن آیا تھا۔ اس کا اصرار تھا کہ وہ باکسنگ کے اس مقابلے کو ٹی وی پر جگہ دینے کی پوری کوشش کرے گا۔ یہاں یہ بات بتاتا چلوں کہ مقابلے کا اہتمام ستمبر کے اوائل میں کیا جاتا ہے۔ یعنی آج سے تقریباً پانچ مہینے بعد..... میں نے اسے ہاں کہہ دی ہے۔ اس لئے تم مطلڈا کی اہمیت کا اندازہ لگاسکتے ہو۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں افریقہ کے جنگلوں کے سب سے بڑے دیوتا مہادیوتا کی روح حلول کرچکی ہے اور اب یہ ناقابل تسخیر ہے۔ میرے پاس باکسنگ سے

متعلق ایک ایسا ایکٹ موجود ہے۔ جسے اگر تمہاری سرکس کی زینت بنایا جائے۔ تب سرکس کی شہرت کے علاوہ اچھے خاصے معاوضے کا باعث بن سکے گا۔ لیکن مجھے ایکٹ کی کامیابی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں صرف اپنے معاوضے میں دلچسپی رکھتا ہوں۔ جو میرے اندازے کے مطابق صرف ہمارے ایکٹ کا آدھا ہونا چاہئے۔ یعنی اگر ایک ایکٹ میں تیس ہزار ڈالر کا فائدہ ہوتا ہے تب ان ہزار ڈالر میں سے پانچ سو ڈالر ہمارے ہوں گے۔"

"یہ بہت زیادہ ہیں۔" میری جون بات درمیان میں کاٹتے ہوئے بولا۔ "کچھ کمی وبیشی کے متعلق بات کرو۔"

"میری موجودہ رقم فرض کردہ ہے۔" بیلی بیکر مسکراتے ہوئے بولا۔ "تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ٹکٹ کی فروخت پر میرا لڑکا بیٹھے گا۔ جتنی آمدنی ہوگی۔ اس کا آدھا میرا ہوگا۔ یہ یاد رکھو کہ کنگرو کا مالک میں نہیں ہوں۔ بلکہ وہ لڑکا ہے۔ جو ٹکٹ کی فروخت پر بیٹھے گا۔ ہم ٹکٹ کی فروخت سے ملنے والی رقم کو مزید آدھا کریں گے۔ مجھے نہیں معلوم ایسی صورت میں ہم دونوں کے حصے میں خاطر خواہ رقم آتی ہے یا نہیں..... بہرکیف ہم سرکس میں ایکٹ کروانے کو بخوشی تیار ہیں۔" بیکر خاموش ہوگیا۔

"میں اس تجربے کے لئے رضامندی کا اظہار کرتا ہوں۔" جون میری اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ مجھے نہیں لگتا کہ میں اس ایکٹ کی بدولت کچھ منافع کما سکوں گا۔ لیکن بہرحال مقبولیت حاصل کرنے کے لئے سودا برا نہیں ہے۔ تم اپنے ساتھی کے ساتھ بات چیت کرلو۔ معاہدے کی شق پر دستخط کے بعد تم کسی اور کمپنی یا پھر میڈیا کے ساتھ سرکس والوں کی اجازت کے بغیر کام نہیں کرپاؤ گے۔ بعدازاں یہ ایکٹ صرف جون میری سرکس کے لئے مختص ہوگا۔" بیلی بیکر نے اثبات میں سر ہلادیا۔

چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ ہر جانب سنہری چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ رات ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا اور پہاڑ کی سرسبز چوٹی پر جعفر اپنی محبوبہ ماریا کا ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔ ماریا اس کے تایا کی لڑکی تھی۔ اس کا تایا توقیر چاولوں کی تجارت کا کام کرتا تھا۔ وہ پاکستان سے اعلیٰ کوالٹی کے چاول برآمد کرکے افریقہ پہنچانے کا کام کرتا تھا۔ کام اچھا چل نکلا تھا۔ اس لئے گھر میں پیسے کی ریل پیل تھی۔ جعفر اور ماریا بچپن سے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ لیکن جعفر کا تایا توقیر اس رشتے سے ناخوش تھا۔ وجہ جعفر کی بے کاری تھی۔ جبکہ ماریا نہ صرف خوبصورت ہونے کے علاوہ اچھی خاصی پڑھی لکھی اور سلیقہ شعار لڑکی تھی۔ اور کسی بھی لحاظ سے یہ جوڑی آپس میں نہیں ملتی تھی۔ کچھ دنوں سے ماریا گھر میں سازش کی بو محسوس کررہی تھی۔ ماں اور باپ کی سرگوشیاں معنی خیز گفتگو، راز ونیاز نے اسے بہت کچھ سوچنے سمجھنے پر مجبور کردیا۔ اس نے چھپ کر ان کی بات چیت سننے کی کوشش کی۔ تب سب رازوں پر سے پردے اٹھتے چلے گئے۔ ان کی بات چیت کا ہدف ماریا تھی۔ اور وہ دونوں ماریا کی منگنی خاموشی کے ساتھ ایک کاروباری تاجر کے لڑکے سے کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ لڑکے کا اصل نام غالباً جونی تھا۔ جبکہ اصل نام جنید تھا۔ ماریا ایک پارٹی کے دوران اس سے ملاقات کرچکی تھی۔ نہایت ہی اوباش قسم کا لڑکا تھا۔ شراب ایسے پیتا تھا جیسے پانی..... اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر دونوں کی موجودگی کا مقصد موجودہ صورت حال کے متعلق تبادلہ خیال کرنا تھا۔ ماریا جعفر کو جنید کے متعلق سب کچھ بتا چکی تھی۔ اب تفہیمی نگاہوں سے جعفر کی جانب دیکھ رہی تھی۔ جعفر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"ان تمام حالات کی وجہ میری غربت ہے۔ تمہارے والدین کو پیسے کے ساتھ پیار ہے۔ میرے پاس نہیں ہے۔ اس لئے ان کی نگاہوں میں میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جنید ایک اوباش اور شرابی قسم کا عیاش لڑکا ہے۔ لیکن چونکہ صاحب حیثیت ہے۔ اس لئے

دولت کی ریل پیل اس کی ان تمام کمزوریوں پر پردہ پوشی کردیتی ہے۔ میں نے جب سے آنکھ کھولی ہے۔ پیسے کی اہمیت کو اپنے قصبے کے علاوہ ہر جگہ پر پروان چڑھتے دیکھا ہے اور اب وہ وقت بھی آگیا ہے۔ جب دولت کی دیوی مجھ پر مہربان ہونے والی ہے۔ مفلڈا کی صورت میں..... ایک کمزور اور معصوم جانور کی شکل میں..... میں دنیا کو دکھادوں گا کہ یہ دنیا اور اس میں پائی جانے والی انسانوں کی کمزوریاں کتنی وقتی اور کمزور ہیں۔ دولت کمانا اور کما کر دونوں ہاتھوں سے اڑا دینا بالکل بھی مشکل نہیں ہے۔

لیکن میں تمہارے ماں باپ کی منت سماجت کرنے کو بالکل بھی تیار نہیں ہوں۔ رشتے داری کے لحاظ سے تم پر پہلا حق میرا بنتا ہے۔ وہ اگر حق تلفی کرنے کے متعلق سوچ رہے ہیں تو میں انہیں منع نہیں کروں گا۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تمہیں آگ میں دہکتے کنویں میں چھلانگ لگاتے نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن میرے خیال کے مطابق تمہارے ماں باپ مجھ سے کئی گنا زیادہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود آگ میں دہکتے کنویں کی حدت کو جانچنے سے قاصر ہیں۔ تو پھر ٹھیک ہے۔ ان کے حکم کے آگے سر جھکا کر انہیں بتادو کہ ان کا فیصلہ کتنا غلط ہے۔ بدلے میں تمہیں اور مجھے اپنی زندگیوں کی نعمتوں کو فراموش کرنا ہوگا۔"

"یہ مجھے منظور ہے۔ لیکن جھک کر پتھر کے بتوں سے بھیک مانگنا قبول نہیں ہے۔" ماریا آنسوؤں بھری نگاہوں سے تمام باتوں کو سن رہی تھی۔ اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ثبت تھے اور جعفر کی باتوں میں پوشیدہ بغاوت کی لہر کو محسوس کرکے اس نے مایوسی کے ساتھ اپنے سر کو جھکایا اور اٹھ کر ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ ٹاؤن کی جانب چل دی۔

دوسرے دن صبح جعفر اپنے تایا توقیر احمد سے ملاقات کے لئے گھر پہنچ گیا۔ توقیر احمد نے قہر بھری نگاہوں سے جعفر کی جانب دیکھا۔ پھر آنے کی وجہ دریافت کی۔ تب جعفر بولا۔

"مجھے سرکس میں ایک خوب صورت ایکٹ کرنے کی اجازت مل گئی ہے۔ اور میں کل انکل بیکر کے ہمراہ نیویارک جانے کی تیاریاں کررہا ہوں۔ یہاں آنے کا مقصد صرف آپ لوگوں کو الوداع کہنا ہے۔ شاید اب ہماری ملاقات میں کچھ تاخیر ہوجائے۔ کیونکہ میرے کام کی نوعیت کچھ طویل ہے۔" توقیر احمد نے ترحم انگیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی۔ تم ڈھنگ کا کوئی کام کیوں نہیں کرتے ہو۔ تمام لونی ٹاؤن میں ایک تماشا بنے ہوئے ہو۔ ایک حقیر کنگرو کو لے کر گلیوں میں گھومتے ہو۔ اب سرکس میں کام کرنے کی بات کررہے ہو۔ میں کہتا ہوں کہ میرے ساتھ چاولوں کا کام کرو۔ کچھ ہی دنوں میں اچھی خاصی رقم کے مالک بن جاؤ گے۔" جعفر طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔

"مجھے اگر اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا موقع ملا۔ تب میں کوشش کروں گا کہ کسی کے سہارے کے بغیر اپنے زور بازو کی بدولت کھڑے ہونے پاؤں۔ کسی کا ہاتھ تھام کر چلنا مجھے کبھی بھی گوارا نہیں رہا۔ شاید میری اسی سوچ کی بدولت آج میری حیثیت آپ سے کچھ کم ہے۔ لیکن میرے خیال کے مطابق وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا۔ کل کو بدل بھی سکتا ہے۔ صرف انسان کی نیت صاف ہونی چاہئے۔ بہرحال میری گزشتہ روز ماریا سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کی باتوں سے مجھے پتا چلا کہ آپ اس کی منگنی جنید کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ میں جنید کی اگلی پچھلی زندگی کے متعلق اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کا کردار کبھی بھی اچھا نہیں رہا۔ وہ ایک اوباش اور بدمزاج لڑکا ہے۔ خدا کے واسطے ماریا جیسی پاکیزہ اور معصوم لڑکی کو اس کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور مت کیجئے۔ آپ کو بعد میں پچھتانا پڑے گا۔"

توقیر کا چہرہ غصے کی بدولت سرخ ہوتا چلا گیا۔ پھر جب وہ بولے۔ تو آواز سانپ کی پھنکار سے مشابہت رکھتی تھی۔

"اب تم مجھے غلط اور صحیح فیصلے کے متعلق سمجھاؤ

گے۔ یعنی میں بے وقوف ہوں۔ اور تم عقلمند..... مجھے یہ وقت بھی دیکھنا تھا۔ اب فوراً سے پیشتر یہاں سے دفع ہوجاؤ اور جانے سے پہلے یہ بات یاد رکھنا کہ میں جو تمہاری نگاہوں میں بے وقوف ہوں۔ بے وقوف ہونے کے باوجود ایک اچھے اور معزز پیشے کا کاروباری ہوں۔ لیکن تم کیا ہو؟ ایک معمولی کنگرو کے مالک..... سرکس میں ایکٹ کرنے والے جوکر..... اگر عقلمند ہو۔ تو اپنی حیثیت کو درست کرو۔ پھر بات کرنا۔'' تو قیر صاحب نے بات مکمل کی۔ پھر پاؤں پٹخ کر کھڑے ہوئے اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

دوسرے دن صبح سویرے بیلی بیکر اور جعفر نے لونی ٹاؤن کو خیرباد کہہ دیا۔ ٹاؤن کے بڑے بوڑھوں کے علاوہ جعفر کے باپ اور بہنوں نے بھی اسے ایسا کرنے سے منع کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جعفر نے سنی ان سنی کردی۔ اسٹیشن پر مثلاً کوئی مال گاڑی کے ڈبے میں بند کرنے کے بعد جعفر نے باپ کے ساتھ لپٹتے ہوئے کہا۔ ''میں جلد از جلد پیسے بھجوانے کی کوشش کروں گا۔ آپ اپنا اور میری بہنوں کا خیال رکھئے گا۔ آمدن زیادہ ہونے کے فوراً بعد میں آپ کو مجبور کروں گا کہ آپ کھیتوں میں کام کرنا چھوڑ دیں۔ آپ کی عمر اب اس قابل نہیں کہ کھیتوں کی سختیاں جھیل سکیں۔ لیکن بہرحال ابھی تک میرے اختیار میں اس سے زیادہ نہیں کہ ایکٹ سے حاصل ہونے والی زیادہ تر رقم آپ کو بھجواسکوں۔'' باپ نے اسے اپنے سے جدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

''زمیندار اور زمین کا تعلق ایسا نہیں ہوتا۔ جسے چھوڑا جاسکے۔ اس تعلق کے درمیان عمر بھی حائل نہیں ہوپاتی۔ میں مرتے دم تک زمین پر ہل چلاتا رہوں گا۔ چاہے تمہاری آمدنی اتنی زیادہ ہوجائے جب میں تمام لونی ٹاؤن کی زمینیں ہی کیوں نا خریدلوں۔ لیکن رہوں گا میں تب بھی زمیندار ہی.....'' جعفر نے مجبور ہوکر باپ کی جانب دیکھا۔ وہ عزم و استقلال کی ایسی پرچھائی دکھائی دیا۔ جو ناقابل شکست تھی۔ ٹرین نے روانگی کی وسل دی۔ بیلی بیکر کنگرو کو چوک بار اور کیلے کھلانے کے بعد دونوں کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ جعفر نے باپ کے ساتھ بغل گیر ہوکر آنکھوں میں آتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھا۔ پھر محبت بھرے لہجے میں بولا۔

''میں یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن کوشش کروں گا کہ تمام نہ سہی..... لونی ٹاؤن میں واقع اپنی زمینوں کو خریدنے کی جن پر آپ کام کرتے ہیں۔ اور جو زمیندار کی ملکیت ہیں۔'' باپ نے مسکراتے ہوئے جعفر کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ٹرین نے دوبارہ وسل دی اور وہ دونوں پھرتی کے ساتھ اپنے ڈبے پر چڑھتے چلے گئے۔ ٹرین نے پلیٹ فارم کو چھوڑنا شروع کردیا۔ جعفر کے باپ نے آنکھوں میں آتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھا اور اسٹیشن سے باہر کی جانب چل دیا۔ اس مختصر وقت کے دوران وہ بڑھاپے کی ان منزلوں کو محسوس کرپایا تھا۔ جس سے اب تک ناآشنا تھا۔ اس کا جوان سالہ خون اپنی ذمہ داریوں سے دلبرداشتہ ہوکر اس کا ساتھ چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرچکا تھا۔ کہاں زمینوں کی آمدن..... اور کہاں سرکس میں معمولی ایکٹ کی آمدن..... وہ اپنے لڑکے کے فیصلے میں مطمئن نہیں تھا۔

دوسری جانب جعفر کو یہ فکر لاحق تھی۔ کہ اس کا بوڑھا باپ زمینوں کی سختیوں کو بھلا کیونکر جھیل پائے گا۔ اس کی آرام کرنے کی عمر تھی۔ زمینوں پر کام کرنا..... اس کی بیماری کا سبب بھی بن سکتا تھا۔ لیکن جعفر کو مکمل یقین تھا کہ ایکٹ سے حاصل ہونے والی آمدن اتنی تو ضرور ہوگی۔ جس سے اس کے علاوہ گھر کا خرچہ بھی چل سکے۔ تب یقیناً اس کا باپ زمینوں پر کام کرنے سے اجتناب کرے گا۔ بہت سی سوچیں تھیں۔ لیکن اس لمحے اس کے پاس ان کا حل موجود نہیں تھا۔ اس لئے اس نے سوچوں کو دماغ سے پرے جھٹک کر ٹرین کی کھڑکی سے باہر گزرتے کھیتوں کی جانب دیکھنا شروع کردیا۔

دوسرے دن دوپہر تین بجے تینوں نیویارک ریلوے اسٹیشن پر اتر گئے۔ جون میری سرکس کا ٹرک اسٹیشن کے باہر موجود تھا۔ کنگرو کو ٹرک کے پچھلے حصے

میں منتقل کرنے کے بعد بیکر اور جعفر ڈرائیور کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ یوں یہ مختصر قافلہ شہر سے باہر واقع جون میری سرکس تک جا پہنچا۔ یہاں خیموں اور پنجروں میں بندھے جانوروں کا شہر آباد تھا۔ جون نے جعفر اور بیکر کا پرجوش استقبال کیا اور دونوں کو ان کے خیموں کی جانب بھیجنے کے بعد مٹلڈا کو قریبی پنجرے میں بند کردیا۔

یہاں سے کہانی کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ کچھ ہی دنوں میں باکسنگ کنگرو کا یہ ایکٹ نہایت مقبول ہونے لگا۔ ایکٹ کی مقبولیت کے ساتھ بیکر اور جعفر کے معاوضے میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ تقریباً ایک سال کے مختصر عرصے کے دوران جعفر نے گاؤں میں واقع کافی حد تک زمینیں خرید لیں۔ اب وہ مطمئن تھا۔ اس کا باپ بے یارو مددگار نہیں تھا۔ بلکہ اس کے کہنے کے مطابق اب اس نے زمینوں پر کام کرنے کے لئے چند نوکر بھی رکھ لئے تھے۔ اس ایک سال کے دوران اسے ماریا کی جانب سے صرف ایک خط موصول ہوا۔ جس میں اس نے اپنی شادی کی اطلاع دی۔ اس کے بعد مکمل خاموشی چھا گئی۔

جون میری سرکس کا دائرہ کار نیویارک کے تمام چھوٹے بڑے شہروں اور اردگرد کے مشہر قصبوں تک محدود تھا۔ ایسے ہی ایک چھوٹے سے ٹاؤن میں سرکس کے دوران ایک ایسا ناقابل فراموش واقعہ پیش آیا۔ جس نے اخباروں کی دنیا میں تہلکہ مچا کر رکھ دیا۔ ہوا کچھ یوں..... کہ اس دن موسم ابر آلود تھا اور ہوا میں خنکی کا تناسب بتدریج بڑھتا چلا جارہا تھا۔ اس حوالے سے سرکس میں تماشائیوں کی تعداد کچھ کم ہی تھی۔ بہرحال مختلف ایکٹ گزرنے کے بعد جب فائٹنگ کنگرو کے ایکٹ کی ابتدا ہوئی۔ تب ہال میں موجود مختصر تماشائیوں نے تقریباً سانس روک لئے۔ بیکر ہاتھ میں مائیک تھامے رنگ میں داخل ہوا۔ پھر تماشائیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''آپ یقیناً باکسر کنگرو کو دیکھنے کے لئے بے چین ہوں گے۔ میں آپ کی بے چینیوں میں مزید اضافے کا باعث نہیں بننا چاہتا۔ اس لئے مقابلے کا افتتاح کرنے سے پہلے حسب معمول اعلان کرتا ہوں کہ اگر رنگ میں سے کوئی تماشائی میرے سدھائے ہوئے کنگرو سے باکسنگ کا مقابلہ کرنا چاہے تب میں پانچ سو ڈالر جیتنے والے کو دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ یاد رہے مقابلہ راؤنڈ پر مشتمل نہیں ہوگا بلکہ ناک آؤٹ کرنے والے کو رنگ کا چیمپئن قرار دیا جائے گا۔''

رنگ کے مختصر تماشائیوں میں خاموشی چھا گئی۔ زیادہ تر تماشائی کنگرو کو لڑتے دیکھ چکے تھے اور وہ جانتے تھے کہ کنگرو باکسنگ کے مقابلے میں تقریباً ناقابل تسخیر تھا۔ اس وقت حال کے مختصر تماشائیوں کے درمیان نیویارک کے سب سے بڑے اخبار نیویارک ٹائمز کے اسپورٹس سیکشن کا ایڈیٹر جیمس لی بھی موجود تھا۔ وہ کنگرو کے باکسنگ ایکٹ کی شہرت کے متعلق سن کر یہاں آیا تھا۔ اس کے فوٹو اسکیچ اور مختصر انٹرویو کے لئے..... لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ اس کے قریب ہی باکسنگ کی دنیا کا بے تاج بادشاہ ایک ایسا شخص بھی موجود تھا۔ جس کے ساتھ اس کی رقابت کا ایسا سلسلہ چلتا تھا۔ جو کبھی بھی ختم نہیں ہونے والا تھا۔ مختصر اعلان کی صورت حال کے بعد وہ شخص لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور چلاتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہارے کنگرو کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کو تیار ہوں۔'' جیمس کو فوراً احساس ہوگیا کہ وہ اس وقت شراب کے نشے میں دھت تھا۔ بیلی بیکر کی آواز مائیک میں سنائی دی۔

''تب پھر آپ رنگ میں آجایئے، تاکہ مقابلے کی باقاعدہ شروعات کی جاسکے۔'' جیمس نے اپنی سیٹ کو چھوڑنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر واپس بیٹھ گیا۔ وہ ایسے سنہرے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ صبح کے اخبار کی بڑی سرخی اپنے ذہن میں ترتیب دے چکا تھا۔ ''عالمی مڈل ویٹ چیمپئن کا اعزاز رکھنے والا ہارڈی ڈوم'' گزشتہ روز ایک معمولی جانور کے ساتھ نبرد آزما..... سرخی کے نیچے رنگین

تصویروں کی بھرمار جن میں ہارڈی ڈوم کو کنگرو سے مار کھاتے دکھانا جیمس جیسے تجربہ کار رپورٹر کے لئے کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا۔ لیکن اسے کنگرو کے متعلق سوچ کر افسوس محسوس ہو رہا تھا۔ اب سے کچھ دیر بعد اس کا جو حال ہونے والا تھا۔ اس کے متعلق اگر جانور کو پتا چل جاتا۔ تو وہ فوراً رنگ کو چھوڑ کر جنگلوں کی جانب بھاگ جاتا۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی تھی۔ ہارڈی ڈوم تقریباً نشے میں دھت تھا۔ ہوسکتا ہے کہ سرکس کی دنیا میں دھوم مچانے والا سدھایا ہوا کنگرو اپنی موت آپ مرنے سے بچ جاتا۔ اگر ایسا ہوجاتا۔ تب ہارڈی ڈوم کے لئے تقریباً ڈوب مرنے کا مقام ہوتا۔ ایک جانور سے شکست کھانے کے بعد اسے یقیناً باکسنگ کی دنیا کو چھوڑ دینا چاہئے تھا۔ اسے مزید یاد آیا کہ موجودہ ٹاؤن ہارڈی ڈوم کی جائے پیدائش کا درجہ رکھتا تھا۔ یقیناً وہ یہاں گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کی نیت سے آیا ہوگا۔

موسم ابر آلود ہونے کی بدولت ہال میں اندھیرے اور روشنی کا ملا جلا تناسب پایا جاتا تھا۔ اس لئے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں نے ہارڈی ڈوم کو پہچانا نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ موجود اس کے ٹاؤن کے دوست اس بات سے بخوبی آگاہی رکھتے تھے کہ جانور کا مقابلہ عالمی مڈل ویٹ چیمپئن کا اعزاز رکھنے والے ہارڈی ڈوم سے ہونے والا تھا۔ جب ہارڈی ڈوم نے لڑکھڑاتے ہوئے رنگ کے اندر قدم رکھا۔ تب بیلی نے اسے خوش آمدید کہتے ہوئے رنگ کے ایک سائیڈ میں کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ پھر ایک جانب موجود گلوز اٹھا کر اسے تھما دیئے۔ اور مائیک اٹھاتے ہوئے بولا۔

''میرے خیال کے مطابق کپڑے بدلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے کنگرو کو اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ اس کے مدمقابل نے پینٹ اور شرٹ پہن رکھی ہے یا پھر نیکر..... لیکن میں پہلے بتادوں کہ تمہاری ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہوگی۔ اب بھی وقت ہے۔ اگر واپس سیٹ کی جانب جانا چاہو تو بخوشی جاسکتے ہو۔''

ہارڈی نے زیرلب کوئی گندی گالی دی۔ پھر گلوز پہننے لگا۔ سرکس کے اندر کی جانب موجود دروازے کے آگے لگے ہوئے پردے کا کچھ حصہ چاک ہوا۔ اور مٹلڈا ہاتھوں میں گلوز پہنے نمودار ہوا۔ ہال میں موجود تماشائیوں نے شور مچا کر اس کا استقبال کیا۔ رنگ کے قریب پہنچ کر اس نے چھلانگ لگائی اور حسب معمول رسیوں کو پھلانگ کر رنگ کے درمیان میں آ کھڑا ہوا۔ بیلی بیکر نے دونوں کے گلوز چیک کئے اور پیچھے ہٹ کر راؤنڈ شروع ہونے کی وسل بجادی۔

ہارڈی نے اگلے پنجوں پر اچھلنے کی کوشش کی۔ لیکن زیادتی شراب نوشی کی بدولت لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ اس نے اپنے آپ کو فوراً سنبھال لیا اور آگے بڑھ کر نپا تلا مکا مٹلڈا کے چہرے پر مارنے کی کوشش کی۔ مکے میں شدت نہیں تھی۔ اس کے باوجود مٹلڈا نے چہرہ ایک جانب کرتے ہوئے وار خالی جانے دیا اور لیفٹ ہک ہارڈی کی داہنی پسلیوں پر رسید کردیا۔ مکے کی شدت کی بدولت ہارڈی کو اپنا شراب سے بھرا معدہ الٹتا محسوس ہوا۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن مقصد میں ناکام رہا۔ اور فوارے کی صورت میں شراب منہ سے باہر نکل کر رنگ کو بھگونے لگی۔ ہارڈی کے پاؤں میں لرزش پیدا ہوئی۔ اور وہ رنگ کے درمیان گرتا چلا گیا۔ تماشائیوں کے شور سے سرکس کا ماحول گونج اٹھا۔ بیکر نے گنتی گننی شروع کی۔ لیکن گنتی ابھی پانچ تک نہیں پہنچی تھی کہ ہارڈی سر جھٹک کر دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے جسم پر موجود شرٹ آدھی سے زیادہ گیلی ہوگئی تھی۔ معدہ کسی حد تک خالی ہونے کی بدولت اسے اپنے اوسان بحال ہوتے محسوس ہونے لگے۔ اس نے ایک دفعہ پھر اپنے سر کو جھٹکا اور آگے بڑھ کر تابڑ توڑ مکوں کی بارش کردی۔ مٹلڈا ''اُوک اُوک'' کی آواز نکالتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی کمر رسیوں کے ساتھ جا ٹکرائی۔ ہارڈی نے آگے بڑھ کر سیدھے ہاتھ کا نپا تلا پنچ اس کے چہرے پر مارنے کی کوشش کی۔ لیکن مٹلڈا بے

اختیار ہارڈی کے ساتھ لپٹ گیا۔ وہ ایسا کر کے اس کے مکوں سے محفوظ رہنا چاہتا تھا۔ ہارڈی نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کی۔ لیکن مٹلڈا کی گرفت مضبوط تھی۔ اور ہارڈی کسی حد تک نشے میں دھت تھا۔ مٹلڈا نے اچانک محبت کی شدت سے مغلوب ہو کر اس کے چہرے کو چومنا شروع کردیا۔ ہال میں موجود لوگوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔ اور مٹلڈا کے حق میں نعرہ لگانے لگے۔

ہارڈی نے جھنجھلا کر اپنے آپ کو مٹلڈا کی گرفت سے آزاد کیا اور غصے کی حالت میں اندھا دھند مکوں کی بوچھاڑ کردی۔ مٹلڈا اطمینان کے ساتھ اپنے آپ کو اس کے حملوں سے بچاتا رہا۔ پھر اس نے سیدھے ہاتھ کا ایک مکا پوری طاقت کے ساتھ ہارڈی کے چہرے پر رسید کردیا۔ ہارڈی چاروں شانے چت زمین پر گرتا چلا گیا۔ بیلی بیکر نے گنتی شروع کی۔ لیکن ہارڈی کا جسم بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اس مختصر لڑائی کے دوران بیکر اس بات سے بخوبی آشنا ہوگیا تھا کہ مٹلڈا کا حریف کوئی عام انسان نہیں تھا بلکہ ایک منجھا ہوا باکسر تھا۔ جس کا رنگ کی دنیا سے رشتہ کافی عرصے سے تھا۔ رپورٹر جیمس نے اس لڑائی کی تصاویر مختلف زاویوں سے اتاری تھیں۔ ہارڈی کو زمین پر گرتے دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت کے علاوہ مسرت کے تاثرات ابھرنے لگے۔ اور اس کے علاوہ ایک ایسے منصوبے کا تانا بانا بھی..... جس نے بعد ازاں کنگرو کو عالمی مڈل ویٹ چیمپئن کی صف میں لا کھڑا کیا۔

دوسرے دن نیویارک ٹائمز اخبار کے اسپورٹس ایڈیشن کی صف اول کی سرخیوں میں پہلی سرخی موجود تھی۔ اس نے اسپورٹس کی دنیا والوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ سرخی کچھ یوں تھی۔

جانور نے عالمی مڈل ویٹ چیمپئن شپ کا اعزاز حاصل کرلیا۔

نیچے تفصیل موجود تھی۔

گزشتہ روز جیری ٹاؤن میں سرکس کے معمولی ایکٹ کرنے والے جانور نے عالمی مڈل ویٹ چیمپئن کا اعزاز رکھنے والے ہارڈی ڈوم کو پچاس کے قریب افراد کے سامنے ہرادیا۔ نیویارک ٹائمز کا اسپورٹس ایڈیٹر بذات خود وہاں موجود تھا۔ مقام پہلے راؤنڈ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ باکسنگ سے متعلق رکھنے والے کنگرو نے پہلے راؤنڈ کے دوران ہارڈی کو ناک آؤٹ کردیا۔ نیچے مقابلے کی باقاعدہ تفصیل موجود تھی۔ جس میں اس بات سے مکمل طور پر پردہ پوشی کی گئی تھی کہ ہارڈی مقابلے کے دوران نشے میں دھت تھا۔ تفصیل کے ساتھ صورت حال کو رنگین تصویروں کے ساتھ مزین کیا گیا تھا۔ جیسے ہی نیویارک ٹائمز کا اسپورٹس ایڈیشن ریلیز ہوا۔ اس کے کچھ دیر بعد ہی ہارڈی کے علاوہ اس کے منیجر اور نیویارک ٹائمز کے اخبار کے فون کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

لوگ خبر کی تصدیق کے لئے فون کررہے تھے۔ وہ مٹلڈا نامی کنگرو سے ملنا چاہتے تھے۔ جس نے مڈل ویٹ چیمپئن کو ایک ہی راؤنڈ کے دوران ہرا کر بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا۔ کچھ لوگ ہارڈی کو جنم بھومی یعنی جیری ٹاؤن کی جانب کھڑے ہوئے جہاں جون میری سرکس کے بڑے پنجرے میں مٹلڈا بند تھا۔ لوگوں نے اس کے ساتھ مصافحہ کیا اور اسے کھانے کے لئے کیلے اور چوک بار چاکلیٹیں دیں۔ مٹلڈا نے خوش ہو کر ان کے ہاتھ پر پیار دیا۔ دوسری جانب نیویارک ٹائمز کے اسپورٹس ایڈیٹر کے لمبے چوڑے آفس کے درمیان کرسیوں پر اس وقت تین افراد کے درمیان دنیا کا سب سے عجیب و غریب معاہدہ طے پا رہا تھا۔ ایڈیٹر جیمس بیلی بیکر اور جعفر..... ایڈیٹر جیمس ہمکلام تھا۔

''تم دونوں کو یہاں بلانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں نے جیری ٹاؤن کی مختصر فائٹ کے دوران یہ بات بخوبی محسوس کرلی تھی کہ مٹلڈا کے اندر خداداد صلاحیتیں موجود ہیں۔ تم دونوں اس بات سے یکسر ناواقف ہو کہ اس وقت فائٹ کے دوران جس انسان کو شکست دی ہے۔ وہ کوئی عام انسان نہیں تھا بلکہ مڈل ویٹ چیمپئن شپ کا درجہ رکھنے والا ہارڈی ڈوم تھا۔'' بیکر

اور جعفر کی آنکھیں حیرت کی بدولت پھٹنے لگیں۔ جیمس مسکراتے ہوئے بولا۔

''ہارڈی ڈوم فائٹ کے دوران مکمل طور پر نشے مین دھت تھا۔ اس لئے مقلڈا کو شاید زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی۔ لیکن میرے اندازے کے مطابق اگر وہ جدوجہد کرے۔ تب ہارڈی کو باقاعدہ رنگ کے درمیان ہرا سکتا ہے۔ سوچو اگر ایسا ہوجائے۔ تب میرے علاوہ تم دونوں بھی دنیا کے امیر ترین انسان بن جاؤ گے۔ کیا خیال ہے؟'' جیمس خاموش ہوگیا۔ بیکر بولا۔

''لیکن جناب ایسا بھلا کیونکر ہوسکتا ہے۔ میں باکسنگ کے شعبے سے تقریباً تیس سال منسلک رہا ہوں اور اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ باکسنگ کے مقابلے کے لئے وزیر اسپورٹس کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس اجازت کے لئے کسی جیتے جاگتے انسان کا سامنے ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جانور کو وزیر اسپورٹس بھلا کیوں اجازت دینے لگا۔''

''یہ سب میرا کام ہے۔'' جیمس درمیان میں بات کاٹ کر بولا۔ ''کرنل بیوش کے ساتھ میرے تعلقات اچھے ہیں۔ اس کے علاوہ عوام کے دلوں میں ہمدردی کے جذبات ابھارنے کے لئے ہمیں کچھ مختصر اقدامات کرنے ہوں گے۔ جن میں سرفہرست قدم میڈیا کی مدد سے ملحق ہے اور میڈیا کے سرکردہ افراد میرے حامی ہیں۔'' بیکر نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔

''لیکن آپ یہ سب کیوں چاہتے ہیں۔ کیا صرف پیسے کے لئے..... یا پھر شہرت کے لئے.....؟ یہ سب کچھ تو آپ کے پاس اس وقت بھی موجود ہیں۔'' جیمس بولا۔

''شہرت کے لئے..... اور کچھ پیسے کے علاوہ میں ہارڈی کو ہارتے ہوئے بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ کہ وہ اس کھیل کے لئے نا اہل ہونے کے باوجود ایک ایسے اعزاز کو ہتھیائے ہوئے بیٹھا ہے۔ جس کا حق دار وہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ تمہیں یا پھر نیویارک کی کروڑوں پر مشتمل عوام کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ہارڈی کی پشت پناہی انڈر ورلڈ کی سب سے بڑی تنظیم مافیا کررہی ہے۔ اس کے سربراہ کا اصل نام کوئی نہیں جانتا۔ فرضی نام انکل نونو ہے۔

وہ ہر سال کروڑوں روپے کے جوے کا اہتمام کرتا ہے۔ باکسنگ کے موجودہ کھیل پر..... نیویارک میں باکسنگ کے کھیل کے شائقین کی تعداد کو شمار کرنا ناممکن ہے۔ تم خواہ اندازہ کرسکتے ہو۔ کہ جوے کی اہمیت ان دنوں کتنی بڑھ جاتی ہوگی۔ لیکن اس جوے میں جیت انکل نونو کے منظور نظر کی ہوتی ہے۔ اگر آج ہارڈی ڈوم ہے۔ تو کل سونی مارے بھی ہوسکتا ہے۔ اور کل اگر سونی مارے ہے۔ تو پرسوں کوئی بھی لچا لفنگا ہوسکتا ہے۔ میرے خیال کے مطابق اسپورٹس جیسے صاف شفاف شعبے کو گندا کرنے والی ہستی صرف اور صرف انکل نونو کی ہے۔ میں اسے تباہ ہوتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ تمہارے دماغ میں سوال ابھرے گا..... بھلا کیسے.....؟ تو پوچھے بغیر بتائے دیتا ہوں۔ انکل نونو جیسی چالاک اور صاحب حیثیت شخصیت کسی بھی جانور پر پیسہ لگانے سے گریز کرے گی۔ ظاہر ہے وہ مقلڈا کے مدمقابل پر پیسہ لگائے گا۔ لیکن اس دفعہ مقلڈا کے مدمقابل کی ہار ہوگی اور یوں اسے ہارتے ہوئے دیکھ کر مجھے دلی سکون محسوس ہوگا۔ وہی بات مقابلے کے اہتمام کی..... تو اہتمام کرنا میرے لئے مشکل نہیں ہے۔ لیکن جیسے میں پہلے بتا چکا ہوں۔ اس سے پہلے کچھ مراحل سے گزرنا ہوگا۔ ویسے بھی ہمارے پاس ابھی کافی وقت پڑا ہے۔ باکسنگ کے بڑے مقابلے میں تقریباً ایک سال باقی ہے۔''

''ہم دونوں تیار ہیں۔'' بیکر اور جعفر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر اب میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ اس معاملے کو مکمل طور پر رازداری کے ساتھ سرانجام دینا ہے۔ اپنے معمولات زندگی میں فرق نہیں آنے

دینا۔ سرکس میں جوا ایکٹ کررہے ہو۔ وہ کچھ دنوں تک کرتے رہو۔ لیکن جب بھی میں بلاؤں گا تب تمام کام چھوڑ کر چلے آنا۔ سب سے پہلے ہمیں لائسنس کے حصول کی کوشش کرنی ہوگی۔ یہ معمولی مرحلہ ہے۔ میں بخوبی کرنل بیوش کو اس بات پر آمادہ کرلوں گا کہ وہ ہمیں جانور سے متعلق لائسنس دے دے۔ بصورت دیگر جانور کو رنگ کے اندر لانا ممکن نہیں ہوگا۔'' جعفر اور بیکر نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کر کمرے سے باہر کی جانب چل دیئے۔

وہ تمام رات جعفر اور بیکر نے منصوبے کے مختلف پہلوؤں پر سوچتے ہوئے گزار دی۔ جعفر کا کہنا تھا کہ منصوبہ بے کار ہے۔ ایک جانور کسی مڈل ویٹ چیمپئن شپ کا اعزاز رکھنے والے انسان سے کیونکر لڑ سکتا ہے۔ وہ تو سرکس میں ایکٹ کرنے والا معصوم جانور ہے۔ اگر خداداد صلاحیتوں کا حامل ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کسی تربیت یافتہ انسان کو ہرا کر مڈل ویٹ چیمپئن شپ کا اعزاز چھین سکے۔ کچھ ایسی ہی سوچ بیکر کی بھی تھی۔ وہ تیس سال تک باکسنگ کے شعبے سے منسلک رہ چکا تھا۔ تیس سال مین سے پندرہ سال چیمپئن شپ کا اعزاز اس کے ہمراہ رہا تھا اور وہ جانتا تھا اس کے لئے اسے کتنی سخت جدوجہد کرنا پڑتی تھی۔ کیا ایک جانور ایسی جدوجہد کا متحمل ہوسکتا ہے۔ ناممکن.....؟ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ وہ یہ جوا کھیل کر دیکھنا چاہتا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ جیمس کی واقفیت کچھ اور رنگ لا دکھاتی۔ اس لئے بیکر نے آنکھیں موند لیں۔

دوسرے دن جعفر کو گھر والوں کی جانب سے خط موصول ہوا۔ جس میں دل دہلا دینے والی خبر موجود تھی۔ ماریا نے خودکشی کرلی تھی۔ جعفر نے بیکر کے ہمراہ لونی ٹاؤن کا رخ کیا۔ لونی ٹاؤن کے بچے بچے کی زبان پر جو کہانی رقص کررہی تھی۔ اس کہانی کا سین جعفر تھا۔ تمام لونی ٹاؤن ان دونوں کی محبت سے آشنا تھا۔ اور وہ ماریا کی خودکشی کو جعفر کے ساتھ منسلک کررہے تھے..... کچھ ایسی ہی بہرکیف جب جعفر تعزیت کے لئے تایا کے گھر گیا۔ تب اسے باتوں کے درمیان ایک عجیب بات معلوم ہوئی۔ ماریا نے خودکشی کرنے سے پہلے خطوں کا مختصر پلندہ جعفر کے نام چھوڑا تھا۔ جو لاک کے ذریعے بند کیا گیا تھا۔ جعفر کا تایا اپنی لڑکی کی موت کے بعد اب اپنے کئے پر شرمندہ تھا۔ اور لڑکی کی آخری خواہش کو اہمیت دینے کے لئے تیار تھا۔ یہ خط انہیں ڈاک کے ذریعے موصول ہوئے تھے۔ جعفر نے خطوں کا پلندہ اٹھایا۔ اور اپنے گھر کی جانب چل دیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے بے تابی کے ساتھ پارسل کو کھولا۔ اور خطوں کو نکال کر پڑھنا شروع کردیا۔ تقریباً پندرہ کے قریب خطوں میں اس کے علاوہ اور کوئی بات لکھی نہیں دکھائی دی کہ اس کے اپنے شوہر کے ساتھ تعلقات کشیدہ ہیں۔ اور وہ اس پر بے تحاشا تشدد کررہا ہے۔ لیکن سولہویں خط میں ایک ایسی بات موجود تھی۔ جس نے جعفر جو چونکا کر رکھ دیا۔ وہ انکل نونو کا نام تھا۔ جعفر نے خط علیحدہ کیا۔ اور باقی خطوں کو احتیاط کے ساتھ پارسل میں رکھنے کے بعد خط کا مطالعہ شروع کیا۔ لکھا تھا۔

میرے محبوب:

آج کا خط شاید میرا آخری خط ہوگا۔ یہ تمام خط تمہیں ارسال کرنا ممکن نہیں ہیں۔ کسی نہ کسی طور تمہیں پہنچانے کی کوشش کروں گی۔ جنید کے ساتھ تعلقات کشیدہ ہوتے جارہے ہیں۔ اس کا اصرار ہے کہ میں غلط قسم کے لوگوں سے تعلقات استوار کرنا سیکھوں۔ مختصر کپڑے، شراب نوشی اور عیارانہ طبیعت..... یہ سب کچھ میرے اختیار سے باہر ہے۔ روزانہ کے لڑائی جھگڑوں سے میں تنگ آچکی ہوں۔ لیکن ابو کے غلط فیصلے کا کوئی بھی حل میرے دماغ میں موجود نہیں ہے اور مسئلے کو سلجھانا میرے اختیار سے باہر ہے۔ شاید مجھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں۔ کچھ دنوں سے جنید میرے ساتھ نرم سلوک روا رکھنے کی کوشش کررہا ہے۔ مجھے اس کے رویے میں سازش کی بو آتی محسوس ہورہی ہے۔ اس کا رویہ مشکوک ہے۔ وہ گھنٹوں کسی پراسرار شخص کے ساتھ

فون پر بات چیت کرتا رہتا ہے۔ میں نے سننے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ زیادہ نہ سمجھ پائی۔ سوائے اس کے کہ وہ فون پر موجود شخص کو باس کہہ کر پکارتا ہے۔ علاوہ ازیں اس نے ایک دفعہ انکل نونو کہہ کر بھی مخاطب کیا تھا۔ نہ جانے یہ انکل نونو کون ہے؟ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ میری زندگی کا خوشگوار ترین لمحہ رات کا وہ پہر ہوتا ہے۔ جس میں..... میں تمہیں خط لکھتی ہوں۔ اس کے علاوہ تمام دن تلخ ترین ہوتا ہے۔

یہاں تک پہنچ کر خط بند ہوگیا۔ پھر جب دوبارہ شروع کیا گیا۔ تب لکھا تھا۔ رات گیارہ بجے جب جنید کمرے میں داخل ہوا۔ تب مکمل طور پر شراب کے نشے میں دھت تھا۔ اس کے ہمراہ ایک لمبے چوڑے قد و قامت کا شخص بھی موجود تھا۔ جس کے چہرے پر خباثت ثبت تھی۔ جنید نے اس کا تعارف انکل نونو کے نام سے کروایا۔ انکل نونو نے ہوس بھری نگاہوں سے میرے سراپے کا جائزہ لیا۔ اور جنید کو کمرے سے باہر جانے کا اشارہ کیا۔ میں کچھ کچھ معاملے کی تہہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس لئے میں نے بھی جنید کے ہمراہ کمرے سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن جنید نے دھکا دے کر مجھے کمرے کے درمیان میں انکل نونو کی جانب دھکیل کر دروازے کو جھٹکے کے ساتھ بند کردیا۔ میں چیختی چلاتی دوبارہ دروازے کی جانب لپکی۔ لیکن انکل نونو نے باز کی مانند جھپٹ کر مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ تمام رات مجھ پر کیسے گزری۔ میں بتا نہیں سکتی۔ لیکن گھر پہنچتے ہی میں نے پہلا کام تمہیں خط لکھ کر پورا کیا۔ اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کروں گی۔ شاید زندگی کا خاتمہ..... زندہ رہ کر اب میں نے کرنا بھی کیا ہے۔ لیکن اتنی دعا ضرور کرتی ہوں کہ خدا تمہیں خیر و عافیت کے ساتھ رکھے۔ اور اگر مجھے دوبارہ زندگی نصیب ہو..... تب خدا مجھے تمہارے ساتھ نصیب کرے۔

خط ختم ہوگیا۔ جعفر کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا۔ وہ تکیے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ ماریا پر گزرنے والے حالات وہ یکسر ناواقف رہا تھا۔ انکل نونو کی گھناؤنی سازش اس کے دماغ پر گہرے تاثر چھوڑتی جارہی تھی۔ اسے اس کی شخصیت سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ اور غصے کی شدت سے اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچتی چلی گئیں۔ پھر اسے بیکر کا خیال آیا۔ وہ یقیناً باہر اس کا انتظار کررہا ہوگا۔ جعفر اچھل کر بستر سے نیچے اترا اور باتھ روم کی جانب چل دیا۔

دوسرے دن وہ دونوں دوبارہ جون میری سرکس پہنچ گئے۔ ان دونوں کی غیر موجودگی کے دوران باکسنگ کے ایکٹ کو وقتی طور پر بند کردیا گیا تھا۔ کیونکہ بیکر کی عدم موجودگی کے دوران مٹلڈا باکسنگ کرنے سے صاف انکار کردیتا تھا۔ بیکر اس کا استاد تھا۔ اور معصوم جانور اپنے استاد کے اشاروں پر ناچ کر فخر محسوس کرتا تھا۔ بہرحال شام کو بیکر اور جعفر کو جیمس کا فون موصول ہوا۔ اس نے دوسرے دن جعفر اور بیکر کو اپنے آفس میں آنے کی دعوت دی۔ اور خوشخبری بھی سنائی کہ دونوں کی غیر حاضری کے دوران اس نے وزیر اسپورٹس سے بیلی بیکر کے لئے لائسنس حاصل کرلیا ہے۔ اب صرف لائسنس پر بیکر کے دستخط بقایا رہ گئے تھے۔ دوسرے دن بیکر اور جعفر نے اس کے آفس کا رخ کیا۔ لائسنس پر دستخط کئے۔ اور استفہامیہ نگاہوں سے جیمس کی جانب دیکھنے لگے۔

"ابھی تک بہت سے مراحل باقی ہیں۔" وہ بولا۔ "تمہیں قانونی طور پر لائسنس دلوانا مشکل ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ تمہارا حق تھا۔ لیکن جانور کو لائسنس دلوانا نہایت مشکل عمل ثابت ہوگا۔ بہرحال جانور کی مقبولیت کے لئے میں نے زوم ٹی وی کے پروگرام منیجر سے بات چیت کی ہے۔ بچوں کی مختصر ٹیلی فلم کے لئے اس نے کنگرو کو سائن کرنے کی حامی بھرلی ہے۔ اب تم دونوں کے لئے پیسوں کی ریل پیل شروع ہونے والی ہے۔ لیکن اس بات کو بھول نہیں جانا کہ ہمارا مقصد ہارڈی کو شکست دینا ہے۔ اور ہارڈی کے سربراہ کا نام انکل نونو ہے۔" جعفر کی آنکھیں غصے کی بدولت سرخ

ہونے لگیں۔ وہ پھنکارتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"انکل نونو مجھے کہاں مل سکتا ہے۔ میرا اور اس کا معاملہ ذاتی حدود کو تقریباً پھلانگ چکا ہے۔ میں اسے اپنے ہاتھوں سے مارنا چاہتا ہوں۔" جیمس نے حیرت بھری نگاہوں سے جعفر کی جانب دیکھا۔ پھر بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہارے گھرانے کی کسی لڑکی کے ساتھ زیادتی کی ہوگی۔ وہ لڑکیوں کا رسیا ہے۔ میری اور اس کی دشمنی بھی اس حد تک محدود ہے کہ اس نے میری ہونے والی بیوی کو بیچ شہر سے اغوا کرالیا۔ دوسرے دن اس کی لاش کوڑے کے ڈرم سے اس طرح ملی کہ اس کے تمام جسم کو سگریٹوں کے ساتھ داغا گیا تھا۔ بعد ازاں عزت لوٹنے کے بعد کوڑے کے ڈرم میں پھینک دیا گیا۔ اگر بات ایسی ہی ہے تو تم فکر نہیں کرو۔ میں ہر لحاظ سے تمہارے ساتھ ہوں۔ اب ہم تینوں کا مقصد اسے کیفر کردار تک پہنچانا ہوگا۔" جعفر نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر ماریا کی داستان بیان کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر حزن و ملال کے تاثرات ابھرنے لگے۔ چہرہ خون کی گردش کی بدولت سرخ ہونے لگا۔ اور ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اس کی کہانی سننے کے بعد جیمس نے اسے دلاسا دیا۔ پھر بولا۔

"میرے اندازے کے مطابق جنید یقیناً انکل نونو کے پوشیدہ وجود سے واقفیت رکھتا ہوگا۔ لیکن ہمیں اسے چھیڑنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ہم پہلے ہارڈی کو شکست دیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ جو بھی ٹرل ویٹ چیمپئن کا اعزاز حاصل کرے گا۔ انکل نونو اسے خریدنے کی پوری کوشش کرے گا۔ چاہے وہ جانور ہی کیوں نہ ہو۔ ہم تھوڑی سی شد و مد کے بعد مٹلڈا کو اس کے ہاتھوں فروخت کردیں گے۔ بعد ازاں پیچھا کر کے اس کے ٹھکانے کا پتا لگانے کی کوشش کریں گے۔" جیمس خاموش ہوگیا۔

تب بیکر بولا۔ "اور زوم ٹی وی کی ٹیلی فلم کی کیا کہانی ہے؟"

"زوم ٹی وی کا پروگرام منیجر جوگی میرا کلاس فیلو ہے۔ میں نے اسے مختصر تیلی فلم کی وہ کہانی سنائی۔ جو کچھ عرصہ قبل میں نے لکھنی شروع کی تھی۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ میں کافی طویل عرصے سے زوم ٹی وی کے لئے لکھتا چلا آرہا ہوں۔ ملین بچوں کے لئے پہلی دفع لکھ رہا ہوں۔ وجہ صرف مٹلڈا کو مقبولیت دلوانا ہے۔ ہارڈی کے ساتھ مقابلے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے عوام میں..... خاص کر بچوں میں کچھ نہ کچھ مقبولیت حاصل ہو۔ میں بچوں کی ٹیلی فلم پر کام کررہا ہوں۔ ایک ہفتے کے بعد شوٹنگ متوقع ہوگی اور امید کرتا ہوں کہ تقریباً دو مہینے کے بعد ٹیلی فلم ریلیز کردی جائے گی۔" بیلی بیکر اور جعفر نے اثبات میں سر ہلادیا۔

ایک ہفتے کے بعد جیمس نے بیلی بیکر اور جعفر کے ہمراہ اسپورٹس کے وزیر کرنل جیوش سے ملاقات ہوئی۔ مدعا سننے کے بعد کرنل انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"ناممکن..... میں تم لوگوں کے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔ کاش میں تمہارے کسی کام آسکتا۔ لیکن اس سلسلے میں میرا جواب صرف نہیں ہوگا۔"

"معقول بات ہے۔" جیمس سر ہلاتے ہوئے بولا۔ "تم ہمیں انکار کی وجہ بتاؤ گے اگر وجہ معقول ہوئی تو ہم اصرار نہیں کریں گے۔"

کرنل بری طرح چونکا۔ "وجہ..... کیا مطلب.....؟"

جیمس طنزیہ لہجے میں بولا۔ "تاکہ میں نیویارک ٹائمز کے پچیس لاکھ قارئین کے سامنے اس فائٹ کے سلسلے میں تمہارا نقطہ نظر پیش کرسکوں۔ میرے قارئین مفت خوراک فنڈ کے معاملے میں بہت حساس ہیں۔ اور میں اپنے خصوصی ایڈیشن میں اس فائٹ کے سلسلے میں تمہارا نقطہ نظر پیش کرکے انہیں تمہارے خلاف کردوں گا۔"

"وجہ..... وجہ....." کرنل بڑبڑایا۔ پھر چونک کر بولا۔ "ہاں باکسنگ کے قوانین وضوابط....."

"میں بھی جانتا ہوں کہ ریاست نیویارک میں باکسنگ کے قوانین وضوابط کیا ہیں؟" جیمس بولا۔ "بلکہ

وہ اس وقت بھی میرے پاس موجود ہیں۔ اس نے بریف کیس کھول کر کتابچہ کھولا۔ پھر بولا۔ ''اس میں کوئی ایسی شق موجود نہیں ہے۔ جس کی رو سے ایک انسان اور کنگرو میں پندرہ راؤنڈ کی ٹائٹل فائٹ غیر قانونی ہو۔''

''درست ہے۔ ایسی احمقانہ بات لکھی بھی نہیں جاسکتی۔ یہ خیال کسی کو آ بھی نہیں سکتا۔'' کرنل سر ہلا کر بولا۔

''ہمیں آیا ہے۔'' جیمس نے سینہ ٹھونک کر کہا۔ ''بات صرف اتنی ہے کہ قانون انسان اور کنگرو کے درمیان مقابلے کو منع نہیں کرتا۔ اور پھر وہ کنگرو جو عالمی چیمپئن کو ایک بار ناک آؤٹ کر چکا ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن قانون بنانے والوں کے ذہن میں یہ تو نہیں تھا کہ انسان جانوروں سے لڑیں گے۔'' کرنل احمقانہ انداز میں بولا۔

''وہ اگر زندہ ہوتا تو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتا کہ جانور بھی اس کے بنائے ہوئے ضابطوں کے مطابق لڑ سکتے ہیں۔ اس نے ضابطے بنائے تھے اور جو بھی حقوق ضابطوں کا احترام کرے۔ وہ باکسر ہے۔ اور باکسنگ کا اہل ہے۔'' جیمس نے دلیل دی۔

''دیکھو بھائی..... خواہ مخواہ بحث نہیں کرو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ قانون کیا ہے؟ اور اس کے نفاذ کا طریقہ کار کیا ہے۔ اب میں اسے تبدیل تو نہیں کرسکتا۔''

''تمہیں معلوم ہے کرنل..... کہ یہ قانون کب پاس ہوا تھا۔'' جیمس نے پوچھا۔

''میرے خیال میں بہت پہلے کی بات ہے۔'' کرنل گڑبڑا کر بولا۔

''ہاں ستمبر 1920ء کو..... اور کون سا سال ہے۔''

''1970ء'' کرنل نے زچ ہو کر کہا۔

''تو گویا یہ قانون پچاس سال پرانا ہے۔ اور جدید دور کے تقاضے پورے نہیں کرسکتا۔ تمہیں معلوم ہے گزشتہ نصف صدی میں سپریم کورٹ نے آئین میں کتنی ترامیم کی ہیں؟''

''نہیں مجھے نہیں معلوم.....'' کرنل اور گڑبڑایا۔ اسے احساس ہوگیا تھا کہ وہ اسے ہر جانب سے گھیرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جیمس نے بریف کیس کھول کر ایک فہرست باہر نکالی۔ جس میں سپریم کورٹ کے ان فیصلوں کا حوالہ تھا۔ جو آئین سے متصادم تھے۔ کرنل نے اس پر ایک نظر ڈالی اور میز پر رکھ دیا۔

''اب ہم مقابلے کی اہمیت والے ضابطوں پر گفتگو کریں گے۔'' جیمس نے ایک اور کاغذ نکالا۔ اور اس پر نظر ڈالی۔ ''باکسر کی عمر اکیس سال ہونی چاہئے۔ وہ معاشرے میں ناپسندیدہ نہ ہو۔ سزا یافتہ مجرم نہ ہو۔ اس کے ناپسندیدہ لوگوں سے مراسم نہ ہوں۔ وہ.....''

''ایک منٹ دوست.....'' کرنل میز پر گھونسا مارتے ہوئے بولا۔ ''ہاں اکیس سال سے کم عمر باکسر کو پندرہ راؤنڈ کے مقابلے کی اجازت نہیں ہے جبکہ تمہارے کنگرو کی عمر دس سال ہے۔ میں کسی دس سال کے باکسر کو مقابلے کا لائسنس نہیں دے سکتا۔''

جیمس نے دوبارہ بریف کیس کھولا۔ اور کرنل تشویش میں مبتلا ہوگیا۔ وہ اندر ہی اندر لرز رہا تھا کہ خدا جانے اس بار تھیلے سے کیا برآمد ہوگا۔

''میرے پاس برونکس زولوجیکل گارڈن کے پروفیسر جونز کا حلفیہ بیان موجود ہے۔'' جیمس بولا۔ ''وہ جانوروں کا سرجن رہ چکا ہے۔ اس نے انسانوں اور جانوروں کی عمر کے موازنے کے سلسلے میں تحقیقی کام کیا ہے۔ اس سلسلے میں اوسط عمر معیار کا کام دیتی ہے۔ انسان کی اوسط عمر 80 سال ہے۔ پروفیسر جونز کے بیان کے مطابق اگر کوئی بلی تیرہ سال تک زندہ رہتی ہے تو وہ انسانی اعتبار سے 90 سال کی ہے۔ کتے کی عمر کا ایک سال انسان کے سات سال کے مساوی ہوتا ہے۔ کنگرو اور انسان کی عمر کے درمیان ایک اور چار کی نسبت ہے۔ اس اعتبار سے مٹلڈا کی عمر 32 سال ہوئی۔ یہ عمر ایک ایسے باکسر کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ جس نے ساری عمر اپنی صحت کا خیال رکھا ہو۔ زندگی میں کبھی شراب اور سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا ہو۔'' پھر اس نے وہ کاغذ کرنل

کی جانب بڑھایا۔ جس میں تحقیق کے سرٹیفکیٹ موجود تھے۔ کرنل بری طرح بوکھلا گیا۔

''اے..... ایک منٹ..... دیکھ کچھ کرنے سے پہلے.....'' وہ بری طرح ہکلانے لگا۔ ''کیا تم مجھے تباہ کرنا چاہتے ہو۔''

''کرنل یاد رکھو۔ یہ 1970ء ہے۔ کم از کم ایک کروڑ افراد نے ٹی وی کے ذریعے مٹلڈا اور سائیکلون رابرٹ کی فائٹ دیکھی ہے۔ وہ اب دیکھنا چاہتے ہیں کہ مٹلڈا ہارڈی ڈوم کا کیا حشر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس فائٹ کے ذریعے بیس کروڑ الرغریب بچوں کے مفت خوراک فنڈ میں پہنچیں گے۔'' کرنل کو ٹریننگ کمشنر کا عہدہ بہت عزیز تھا۔ اس عہدے سے اس کا نام اخبارات کی زینت بنتا رہتا تھا۔ ''تم مجھے ملازمت سے نکلوانا چاہتے ہو۔'' اس نے کہا۔

''کیا کہہ رہے ہو؟ نیویارک ٹائمز۔ تمہاری پشت پناہی کر رہا ہے۔ گورنر اتنی جرأت نہیں کرسکتا۔ اس کے برعکس جب میں یہ چھاپوں گا کہ ٹریننگ کمشنر نے اس فائٹ کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔ جس کی آمدنی ایک فلاحی ادارے کے لئے مخصوص کردی گئی تھی۔ تو گورنر تم سے ناخوش ہوگا۔ اس کے بعد گورنر کو ووٹ کون دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ گورنر کا نزلہ تم پر ہی گرے گا۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھو کہ مٹلڈا کے منیجروں کو لائسنس تم نے ہی دیا تھا۔''

''کیا..... کیا مجھے نہیں معلوم..... میں ایسا کیسے کرسکتا ہوں۔ میں انہیں جانتا بھی نہیں.....'' کرنل بری طرح بوکھلا گیا۔

''کچھ عرصہ قبل 19 اپریل کو تم نے اپنے دستخط سے بیلی بیکر اور جعفر کو لائسنس دیا۔'' جیمس مسکراتے ہوئے بولا۔

''اوہ..... مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کنگرو کے مالک ہیں۔ اور کنگرو کی باکسنگ کے شعبے میں آزمانا چاہتے ہیں۔ ورنہ میں صاف انکار کردیتا۔''

''بہرحال کرنل تم اچھی طرح سوچ لو۔ معاملہ غریب بچوں کے مفت خوراک فنڈ کا ہے۔ تمہیں اچھی خاصی پبلسٹی حاصل ہوسکتی ہے۔ علاوہ ازیں میرا اخبار بھی حاضر خدمت ہوگا۔ تمہارے متعلق ایک لمبا چوڑا فیچر منتظر رہے گا۔'' کرنل جھنجھلا کر بولا۔

''میں پہلے بتا چکا ہوں۔ مجھے اپنی نوکری عزیز ہے۔ اور نوکری پر حرف آئے۔ میں یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے بحالت مجبوری صاف انکار کرتا ہوں۔ میرے خیال میں سوچنے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔'' کرنل حتمی لہجے میں بولا۔

''ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی.....'' جیمس کرسی چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔ ''ہم اور لحاظ سے کوشش کریں گے۔ لیکن مٹلڈا کا مقابلہ ہارڈی ڈوم سے ہو کر رہے گا۔ چاہے لائسنس کے بعد..... لیکن ہم کروا کر رہیں گے۔'' جیمس نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اور پاؤں پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔ بیکر اور جعفر اس کے پیچھے تھے۔

جب یہ تینوں نیویارک ٹائمز کے آفس میں داخل ہوئے۔ تب ان کے کرسیوں پر بیٹھنے سے پہلے ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ جیمس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔ پھر گھمبیر لہجے میں بولا۔

''ہیلو..... کون کرنل..... اچھا تو تمہیں بچوں کے فنڈ کا خیال آ گیا۔ ٹھیک ہے۔ فکر مت کرو۔ تمہارے متعلق فیچر کی تیاریاں میں آج ہی سے شروع کردیتا ہوں۔ لیکن پہلے سچ سچ بتاؤ کہ اچانک تمہارا ارادہ بدلنے میں ایسی کون سی طاقت کارفرما ہے۔ جو میرے اخبار سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔ اس کے بغیر فیچر پر کام نہیں کروں گا۔'' پھر دوسری جانب کی بات سننے کے بعد اس کے چہرے پر حیرت کے تاثرات ابھرنے لگے۔ اور اس نے جھٹکے کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

''کیا ہوا.....؟'' بیکر نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔

''وہ مٹلڈا کے متعلق لائسنس دینے کے لئے تیار ہے۔ اور ایسا اس نے انکل نونو کے کہنے پر کیا ہے۔

ہے نا حیرت کی بات..... میرے خیال میں انکل نونو بھی جوا کھیلنے کی کوشش کررہا ہے۔ اگر جوے میں ہارڈی ہار گیا۔ تب کنگرو انکل نونو کا منظور نظر ہوگا۔''

''اب ہمیں مزید کیا کرنا ہوگا؟'' بیلی بیکر نے پوچھا۔

''مڈل ویٹ چیمپئن شپ سے باکسنگ کے لئے تیاریاں.....'' جیمس بولا۔ ''لیکن اس سے پہلے میں وہ فہرست حاصل کروں گا۔ جن کی بدولت لڑائیاں مرتب کی جاتی ہیں۔ دیکھوں وہ فہرست کیا کہتی ہے؟'' بیکر اور جعفر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور باہر کی جانب چل دیئے۔

ایک ہفتے کے بعد فہرست ان کے ہاتھوں میں تھی۔ مٹلڈا کو ہارڈی سے مقابلہ کرنے سے پہلے مزید دو افراد کے ساتھ مقابلہ کرنا تھا۔ نیویارک کا زولو اور واشنگٹن کا بیگلر..... لسٹ مرتب ہوتے ہی اخباروں نے دھوم مچادی۔ مٹلڈا ایک ایسا باکسر ہے جس کا کوئی حریف نہیں..... وہ محبت کا دیوتا ہے۔ انسانوں کو باکسنگ چھوڑنی ہوگی۔ وہ ایک پھرتیلا بندر ہے۔ ہارڈی کو دانتوں پسینہ آجائے گا۔ یہ مقابلہ سخت ترین ہوگا۔ ان تمام سرخیوں میں نیویارک ٹائمز سرفہرست رہا۔ وہ نمایاں طور پر مٹلڈا کے حق میں خبریں شائع کررہا تھا۔ چونکہ نیویارک کا سب سے بڑا اخبار تھا۔ اس لئے نا چاہنے کے باوجود باقی تمام چھوٹے اخبار اس کی پیروی کرنے پر مجبور تھے۔ مقابلے کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ تینوں مقابلوں کا اہتمام تین مختلف شہروں میں کیا گیا تھا۔ پہلا مقابلہ واشنگٹن کے جینس ہال میں مرتب کیا گیا تھا۔ جس میں مقابلے کے انتظامات کے سلسلے میں بہت زیادہ مصروف تھا۔ پریس سیٹوں کے لئے بیرونی ممالک تک سے درخواستیں ملی تھیں۔ صرف آسٹریلیا سے تیس رپورٹر آرہے تھے۔ آمدنی کو تیس لاکھ ڈالر تک پہنچانے کے لئے جیمس کو بہت زیادہ دماغ سوزی کرنا پڑی۔ پھر اسے عطیات سیکشن والا آئیڈیا سوجھا۔

پریس سیکشن کی پہلی پانچ قطاریں ان لوگوں کے لئے مخصوص کردی گئیں۔ جو مفت خوراک فنڈ میں ایک ہزار ڈالر عطیہ دیتے۔ اس کے بعد کی دس قطاریں ڈھائی سو ڈالر فی نشست کی تھیں۔ رنگ سائیڈ کی نشستیں سو ڈالر والی تھیں۔ سب سے کم ریٹ پچیس ڈالر تھے۔ جیمس نے مٹلڈا کے ہپی پرستاروں کا خاص خیال رکھا تھا۔ ان کے لئے دس ہزار ٹکٹیں موجود تھیں۔ ریٹ پانچ ڈالر تھا۔ انجمن انسداد بے رحمی حیوانات نے تمام انتظامات کا جائزہ لیا۔ اور انہیں تسلی بخش قرار دیا۔ انہوں نے جانوروں کے سرجن کو رنگ کے باہر موجود رہنے کی خصوصی اجازت دی۔ اس کے علاوہ مٹلڈا کی حفاظت کے سلسلے میں انتظامات کئے گئے۔

اس وقت زولو ہال کے اندر بنے کمرے میں موجود تھا۔ پہاڑ کی مانند جسامت رکھنے والے زولو کا وزن ایک سو چالیس پاؤنڈ تھا۔ جسم طاقتور اور سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ کمرے کے دوسرے حصے میں مٹلڈا کے علاوہ جعفر بیٹھا تھا۔ جعفر کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات ابھر رہے تھے۔ بیکر صبح سے غائب تھا۔ یہ عجیب انہونی تھی۔ جعفر اچھی طرح جانتا تھا کہ بیکر کی عدم موجودگی میں مٹلڈا لڑنے سے صاف انکار کردیتا ہے۔ اور اب بیکر کی عدم موجودگی اس بات کا اظہار کررہی تھی کہ مقابلہ ملتوی کرنا ہوگا۔ پھر اناؤنسر نے مقابلے کا اعلان کرنا شروع کردیا۔ زولو نے نفرت بھری نگاہ مٹلڈا پر ڈالی۔ جو زمین پر بیٹھا کیلے کھانے میں مصروف تھا۔ پھر اٹھ کر کمرے سے ملحق ہال کی جانب چل دیا۔

جعفر نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ پونے گیارہ بجنے والے تھے۔ مقابلہ شروع ہونے میں صرف پندرہ منٹ باقی تھے۔ ہال کمرے کا دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھلا اور جیمس کمرے میں داخل ہوا۔

''بیلی بیکر کہاں ہے؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ جعفر نے لاعلمی میں سر ہلایا۔

''کیا یہ بیلی بیکر کے بغیر مقابلہ کرے گا۔'' جعفر نے نفی میں سر ہلادیا۔ ''تو پھر میرے خیال میں مقابلے کا فیصلہ جیوری زولو کے حق میں دے دے گی۔''

جعفر اسے تلاش کرو۔ ''ورنہ سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔''

دوسری جانب بیلی بیکر کے اغوا کا منصوبہ اس خوبصورتی سے بنایا گیا کہ وہ خود بھی اسے سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ ایک زرد سیڈان کے قریب سے گزرا۔ کار کے پاس دو مرد اور پرکشش لڑکی گفتگو میں مصروف تھے۔ بیکر کو دیکھتے ہی وہ تینوں اس کی جانب متوجہ ہوگئے۔

''ہیلو جیک.....'' ایک مرد نے اسے مخاطب کیا۔ ''تم یہاں کب آئے؟''

''اوہ جیک ڈارلنگ.....'' لڑکی بے حد خوش ہو کر چیخی اور بیکر سے لپٹ گئی۔ بیکر کا خیال تھا کہ وہ لوگ کسی غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔ وہ کچھ کہنے والا تھا کہ کسی نے اس کی ہپ پاکٹ سے پستول نکال کر اس کی کمر سے لگا دیا۔

''مسکراتے رہو دوست.....'' اس کے کانوں میں آواز سنائی دی۔ ''صرف ہم ہی تمہیں دیکھ کر خوش نہیں ہوئے ہیں۔ تم بھی خوش ہوئے ہو۔ لہٰذا تمہیں بھی اظہار مسرت کرنا چاہئے۔ خاموشی کے ساتھ کار میں بیٹھ جاؤ۔ ہم تمہیں یہاں کے قابل دید مقامات کی سیر کروائیں گے۔'' بیکر نے ادھر ادھر دیکھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اسے اغوا کیا جارہا ہے۔ سڑک پر ٹریفک کی ریل پیل تھی۔ فٹ پاتھ پر لوگ کثرت سے آجا رہے تھے۔ قریب ہی ایک ٹریفک کانسٹیبل کھڑا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اس کوشش کو باآسانی ناکام بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن پیچھے کھڑے شخص نے یہ بات بھانپ لی۔

''نہیں دوست..... ایسا نہ کرنا۔ ورنہ سیدھے مردہ خانے پہنچ جاؤ گے۔'' زندگی بیلی بیکر کو بھی بہت عزیز تھی۔ چنانچہ وہ کار میں بیٹھ گیا۔ ریوالور والا اس کے ہمراہ اگلی سیٹ پر بیٹھا۔ لڑکی ڈرائیور کے ساتھ تھی۔ کار آگے بڑھی۔ لیکن رفتار بہت کم تھی۔ جیسے انہیں کوئی جلدی نہ ہو۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ لوگ تفریح کی غرض سے نکلے ہوں۔ پولیس افسر کے قریب سے کار گزری تو لڑکی نے اس کی جانب ایک مسکراہٹ اچھال دی۔ اور ہاتھ لہرانے لگی۔ بیکر کو یقین ہوگیا کہ وہ لوگ اسے ٹھکانے لگانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔

''تم لوگ چاہتے کیا ہو؟''

''صرف تمہاری رقابت میرے دوست..... اور وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے.....'' پستول والے نے جواب دیا۔

''اور اگر میں مدد کے لئے چیختا..... تو تم کیا کرتے۔''

''تمہیں گولی مار کر مردہ خانے پہنچا دیتے۔'' جواب ملا۔ بیکر خاموش ہوگیا۔ وہ یقیناً ایسا کرسکتے تھے۔ اتنے زیادہ ٹریفک میں ان کی کار کا پتا بھی نہیں چلتا۔ کار سیکنڈ بلاک تک ہائی وے پر چلتی رہی۔ پھر انہوں نے ایک سائیڈ اسٹریٹ میں موڑ کر گاڑی روک دی۔ کھڑکیوں کے شٹر چڑھا دیئے گئے۔ کافی دیر تک خاموشی رہی۔ ٹھیک گیارہ بجے لڑکی نے ریڈیو آن کردیا۔ ریڈیو پر مردانہ آواز ابھری۔ لہجے میں سنسنی تھی۔

''ہاں وہ آرہے ہیں۔ مٹلڈا چھوٹی چھوٹی جستیں لگا کر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ جعفر اور جیمس بھی ہیں۔ لیکن بیکر نظر نہیں آرہا۔ شاید وہ پیچھے رہ گیا ہے۔ زولو پہلے ہی رنگ میں موجود تھا۔ وہ تھوک رہا ہے۔ ارے..... یہ کیا..... یقیناً کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ مٹلڈا آگے بڑھنے کے لئے تیار نہیں..... جعفر اس کی زنجیر کھینچ رہا ہے۔ لیکن مٹلڈا پچھلے پیروں پر کھڑا ہوگیا ہے۔ اسے شاید کسی کی تلاش ہے۔''

''اوہ..... وہ بے چارا مجھے تلاش کررہا ہے۔'' بیکر دکھی لہجے میں بولا۔

''ٹھیک سمجھے۔'' ڈرائیور بولا۔

اناؤنسر بول رہا تھا۔ ''وہ اسے کھینچ رہے ہیں۔'' جعفر اور جیمس..... بیلی بیکر کا کچھ پتا نہیں..... یقیناً کچھ گڑبڑ ہے۔ لیکن میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مٹلڈا نروس دکھائی دیتا ہے۔ وہ تینوں رنگ میں داخل ہوگئے ہیں۔ مٹلڈا رنگ کے درمیان میں کھڑا ہے۔ اور چاروں

جانب دیکھ رہا ہے۔ اس کے دونوں ساتھی اسے دستانے پہنانے کی کوشش کررہے ہیں۔ لیکن انہیں دشواری پیش آرہی ہے۔ وہ اسے تھپتھپا رہے ہیں۔ چمکا رہے ہیں۔ لیکن مٹلڈا بری طرح مچل رہا ہے۔ شاید بیکر کے نہ ہونے کی وجہ سے..... ایک منٹ..... میں ذرا دیکھ لوں..... جی ہاں جعفر کا کہنا ہے کہ مٹلڈا ابھی ٹھیک ہوجائے گا۔ بیکر بیمار ہوگیا ہے۔''

''بیمار ہوگیا ہے۔ لعنت ہو تم پر.....'' بیکر غرایا۔ ''وہ میرے بغیر نہیں لڑے گا۔''

''ہمارا بھی یہی خیال تھا۔'' پستول والے نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

اناؤنسر کی آواز سنائی دی۔ ''مٹلڈا کو دستانے پہنا دیئے گئے ہیں۔ ریفری دونوں باکسروں کو آخری ہدایات دینے کے لئے رنگ کے درمیان میں بلا رہا ہے۔ کمال ہے مٹلڈا وہاں جانے پر آمادہ نہیں ہے۔ اسے مجبور کیا جارہا ہے۔ اس موقع پر وہ ہمیشہ اپنے حریف کو کس کرتا ہے۔ لیکن آج اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ پریشان ہے۔ آزردہ ہے.....''

''تم پر لعنت ہو۔ مجھے جانے دو۔'' بیکر گڑگڑایا۔

''شٹ اپ'' لڑکی نے ڈانٹا۔ اور ریڈیو کی آواز بڑھا دی۔

''وہ اپنے کارنر میں واپس آچکے ہیں۔ لیجئے گھنٹی بجی۔ زولو رنگ کے درمیان میں آگیا ہے۔ لیکن مٹلڈا اپنے کارنر میں کھڑا ہے۔ وہ ادھر ادھر دیکھ رہا ہے۔ شاید بیکر کو تلاش کررہا ہے۔ زولو اس کی جانب بڑھا۔ مٹلڈا کے ہاتھ جھکے ہوئے ہیں۔ وہ لڑنا نہیں چاہتا ہے۔ ممکن ہے مٹلڈا نے گھنٹی کی آواز ہی نہ سنی ہو۔''

بیکر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''میں جانتا تھا یہی ہوگا۔''

اناؤنسر بولا۔ ''ریفری نے زولو کو اشارہ کیا۔ کہ وہ مٹلڈا پر گھونسے برسائے۔ لیکن مٹلڈا اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ رسیوں پر ہیں۔ وہ اچھل اچھل کر چاروں جانب دیکھ رہا ہے۔ یقیناً وہ بیکر کے لئے بے تاب ہے۔ زولو کی سمجھ میں نہیں آرہا۔ کہ وہ کیا کرے۔ مٹلڈا اسے نظر انداز کررہا ہے۔ زولو ایکشن میں آگے بڑھا۔ لیکن مٹلڈا پیچھے ہٹ کر اس سے دور ہوگیا ہے۔ تماشائیوں میں بے چینی کی لہر دوڑنے لگی ہے۔ آپ شور سن رہے ہیں۔ مٹلڈا کے کارنر کی جانب سے جیمس اور جعفر اسے اشارہ کررہے ہیں کہ وہ لڑے۔ لیکن مٹلڈا انہیں نظر انداز کررہا ہے۔ اب مٹلڈا ہاتھوں اور پیروں پر بیٹھ گیا ہے۔ اور تماشائیوں کے درمیان جھانک رہا ہے۔

''میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کرسکتا۔'' بیکر روہانسا ہوکر بولا۔ اور دونوں ہاتھوں سے کانوں کو بند کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''نہیں دوست۔ بس تھوڑی دیر اور برداشت کرلو۔'' پستول والے نے سرد لہجے میں تنبیہہ کی۔ اناؤنسر کی آواز آرہی تھی۔

''کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا۔ چار پاؤں پر بیٹھا ہوا مٹلڈا ایک حقیر کنگرو دکھائی دے رہا ہے۔ گنتی کا سوال ہی نہیں..... کیونکہ زولو ابھی تک اسے ہاتھ نہیں لگا پایا۔ تماشائی احتجاج کررہے ہیں۔ اب ہوٹنگ شروع ہوگئی ہے۔ ریفری دوبارہ مٹلڈا کی جانب بڑھ رہا ہے۔ میرا خیال ہے وہ مٹلڈا کو نااہل قرار دینے والا ہے۔ جی ہاں..... وہ اعلان کرنے والا ہے۔ اوہ..... اوہ.....''

''اچانک اناؤنسر کی ہیجان سے بھری آواز ابھری۔ ''ارے..... زولو..... نیچے گرگیا۔ مٹلڈا دوسری جانب جارہا تھا کہ زولو اچانک درمیان میں آگیا۔ مٹلڈا نے اس کی جانب دیکھے بغیر ہاتھ گھما دیا۔ جی ہاں..... وہ یقیناً رائٹ ہک تھا۔ جو زولو کے چہرے پر لگا۔ اور زولو نیچے گرگیا۔ سنیں..... تماشائی چیخ رہے ہیں..... داد دے رہے ہیں۔ ریفری گنتی گن رہا ہے۔ لیکن زولو ساکت ہے۔ آٹھ..... نو..... دس اور زپ..... میرا خیال ہے کہ مٹلڈا اداکاری کررہا تھا۔ اسے بیکر کی تلاش نہیں تھی۔ وہ صرف مناسب اوپننگ کی

تلاش میں تھا۔ زولو جال میں آ گیا۔ اور وہ پرفیکٹ رائٹ تھا۔ زولو اب بھی ساکت پڑا ہے۔ تالیوں کی آواز آپ سن رہے ہوں گے۔'' واقعی وہاں تالیوں کی آواز کے علاوہ اب اور کوئی آواز نہیں تھی۔

بیکر خوشی سے چیخ اٹھا۔ ''وہ یقیناً راستے میں آیا ہوگا۔ مٹلڈا کا موڈ خراب ہو۔ تو وہ یقیناً ایسا ہی خوفناک ہو جاتا ہے۔''

اناؤنسر بول رہا تھا۔'' مٹلڈا جانور نہیں بلکہ مافوق الفطرت ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں ڈومبا دیوتا کی روح حلول کر چکی ہے۔ اور اب وہ ناقابل تسخیر ہو چکا ہے۔''

لڑکی نے ریڈیو کا بٹن بند کر دیا۔ پھر اپنے ساتھی سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''گاڑی کا دروازہ کھولو۔ اور اسے باہر دھکیل دو۔ اسکیم ناکام ہوگئی ہے۔'' پستول والے نے سر اثبات میں ہلایا اور دروازہ کھول کر بیکر کو باہر دھکیل دیا۔ اس کے اٹھنے سے پہلے ہی کار دور جا چکی تھی۔ وہ جیسن ہال سے تقریباً تمام چار بلاک دور تھا۔ اس سڑک سے اٹھتے ہی ہال کی جانب دوڑ لگا دی۔

لوگ مٹلڈا کی نئی حکمت عملی اور بدقسمت زولو کے عجیب وغریب ناک آؤٹ ہونے پر تبصرے کر رہے تھے۔ جعفر، جیمس اور مٹلڈا ابھی تک رنگ میں موجود تھے۔ بیکر ہانپتا ہوا رنگ میں داخل ہوا۔ تب ایک دلگداز منظر دیکھنے میں آیا۔ مٹلڈا نے بیکر کو بے تابانہ انداز میں اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔ اور پیار کرنے لگا۔ اس کے حلق سے ''اُوک اُوک'' کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ محبت کا وہ عجیب وغریب اور پراثر مظاہرہ دیکھ کر بیشتر تماشائیوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس بار پریس نے اس خبر کو نمایاں جگہ دی۔ لیکن اندر کہانی صرف جیمس کے کالم میں چھپی۔ جعفر نے اسے فون پر بیکر کے اغوا کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا۔ واردات میں ملوث دونوں افراد پکڑے نہیں جا سکے۔ زرد سیڈان چوری کی ثابت ہوئی۔ جیمس کا کہنا تھا کہ اس واردات کے پیچھے یقیناً انکل نونو کا ہاتھ موجود رہا ہوگا۔ لیکن بات عقل سے بالاتر تھی کہ کچھ دن پہلے اس نے مٹلڈا کو باکسنگ لڑنے کا لائسنس دلوانے کی کوشش میں مدد کی۔ لیکن اب اس مقابلے کے دوران اسے روکنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ مزید اور ہستی صرف ہارڈی ڈوم تھی۔ جسے مقابلہ روکنے میں دلچسپی ہو سکتی تھی۔ مکمل ثبوت نہ ہونے کی بدولت کچھ کہنا ممکن نہیں تھا۔ بہرکیف مٹلڈا پہلی سیڑھی بخیر وخوبی چڑھ گیا تھا۔ اب صرف دو مزید سیڑھیاں باقی تھیں۔ پھر وہ یقیناً عالمی چیمپئن شپ جیت لیتا۔ لیکن دوسرے دن جب بیکر اور جعفر نے اس وسیع وعریض اصطبل کا رخ کیا۔ جہاں مٹلڈا رہائش پذیر تھا۔ تب انہیں اپنے ہاتھوں کے طوطے اڑتے محسوس ہوئے۔ اصطبل خالی تھا۔ مٹلڈا وہاں موجود نہیں تھا۔ رات کے کسی پہر اسے اغوا کر لیا گیا تھا۔ جعفر اور بیکر نے جیمس کو فون کیا۔ جیمس نے دونوں کو اپنے دفتر آنے کا حکم دیا۔ دونوں نے اثبات میں سر ہلایا اور کچھ ہی دیر میں دفتر پہنچ گئے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور شکل پر پریشانی کے تاثرات ثبت تھے۔ جیمس نے انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر پانی کا گلاس ان کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

''تحمل رکھو۔ کچھ نہیں ہوگا۔ پریشان ہونے سے معاملہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ پانی پیو اور مجھے تفصیل سے آگاہ کرو۔'' دونوں نے ایک ہی گھونٹ میں پانی پی لیا۔ پھر بیکر بولا۔

''وہ اصطبل میں موجود نہیں ہے۔ کل رات کو تھا..... لیکن آج صبح جب ہم نے اصطبل کا دروازہ کھولا۔ تب وہ اندر نہیں تھا۔ اصطبل کا دروازہ لاک نہیں تھا کیونکہ باہر چوکیدار موجود رہتا ہے۔'' جیمس نے بات درمیان میں کاٹتے ہوئے پوچھا۔

''اور چوکیدار اس وقت کہاں ہے؟''

''معلوم نہیں.....'' بیکر نے نفی میں سر ہلایا۔

''لیکن اصطبل سے باہر نہیں تھا۔ ہمیشہ باہر ہی ہوتا ہے۔''

''اصطبل کا نام بتاؤ۔''

''ریانسز کا اصطبل.....'' بیکر نے بتایا۔

''ٹھیک ہے۔'' جیمس بولا۔ ''آؤ ذرا ریانسز کے اصطبل کا چکر لگا آئیں۔ دیکھیں چوکیدار کیا کہتا ہے۔'' بیکر اور جعفر نے اثبات میں سر ہلایا اور کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ریانسز کے اصطبل کے باہر چوکیدار موجود نہیں تھا۔ لیکن اب دروازہ اندر سے بند تھا۔ کھٹکھٹانے پر اصطبل کے مالک ریانسز نے دروازہ کھولا۔ بیکر اور جعفر کو دیکھتے ہی وہ پریشان لہجے میں بولا۔

''تم دونوں کہاں تھے؟ اصطبل میں مٹلڈا موجود نہیں ہے۔ چوکیدار بھی غائب ہے۔ لیکن ابھی کچھ دیر پہلے تم دونوں کے نام یہ خط موصول ہوا ہے۔ یہی دینے کے لئے جب میں نے اصطبل کا رخ کیا۔ تب میں نے مٹلڈا کو غائب پایا۔ جیمس نے آگے بڑھ کر خط کا لفافہ اس کے ہاتھوں سے لے لیا۔ پھر سرد لہجے میں بولا۔

''لفافے پر ڈاک کا ٹکٹ موجود نہیں ہے۔ یہ تمہیں کیسے موصول ہوا۔'' اصطبل کا مالک گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''جناب..... اصطبل سے ملحق میرا آفس ہے۔ صبح جب میں نے آفس کھولنے کے لئے سیڑھیوں کا رخ کیا۔ تب یہ سیڑھیوں کے پاس پڑا تھا۔ اوپر ان دونوں کا نام لکھا تھا۔ اس لئے میں نے انہیں دینے کے لئے.....'' جیمس نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ پھر لفافے کا معائنہ کرنا شروع کر دیا۔ اوپر بیکر اور جعفر کا نام لکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے اوپر اور کسی قسم کی تحریر موجود نہیں تھی۔ جیمس نے لفافے کو چاک کیا۔ اور اندر موجود کاغذ کے ٹکڑے کو باہر نکال لیا۔ اس پر مختصر تحریر موجود تھی۔ لکھا تھا۔

''مٹلڈا ہمارے قبضے میں ہے۔ جانور کی دستیابی کے لئے آپ کو دس لاکھ ڈالر کی رقم کا انتظام کرنا ہوگا۔ یہ رقم تھیلے میں ڈال کر آج رات بارہ بجے سوہی لائن میں بننے والے گٹر لائن میں رکھ دینا۔ ہم وہاں سے وصول کر لیں گے۔ آپ یقیناً جان گئے ہوں گے کہ اس گٹر لائن میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے راستے بے تحاشا ہیں۔ اس لئے ہمیں ٹریپ کرنے کی کوشش نہیں کیجئے گا..... بصورت دیگر جانور ٹکڑوں کی صورت میں آپ کو وصول ہوگا۔''

خط ختم ہوگیا۔ جیمس نے خط کو تہہ کر کے جیب کے اندر رکھا۔ پھر ریانسز سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''اصطبل کے چوکیدار کا ایڈریس بتاؤ۔ اور کیا وہ اعتباری آدمی تھا..... یا نہیں.....'' ریانسز بولا۔

''اسے یہاں کام کرتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ شاید دو مہینے یا پھر تین..... مجھے صحیح طرح یاد نہیں ہے۔ میں ایڈریس بتائے دیتا ہوں۔'' اس نے اصطبل سے کچھ فاصلے پر واقع رہائشی آبادی کا ایڈریس بتا دیا۔

''جیمس نے اثبات میں سر ہلایا اور چوکیدار کے گھر کی جانب چل دیا۔ بیکر اور جعفر اس کے ہمراہ تھے۔ اصطبل سے باہر نکلنے کے بعد جعفر پریشان لہجے میں بولا۔ ''اگر ہم مٹلڈا تک نہ پہنچ پائے۔ تب نتیجہ کیا نکلے گا۔'' جیمس مسکراتے ہوئے بولا۔

''مٹلڈا کی دوسری لڑائی کے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ اگر فائٹ کے دوران مٹلڈا دستیاب نہیں ہو سکا۔ تب عوام ہمارے سر پھاڑ دے گی۔ ہماری کمزوریوں کو سامنے رکھ کر مجرم نے منصوبہ بنایا ہے۔ اب اگر ہم مٹلڈا تک نہ پہنچ پائے تب ہمیں دس لاکھ روپے کی رقم مجرم کے حوالے کرنا ہوگی۔ تاکہ مٹلڈا کو رنگ تک لایا جا سکے۔'' بیکر بات کاٹ کر بولا۔

''لیکن کل فائٹ کا اہتمام ہے۔ کیا ایک دن کے اندر ہم مٹلڈا کو تلاش کر پائیں گے؟''

''کوشش کر سکتے ہیں۔ ورنہ فائٹ ملتوی کروانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن ایسی صورت میں مٹلڈا کے نمبر کم ہو جائیں گے۔''

چوکیدار کا فلیٹ رہائشی علاقے کے درمیان میں واقع تھا۔ فلیٹ کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ لیکن تالا معمولی نوعیت کا تھا۔ جیمس کی جیب میں لوہے کی مڑی ہوئی تار موجود تھی۔ اس نے جیب میں سے تار باہر

نکالی۔ اور تالے کے سوراخ میں ڈال کر گھمانے لگا۔ کچھ ہی دیر میں تالا کھل گیا۔ انہوں نے دروازہ کھولا اور فلیٹ کے اندر داخل ہوگئے۔ فلیٹ چھوٹا لیکن نہایت گندا اور بدبودار تھا۔ تمام سامان درہم برہم پڑا تھا۔ بدبو کے علاوہ فلیٹ میں کچھ اور مخصوص بو بھی موجود تھی۔ جیمس نے ایش ٹرے کو چیک کیا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ”شاید میں مجرم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ اب ہمیں کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں رقم کا بندوبست کرتا ہوں۔ تم دونوں رقم سے بھرے بیگ کو گٹر لائن میں رکھ آنا۔ باقی سب میں سنبھال لوں گا۔“ بیکر اور جعفر نے حیرت بھری نگاہوں سے جیمس کی جانب دیکھا۔ پھر بیکر بولا۔ ”تو کیا ہم دس لاکھ ڈالر جیسی خطیر رقم یوں آسانی سے مجرم کے ہاتھوں میں تھمادیں گے۔ یہ کچھ عقلمندانہ فیصلہ نہیں ہوگا۔“

”اچھے اور برے میں تمیز کرنا مجھے آتا ہے۔ تم دونوں بس وہی کچھ کرتے جاؤ۔ جو میں کہتا ہوں۔“ بیکر اور جعفر نے اثبات میں سر ہلادیا۔

رات بارہ بجے وہ دونوں سونی لائن میں نوتعمیر شدہ گٹر لائن کے وسیع و عریض جال کے سامنے موجود تھے۔ یہ تمام گٹر لائن انڈر گراؤنڈ کافی وسیع و عریض ہونے کے علاوہ جدید تھی۔ گٹر لائن کے اندر چھوٹی موٹی گلیوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ بیگ کو اٹھانے کے لئے مجرم کس راستے کا انتخاب کرتا ہے۔ یہ سوچنا ناممکن تھا۔ گٹر لائن نمبر پندرہ کے کھلے ہوئے مین ہول کے سامنے پہنچ کر بیکر نے جیب میں سے ٹارچ باہر نکالی۔ اور جعفر کو بیگ ہاتھوں میں تھما کر اندر اترنے کا حکم دیا۔ جعفر نے احتیاط کے ساتھ بیگ کو گلے میں لٹکایا۔ اور دوسرے ہاتھ میں ٹارچ تھامے گٹر کے اندر موجود سیڑھی کے ذریعے نیچے اترنے لگا۔ نیچے گھپ اندھیرا تھا۔ چونکہ کنسٹرکشن ابھی جاری تھی۔ اس لئے گٹر میں پانی موجود نہیں تھا۔ جعفر نے ٹارچ کی روشنی اردگرد ڈالتے ہوئے ماحول کا جائزہ لیا۔ گٹر لائن نمبر پندرہ کا حدود اربعہ کسی وسیع و عریض چوک سے کم نہیں تھا۔ یہاں مختصر گلیوں کے سروں کا اختتام اور آغاز ہوتا تھا۔ جعفر نے دیوار کے ساتھ بیگ کو رکھا اور پھرتی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا ہوا گٹر سے باہر نکل آیا۔ بیکر اس کا منتظر تھا۔ جعفر نے ٹارچ اسے تھمائی اور حالات نارمل ہونے کا اشارہ کرکے دونوں شہر کی جانب چل دیئے۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر انہوں نے کپڑے تبدیل کئے۔ اور بستروں میں گھس گئے۔ جیمس کی ہدایات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ صبح سے پہلے اس کے ساتھ رابطہ نہ کیا جائے۔

صبح منہ اندھیرے اٹھنے کے فوراً بعد انہوں نے جیمس کے آفس کا رخ کیا۔ جیمس خلاف توقع آفس میں موجود تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ رقص کررہی تھی۔ جعفر اور بیکر کو دیکھتے ہی وہ بولا۔

”مجھے امید ہے کہ تم دونوں کی رات اچھی گزری ہوگی۔ اگر نہیں..... تو یقیناً آج کا دن تو اچھا ہی گزرے گا۔ رات کو یکسر بھلادو۔“

”جناب آج فائٹ کا دن ہے۔“ بیکر بے چین لہجے میں بولا۔ ”کیا گزشتہ رات مطلڈا دستیاب ہوپایا..... یا نہیں..... اگر ایسا ہوا ہے۔ تو ہمیں فوراً فائٹنگ کی تیاریاں شروع کردینی چاہئیں۔ بصورت دیگر فائٹنگ کو ملتوی کرکے مطلڈا کی دستیابی کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔“ بیکر کے خاموش ہوتے ہی جیمس ہنستے ہوئے بولا۔

”کرسی پر تو بیٹھ جاؤ۔ اتنی جلدی اچھی نہیں ہوتی۔ پہلے ناشتہ کرلو۔ اس کے بعد گزشتہ رات کے واقعات کے متعلق تفصیل بتاؤں گا۔“ کمرے کا دروازہ کھلا۔ اور چپڑاسی ناشتے کی ٹرے لئے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ میز کے گرد برتنوں کو ترتیب دینے لگا۔ بیکر اور جعفر نے نا چاہتے ہوئے بھی ناشتے کا آغاز کردیا۔ جیمس مطمئن انداز میں ناشتہ کررہا تھا۔ اس لئے تقریباً آدھا گھنٹہ ناشتے میں لگ گیا۔ صبح کے نو بجنے والے تھے۔ گیارہ بجے فائٹنگ کا آغاز ہونا تھا۔ وقت کم تھا۔ لیکن جیمس کو پرواہ نہیں تھی۔ ناشتے کے بعد اس نے سگریٹ سلگایا۔ اور دھواں کمرے میں پھینک کر بولا۔

”مجھے شروع ہی سے اصطبل کے مالک ریانسز پر شک تھا۔ لیکن ثبوت کی عدم موجودگی کے باعث اسے گرفتار کرنا ممکن نہیں تھا۔ جب میں نے تم دونوں کے ہمراہ ریانسز سے ملاقات کی۔ تب اس کے ہاتھوں میں بہت مہنگے برانڈ کا سگریٹ سلگتا دیکھا۔ یہ مہنگا ہونے کے علاوہ نایاب بھی ہے۔ ریانسز سے ملاقات کے بعد جب ہم نے چوکیدار کے فلیٹ کا رخ کیا۔ تب مختصر تلاشی کے دوران مجھے فلیٹ میں موجود ایش ٹرے میں اسی برانڈ کے سگریٹ کے ٹکڑے دستیاب ہوئے۔ چوکیدار اتنا مہنگا اور کم یاب سگریٹ پینے کی جسارت نہیں کرسکتا تھا۔ اور ریانسز ایسا کم یاب سگریٹ اسے تحفے میں بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ریانسز کا چوکیدار کے فلیٹ میں آنا جانا تھا۔ اب تم دونوں خود سوچ سکتے ہو کہ اگر اصطبل کا مالک اصطبل کے چوکیدار کے ساتھ تعلقات قائم رکھنا چاہتا ہے۔ تو اس کے پیچھے اس کے کچھ مقاصد بھی کارفرما ہوسکتے ہیں اور ان مقاصد کا اندازہ آپ اس وقت بخوبی لگاسکتے ہیں۔ جب چوکیدار چوری میں ملوث ہو۔ ثبوت کو پختہ کرنے کے لئے میں نے رقم تم دونوں کے ہاتھوں میں تھمائی اور خود ریانسز کی نگرانی کرنے لگا۔ رات ساڑھے گیارہ بجے اس نے تم دونوں کا پیچھا کیا۔ اور میرے اندازے کے مطابق اس نے رقم سونی لائن کی گٹر میں سے ہتھیالی۔ تب میں نے اسے گرفتار کرکے مطلڈا کے متعلق پوچھ گچھ کیا۔ وہ بتانے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ لیکن کچھ تشدد کے بعد تیار ہوگیا۔ منصوبہ اس کا تیار کردہ تھا اور مطلڈا ریانسز اصطبل سے کچھ دور واقع دوسرے اصطبل میں مقید تھا۔ جو اس کا ہائر کردہ تھا۔“ جیمس خاموش ہوگیا۔

”لیکن اگر تمہارا اندازہ غلط ہوجاتا۔ اور مجرم ریانسز کے علاوہ کوئی اور ہوتا۔ تب رقم ہاتھوں سے نکل جاتی۔“ بیکر نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

”بالکل ایسا ہوسکتا تھا۔ لیکن میں رقم کے بیگ میں اتنی کثیر رقم رکھنے کے لئے شروع ہی سے آمادہ نہیں تھا۔ اس لئے بیگ کو خالی کاغذوں سے بھر کر تمہارے ہاتھوں میں تھمادیا۔ کیوں کیا خیال ہے؟“ دونوں نے مطمئن انداز میں سر ہلایا۔ اور اٹھ کر مقابلے کی تیاریوں میں مشغول ہوگئے۔ جہاز پر ان کی سیٹیں مخصوص تھیں۔ اور اب مطلڈا کا مقابلہ واشنگٹن کے بیگر کے ساتھ ہونا تھا۔

واشنگٹن کا بی بال ہال تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مقابلہ شروع ہونے میں تقریباً پونا گھنٹہ باقی تھا کہ اچانک جیمس کی نگاہ ایک ایسے آدمی پر پڑی۔ جسے وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس کا نام میکس تھا۔ وہ ہپناٹائز کے علاوہ ٹیلی پیتھی پر بھی مہارت رکھتا تھا۔ باکسنگ کے حلقے میں اس کی شہرت اچھے الفاظ میں نہیں ہوتی تھی۔ اس کا پیشہ پیسے لے کر پیشہ ور باکسروں کو زپ کرنا تھا۔ یہاں بی بال ہال میں اس کی موجودگی خطرے کا اعلان کررہی تھی۔ حالاں کہ ہال میں سیکورٹی کا انتظام جدید ترین اور سخت تھا۔ لیکن میکس کو واردات کرنے کیلئے کسی قسم کے ہتھیار کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے تیز تلوار کا کام لیتا تھا۔ جیمس نے پریشان نگاہوں سے جعفر اور بیکر کی جانب دیکھا۔ وہ ہال کمرے سے منسلک چھوٹے کمرے میں موجود تھا۔ جیمس تیز قدموں کے ساتھ ان دونوں کی جانب چل دیا۔ بیکر اور جعفر نے تعجبی نگاہوں سے جیمس کی جانب دیکھا۔ تب جیمس بولا۔

”جب تک میں واپس نہیں آتا ہوں۔ تب تک مطلڈا کو باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ وہاں اس کے وجود کو خطرہ ہے۔ میں جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔“ جعفر اور بیکر نے حیرت بھری نگاہوں سے جیمس کی جانب دیکھا۔ لیکن پوچھا کچھ نہیں۔ جیمس ہال کمرے سے ہوتا ہوا دروازے سے باہر نکلا۔ اور ٹیکسی پکڑ کر سترہ بی ایسٹ اسٹریٹ کی جانب چل دیا۔ یہاں ایک پیشہ ور مجرم مچلو کی رہائش موجود ہے۔ جیمس کی ہدایت پر ایک دفعہ اسے حوالات ہوچکی تھی۔ پھر جیمس کے کہنے پر ہی اسے دوبارہ رہا کردیا گیا تھا۔ اب وہ جیمس کا مرید تھا۔ اسے مختلف اور عجیب و غریب کاموں میں مہارت حاصل تھی۔ ان میں سے ایک کام دانتوں کے ذریعے

مختصر چھرا پھینکنا تھا۔ وہ اتنی خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ ننھے چھرے کو سامنے کی جانب اچھالتا تھا۔ کہ انجان بندہ یقین نہیں کر پاتا تھا۔ وہ چھرا سامنے موجود لکڑی کے دروازے میں سوراخ کر دیتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ چھرے کو بندوق کے ذریعے سے پھینکا گیا ہے۔ سترہ بی ایسٹ اسٹریٹ میں بے مختصر گھروں کے درمیان مچلز کا گھر موجود تھا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر اس نے دروزہ کھولا۔ وہ دبلا پتلا منحنی شخص تھا۔ بال پتلے اور لمبے تھے۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ موجود تھا۔ اور ہونٹ مضبوطی کے ساتھ بھنچے ہونے کے باعث ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بہت تکلیف میں ہو۔ جیمس کو دیکھتے ہی اس نے گھبرا کر تمام دروازہ کھول دیا۔ اور پریشان نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

مچلز گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری یہاں آمد تمہارے لئے خطرے کا باعث نہیں بنتی۔ بلکہ مجھے ایک کام کے سلسلے میں تمہاری مدد درکار ہے۔ مچلز نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر بولا۔

"اندر آ جایئے۔ ہم بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں"

"تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ معاملہ بہت گھمبیر ہے۔ تمہیں فوراً میرے ہمراہ چلنا ہوگا۔ میں گاڑی میں تمہیں حالات سے آگاہ کروں گا۔" مچلز نے اثبات میں سر ہلایا اور گھر کو لاک کر کے جیمس کے ہمراہ سامنے موجود ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ٹیکسی تیز رفتاری کے ساتھ بی بال ہال کی جانب روانہ ہوگئی۔ تب جیمس دھیمے لہجے میں بولا۔

"تم جانتے ہوگے کہ آج بی بال ہال میں بیگلر اور مطلڈا کے درمیان مقابلہ ہونے والا ہے۔ نیویارک ٹائمز سے منسلک ہونے کی وجہ سے تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس مقابلے کے پیچھے میرا بھی کچھ نہ کچھ ہاتھ پایا جاتا ہے۔" مچلز نے اثبات میں سر ہلایا۔ تب جیمس دوبارہ بولا۔ "اور انڈر ورلڈ کے ساتھ وقت گزاری کی بدولت تم میکس سے بھی واقفیت رکھتے ہوگے۔" مچلز چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔

"میکس بہت خطرناک اور سنگدل انسان ہے۔ میں معاملے کے متعلق کچھ کچھ اندازہ لگا چکا ہوں۔ لیکن اگر آپ روشنی ڈال دیں۔ تو بہتر ہوگا۔"

"وہ اس وقت بی بال ہال میں موجود ہے۔" جیمس بولا۔ "میرے دوست مطلڈا کی حمایت کے لئے..... وہ مطلڈا کو ہپناٹائز یا ٹیلی پیتھی کے ذریعے ناک آؤٹ کرنا چاہتا ہے۔ اور میں ایسا نہیں چاہتا۔ اس لئے تمہارے پاس آیا ہوں۔" مچلز نے مسکراتے ہوئے جیمس کی جانب دیکھا۔ پھر جیب میں سے مٹھی بھر چھرے باہر نکال کر منہ میں ڈال لئے۔ کچھ دیر انہیں ہلکے ہلکے چباتا رہا۔ پھر اس نے بیچ کے چھلکے کی مانند چھرے کو باہر اگل دیا۔ ایسا اس نے اپنے اگلے دانتوں کی مانند کیا تھا۔ ٹیکسی ٹریفک کی سرخ بتی کی بدولت رکی ہوئی تھی۔ چھرا گولی کی مانند مچلز کے منہ سے باہر نکلا۔ اور سامنے موجود سائن بورڈ پر لگی لڑکی کی تصویر کی آنکھ میں جا لگا۔ جیمس نے تعریفی نگاہوں سے مچلز کی جانب دیکھا اور مطمئن انداز میں سر سیٹ کے ساتھ لگا کر آنکھیں موند لیں۔

جب وہ دونوں بی بال ہال میں داخل ہوئے۔ تب مقابلہ شروع ہونے میں صرف پانچ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ بیگلر رنگ کے درمیان میں موجود تھا۔ لیکن جعفر اور بیکر مطلڈا کے ہمراہ ہال سے منسلک کمرے میں بیٹھے تھے۔ میکس ہال کی سب سے اگلی سیٹوں کے درمیان میں براجمان تھا۔ جیمس نے مچلز کو اشارے کے ذریعے میکس کے وجود سے آگاہ کیا۔ اور خود ہال سے منسلک چھوٹے کمرے کی جانب چل دیا۔ جعفر اور بیکر اس کے منتظر تھے۔ جیمس نے انہیں باہر آنے کا اشارہ کیا۔ اور خود بھی رنگ کی جانب چل دیا۔ باہر اناؤنسر مطلڈا کا نام پکار رہا تھا۔ مطلڈا کو ہال میں داخل ہوتے دیکھ کر بچوں اور عورتوں نے خوشی سے مغلوب ہو کر چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ مطلڈا نے رنگ کے پاس پہنچ کر چھلانگ لگائی۔ اور تقریباً اڑتا ہوا رنگ کے درمیان میں آ کھڑا ہوا۔ جیمس نے چور نگاہوں سے میکس کی جانب دیکھا۔ وہ آنکھوں میں سیاہ چشمہ لگائے ہوئے اگلی رو

کے درمیان بیٹھا مکمل انہماک کے ساتھ مطلڈا کی جانب دیکھے جا رہا تھا۔ مچلز کا وجود لوگوں کے ہجوم میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ آج کی فائٹ کو کور کرنے کے لئے ٹی وی کے کیمرہ مین..... اخبار کے رپورٹروں کے علاوہ فلم سے تعلق رکھنے والے اداکار بھی ہال میں موجود تھے۔

ریفری نے دونوں باکسروں کی تلاشی لینے کے بعد فائٹ شروع کرنے کی سیٹی بجا دی۔

بیگلر تیر کی مانند اسٹول سے کھڑا ہوا۔ اور باز کی مانند مطلڈا پر جھپٹا۔ مطلڈا نے اس سے بچنے کے لئے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ پھر بالکل اچانک ہی اپر کٹ اس کی داہنی پسلیوں پر رسید کیا۔ بیگلر کا منہ خون کی شدت کی بدولت سرخ ہونے لگا۔ اسے اپنا سانس سینے میں اٹکتا محسوس ہوا۔ مکے کی شدت اس کی توقعات سے زیادہ تھی۔ لیکن اس نے سر کو جھٹک کر اس احساس کو زائل کیا۔ بیگلر کے ساتھی چیخ رہے تھے۔ "بچو بیگلر..... یہ آسان حریف ثابت نہیں ہوگا۔"

لیکن توہین کے احساس اور بے پناہ غصے نے بیگلر کو دیوانہ بنا دیا اور اس کے دونوں ہاتھ مشینی انداز میں حرکت کرنے لگے۔ لیفٹ..... رائٹ..... سوئنگ..... جیب..... اپر کٹ..... مجمع اس بری طرح چیخ رہا تھا کہ زمین لرزتی محسوس ہو رہی تھی۔ جیمس کی نگاہیں میکس پر مرکوز تھیں۔ وہ آنکھوں سے عینک اتار چکا تھا۔ اور اب اس کوشش میں تھا کہ کب مطلڈا کی نگاہیں بیگلر سے ہٹ کر رنگ سے باہر تماشائیوں کی جانب رخ کرتی ہیں۔

جیمس پریشان ہو گیا۔ اسے میکس کی آنکھوں کی قوت پر یقین تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مطلڈا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تو کوئی عام شخص بھی اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ جانور ایسے موقع پر عموماً آنکھیں چرا لیتے ہیں۔ پھر اچانک ہی وہ سب کچھ ہو گیا۔ میکس نے مچھلی کی مانند تڑپ کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ اور شدت درد کی بدولت چیخنے چلانے لگا، ہائے میری آنکھ..... ڈاکٹر کو بلاؤ..... مجھے شوٹ کیا گیا ہے۔"

رپورٹر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ لیکن وہ اس کا ہاتھ چہرے سے نہیں ہٹا سکتے تھے۔ "میں اندھا ہو گیا ہوں۔ مجھے اسپتال لے چلو۔" وہ چیخے جا رہا تھا۔ اسپیشل پولیس والے حرکت میں آ گئے۔ انہوں نے اردگرد کے لوگوں کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ لیکن وہاں کسی کے پاس ہتھیار موجود نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر میں بی بال ہال کا ڈاکٹر وہاں آ گیا۔ اور میکس کو اسٹریچر پر ڈال کر باہر لے جایا گیا۔ سب لوگ اس ہنگامے میں اس قدر محو تھے کہ ان میں سے اکثر نے لکڑی چٹخنے کی آوازیں نہیں سنی۔ اس کے بعد کھٹک کی آواز سنائی دی۔ جیسے تناور درخت زمین پر گرا ہو۔ لوگ رنگ کی جانب متوجہ ہوئے۔ تو انہوں نے دیکھا کہ مطلڈا اپنے ہاتھ فضا میں بلند کئے فتح کا اعلان کر رہا ہے۔ ریفری گنتی گن رہا تھا۔ اور بیگلر زمین پر چاروں شانے چت پڑا تھا۔ گنتی کے چند تماشائی تھے۔ جنہوں نے ناک آؤٹ ہونے کا وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ چلا چلا کر لوگوں کو بتا رہے تھے۔ وہ مطلڈا کا شارٹ ریسٹ چوپ تھا۔ جس نے بیگلر کے ہوش و حواس چھین لئے تھے۔ اس وقت پہلا راؤنڈ شروع ہوئے صرف ایک منٹ اور اٹھارہ سیکنڈ ہوئے تھے۔ ہال میں اب ہیجان برپا تھا۔ صورت حال ایسی تھی کہ مطلڈا کو کوئی نہیں ہرا سکتا تھا۔ پھر ڈاکٹر آیا اور اس نے اعلان کیا کہ میکس کو چھرے والی بندوق سے ہٹ کیا گیا ہے۔ اس نے چھرے بھی دکھائے۔ پھر چیف آف پولیس نے اعلان کیا کہ کوئی بھی شخص اپنی جگہ سے نہ اٹھے۔ ہر شخص کی تلاشی لی جائے گی۔ لیکن تلاشی کا نتیجہ صفر نکلا۔ کسی شخص کے پاس کوئی ہتھیار نہیں پایا گیا۔ جیمس بیکر سے مخاطب تھا۔

"لڑائی کا کیا ہوا؟" بیکر مسکراتے ہوئے بولا۔

"پیٹ پر لیفٹ اور چہرے پر رائٹ..... بیگلر....." میکس کے چلانے پر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ باکسر کو ہر وقت اپنے حریف پر نظر رکھنی چاہئے۔ قصور اس کا اپنا تھا۔ ورنہ کچھ دیر اور مقابلہ کر لیتا۔ لیکن بہرحال جیت مطلڈا کے

نصیب میں لکھی ہوئی تھی۔"

"مجھے یہ سب کچھ غیر حقیقی دکھائی دیتا ہے۔ اب تک جتنے بھی باکسر منظر عام پر آئے ہیں۔ وہ مٹلڈا کو ہاتھ لگائے بغیر ناک آؤٹ ہوتے چلے گئے ہیں۔ پہلے راؤنڈ سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکا۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے۔ کیا کوئی جانور مافوق الفطرت ہوسکتا ہے؟ ناممکن..... بات کچھ اور ہے۔ لیکن سامنے نہیں آرہی۔" جیمس بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

دوسرے دن کے اخبارات رنگین تصویروں کے ساتھ مٹلڈا کی تصویروں سے بھرے پڑے تھے۔ بیکر اور جعفر کی تصویروں کے علاوہ ان دونوں کے تفصیلی انٹرویو شائع کئے گئے۔ سوالات تقریباً ایک جیسے تھے۔ مٹلڈا کیا کھاتا ہے۔ وہ کہاں پیدا ہوا؟ آپ دونوں کو کیسے دستیاب ہوا؟ کتنے عرصے سے باکسنگ لڑ رہا ہے، اس کی عمر کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ کیا وہ ہارڈی ڈوم جیسے کھلاڑی کو زپ کرسکے گا۔ مٹلڈا کی تیاریوں کی تفصیل کیا ہے؟ میکس والا معاملہ کیا تھا۔ کیا میکس مٹلڈا کو ہپناٹائز کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرلیتا تب کیا ہوتا۔ اور کیا جانوروں میں ہپناٹائز کے اثرات داخل ہوسکتے ہیں۔ میکس کی آنکھوں کو نقصان پہنچانے میں آپ کا کتنا عمل دخل ہے۔ بیکر اور جعفر نے انہیں وہی جوابات دیئے۔ جن کے متعلق جیمس انہیں پہلے ہی بتا چکا تھا اور نیویارک ٹائمز نے جو رپورٹ مرتب کی وہ یوں تھی۔

انسان بمقابلہ جانور۔

گزشتہ کچھ دنوں کے دوران جانور نے دنیا کے مقبول ترین باکسروں زولو اور ہیگلر کو شکست دی۔ اب نیویارک کے سب سے بڑا ہال..... ہڈسن ہال میں دنیا کے عجیب و غریب مقابلے کا اہتمام کیا جاچکا ہے۔ کروڑوں پر مشتمل شائقین بلیک میں ٹکٹ فروخت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن ہڈیسن ہال کا ٹکٹ دستیاب نہیں ہورہا۔ گزشتہ کچھ دنوں کی چپقلش کیا رنگ لاتی ہے۔ اس کے نتیجے کے لئے صرف ایک دن باقی رہ گیا ہے۔ کیا جانور انسان کو ہرا کر چیمپئن شپ کا اعزاز حاصل کرپائے گا۔ شاید ایسا ہوجائے۔ اور اگر ایسا ہوگیا۔ تب اشرف المخلوقات کہلانے والے انسان پر جانور سبقت حاصل کرلے گا۔

یاد رہے۔ گزشتہ کچھ ایام کے دوران یہ جانور لگاتار انسانوں پر سبقت حاصل کرتا چلا آیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کل چیمپئن شپ کا اعزاز رکھنے والے ہارڈی ڈوم کو ہرا پاتا ہے..... یا نہیں۔ لیکن گزشتہ روز شائع ہونے والے انٹرویو میں ہارڈی ڈوم کچھ نروس دکھائی دیتا تھا۔ انٹرویو کے دوران متعدد بار اس کی زبان لڑکھڑائی اور وہ جانور کے تذکرے پر جھنجھلا اٹھتا تھا۔ نیویارک کی عوام جانور کو مافوق الفطرت قرار دے رہی ہے بلکہ ایک افریقی نے تو یہاں تک کہہ ڈالا ہے کہ جانور میں ڈومبا دیوتا کی روح گھس گئی۔ اور اب انسانوں کو یقینی شکست سے ہمکنار کردے گی۔ بہرکیف کل کے مقابلے سے پہلے مزید کچھ کہنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن مقابلہ یقیناً سنسنی خیز ثابت ہوگا۔ ہڈسن ہال والوں کا کہنا ہے کہ آج سے پہلے کبھی بھی اتنی زیادہ تعداد میں کسی بھی مقابلے کے ٹکٹ فروخت نہیں ہوئے۔ یہ ریکارڈ سیل ہے اس لئے مقابلے کا اہتمام بھی معیار کے مطابق ہوگا۔

نیویارک 1970ء

مقابلے کا افتتاح

3 جولائی 1970ء کی رات..... تاروں بھرا آسمان تھا۔ دن بھر شدید گرمی رہی تھی۔ اور اب بھی گرمی تھی۔ لیکن قابل برداشت..... ہڈسن ہال میں ایک لاکھ دس ہزار تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ فائٹ دیکھنے والے ہجوم کا انداز بہت خوفناک ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کسی کو زخمی ہوتے دیکھنے کی امید میں آتے ہیں۔ وہ تشدد کے رسیا ہوتے ہیں۔ فائٹ شروع ہونے سے پہلے ہی ان کے اعصاب کشیدہ ہوتے ہیں۔ ہر شخص نامعلوم سی تشویش میں مبتلا ہوتا ہے۔ ابتدائی مقابلے ہو چکے تھے۔ تماشائی اب تک اچھی خاصی خونریزی دیکھ چکے تھے۔ لیکن دوسری جانب وہ بے چینی کے ساتھ

اہل مقابلے کا انتظار بھی کررہے تھے۔ عطیہ سیکشن میں بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ ان میں اداکار تھے۔ فلم پروڈیوسر تھے۔ کروڑپتی تاجر تھے۔ اور گینگسٹر بھی تھے۔ اس سیکشن میں نشست حاصل کرنا کسی عام آدمی کی استطاعت سے باہر تھا۔ رنگ کے اطراف میں چار اسٹیل کے پلیٹ فارم ٹاورز تھے۔ وہاں کیمرہ مین مناسب ترین زاویوں کی تلاش میں مصروف تھے۔ اور کیمرے مسلسل حرکت میں تھے۔ کچھ فوٹو گرافر عطیہ سیکشن میں بیٹھے افراد کی تصویریں کھینچ رہے تھے، اداکارائیں خاص طور پر ان کی توجہ کا مرکز تھیں۔ پیچھے ہپیوں کا ہجوم تھا۔ گٹار کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ کبھی کبھی کوئی سر پھرا گانے گانے لگتا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کے ساتھی بھی آواز ملانے لگتے تھے۔ جیمس اس وقت کئی حیثیتوں میں مصروف عمل تھا۔ وہ اس فلیٹ کا پروڈیوسر تھا۔ مفت خوراک فنڈ کا چیئرمین تھا۔ اور نیویارک ٹائمز کا اسپورٹس ایڈیٹر اور کالم نویس تھا۔ وہ ادھر ادھر گھوم کر مختلف سیکشنوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ رنگ سائیڈ میں افواہیں گردش کررہی تھیں۔ جو ہر فائٹ میں دہرائی جاتی ہیں۔ انکل فونو نے ریفری کو خرید لیا ہے۔ ہارڈی ڈوم جان بوجھ کر ہار جائے گا۔ جج کو مخالف پارٹی خرید چکی ہے۔ مٹلڈا کے کھانے میں زہریلی دوا ملائی جاچکی ہے۔ تربیت کے دوران ہارڈی کا بایاں ہاتھ مجروح ہوا ہے۔ لیکن اس بات کو اب تک چھپایا گیا ہے۔ سب سے زوردار افواہ یہ تھی کہ مٹلڈا کوئی کنگرو نہیں ہے۔ بلکہ ایک چالاک باکسر ہے۔ جس نے کنگرو کی کھال پہن رکھی ہے۔ پھر ریفری رنگ میں داخل ہوا۔ اور جیمس نے سکون کا سانس لیا۔ ریفری فلپس پندرہ سال سے اس شعبے سے منسلک رہ چکا تھا۔ وہ دیانت دار فلپس کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس کے دامن پر کوئی دھبا نہیں تھا۔ آج تک اسے کوئی خرید نہیں پایا تھا۔ اس کی موجودگی اس بات کی ضمانت تھی کہ مقابلہ صاف ستھرا ہوگا۔ جیمس اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ تماشائی دم سادھے ہوئے تھے۔ پھر اچانک اسٹیڈیم تالیوں سے گونج اٹھا۔ ہارڈی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہال میں داخل ہوا۔ وہ لوگ رنگ میں داخل ہوئے اور اپنے کارنر کی جانب بڑھ گئے۔ تماشائی حلق پھاڑ کر چیمپئن کو داد دے رہے تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ ہارڈی کبھی بھی مقبول اور ہر دلعزیز نہیں رہا تھا۔ لیکن آج پہلی بار اس کی مقبولیت سامنے آرہی تھی۔ ہر سیکشن میں ہر شخص کھڑے ہوکر اس کا استقبال کررہا تھا۔ ہارڈی ہاتھ اٹھا کر داد تحسین کا جواب دے رہا تھا۔

پھر اسٹیڈیم کے دوسرے حصے سے "اُوک....."

"اُوک" کی حیرت زدہ آوازیں ابھریں۔ کچھ خوف زدہ ہنسی کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ مٹلڈا کے قافلے کی آمد کا اعلان تھا۔ سب لوگ کھڑے ہوکر مٹلڈا کو دیکھنے لگے۔ لیکن تالیاں کسی نے بھی نہیں بجائیں۔ بیکر نے مٹلڈا کی زنجیر تھام رکھی تھی۔ اور مٹلڈا اچھل اچھل کر آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر کار وہ طلسم حیرت ٹوٹا۔ آسٹریلین تماشائیوں کے سیکشن کی جانب سے مٹلڈا کے حلق میں نعرے سنائی دیئے۔ ہپیوں کے ہجوم کی طرف سے موسیقی نے مٹلڈا کا استقبال کیا۔ لیکن یہ سب کچھ عام تماشائیوں کو متاثر نہیں کرسکا اور وہ تمام آوازیں دم توڑتی چلی گئیں۔ مٹلڈا نے مخصوص انداز میں چھلانگ لگائی اور ہوا میں اڑتا ہوا رنگ میں داخل ہوگیا۔ جو کچھ نظروں کے سامنے تھا۔ وہ تماشائیوں کے لئے نیا نہیں تھا۔ اب کارنر میں ایک جانب انسان تھا۔ سیاہ آنکھوں، گھنگھریالے بالوں اور خوب صورت جسم والا انسان..... دوسری جانب ایک جانور تھا۔ چوڑا سینہ..... مضبوط شانے..... موٹی اور لمبی دم..... مختصر اور پتلے بازو..... وہ ناپسند معلوم ہورہا تھا۔ جیمس کو اس لمحے وہ زمانہ قدیم کا کوئی دیوپیکر پرندہ لگ رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک پچھتاوا سا ابھرا۔ کاش اس نے یہ سب کچھ نہ کیا ہوتا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ممبا کے ساتھ اس کے ذہن میں ایک خیال کوندا۔ وہ سمجھ گیا کہ تماشائیوں نے پہلی بار ہارڈی کا اس قدر والہانہ استقبال کیوں کیا ہے۔ ہپیوں اور آسٹریلیا سے آئے ہوئے لوگوں کے سوا مٹلڈا کا استقبال کسی نے بھی نہیں

کیا۔ کیوں..... شاید وہ خوفزدہ تھے۔ کم تر مخلوق نے اشرف المخلوق یعنی انسان کی برتری کو چیلنج کیا تھا۔

ممکن ہے ایک دن زمین پر انسانوں کی جگہ کنگروں کی حکمرانی ہو۔ تماشائیوں کا ردعمل مٹلڈا سے ان کا کھنچاؤ اور ان کی خوفزدہ ہنسی..... سب کچھ نسل پرستی کی علامت تھا۔ چھ فٹ کنگروان کے لئے انسانی شکست کی علامت تھا۔ لاشعور میں دبا ہوا خوف شکست ابھر آیا تھا۔ ہر شخص سہما ہوا تھا۔ کچھ لوگ سوچ رہے تھے کہ کاش وہ فائٹ دیکھنے نہ آئے ہوتے۔ اب بیکر مٹلڈا کو دستانے پہنا رہا تھا اور جیمس اس عمل کو بغور دیکھ رہا تھا۔ ہارڈی کے کارنر میں یہی کام اس کا اسسٹنٹ سرانجام دے رہا تھا۔ تماشائیوں میں ایسے بھی تھے۔ جو یہ یاد کررہے تھے کہ بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں اس سے زیادہ کیا کیا عجیب واقعات رونما ہو چکے ہیں۔ انسان نے چاند پر قدم رکھا ہے۔ نسلی ارتقاء کا عمل ٹیسٹ ٹیوب تک آپہنچا۔ سائنس نے ہر فرسودہ تصور کو پامال کردیا ہے۔ یہ تو محض ایک کنگرو ہے۔ جس نے خود کو ایک باکسر ثابت کردیا۔

گھنٹی بجنے والی تھی۔ کچھ باکسر رنگ میں اتر گئے۔ یہ وہ باکسر تھے۔ جو دونوں میں سے کسی ایک باکسر سے مستقبل میں لڑنے کے خواہش مند تھے۔ انہوں نے دونوں باکسروں سے ان کے کارنر میں جاکر ہاتھ ملایا۔ مٹلڈا نے ان میں سے دو کی خصوصی پذیرائی کی اور انہیں بوسہ محبت سے نوازا۔ پھر رسمی تعارف ہوا۔

خواتین و حضرات، عالمی مڈل ویٹ چیمپئن ہارڈی ڈوم..... اس نے ہارڈی کی جانب اشارہ کیا۔ جس کا تعلق افریقہ کے قبیلے کاموگا سے ہے۔ وزن ایک سو ساٹھ پونڈ..... ہارڈی نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کردیئے۔ اور تھرکنے لگا۔ مجمعے نے چیخ چیخ کر اسٹیڈیم سر پر اٹھالیا۔ یہ سب ہارڈی کے حق میں ہیں۔ جیمس نے اپنے قریب بیٹھے جعفر سے کہا۔ ”اگر مٹلڈا جیت گیا۔ تب ان کا ردعمل کیا ہوگا؟“

”وہی ہوگا..... جو مٹلڈا کے ہارنے پر ہوگا۔“

جعفر بولا۔ اناؤنسر کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

اور سامنے والے کارنر میں سڈنی آسٹریلیا کا باسٹھ..... چیلنجر مٹلڈا..... وزن 159 پونڈ..... جواب میں دبی دبی سی تالیوں..... اور خوفزدہ ہنسی ابھری۔ پھر اچانک پیپوں کے سیکشن میں سے کسی نے بوسہ مرگ والا گیت گانا شروع کردیا۔ جلد ہی تمام پہی ہم آزاد ہوگئے۔ اب اسٹیڈیم بوسہ مرگ کی لے پر گونج رہا تھا۔ بیکر نے مٹلڈا کو اسٹول سے اٹھایا تاکہ وہ اس داد کے جواب میں ہاتھ بلند کرے۔ ایک لمحے کے لئے مٹلڈا نے جیمس اور جعفر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اعتماد اور بھروسے کا تاثر تھا۔ جیسے وہ جانتا ہو کہ وہ دونوں اس کے دوست اور حامی ہیں۔

”اے خبیث جانور..... اب اگر رنگ میں اترا۔ تو تیرا انجام اچھا نہیں ہوگا۔“ پریس سیکشن میں سے کسی نے زہریلے لہجے میں چیخ کر کہا۔ اس بار جیمس کو صحیح معنوں میں اندازہ ہوا کہ مجمع مٹلڈا کے لئے کس قدر معاندانہ جذبات رکھتا ہے۔ جیمس سوچنے لگا۔ اگر مٹلڈا نے پہلے ہی پنچ میں ہارڈی کو ناک آؤٹ کردیا تو کیا ہوگا؟ لوگوں نے تیس لاکھ ڈالر صرف پندرہ سیکنڈ کے لئے تو نہیں دیئے۔ پھر اسے خیال آیا کہ لوگوں نے تیس لاکھ ڈالر یہاں اپنی موجودگی کے لئے ادا کئے تھے تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ سکیں۔ اور پھر لوگوں کو بتاسکیں کہ جس وقت مقابلہ ہوا۔ وہ اسٹیڈیم میں موجود تھے۔ اناؤنسر رنگ سے باہر نکل گیا۔ ریفری نے دونوں باکسروں کو آخری ہدایات دینے کے لئے رنگ کے وسط میں بلایا۔ ہارڈی باوقار انداز میں آگے بڑھا۔ اس کی چال میں چیتے جیسی چستی اور مستعدی تھی۔ مٹلڈا ایک ہی جست میں رنگ کے درمیان میں پہنچا۔ ہارڈی کے ساتھ ساتھ اس کا اسسٹنٹ پنکی تھا۔ جبکہ مٹلڈا کے ساتھ بیکر..... جعفر کارنر کے باہر رسیوں پر جھکا کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہورہا تھا۔ جیمس نے اندازہ لگایا کہ وہ کچھ پریشان تھا۔ دونوں باکسروں نے ایک دوسرے کے دستانے چھوئے..... اور اپنے کارنر میں چلے آئے۔ گھنٹی

بجنے والی تھی۔

ہارڈی کی پشت اپنے حریف کی طرف تھی۔ وہ اپنے کارنر میں پنکی کی ہدایات غور سے سن رہا تھا۔ گھنٹی کی آواز سنتے ہی وہ ایڑیوں کے بل گھوما اور فائٹنگ پوز میں رنگ کے وسط میں آکھڑا ہوا۔ لیکن مٹلڈا پہلے ہی سے وہاں موجود تھا۔ اس کا لیفٹ ہارڈی کے کان پر پڑا۔ ساتھ ہی شارٹ رائٹ چوپ جبڑے پر..... ہارڈی کے کولہوں کے بل اس طرح گرا۔ کہ اس کی ایک ٹانگ کولہے کے نیچے دبی ہوئی تھی۔ مٹلڈا پیچھے ہٹا اور رسیوں سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کی آنکھوں اور تھوتھنی کے تاثر کو اگر کوئی مفہوم دیا جاسکتا تھا تو وہ مایوسی کا تھا۔ ایسا لگتا تھا۔ گویا اس کی دانست میں اسے کمزور حریف سے لڑا کر ایک بہت بڑی خوشی سے محروم کردیا گیا ہے۔ لوگ اپنی نشستوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ٹائم کیپر ناک ڈاؤن کاؤنٹ میں مصروف تھا۔ جیمس بھی بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”اوہ مائی گاڈ.....“ وہ پرجوش لہجے میں بولا۔ صرف دو سرا انچ..... پھر اچانک اسے خیال آیا۔ اور اس نے اپنے ٹیکی گرافسٹ سے چیخ کر کہا۔ ”ہارڈی دو پنچوں کے بعید نیچے گرگیا ہے۔ اور ایسا لگتا ہے۔ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ میرے خیال میں کھیل ختم ہوچکا ہے۔ مٹلڈا نے ابتداء میں ہی اسے ڈھیر کردیا ہے۔“ ریفری ہارڈی کی طرف بڑھا۔ اس نے گنتی شروع کردی۔ چار..... پانچ..... چھ..... سات پر ہارڈی نے کسی نہ کسی طرح اپنی دبی ہوئی ٹانگ باہر نکالی۔ اور چاروں ہاتھوں پاؤں پر اٹھا۔ آٹھ پر اس نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا اور نو پر اٹھ کھڑا ہوا۔ ریفری نے اسے چند سیکنڈ کی روایتی مہلت دی۔ اور ایک طرف ہٹ گیا۔ اس نے مٹلڈا کو رنگ میں آنے کا اشارہ کیا۔ لیکن ہارڈی فوراً مٹلڈا سے لپٹ گیا۔ نتیجے میں اسے کئی بوسے برداشت کرنے پڑے۔ ہارڈی لپٹا رہا اور بوسہ بازی پر مٹلڈا کو برا بھلا کہتا رہا۔ لیکن مٹلڈا نے اسے سزا نہیں دی۔ شاید وہ اس مقابلے سے پوری طرح لطف اٹھانے کے موڈ میں تھا۔ پھر شاید مٹلڈا کی کھردری زبان اور بھیگا ہوا بوسہ ہارڈی کو پوری طرح حوش و ہواس میں لے آیا۔ ریفری نے انہیں الگ کیا۔ ہارڈی پیچھے ہٹا تو وہ خود پر بڑی حد تک قابو پاچکا تھا۔ اس کی خود اعتمادی بحال ہوچکی تھی۔ لوگ اس کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ اور وہ خود واحد عقلمندی کا کام کرتا رہا۔ وہ رنگ میں بھاگتا پھر رہا تھا۔ اس نے مٹلڈا پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ بلکہ وہ صرف جھکائیوں اور پینتروں سے کام چلاتا رہا۔ لوگوں کے حوصلے افزا نعرے اسے مہمیز کررہے تھے۔ ہر شخص چیخ رہا تھا۔ کہ وہ مٹلڈا سے دور رہے۔ وہ اپنی مہارت پھرتی اور جبلت سے پوری طرح کام لے رہا تھا۔ ویسے بھی اس فائٹ کے لئے اس نے واقعی بہت محنت کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی ٹانگیں پوری طرح اس کا ساتھ دے رہی تھیں۔ وہ مٹلڈا سے بچ کر بھاگتا رہا۔ جیمس نے دل میں شکر ادا کیا کہ فائٹ پہلے پندرہ سیکنڈ میں ختم نہیں ہوئی۔ اپنی مرضی کے خلاف اس کے دل میں دوبارہ یہ خواہش ظاہر ہوئی۔ کہ کاش ہارڈی جیت جائے۔ اور وہ اپنی اس خواہش پر حیران ہوا۔ اس کی ہمدردیاں ہارڈی کے ساتھ تھیں۔ شاید انسانی رشتہ تمام نفرتوں کی دیواریں گرا کر ہاوی آگیا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا۔ کہ اس بھرے ہوئے رخ نے مٹلڈا کو نہ صرف الجھا دیا تھا بلکہ وہ مایوس بھی تھا۔ شاید مسئلہ اس کے لئے نیا تھا۔ اسے پہلی بار ایسا حریف ملا تھا۔ جو اس پر حملہ نہیں کررہا تھا۔ بلکہ اس سے بھاگ رہا تھا۔ وہ نیم دلی سے ہارڈی کا تعاقب کررہا تھا۔ جیمس نے اندازہ لگایا کہ مٹلڈا صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کررہا ہے۔ اس نے دوبارہ ہارڈی پر ہاتھ چلایا۔ لیکن ہارڈی کے متحرک ہونے کی وجہ سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا پایا۔ راؤنڈ ختم ہونے کی گھنٹی بجی۔ تو ہارڈی اپنے کارنر کے قریب تھا۔ وہ اپنے اسٹول پر ڈھیر ہوگیا۔ کیونکہ اس کا سانس اکھڑ گیا تھا۔

اسٹیڈیم تالیوں سے گونج رہا تھا۔ لوگ ہارڈی کی حوصلہ افزائی کررہے تھے۔ ہارڈی کے کارنر میں پنکی اسے سمجھا رہا تھا۔ جبکہ راؤنڈ ختم ہونے کے بعد ہارڈی کا

سیکنڈ اس کی ٹانگوں کی مالش کررہا تھا۔ ہارڈی کی آنکھوں سے پتا چلتا تھا کہ وہ پہلے جھٹکے سے پوری طرح سنبھل چکا ہے۔ دوسری طرف مٹلڈا اپنے کارنر میں رسیوں پر ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ وہ بار بار سر ہلا رہا تھا۔ اور جیمس کے خیال میں ہارڈی کو غصے سے گھور رہا تھا۔ شاید اس کے خیال میں ہارڈی صحیح معنوں میں ایک کھلاڑی کی طرح مقابلہ نہیں کررہا تھا۔ بیکر اس کی پیٹھ پر ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں اس کا کان کھینچ کر اس میں ہدایات انڈیل رہا تھا۔

''ایزی بوائے ایزی..... اس کا انتظار کرو۔ اگلی بار وہ بچ نہیں سکے گا۔ وہ ساری رات بھاگ نہیں سکتا اور رنگ میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہوتی۔ جہاں آدمی منہ چھپا سکے۔'' جیمس نے یہ بات محسوس کی کہ بیکر اور جعفر راز دارانہ انداز میں ایک دوسرے سے بات چیت کررہے تھے۔ دوسرا راؤنڈ پہلے راؤنڈ جیسا ثابت ہوا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس بار ہارڈی گرا نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ خود کو بچا کر نفسیاتی برتری حاصل کرنا چاہ رہا ہے۔ اس کے منیجر کو بھی فی الفوقت صرف اس بات سے دلچسپی تھی کہ وہ ناک آؤٹ نہ ہو۔ اس نے ہارڈی کو یہی ہدایات دیں تھیں کہ بھاگتے رہو۔ پہلے راؤنڈ کے ناک ڈاؤن کے نتیجے میں تماشائیوں کو بھی صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوگیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بے صبرے پن کا مظاہرہ نہیں کررہے تھے۔ عام حالات میں تو وہ ہارڈی کو محض ہوٹنگ کے ذریعے ناک آؤٹ کردیتے۔ چنانچہ ہارڈی اپنی پانچ میل یومیہ دوڑ کی مشق کو بروئے کار لا رہا تھا۔

مٹلڈا کی پیشانی پر ایک گہری لکیر نمودار ہوگئی تھی۔ جیمس کے خیال میں بات صرف اتنی سی تھی کہ مٹلڈا کو جنگلی حکمت عملی کے ایک سنگین مسئلے کا سامنا تھا۔

بلکہ سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہارڈی نے مٹلڈا کو اس کام سے محروم کردیا تھا جو اسے باکسنگ میں ملتا تھا۔ لڑنے کے لئے دو کنگروں کا ہونا ضروری ہوتا ہے جبکہ یہاں ایک کنگرو کھیلنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ لیکن ہارڈی کی طرح ایک تیز رفتار باکسر کے پیچھے بھاگنا ایک مختلف بات تھی۔ مٹلڈا کو بھاگنے کے بجائے جست لگانا ہوتی تھی اور ہارڈی اس دوران پلٹ کر دائیں بائیں جانب ہوجاتا تھا۔ مٹلڈا کی جست بیس فٹ کی تھی جبکہ رنگ بیس مربع فٹ کا تھا۔ یعنی مٹلڈا کی چھلانگ کی سمت کا اندازہ لگاتا۔ اور مخالف سمت بھاگ لیتا۔ چنانچہ راؤنڈ کے پہلے سیکنڈ میں یہ منظر دیکھنے میں آتا کہ رنگ کے ایک طرف مٹلڈا ہے دوسری طرف ہارڈی اور درمیان مین ریفری..... اور اسٹیڈیم قہقہوں اور تالیوں سے گونج رہا ہے۔ اب ریفری ہارڈی کے کارنر کی طرف بڑھا وہ ہارڈی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن تماشائیوں کے شور میں سننا ممکن نہیں تھا۔ تاہم یہ بات یقینی تھی کہ وہ ہارڈی کو خبردار کررہا تھا کہ وہ مقابلہ کرے۔ ورنہ اسے نا اہل قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں ریفری اور بنکی کے درمیان کچھ تند و تلخ گفتگو ہوئی۔ مٹلڈا نے اس بار اسٹول پر بیٹھنے سے انکار کردیا۔ بیکر اب بھی اس کے کانوں میں ہدایات انڈیل رہا تھا۔ اور مٹلڈا بار بار سر جھٹک رہا تھا جیسے وہ سخت غصے میں ہو۔ وہ کچھ نروس بھی دکھائی دیتا تھا۔ جیمس کے اسسٹنٹ نے ٹیلی گرافسٹ کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ ''مٹلڈا اب پہلے کی طرح سرد مزاجی کا مظاہرہ نہیں کررہا۔ لیکن یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ اور اس کا ارادہ کیا ہے۔''

''وہ کچھ نہیں سوچتا۔ جیمس نے اسسٹنٹ کو ٹوکا۔ وہ انسان نہیں کنگرو ہے۔ اگر ہارڈی اس کے ہتھے چڑھ گیا۔ تو وہ یقیناً اسے زپ کردے گا۔ لیکن اگر ہارڈی پندرہ راؤنڈ تک بھاگتا رہا۔ تو تمہیں اور مجھے شہر کو چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔'' پھر اس نے بیکر کو پکارا۔

''اسے سمجھاؤ..... کہ اپنی جگہ کھڑا رہے۔ اس کا پیچھا کرنا بے کار ہے۔ اس صورت میں اگر ہارڈی خود اس کے قریب نہ آیا۔ تو ریفری اسے مجبور کرے گا۔'' بیکر تلخ لہجے میں بولا۔

''تم ہی سمجھاؤ..... وہ انگریزی نہیں سمجھ پاتا۔''

راؤنڈ کے آغاز کی گھنٹی بجی تو لوگوں نے چیخ چیخ کر

اسٹیڈیم سر پر اٹھالیا۔ یہ تیسرا راؤنڈ تھا۔ اور اس سے پہلے مٹلڈا کی کوئی فاٹ تیسرے راؤنڈ میں داخل نہیں ہوسکی تھی۔ یہ ہارڈی کے لئے ایک علامتی فتح تھی اور تماشائی اس کا اظہار کررہے تھے۔ اسے داد دے رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہارڈی چاہے نہ جیتے..... لیکن ناک آؤٹ نہ ہو۔ فکری انتشار نے جیمس کو اندر سے ہلا دیا۔ وہ ہارڈی کو ایک نئے زاویے سے دیکھ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہارڈی اسی طرح اپنے پیروں پر کھڑا رہے۔ تاکہ تماشائیوں کو اپنے پیسوں کا زیاں کا احساس نہ ہوسکے۔ لیکن دوسری طرف وہ مٹلڈا کو فتح یاب ہوتا بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر فائٹر مٹلڈا کے دماغ نے مسئلے کا ایک حل سوچ لیا۔ اس مرتبہ گھنٹی بجتے ہی رنگ کے وسط کے بجائے اس نے اپنے حریف کے کارنر کی جانب چھلانگ لگائی۔ ہارڈی ابھی اسٹول سے اٹھ کر کھڑا ہی ہو رہا تھا۔ کہ مٹلڈا اس کے سر پر جا پہنچا۔ مٹلڈا نے شارٹ رائٹ ہوک مار کر اسے گرادیا۔ اب کی دفعہ ہارڈی آٹھ تک گنتی کے بعد اٹھ سکا۔ اس دوران اس کا اسسٹنٹ بنکی فاؤل فاؤل چیختا رہا۔ لیکن ریفری نے اس احتجاج کو مسترد کردیا۔ کیونکہ راؤنڈ شروع ہوچکا تھا اور اپنا دفاع کرنا ہارڈی کی اپنی ذمہ داری تھی۔ اٹھنے کے فوراً بعد ہارڈی نے مٹلڈا سے لپٹنے کی کوشش کی۔ لیکن مٹلڈا نے تین اسٹریٹ لیفٹ اور پسلیوں میں ایک رائٹ چوپ کے ذریعے اسے روک دیا۔ اب ہارڈی کو اپنی ٹانگیں لرزتی محسوس ہورہی تھیں۔

تماشائی ہارڈی سے چیخ چیخ کر التجائیں کررہے تھے کہ وہ مٹلڈا سے دور رہے۔ لیکن ہارڈی کئی ہاتھ کھا چکا تھا اور پھر مٹلڈا نے اسے گھیر بھی لیا تھا۔ اس لئے ہارڈی نے چہرہ اپنی کہنیوں کی اوٹ میں چھپالیا۔ لیکن مٹلڈا نے جسم پر لیفٹ ہک کے ذریعے اس کا دفاعی حصار توڑا اور شارٹ رائٹ چوپ کے ذریعے اسے گرادیا۔ ہارڈی نو تک گنتی کے بعد بمشکل سنبھلا۔ لیکن اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ تاہم وہ اٹھ کر کھڑے ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر وہ دوبارہ مٹلڈا سے لپٹ گیا۔ اپنے قدموں پر کھڑے رہنے کی اب یہی ایک صورت تھی۔

مٹلڈا ایک بار پھر کامیابی کے احساس سے سرشار تھا۔ اس لئے اس کا دل اس مختلف قسم کے کنگرو کی محبت سے لبریز ہوگیا۔ جس نے اس سے مقابلہ کرکے اسے لطف کی ساعتیں فراہم کی تھیں۔ اس نے ہارڈی کو بوسوں سے نہلادیا۔ ریفری نے انہیں چھڑایا۔ لیکن ہارڈی پھر مٹلڈا سے لپٹ گیا۔ ہارڈی نے اس کے جسم پر وار کرنا چاہا۔ تو مٹلڈا نے اسے جکڑ کر بے بس کردیا۔ ہر تماشائی اپنی سیٹ پر کھڑا ہوگیا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ ہارڈی اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہا ہے..... ہاری ہوئی جنگ..... ریفری نے ایک دفعہ پھر انہیں چھڑایا..... ہارڈی نے الگ ہوتے ہی پیچھے ہٹنے کی کوشش کرنے کے بجائے پنچ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن مٹلڈا جھکائی دے گیا۔ ہارڈی ایک دفعہ پھر ڈھیر ہوگیا۔ لیکن انداز سے پتا چلتا تھا کہ اس بار وہ اٹھنے والا نہیں ہے۔ لیکن گنتی سات تک پہنچی تھی کہ راؤنڈ ختم ہونے کی گھنٹی بج اٹھی۔ مٹلڈا صرف تین سیکنڈ کے فرق سے عالمی مڈل ویٹ چیمپئن بنتے بنتے رہ گیا۔

ہارڈی کا اسسٹنٹ بنکی اور اس کے دوسرے ساتھی رنگ میں اتر آئے۔ وہ اسے گھسیٹ کر کارنر تک لائے۔ انہوں نے سہارا دے کر ہارڈی کو اسٹول پر بٹھایا اور اسے ہوش میں لانے کی تدبیر کرنے لگے۔ یہ بات طے تھی کہ ہارڈی نے اس فائٹ کے لئے بھرپور محنت کی تھی۔ کیونکہ وہ امونیا سونگھتے ہی بہت تیزی کے ساتھ ہوش میں آگیا۔ ریفری اور ڈاکٹر اس کا معائنہ کرنے کی غرض سے آئے کہ وہ مقابلہ جاری رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ اس مرحلے پر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ہاتھ ہلا کر انہیں جانے کا اشارہ کیا۔ اور ہسٹریائی انداز میں مٹلڈا کو گالیاں دینے لگا۔ اب ہارڈی نہیں چل سکتا۔ جیمس نے اپنے اسسٹنٹ سے پرجوش لہجے میں مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ ''یہ پنچ میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں۔ مٹلڈا نے سرکس میں اسی پنچ کے ذریعے ہارڈی کو ناک آؤٹ کیا تھا۔''

گھنٹی بجتے ہی ہارڈی اسٹول سے اٹھا اور کسی نہ کسی طرح مٹلڈا کے جھپٹنے سے بچ نکلا۔ اس کے ساتھی چیخ رہے تھے۔

"ہٹو ہارڈی..... بچو اس سے....." لیکن توہین کے احساس اور بے پناہ غصے نے ہارڈی کو دیوانہ کردیا تھا۔ وہ مٹلڈا پر حملہ آور ہوا۔ اس کے دونوں ہاتھ مشینی انداز میں حرکت کرنے لگے۔ لیفٹ۔ رائٹ۔ اپرکٹ..... جیب۔ سوئنگ..... مجمع پرجوش انداز میں چیخنے لگا۔ ہر شخص کو احساس تھا کہ وہ ہارڈی کی بے جگری کے علاوہ مٹلڈا کے دفاع کی ایک غیر معمولی اور بے نظیر مظاہرہ دیکھ رہے ہیں۔ اس کی ہاکنگ اس کے پینترے اور جھکائیاں غضب کی تھیں۔ پھر اس نے موقع پاکر ہارڈی کی کنپٹی بھی تھپتھپادی۔ پہلی بار اس کی تھوتھنی پر آسودگی کا تاثر نظر آیا۔ آخر کار تھک ہار کر ہارڈی اس سے لپٹ گیا۔ مٹلڈا نے اسے آخری بار چوما۔ وہ بوسہ مرگ تھا۔ کیونکہ بیکر کے حلق سے فاتحانہ چیخ نکلی۔

"کھیل ختم..... یہ بوسہ مرگ ہے۔" بیکر دیوانہ وار چیخ رہا تھا۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ریفری نے مٹلڈا کے کاندھے پر تھپکی دیتے ہوئے بریک کہا۔ تو مٹلڈا اصول کے مطابق پیچھے ہٹا۔ ہارڈی کے لئے یہی لمحہ ہوش مندی کا ثابت ہوا۔ اس کے کانوں پر اپنے کارنر کی طرف سے آنے والی آوازیں پڑیں۔

"ہارڈی بھاگو..... خدا کے لئے اس سے دور بھاگو....." اور ہارڈی بھاگ اٹھا حالانکہ اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ اس کے باوجود اس نے مٹلڈا کو ایک بار پھر اپنا تعاقب کرنے پر مجبور کردیا۔ اس بار چیمپئن میں طاقت نہیں تھی۔ لیکن وہ پہلے سے زیادہ ہوش مند تھا۔ وہ رفتار کی کمی کا ازالہ اپنی پھرتی اور تیز مڑنے کی صلاحیت سے کررہا تھا۔ اس نے بھاگ دوڑ میں شطرنج کے تمام مہروں کا انداز اپنایا۔ پیدل، فرزیں، نیل، رخ اور سب سے عجیب چال گھوڑے کی چال..... کیونکہ وہ اچانک اپنی سمت تبدیل کرلیتا۔ اس راؤنڈ کے دو منٹ اسی آنکھ مچولی میں گزر گئے۔ ہارڈی کی کوشش تھی کہ کسی طرح مٹلڈا کا توازن بگڑ جائے۔ پھر اسے موقع مل گیا۔ جھکائی کی وجہ سے مٹلڈا کا توازن بگڑ گیا۔ وہ اس وقت دفاع کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ تھکے ہوئے انسان نے مٹلڈا کے پیٹ میں دو پنچ مارے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے پنچ میں جان نہیں ہے۔ اس لئے وہ پھرتی کے ساتھ پیچھے ہٹا۔ تاکہ بقاء کی دوڑ دوبارہ شروع کرسکے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ مٹلڈا کو ہٹ کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ پنچ بے جان سہی لیکن بہرحال ایک اعزاز سے کم نہیں تھے۔

پھر وہ سب کچھ اتنی سرعت کے ساتھ ہوا کہ کوئی بھی کچھ سمجھ نہیں سکا۔ صرف ماہرین ہی اس غیر معمولی نتیجے کا اندازہ لگا سکے۔ جیمس چند لمحے مٹلڈا کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے اسسٹنٹ سے کہا۔

"میرے خدا مٹلڈا کو کیا ہوگیا ہے۔ وہ مررہا ہے۔"

مٹلڈا اب پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اور رسیوں کے سہارے ٹکا کھڑا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر تھے اور آنکھوں میں حیرت کا واضح تاثر..... پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر تھوتھنی پر ڈھلک گئے۔ جیمس کو ایسا لگا کہ مٹلڈا کے چہرے کا تاثر اس بچے کے تاثر سے ملتا جلتا ہے۔ جسے اس کے کسی بزرگ نے پہلی بار مارا ہو۔ وہ تاثر جسمانی تکلیف اور کسی کا بھرم ٹوٹنے کی اذیت سے عبارت تھا۔ جیسے کوئی خوش فہمی دور ہوگئی ہو۔ جیسے کوئی سپنا ٹوٹ گیا ہو۔ جیسے کوئی عزیز اور محبوب ہستی دغا دے گئی ہو۔ جیمس نے اس تاثر کے علاوہ بھی کچھ دیکھا۔ مٹلڈا کے قدموں کے پاس فرش پر بیکر نے جلدی سے تولیہ پھینکا کیونکہ مٹلڈا کا پیشاب خطا ہوگیا تھا۔

"میرے خدا وہی ہوا نا....." بیکر تقریباً رو دیا۔

"آہ بے چارا مٹلڈا..... میرا کنگرو مسئلہ ختم ہوگیا۔" اس کی آواز میں درد تھا۔ لہجے میں کرب اور اذیت.....؟ ریفری نے مٹلڈا اور ہارڈی کو دوبارہ لڑنے کا اشارہ کیا۔ لیکن مٹلڈا اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ وہ رسیوں سے ٹیک

لگائے کھڑا تھا۔ اور اب اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کی تھوتھنی بھیگ گئی تھی۔ تماشائی کچھ بھی نہیں سمجھ پارہے تھے۔ ہر طرف دبی دبی سرگوشیاں گونج رہی تھیں پھر بیکر کی آواز فضا میں ابھری۔ اس کے لہجے میں درد بھری التجا تھی۔

"خدا کے لئے اب اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔ یہ میرا عزیز ترین دوست ہے۔ میرے دکھوں کا ساتھی..... برے وقتوں کا..... رفیق..... خدا کے لئے....." اب وہ بری طرح سسک رہا تھا۔ ہارڈی کو ناقابل فہم سا احساس ہوا۔ کہ پانسہ پلٹ چکا ہے۔ وہ جنگجوؤں کے انداز میں مٹلڈا کی جانب بڑھا۔ لیکن وہ اب بھی محتاط تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں یہ بھی مٹلڈا کی کوئی چال نہ ہو۔ مٹلڈا کے ہاتھ اب بھی پیٹ پر تھے۔ اس نے اپنے دفاع کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ہارڈی نے اپنی بچی کھچی قوت مجتمع کرتے ہوئے اس کے دونوں پہلوؤں میں ایک لیفٹ ایک رائٹ مارا۔ مٹلڈا چاروں پیروں پر فرش پر بیٹھ گیا۔ اب وہ باکسر نہیں صرف ایک کنگرو تھا..... ایک چوپایہ.....

تماشائیوں کے نعروں نے اسٹیڈیم کو ہلا کر رکھ دیا۔

"میرے خدا....." جیمس کراہا۔ "یہ تو ڈھیر ہوگیا۔ اٹھو مٹلڈا..... مردود..... تمہیں بالکل چوٹ نہیں آئی۔"

اب ہارڈی چیخ چلا رہا تھا۔ "اٹھو ذلیل جانور..... تاکہ میں تیری مزید ٹھکائی کرسکوں۔" یہ وہ موقع ہوتا ہے جب لوگ بھڑک اٹھتے ہیں۔ مجمع فسادیوں کے گروہ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا پھر اچانک پیسوں کے کیشن میں ہونگ شروع ہوئی۔ خود فریبی میں مبتلا لوگوں نے اپنے ہیرو کی مذمت شروع کردی۔ ریفری بھی الجھ گیا۔ مٹلڈا کے دستانے رنگ کے فرش کو چھو رہے تھے۔ لیکن وہ جسمانی تکلیف میں نہ ہونے کے علاوہ زخمی بھی نہیں تھا۔ ہاں بہت زیادہ دکھی دکھائی دیتا تھا۔ بہرحال ریفری نے خود کو سنبھال اور ہارڈی کو کاندھوں سے تھام کر دور ہٹادیا۔ وٹرنری ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں ادھر ادھر گھومتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن اس کی سننے والا کوئی نہیں تھا۔ ٹائم کیپر کے حواس کسی نہ کسی طرح برقرار رہے تھے۔ اس نے ہارڈی کے ہٹتے ہی ناک ڈاؤن کا خیال رکھا۔ چنانچہ ریفری نے گنتی شروع کی اور دس پر ختم کردی لیکن مٹلڈا نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی۔ اس بار تماشائیوں کے شور میں کسی سمندری طوفان کی سی گھن گرج تھی۔ ہارڈی کے ساتھیوں نے اسے کاندھوں پر اٹھالیا۔ اور رقص کرنے لگے۔

بیکر رنگ میں داخل ہوا۔ گھٹنوں کے بل مٹلڈا کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔ وہ اسے تھپتھپا رہا تھا۔ پیار بھری سرگوشیاں کررہا تھا۔ پھر وہ مٹلڈا کو اس کے کارنر میں لے گیا۔ لیکن مٹلڈا اب چار پیروں پر چل رہا تھا۔ اناؤنسر نے اعلان کیا۔

"ٹائم دو منٹ 29 سیکنڈ۔ چوتھا راؤنڈ، ونر بائی اے ناک آؤٹ اینڈ اسٹیل چیمپئن ہارڈی ڈوم....."

اب ہارڈی کے سامنے درجنوں مائیکروفون تھے اور اس سے سوالات کئے جارہے تھے۔ ایک پولیس والا مٹلڈا کے کارنر میں چلا آیا۔ پھر بولا۔ "اسے یہاں سے لے جاؤ۔ ہم کوئی مشکل کھڑی نہیں کرنا چاہتے۔" لیکن اسی وقت وٹرنری ڈاکٹر رنگ میں داخل ہوا۔ اور اس نے مٹلڈا کا معائنہ شروع کردیا۔

"یہ ٹھیک ہے۔" جیمس نے ڈاکٹر سے مخاطب ہوکر کہا۔ ڈاکٹر چند لمحے مٹلڈا کے پیٹ کو جگہ جگہ سے دباتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ تکلیف ہوگی۔ تو دبانے کا ردعمل بھی ہوگا۔ پھر ڈاکٹر نے سر ہلاتے ہوئے اعلان کیا۔

"یہ ٹھیک ٹھاک ہے۔" اور مٹلڈا اینڈ کمپنی رنگ سے باہر نکل آئی۔ کسی نے بھی ان کی جانب توجہ نہیں دی۔ وہ سب ہارڈی کی فتح یابی کی خوشی میں سرشار تھے۔ بیکر بری طرح رو رہا تھا۔ جیمس اور جعفر پیچھے تھے۔

اگلی صبح جیمس ناشتے کی میز پر نیویارک ٹائمز کا تازہ ایڈیشن دیکھ رہا تھا۔ پہلے صفحے پر کنگرو کی وہ تصویر تھی۔ جس میں وہ ہارڈی ڈوم کے قدموں میں رینگ رہا تھا۔ جیمس اس تصویر کو دیکھ کر کڑھ رہا تھا۔ اور بڑبڑا رہا

تھا۔ نیویارک ٹائمز کے علاوہ بیشتر اخبارات نے شکست کے دہانے سے فتح یابی کی صورت میں ابھرنے والی چیمپئن کی تعریف کے پل باندھے تھے۔ انہوں نے ہارڈی ڈوم کے حوصلے اور اسٹیمنا کو سراہتے ہوئے اسے عظیم ترین فائٹر قرار دیا۔ صرف نیویارک ٹائمز کے تجربہ کار باکسنگ رائٹر جونز نے کنگرو کے اچانک ڈھیر ہوجانے کو تعجب انگیز قرار دیا۔ اس نے لکھا تھا کہ اس سلسلے میں اس وقت تک کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک آدمی کنگرو کے اندرونی سسٹم اور اس کی ذہنی کیفیات اور رویوں سے واقف نہ ہو۔ بہرحال غریب بچوں کے مفت خوراک فنڈ میں تیس لاکھ ڈالر کا اضافہ جیمس کی بہت بڑی فتح تھی۔

جیمس ذہنی طور پر مطمئن نہیں تھا۔ کہیں کچھ گڑبڑ تھی۔ جعفر بے ضرر لڑکا تھا۔ بیکر مٹلڈا کے ساتھ مخلص تھا۔ پھر اچانک اسے انکل نونو کا خیال آیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس معاملے میں انکل نونو نے کوئی گڑبڑ کی ہو۔ اس نے مٹلڈا کی غذا میں کوئی ملاوٹ کردی ہے۔ اور اب بیٹھا ہنس رہا ہو۔ لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ مٹلڈا رنگ میں داخل ہوا تھا۔ تو بالکل چاک و چوبند تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا۔ وہ بالکل اچانک ہوا تھا۔ دروازہ کھلا اور چپڑاسی نے اسے بتایا کہ باہر کچھ لوگ اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ جیمس نے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے اسے بھیجنے کا اشارہ کیا۔ اور کرسی کے ساتھ کمر ٹکا کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔

"دروازہ بند کردو۔" جیمس گھمبیر لہجے میں بولا۔ بیکر نے دروازہ بند کردیا۔ اور خاموشی کے ساتھ جعفر کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ کمرے کا ماحول کشیدہ تھا۔ خاموشی تکلیف دہ ہوتی جارہی تھی۔ جیمس نے چبھتی ہوی نگاہوں سے بیکر کو دیکھا۔ پھر بولا۔

"چلو اب شروع ہوجاؤ۔ کیا ہوا تھا؟" دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ جیسے فیصلہ کرنے کی کوشش کررہے ہوں۔ کہ جواب کون دے گا۔ پھر بیکر گلا کھنکھارتے ہوئے بولا۔

"آپ نے اخبار میں درست لکھا مسٹر جیمس..... ہارڈی بار بار اٹھتا رہا۔ دوسری طرف مٹلڈا بے پروا ہوگیا۔ شاید اس کی وجہ شور وغل ہو۔ بہرحال ہارڈی کو موقع مل گیا۔ اور اس نے دو پنچ ایسے مارے ایسے پنچ جو کسی کو بھی ناک آؤٹ کرسکتے ہیں۔ وہ پنچ فاؤل لائن سے نیچے مارے گئے تھے۔ لیکن ریفری توجہ نہ دے سکا۔ اس کے باوجود مٹلڈا اٹھ جاتا۔ لیکن ریفری نے گنتی بہت تیزی سے گنی....."

"بکواس مت کرو۔" جیمس غرایا۔ دونوں نروس دکھائی دینے لگے۔ "تم ایک اسپورٹس ایڈیٹر کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ اصل بات اگل دو۔ ورنہ پولیس میں رپورٹ کروا کر تم دونوں کو حوالات بھجوادوں گا۔" جعفر ہمت کرکے بولا۔

"جناب بات یہ ہے کہ یہ سب ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہوا ہے۔ آپ یقین کریں گے۔ کہ مٹلڈا کو زندگی میں پہلی دفعہ کسی نے پنچ مارا ہے۔" جیمس سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کیا مذاق کررہے ہو؟" وہ غرایا۔ "تمہارا مطلب ہے۔ پانچ سال میں مٹلڈا نے کبھی پنچ نہیں کھایا۔ یہ ناممکن ہے۔ تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔" جعفر نے بیکر کی جانب دیکھا۔ پھر بولا۔

"جھوٹ بولنے سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ملنے والا..... بات یہ ہے جناب..... کہ اس فائٹ سے پہلے جو کچھ ہوتا رہا۔ وہ سب محض ایک ایکٹ تھا۔ جیسا سرکس میں ہوتا ہے۔ کنگرو کی فطرت ہے۔ آپ سے ایک بار مار دیجئے۔ پھر وہ کبھی دوبارہ سر نہیں اٹھائے گا۔ کبھی مقابلہ نہیں کرے گا۔ وہ فطری طور پر بہت حساس جانور ہے۔" بیکر بات درمیان میں کاٹ کر بولا۔

"مجھے مٹلڈا سے پہلے اس کا تجربہ ہوچکا ہے۔ میں نے ایک کنگرو کو تین سال تربیت دی۔ ایک بار میں نے اس کی زنجیر سرکس کے ایک آدمی کے ہاتھ میں تھمادی اور کود کسی کام میں مصروف ہوگیا۔ کنگرو مجھ سے مانوس تھا۔ اس لئے میری غیر موجودگی کو محسوس کرکے

نروس ہوگیا۔ اس نے میرے ساتھی کو گھونسا مارا۔ جبلی طور پر میرے ساتھی کا ہاتھ بھی چل گیا۔ اس کے بعد کنگرو دوبارہ کبھی نہیں لڑا۔ اس نے کبھی دستانے نہیں پہنے۔ میرے تین سال برباد ہوگئے۔ کنگرو اندر سے بہت نازک جانور ہوتا ہے جناب....."

جیمس کی آنکھیں جلنے لگیں۔ مٹلڈا کے دکھ اور آنسوؤں کا معمہ اس کی سمجھ میں آگیا۔ "لیکن تم نے کہا تھا کہ وہ ایک دوسرے سے سنجیدگی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اور فطری طور پر باکسر ہوتے ہیں۔" جیمس نے اعتراض کیا۔

"یہ درست ہے جناب..... وہ یا تو کسی مادہ کنگرو کے لئے لڑتے ہیں۔ یا سرداری کے لئے....." بیکر نے بتایا۔ "اور جیسے ہی ان میں سے کسی ایک کو کوئی ٹھیک ٹھاک پنچ لگتا ہے۔ وہ ہار مان لیتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ آئندہ کے لئے کسی ہم جنس سے نہیں لڑتا۔ مطیع ہوجاتا ہے۔ ہمیشہ کے لئے..... یہ ہے کنگرو کی فطرت..... اسے لڑانا ہے۔ تو اس کا یہ بھرم رکھنا ہوگا۔ کہ وہ ناقابل تسخیر ہے۔ جہاں یہ بھرم ٹوٹا..... وہیں وہ ہمیشہ کے لئے سرنگوں ہوا۔ عام انسانوں کی بھی یہی فطرت ہے مسٹر جیمس.....؟"

جیمس کو اپنے ہاتھ۔ پاؤں پھولتے محسوس ہوئے۔ پھر وہ گڑبڑا کر بولا۔ "لیکن مٹلڈا عام کنگروؤں سے مختلف تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کی مہارت دیکھی ہے۔"

"یہ درست ہے جناب..... وہ واحد کنگرو ہے۔ جو کھلاڑی تھا۔ اور اس کھیل سے محبت کرتا تھا۔ لیکن جناب فطرت سے مبرا تو وہ بھی نہیں تھا۔ لیکن اس کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ مجھے اس کے مقابلے میں دفاع کرنا مشکل ہوجاتا تھا۔ وہ پیدائشی باکسر تھا۔ لیکن بہرحال کنگرو تھا۔ اب اس کی مہارت صرف ماضی کی بات ہوکر رہ گئی ہے۔ اور ایک بات بتاؤں..... اگر کاموگا میں ہارڈی اس کے مقابلے میں اپنے اصل نام سے آتا۔ تو میں کبھی بھی وہ مقابلہ نہ ہونے دیتا۔ میں اسے پانچ سو ڈالر دے دیتا۔ پروفیشنلز کا معاملہ تو آپ جانتے ہی ہیں جب تک ناک آؤٹ نہ ہو۔ کوئی باکسر کسی بھی وقت ہٹ کرسکتا ہے۔ دنیا میں کوئی باکسر ایسا نہیں گزرا۔ جس نے کبھی پنچ نہ کھایا ہو۔ یقین کیجئے کہ جب میں نے آپ کے کالم میں پڑھا کہ وہ عالمی مڈل ویٹ چیمپئن تھا۔ تو میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچا۔ میرے لئے مٹلڈا ہی سب کچھ تھا۔ وہی میری روزی تھا۔ اور میرے بڑھاپے کی ضمانت بھی..... اگر ہارڈے نے اس دن اسے پنچ کردیا ہوتا۔ تو میں تباہ ہوجاتا۔" جیمس کے جسم میں پسینہ پھوٹ پڑا۔ پھر وہ جھنجھلائے لہجے میں بولا۔

"لیکن تم نے بعد میں اسے پروفیشنل باکسروں سے بھی لڑوایا۔" اس دفعہ بیکر خاموش رہا۔ وہ دونوں پتھر کے مجسمے کی طرح گم سم بیٹھے تھے۔ اور جیمس سے نظریں چرا رہے تھے۔ جیمس بپھر گیا۔

"بتاؤ نا..... تم لوگوں نے کیا کیا۔" آخر کار بیکر ہمت کرکے بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مسٹر جیمس..... ہم تو ایک ایکٹ ترتیب دے رہے تھے۔ مٹلڈا کا ہر مقابلہ ایک ایکٹ تھا۔ بھلا ایک کنگرو عالمی ویٹ چیمپئن کیسے ہوسکتا ہے۔" اس نے معذرت کے انداز میں کہا۔ "کیونکہ یہ بات چیمپئن کے لئے توہین آمیز تھی۔ آپ کے کالم نے ہمیں کامیابی کی راہ دکھائی۔ ہمارا مقصد صرف انکل نونو سے بدلہ لینا تھا۔ کیونکہ وہ جعفر کی محبوبہ کا قاتل تھا۔ میرا تعلق باکسنگ کے شعبے سے گہرا رہ چکا تھا۔ مجھے اس کے اسرار و رموز پر گہری تحقیق تھی۔ اور میں اس بات سے بخوبی واقفیت رکھتا تھا کہ باکسنگ میں پیسہ اہمیت رکھتا ہے۔ اکثر باکسر پیسے کی بدولت خریدے اور بیچے جاتے ہیں۔ ہم نے پیسہ کمانے کے فوراً بعد باکسروں کو خریدنا شروع کردیا تاکہ مٹلڈا کو کوئی بھی نقصان نہ پہنچانے پائے۔"

"یعنی مٹلڈا کی ہر فائٹ طے شدہ تھی۔ تم دونوں لفنگے۔ چور ذلیل.....؟"

"مسٹر جیمس آپ ہمیں برا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ ہارڈی ایسی ہی فائٹس کے ذریعے چیمپئن بنا ہے۔ اس کی چودہ میں سے نو فائٹ کو پرموٹ ہی کرنا چاہئے تھا۔ لیکن تم خود کو عقلمند ثابت کرنا چاہتے تھے۔ تم ہارڈی اور انکل نونو کو نیچا دکھانا چاہتے تھے..... معاف کرنا..... اس فراڈ کا آغاز بھی تمہارے کام سے ہی ہوا تھا۔"

"لیکن تم لوگوں نے باکسروں کو اس بات پر رضامند کیسے کیا کہ وہ مٹلڈا کو ہٹ نہیں کریں گے۔ وہ تمہیں ڈبل کراس بھی کر سکتے تھے۔" انسان بہت ہی لالچی ہوتا ہے..... مسٹر جیمس..... آپ دولت سے ہر چیز خرید سکتے ہیں ہم انہیں منہ مانگی رقم دیتے تھے کیونکہ ہمارے عزائم بلند تھے۔ کہیں کہیں ہمیں ایسے انسانوں سے بھی واسطہ پڑا جنہیں ہم خرید نہیں سکے۔ جو انسانی وقار کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ ایسے موقع پر ہم نے اپنے تربیت یافتہ باکسروں کو استعمال کیا۔ لیکن فرضی ناموں سے..... تو مسٹر جیمس یہ صرف ایک ایکٹ تھا۔ ہم نے کوئی بددیانتی نہیں کی۔ آپ تھیٹر ڈرامہ دیکھتے ہیں۔ ایک اداکار دوسرے اداکار کو شوٹ کر دیتا ہے۔ شوٹ ہونے والا ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ مر گیا ہے۔ لیکن وہ مرتا نہیں ہے۔ تو یہ بددیانتی تو نہیں ہوئی نا.....؟" اس نے پرامید نگاہوں سے جیمس کی جانب دیکھتے ہوئے بتایا۔

"عجیب منطق ہے۔" جیمس نے محسوس کیا۔ کہ اس غیر منطقی منطق کے سامنے اس کا فلسفہ اخلاقیات دھرے کا دھرا رہ گیا ہے۔

"گویا تم متعدد جعلی ناک آؤٹ کے ذریعے فائنل فائٹ تک پہنچے۔"

"نہیں مسٹر جیمس..... وہ ناک آؤٹس جعلی نہیں تھے۔" بیکر نے احتجاج کیا۔ "ہم نے ہر باکسر کو صرف اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ مٹلڈا کو ہٹ نہیں کرے گا۔ انہیں اپنا دفاع کرنے کا حق تھا۔ لیکن وہ مٹلڈا کی مہارت کے سامنے ٹک نہیں سکے۔ مٹلڈا نے ان میں سے ہر ایک کو زپ کیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" جیمس اس دفعہ مسکرا کر بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ اب اہم ترین سوال..... ہارڈی اپنے ٹائٹل کا دفاع کر رہا تھا۔ اس نے فائٹ کے لئے محنت بھی کی تھی۔ یہ بھی طے تھا کہ وہ مٹلڈا کو ہٹ کرے گا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے اسے بھی خریدنے کی کوشش کی۔"

دونوں خاموش ہو گئے اور نظریں چرانے لگے۔ جیمس کو احساس ہوا کہ ابھی حقیقت پوری طرح سامنے نہیں آئی۔ پھر بیکر ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔

"کی تھی..... لیکن ہارڈی نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا تھا کہ "مٹلڈا کی تھوتھنی کا نقشہ بگاڑ دے گا۔ اور اسے اپنے پنچ سے واپس آسٹریلیا پہنچا دے گا لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔"

جعفر فخریہ لہجے میں بولا۔ "لیکن فائٹ سے پہلے تم دونوں کے چہرے پر کچھ اور قسم کا اطمینان بھی پایا جاتا تھا۔ اس کے متعلق بھی کچھ بتاؤ۔" ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ تکلیف دہ اور شرمناک خاموشی..... جیمس میز پر گھونسا مارتے ہوئے بولا۔

"حقیقت اگل دو۔ ورنہ.....؟"

"حقیقت یہ ہے کہ جب ہارڈی نے انکار کیا۔ تب ہم نے انکل نونو کے ہاتھوں مٹلڈا کو بیچ دیا۔"

جیمس حیرت زدہ لہجہ میں چلایا۔ "کیا تم نے.....؟ بھلا تم نے ایسا کیوں کیا۔"

"ہم جانتے تھے کہ اس فائٹ کے بعد مٹلڈا لڑائی کے قابل نہیں رہے گا۔ اسے صرف چڑیا گھر والے قبول کریں گے۔ دوسری جانب انکل نونو جیسے لوگوں کو اپنی انا بے حد اہم ہوتی ہے۔ وہ ہارنا گوارا نہیں کرتے۔ اور ریکارڈ کے مطابق مٹلڈا ایک جیتنے والا گھوڑا تھا۔ اس لئے اس نے ہمیں مٹلڈا کو خریدنے کی آفر کی۔" جیمس بات درمیان میں کاٹ کر بولا۔

"اور قیمت کیا طے پائی؟"

"بیس لاکھ ڈالر....." بیکر بولا۔ "لیکن مٹلڈا ابھی تک ہمارے پاس ہے۔ ہماری پلاننگ کچھ اور ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" جیمس نے تابانہ لہجے میں

پوچھا۔

"جعفر اپنی محبوبہ کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ ہمارا منصوبہ اسی مناسبت سے ہے۔ انکل نونو مٹلڈا کو حاصل کرنے کے لئے بیتاب ہے۔ ہم اس سے بالمشافہ ملاقات کرنا چاہتے تھے۔ لیکن کہنے کی نوبت نہیں آئی۔ اس نے ہمیں کل ریس کورس اسٹیڈیم میں بلایا ہے۔ وہ مٹلڈا کو جانچنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے اپنے ورکروں پر اعتماد نہیں کرے گا۔ اس لئے خود آنا ہوگا۔ آمنا سامنا ہونے کے بعد ہم اگلے اقدام کا تعین کریں گے۔" جیمس نے اثبات میں سر ہلایا اور خفیف آواز میں انہیں اگلی پیش قدمی کے متعلق ہدایات دینے لگا۔

ریس کورس اسٹیڈیم شہر سے باہر ویرانے میں واقع تھا۔ یہاں گھوڑوں کا بہت بڑا اصطبل ہونے کے علاوہ گھوڑوں کی سالانہ ریس کا بھی انتظام کیا جاتا تھا۔ آبادی کا دور دور تک نام ونشان موجود نہیں تھا۔ شاید اسی لئے انکل نونو نے جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ بیکر، جعفر اور مٹلڈا کے ہمراہ تقریباً بارہ بجے اسٹیڈیم پہنچ گیا۔ مٹلڈا کے سر پر بہت بڑا ہیٹ موجود تھا۔ اس ہیٹ کو پلاسٹک کی ڈوری کے ذریعے گردن کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ مٹلڈا ہیٹ پہنے بہت مضحکہ خیز دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اس سیاہ ہیٹ کے نیچے سیاہ رنگ کا ریوالور اسکاچ ٹیپ کے ذریعے چسپاں کیا گیا تھا۔ یہ ریوالور مکمل طور پر لوڈ تھا۔ علاوہ ازیں گولیوں کی مناسب مقدار تھیلے میں باندھ کر چسپاں کی گئی تھی۔ اسٹریم کے باہر انکل نونو کے گارڈ کا دستہ موجود تھا۔ انہوں نے جعفر اور بیکر کی تلاشی لی اور دونوں کو اسٹیڈیم میں جانے کی اجازت دے دی۔ اسٹیڈیم کے ہال کمرے کے درمیان میں انکل نونو اپنے تین عدد مسلح آدمیوں کے ہمراہ موجود تھا۔ اس نے اپنا چہرہ نقاب کے ذریعے چھپایا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے ہاتھوں میں سیاہ رنگ کا بریف کیس بھی موجود تھا۔ جس میں یقیناً رقم موجود تھی۔ جعفر اور بیکر کو دیکھتے ہی اس نے کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"خوش آمدید میرے دوستو..... میں تم تینوں کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ تم نے وہ کام کر دکھایا۔ جو کوئی عام انسان نہیں کر سکتا۔ اور مٹلڈا کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ یہ وہ جانور ہے جو عالیشان محل میں رکھنے کے قابل ہے۔ اگر یہ کچھ دیر اور اپنے آپ کو ہارڈی سے دور رکھ لیتا۔ تب یقیناً جیت اسی کی ہوتی۔ اس بریف کیس کے اندر بیس لاکھ ڈالر موجود ہیں۔ جانور میرے ماتحت کے حوالے کر دو۔" انکل نونو نے بریف کیس بیکر کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

بیکر نے جعفر کو اشارہ کیا۔ اور خود آگے بڑھ کر بریف کیس کو تھام لیا۔ پھر بٹن دبا کر ڈھکنے کھولنے لگا۔ جوش کی بدولت اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ انکل نونو اور اس کے تینوں ماتحت دلچسپی کے ساتھ اس کی حرکات کا معائنہ کر رہے تھے۔ اس مختصر وقت کے دوران جعفر مٹلڈا کے سر سے ٹوپی اتار چکا تھا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ گولیوں سے بھری ہوئی تھیلی کو اپنی جیب میں ڈالا اور ریوالور کو ہاتھ میں تھام لیا۔ اب جو اس نے بیکر کی جانب دیکھا۔

تب وہاں عجیب وغریب تماشا پایا جاتا تھا۔ کانپتے ہاتھوں کے ساتھ نوٹ چیک کرتے ہوئے بیکر نے تمام نوٹ اچانک ہی ہوا میں اچھال دیئے تھے۔

اب ہال کا تمام فرش نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور وہ نوٹوں کو سمیٹنے کے لئے پاگلوں کی طرح پاؤں چلا رہا تھا۔ انکل نونو اور اس کے ساتھی عصیلی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان تینوں کی توجہ کا مرکز بیکر تھا۔ وہ جعفر کو یکسر فراموش کر چکے تھے۔

جعفر نے ریوالور کو سیدھا کیا اور انکل نونو کے سر کا نشانہ لے کر فائر داغ دیا۔ اس کے تینوں ساتھیوں نے ریوالور سیدھے کرنے کی کوشش کی۔ بیکر نے ہاتھ میں موجود بریف کیس ان کی جانب اچھال دیا۔ بریف کیس پہلے آدمی کے سینے پر لگا۔ اور اس کے ہاتھوں سے ریوالور دور جا گرا۔ جعفر نے ریوالور کے بٹن کو تیزی کے ساتھ دبانا شروع کر دیا۔ ہال زوردار فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھا۔ تینوں آدمیوں کو ریوالور استعمال

کرنے کا موقع نہیں مل سکا اور تینوں تڑپتی مچھلیوں کی مانند زمین پر گر کر ساکت ہوگئے۔ بیکر نے ماتھے پر آئے ہوئے پسینے کو دونوں ہاتھوں سے پونچھا اور زمین پر بکھرے ہوئے نوٹوں کو بریف کیس میں ڈالنے لگا۔

لیکن اچانک ہی اسٹیڈیم کے دروازے کی جانب سے فائرنگ کی آواز سنائی دینے لگی۔ بیکر نے جعفر سے مخاطب ہو کر کہا کہ وہ ہال کمرے کے دروازے کو اندر سے مضبوطی کے ساتھ بند کردے۔ جیمس پولیس والوں کے ہمراہ اسٹیڈیم میں پہنچ گیا ہے۔ اب شاید پولیس والوں اور انکل نونو کے آدمیوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا تھا۔

انکل نونو کے آدمی گھبراہٹ کے عالم میں ہال کمرے کا رخ بھی کر سکتے تھے۔ کچھ نوٹ اکٹھے کرنے کے بعد بیکر کو اندازہ ہوگیا کہ نوٹ جعلی ہیں۔ اس نے جھنجھلا کر بریف کیس کو انکل نونو کی لاش کے پاس پھینک دیا۔ پھر جھنجھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"مرتے ہوئے بھی دھوکہ دے گیا۔ خیر اس کی موت کسی بہت بڑی کامیابی سے کم نہیں ہے۔"

پھر باہر فائرنگ بند ہوگئی اور کچھ دیر بعد ہال کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا گیا اور جیمس نے چیختے ہوئے ان دونوں کی خیریت دریافت کی۔ بیکر نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ جیمس پولیس والوں کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا۔ پھر بولا۔

"باہر حالات ہمارے قابو میں ہیں۔ اندر کے متعلق بتاؤ۔" بیکر مسکراتے ہوئے اسے حالات بتانے لگا۔ پولیس والوں نے فرش پر پڑے ہوئے نوٹوں کو چیک کیا۔ وہ واقعی نقلی تھے۔ جیمس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ثبت تھے۔ مٹلڈا ایک جانب کھڑا حیرت بھری نگاہوں سے تمام افراد کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔

جیمس پریشان لہجے میں بولا۔ "سب کچھ بہت آسانی کے ساتھ ہوگیا۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ انڈر ورلڈ مافیا کا بے تاج بادشاہ کتے کی موت مارا گیا۔ کیا ایسا ممکن ہوسکتا ہے۔ بات حلق سے نیچے نہیں اترتی۔ بہرحال انکل نونو کی لاش کو چیک کرتے ہیں۔ اس نے آگے بڑھ کر مسخ شدہ چہرے پر سے نقاب اتار دیا۔

اس کے ساتھ ہی اس کے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے بچی۔ وہاں کرنل..... کی لاش موجود تھی۔ اسپورٹس کے وزیر کرنل جیوش کی لاش..... سب کچھ غیر یقینی تھا۔ لیکن انکار کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ اس لئے لاش کو اٹھایا گیا۔ اور ہال کو بند کردیا گیا۔ آدھا دن کاغذی کارروائی کے دوران گزر گیا۔

شام کو جیمس کو فون موصول ہوا۔ جیمس نے ریسیور اٹھانے کے بعد ہیلو کہا۔ تب دوسری جانب کسی کی پھنسی پھنسی آواز سنائی دی۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ بولنے والا اپنی آواز بدلنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"تم شاید اپنی کامیابی پر خوش ہو رہے ہوگے۔ لیکن تمہاری بھول ہے..... انڈر ورلڈ کے سربراہ کو ختم کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ جسے مار کر خوش ہو رہے ہو۔ وہ ایک ڈمی تھا۔ اور ایسے بہت سے افراد یہاں موجود ہیں جنہیں ہم وقتاً فوقتاً ڈمی کے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں۔ فون کو ٹریس کرنے کی کوشش نہیں کرنا۔ یہ ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کا نمبر ہے۔ کرنل جیوش سے ہم بھی نالاں تھے۔ وہ ایک عیاش فطرت انسان تھا۔ جس نے نہ جانے کتنی عورتوں کی عزتیں لوٹ کر ان کے پیچھے موجود لوگوں کو ہمارے پیچھے لگا دیا تھا۔ اس لئے ہم نے پیچھا چھڑانے کے لئے اسے تمہارے سامنے پیش کردیا۔ تمہارے دونوں ساتھیوں کا قصہ یقیناً یہی تھا۔ شاید تمہارا بھی..... بہرکیف ہمارا مقصد کسی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنا نہیں ہے۔ اس لئے مطمئن رہو آئندہ کم از کم ہمارے درمیان عورتوں کے مسئلے پر ہنگامہ آرائی نہیں ہوگی۔" فون اچانک ہی بند ہوگیا۔

جیمس حیرت بھری نگاہوں سے ریسیور کی جانب دیکھتا رہا۔ پھر اس نے طویل سانس لیتے ہوئے ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔